JAMEAH HUSAINIYAH
RANDER, SURAT-5
1917

مُعِینُ الفتاویٰ

افادات

حضرت مولانا محمود حسن ہزاروی اجمیریؒ

سابق شیخ الحدیث جامعہ حسینیہ راندیر

حسب ایماء

حضرت مولانا محمود شبیر بن مولانا محمد سعید صاحب راندیری دامت برکاتہم

مہتمم جامعہ حسینیہ راندیر

جامعہ حسینیہ راندیر، سورت، گجرات، انڈیا

فون: 0261-2763303 فیکس: 0261-2766327

معین الفتاوی

حضرت مولانا محمود حسن ہزاروی اجمیریؒ

سابق شیخ الحدیث جامعہ حسینیہ راندیر

حسب ایماء

حضرت مولانا محمود شبیر بن مولانا محمد سعید صاحب راندیری دامت برکاتہم

مہتمم جامعہ حسینیہ راندیر

جامعہ حسینیہ راندیر، سورت، گجرات، انڈیا

فون: 0261-2763303 فیکس: 0261-2766327

فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔

معین الفتاویٰ

افادات

حضرت مولانا مفتی محمود حسن ہزاروی اجمیریؒ

سابق شیخ الحدیث وصدر مفتی جامعہ حسینیہ راندیر

ترتیب، نظر ثانی، تقدیم

مفتی عقیل احمد قاسمی

استاذ حدیث وتفسیر جامعہ حسینیہ راندیر

ناشر

حضرت مولانا محمود شبیر بن مولانا محمد سعید صاحب راندیری دامت برکاتہم

مہتمم جامعہ حسینیہ راندیر، سورت-۳۹۵۰۰۵، گجرات، انڈیا

فون: 0261-2763303 فیکس: 0261-2766327

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تفصیلات

نام کتاب : معین الفتاویٰ

افادات : حضرت مولانا مفتی محمود حسن ہزاروی اجمیریؒ

ترتیب، نظر ثانی، مفتی عقیل احمد قاسمی
تقدیم استاذ حدیث وتفسیر جامعہ حسینیہ راندیر

ناشر : حضرت مولانا محمود شبیر بن مولانا محمد سعید صاحب راندیری دامت برکاتہم
مہتمم جامعہ حسینیہ راندیر، سورت-۳۹۵۰۰۵، گجرات، انڈیا
فون: 0261-2763303 فیکس: 0261-2766327

سن اشاعت : ۱۴۳۸ھ مطابق ۲۰۱۷ء

تعداد صفحات : ۷۶۱

ملنے کے پتے

JAMEAH HUSAINIYAH RANDER,
SURAT-395005, GUJARAT (INDIA)
PH: (0261) 2763303, FAX: (0261) 2766327

فہرس

صاحب فتاویٰ کا مختصر تعارف	۵۶
مقدمہ	۵۹
پیش لفظ	۸۴
کتاب الطهارة	۸۸
تین بار سے زائد اعضاء دھونا	۸۸
بوقتِ غسل یا جماع کیا پڑھنا چاہیے؟	۸۹
بھول کر غسل میں اگر عضو خشک رہے تو بلا اعادۂ غسل صرف اس جگہ کو دھونا	۸۹
مستطیل حوض کا دہ دردہ کے حکم میں ہونا	۹۱
نصف حوض کا پانی چھت سے لگ جاتا ہو تو وہ دہ دردہ کے حکم میں ہے یا نہیں؟	۹۱
بیت الخلاء میں برہنہ سر جانا خلاف ادب ہے	۹۲
متعدد بار جماع کرنے کے لیے ایک غسل کافی ہونا	۹۲
غسل بیٹھ کر کرنا	۹۳
جنبی کو برائے غسل جگہ نہ ملنا	۹۳
بحالت جنابت خورد ونوش کرنا	۹۴
آئندہ نماز تک جنبی کا غسل مؤخر کرنا	۹۴
جماع سے ملبوسہ جامہ کا ناپاک نہ ہونا	۹۵

غسل کرنے میں دیر کرنا مع اسراف آب	۹۵
نجاست مشرک	۹۶
کتاب الحیض	۹۷
جنبی ہونے کے متصل حیض آنے پر غسل جنابت مؤخر کرنا/ حائضہ اور جنبی کا کھانا	۹۷
ایام حیض میں جنابت کے لیے غسل کرنے میں عورت کا مختار ہونا	۹۷
مسجد کے حوض کا پانی وضوء کے علاوہ دوسری ضرورت میں استعمال کرنا	۹۸
مسجد کا پانی وضوء کے علاوہ وسری ضرورت میں استعمال کرنا	۹۸
معذور کا ہر نماز کے وقت کے لیے تجدید وضوء کرنا	۱۰۰
خروج منی سے غسل لازم ہونا	۱۰۱
کنویں میں انسان کا گر کر مر جانا/ کنویں کے کل پانی کے نکالنے کی ترکیبیں	۱۰۱
حیض کی حالت میں قرآن کی تعلیم کی ترکیب	۱۰۳
بحالت حیض بسم اللہ و تسبیح پڑھنا	۱۰۴
حالت حیض میں جماع کا کفارہ	۱۰۴
حیض میں وطی سے جو حمل قرار پائے وہ حلالی کہلائے گا یا حرامی؟	۱۰۵
جماع کے وقت کی دعا	۱۰۶
کتاب الانجاس	۱۰۷

پٹرول واسپرٹ پاک ہے کہ نہیں؟	۱۰۷
ولایتی تیل-ویسلین وغیرہ پاک ہے کہ نہیں؟	۱۰۷
دودھ میں کیڑا مر جاوے تو اس کا حکم	۱۰۷
ہندو دھوبی کا دھلا ہوا کپڑا پاک ہونا	۱۰۸
مکھی کے بیٹھنے سے بدن کا ناپاک نہ ہونا	۱۰۸
ترکیب پاکی روغنیات	۱۰۹
شرعی موزے کی تعریف	۱۱۰
کفار کے بدن وپسینہ کا پاک ہونا	۱۱۰
ہندو کے ہاتھ ڈالنے سے پانی مستعمل ہونا	۱۱۱
ڈھیلہ نہ لینے والوں پر منطقی سوال وجواب	۱۱۲
ناپاک جگہ پر مصلّٰی بچھا کر نماز پڑھنا	۱۱۴
جس کپڑے یا جوتے کا نیچے والا حصہ ناپاک ہو اس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا	۱۱۴
مسجد کے کنویں سے پیشاب خانہ کی دوری کتنی ہو؟	۱۱۵
معذور کا وضوء اور اس کا حکم	۱۱۶
جس حوض کے چاروں کونے مختلف ہوں اسے دہ دردہ میں شمار کرنا	۱۱۶
جوتا کنویں میں گرنے سے کنویں کا حکم	۱۱۸

استنجا میں ڈھیلے پر اکتفاء کرنے والے کی نماز کا حکم	۱۱۹
ترکیب تیمّم برائے جنب ومحدث	۱۲۰
ناپاک کنویں کو پاک کرنے کا طریقہ/ ناپاک پانی کا پاک پانی سے ملنا	۱۲۰
مستعمل ڈھیلہ سے استنجا کرنا	۱۲۱
طہارت ہڑتال ونوشادر	۱۲۲
غسل جنابت میں نیت شرط نہیں ہے۔	۱۲۳
بعد نماز کپڑے پر ناپاکی کا پایا جانا	۱۲۳
وضوء امت محمدیہ کی خصوصیت ہے یا امم سابقہ پر بھی فرض تھا؟	۱۲۴
پیشاب سے فارغ ہوکر استنجاء کرنا	۱۲۴
ناپاک غلہ کی پاکی کا طریقہ	۱۲۵
ایک تیمّم سے دو جنازہ کی نماز پڑھنا	۱۲۵
جس عورت کو بلوغ کے بعد سے اخیر عمر تک تین روز سے کم خون آئے اس کا حکم	۱۲۵
کتاب الصلوٰۃ **باب اوقات الصلوٰۃ**	۱۲۷
وقت عصر بعد مثلین	۱۲۷

نصف النہار میں نماز کی کراہیت	۱۲۷
بعد طلوع فجر سنن ونوافل پڑھنا	۱۲۷
بعد طلوع فجر تہجد یا قضاء پڑھنا	۱۲۸
جمعہ کے دن زوال کے وقت نفلیں پڑھنا	۱۲۹
امام کا اوقات کی پابندی نہ کرنا	۱۲۹
مغرب کی فرض سے قبل دو رکعت نفل کی تحقیق	۱۳۰
جس ملک میں عشا کا وقت ہی نہیں آتا جیسے 'بلغاریا' وہاں عشاء کی فرضیت	۱۳۱
باب الاذان	۱۳۴
قبلہ رخ ہوکر اذان دینا	۱۳۴
بوقت اذان کانوں میں انگلی رکھنا	۱۳۴
کرسی پر بیٹھ کر اذان دینا	۱۳۵
بے وضوء اذان دینا	۱۳۵
بعد اذان درود پڑھنا	۱۳۶
متعدد اذانوں میں اپنی مسجد کا جواب دینا	۱۳۶
راستے پر چلنے والے کا اذان کا جواب دینا	۱۳۷
اذان برائے نماز قضا	۱۳۷

اذان برائے دفع طاعون	۱۳۷
کلام وغیرہ سے اذان کا فاسد ہونا	۱۳۸
اذان خانہ پر برائے اعلام افطار نقارہ بجانا	۱۳۸
جماعت ثانیہ اور اذان کا حکم	۱۳۹
اقامت سے پہلے درود پڑھنا	۱۳۹
اذان سے قبل تحیۃ المسجد یا تحیۃ الوضوء پڑھنا	۱۴۰
اذان میں لحن وتغنی	۱۴۰
باب صفۃ الصلوٰۃ	۱۴۲
صف اول میں زیادہ ثواب ہونا	۱۴۲
اگلی صف میں جانے کے لیے نمازیوں کو ایذاء دینا	۱۴۲
چھوٹے بچوں کو بڑوں کی صف میں کھڑا کرنا	۱۴۳
مسجد میں جانے کے آداب	۱۴۳
تکبیر تحریمہ سے قبل درود شریف پڑھنا	۱۴۴
ایک نابالغ لڑکے کو صف میں کھڑا کرنا	۱۴۴
نابالغ بچوں کی صف کا طریقہ	۱۴۵
صفوں کو درست کرنا سنت ہے۔	۱۴۶

نوافل پڑھنے والے کے سامنے صف میں خالی جگہ پر کرنے کے لیے جانا	۱۴۷
صفوف کو ناتمام رکھنا	۱۴۷
جمعہ اور عیدین میں بچوں کا بالغین کی صفوف میں کھڑے ہونا	۱۴۸
نیت میں لفظ استقبال چھوڑ دینا	۱۴۹
قضاء بنیت اداء وادا ء بنیت قضاء پڑھنا	۱۴۹
قراءت سے عاجز کے لیے ترجمہ سے نماز پڑھنا	۱۵۰
سجدے میں صرف پیشانی پر اکتفاء کرنا	۱۵۱
عورت ومرد کو تین کپڑوں میں نماز مستحب ہونا	۱۵۱
آیت کو ناقص چھوڑ کر رکوع میں جانا	۱۵۲
قرأۃ میں ایسی غلطی کرنا جو موجب فساد معنی ہو	۱۵۳
بجائے غیرالمغضوب گیرالمغضوب پڑھنا/مسئلۂ نماز الثغ	۱۵۴
بے محل وقف یا وصل کرنے سے نماز فاسد ہونا	۱۵۵
بجائے نَ الرَّحْمٰن الرَّحیم کے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحیم پڑھنا	۱۵۶
سورۂ توبہ میں بسم اللہ کے متعلق تحقیق	۱۵۶
کل قرآن میں چودہ مقام پر سجدہ ہونا	۱۵۸
امام کا ایک سورت سے دوسری سورت کو انتقال کرنا	۱۵۹

قرأت میں بھول سے دو تین آیت کا چھوٹ جانا	۱۶۰
مقدار ما تجوز بہ الصلوٰۃ آیات کے حفظ کی فرضیت	۱۶۰
ایک رکعت میں ایک سورت کی چند آیتیں اور دوسری رکعت میں دوسری سورت کی چند آیتیں پڑھنا	۱۶۰
استحباب ادعیۂ ماثورہ بعد نماز فجر وعصر	۱۶۲
نماز کے بعد فاتحہ اور دعاء پڑھنے سے کافر نہیں ہوتا	۱۶۲
والدین کے بلانے پر نماز توڑنا	۱۶۴
قبرستان میں نماز پڑھنا	۱۶۴
سجدے میں جاتے وقت دونوں ہاتھوں سے پائجامہ اٹھانا	۱۶۴
حلال وحرام مشترکہ پیسے سے بنائی ہوئی مسجد میں نماز پڑھنا	۱۶۵
قیام وقعود میں جانے کے لیے زمین پر ہاتھ ٹیکنا	۱۶۶
نماز میں رونا	۱۶۷
عورتوں کا انبوڑہ باندھ کر نماز پڑھنا	۱۶۷
تخصیص بعض سور برائے بعض نماز	۱۶۷
غیر مصلی کا امام کو لقمہ دینا	۱۶۸
آغا خانیوں کا سنیوں کی مسجد میں نماز پڑھنا	۱۶۹

مقتدی کا اپنے امام کو لقمہ دینا	۱۷۰
بعد نماز عید یا بعد خطبہ دعا مانگنا	۱۷۱
بعد قرأت ما تجوز بہ الصلوٰۃ امام کو لقمہ دینا	۱۷۱
رکوع کی تسبیح سجدہ میں پڑھنا اور رکوع میں قرأت کرنا	۱۷۳
ختم قرآن کے موقعہ پر سورۂ اخلاص تین مرتبہ پڑھنا	۱۷۳
ٹائی پہن کر نماز پڑھنا/ خارجِ نماز ٹائی پہننے کا حکم	۱۷۴
باب الوتر والنوافل	۱۷۶
سنن ونوافل گھر میں پڑھنا	۱۷۶
نفلوں کو بیٹھ کر پڑھنا	۱۷۶
نوافل کو قائماً پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے	۱۷۷
بعد وتر دو رکعت قائماً پڑھنا	۱۷۷
نابالغ کی اقتدا میں تراویح کا عدم جواز	۱۷۸
تراویح میں داڑھی منڈے کا امام بننا	۱۷۹
ایک حافظ کا دو جگہ مکمل تراویح میں امامت کرانا	۱۷۹
فرض تنہا پڑھ کر جماعت وتر میں شرکت کرنا	۱۸۰
وتر کی نماز رمضان میں جماعت سے ہے یا تنہا	۱۸۰

تراویح میں قرأت ایسی سریع پڑھنا کہ فہم میں نہ آئے	۱۸۱
وتر میں شافعی المذھب کا اقتداء کرنا	۱۸۲
مروجہ دعائے قنوت واجب ہے یا دوسری دعاء بھی پڑھ سکتے ہیں۔	۱۸۲
قاعداً نماز پڑھنے والے کے رکوع سجدہ کی ہیئت	۱۸۳
وتر کی نماز فرض کے تابع ہے یا تراویح کے؟	۱۸۳
پندرہویں شعبان کی شب میں نفلیں پڑھنا/نمازِ رغائب کا حکم	۱۸۵
باب قضاء الفوائت	۱۸۷
جس کی چھ نمازیں قضاء ہوجائیں اس سے ترتیب ساقط ہوجانا	۱۸۷
صاحب ترتیب کے لئے فرائض اور عید کی نماز میں ترتیب کا ضروری نہ ہونا	۱۸۷
چھ یا زائد نمازوں کی قضاء سے ترتیب ساقط ہونا	۱۸۸
تیس سال کی قضاء نمازوں کو پڑھنا	۱۸۸
امام کے ساتھ چوتھی رکعت میں ملے تو باقی نماز کیسے پڑھے؟	۱۸۸
ساٹھ برس کی عمر میں بھی ایک سجدہ نہ کرنیوالے کا حکم	۱۸۹
نفلوں پر قضاء کو ترجیح دینا	۱۹۰
امام کے ساتھ آخری رکعت میں ملنا	۱۹۰
لاحق فوت شدہ نماز کس طرح ادا کرے؟	۱۹۱

باب السھو	۱۹۲
صلوٰۃ التسبیح میں کسی مقام کی تسبیح بھول جائے تو	۱۹۲
نماز میں کسی رکن کو بے محل کرنا اور دو سہو کے لیے ایک سجدہ کافی ہونا	۱۹۲
بے محل قیام یا قعود پر سجدۂ سہو لازم ہونا	۱۹۳
متعدد سہو پر ایک سجدۂ سہو کا کافی ہونا	۱۹۳
سہواً قنوت چھوڑ کر رکوع میں چلے جانا اور دوبارہ قنوت کے لیے قیام میں آنا	۱۹۴
مسئلۂ تسبیحات در سجدۂ تلاوت	۱۹۵
اگر مسبوق سہواً ہمراہ امام سلام پھیرے تو سجدہ سہو کرے یا نہ کرے؟	۱۹۵
قراءت فاتحہ یا ضم سورۃ سہواً ترک ہو جائے تو دوبارہ رکوع سے قیام میں جانا	۱۹۶
امام کا قعدۂ اخیرہ بھول جانا	۱۹۶
سورۂ فاتحہ کی تکرار سے سجدۂ سہو کا واجب نہ ہونا	۱۹۷
باب صلوٰۃ المسافر	۱۹۸
سرکاری دورہ میں مسئلہ قصر صلوٰۃ	۱۹۸
مسافت قصر نماز/ جو شخص ریل اور جہاز سے دورہ کرتا رہتا ہے اس کے لئے قصر کا حکم	۱۹۹
قریہ بہ قریہ دورہ کرنے والوں کے لیے حکم قصر نماز	۲۰۰
باب صلوٰۃ الاستسقاء	۲۰۲

مسائل استسقاء اور اس کی مفصل کیفیت	۲۰۲
طریقہ استسقاء مع رسوم قبیحہ	۲۰۵
باب الجمعة والعيدين	۲۰۶
یوم الجمعہ کے نصف النہار میں نوافل پڑھنا	۲۰۶
بوقت خطبہ نماز و نوافل پڑھنا	۲۰۶
مسجد جامع میں بوقت خطبہ سوال کرنا	۲۰۷
عدم جواز جمعہ در قریٰ	۲۱۰
قریۂ کبیرہ میں جمعہ و عیدین کا حکم	۲۱۲
اعتراض بر یک خطبہ	۲۱۳
امام کے ساتھ تشہد میں شامل ہونے والا جمعہ پورا کرے کہ ظہر	۲۱۳
شافعی امام کے ساتھ تکبیرات عیدین میں موافقت کرنا	۲۱۴
قبل خطبۂ جمعہ وعظ کرنا	۲۱۵
کراہت نوافل در عیدگاہ	۲۱۵
خطیب کے لیے خطبہ کی حالت میں کلام جائز نہ ہونا	۲۱۵
خارج مصر شخص کا قیام جمعہ میں تاخیر کا مطالبہ کرنا	۲۱۶
عورتوں پر جمعہ اور عیدین	۲۱۶

منبر کے زینے تین سے زائد رکھنا	۲۱۷
غیر عربی زبان میں خطبہ دینا	۲۱۷
زوال کے بعد عید کی نماز پڑھنا	۲۱۸
باب الجماعۃ	۲۲۰
عورت یا دیگر محارم کے ساتھ گھر میں نماز باجماعت پڑھنا درست ہے	۲۲۰
اپنی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں جماعت کے لیے جانا	۲۲۱
امام سے قوم کا ناراض ہونا	۲۲۲
حنفی امام فیہ مقام پر اتباع کرنا	۲۲۲
قنوت فجر میں حنفی کو شافعی کا اتباع کرنا	۲۲۳
پتلون قمیص کے ساتھ امامت کرنا	۲۲۳
کراہت امامت فاسق	۲۲۴
تیس سال تک ایک فاسق کا امامت کرنا	۲۲۴
فاسقوں کے گھر دعوت کھا کر امامت کرنا	۲۲۵
امام الحی کی اجازت سے دوسرے کا امام ہونا، امام الحی کی موجودگی میں فاسق کی امامت اشد مکروہ ہے۔	۲۲۶
تحقیق مسئلۂ امامت فاسق	۲۲۷

امامت امرد	۲۲۸
امامت جاہل پیش عالم	۲۲۸
فرائض کے بعد دعاء مانگنا بہتر ہے یا سنن کے بعد؟	۲۲۹
مقتدی کے تشہد ختم کرنے سے قبل امام کا کھڑے ہو جانا	۲۲۹
عالم کا ترک جماعت پر امام کے جہل کا عذر کرنا	۲۲۹
دعاء ثانی کے منکر کو وہابی کہنا	۲۳۰
صغیر اور کبیر کا معاً تراویح پڑھانا اور آپ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت سے استدلال	۲۳۱
افعال صلوٰۃ میں متابعت امام کا طریقہ	۲۳۳
باب الجنائز	۲۳۵
ساقط شدہ حمل کو غسل دینا	۲۳۵
مرد اور عورت کا کفن کیسا ہونا چاہئے؟	۲۳۶
عورتوں کو رنگین کفن دینا	۲۳۶
کفن پر صندل ڈالنا	۲۳۷
جنازے پر پھولوں کی چادر چڑھانا	۲۳۷
میت یا زندہ کے غسل کے پانی میں بیری کے پتے ڈالنا	۲۳۸

عورت کے کفن کے کپڑے کی ترتیب میں اختلاف	۲۳۹
کافر کے جنازہ کے ساتھ کفار کے قبرستان جانا	۲۴۰
احرام کی چادر زمزم سے تر کر کے کفن کے لیے رکھنا	۲۴۰
بعد تدفین خون نکلنا/ نفاس کی حالت میں شہادت کی موت ہونا	۲۴۱
متعدد جنازے جمع ہوں تو نماز کس طرح پڑھنا چاہیے؟	۲۴۲
خودکشی کرنے والے کی میت سے مسلمانوں کا سا برتاؤ کرنا	۲۴۳
متعدد جنائز پر کیفیت نماز	۲۴۳
مسجد کے صحن میں نماز جنازہ پڑھنا	۲۴۴
صحن مسجد میں جنازہ کی نماز	۲۴۵
مسلم وغیر مسلم کا ایک دوسرے کی میت کی تکفین میں شرکت کرنا	۲۴۵
سنن ونوافل سے نماز جنازہ مقدم کرنا	۲۴۷
کفن میں آب زمزم کا استعمال/متبرک اشیاء سے برکت حاصل کرنا	۲۴۸
احرام کا کپڑا برائے کفن رکھنا	۲۴۸
جنازہ کے سامنے مرثیہ اور اشعار جہراً پڑھتے ہوئے جانا	۲۴۹
قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنا	۲۴۹
فاتحۂ میت بعد نماز جنازہ	۲۵۰

بعد تدفین فاصلۂ معین سے فاتحہ پڑھنا	۲۵۰
تدفین کے بعد قبر پر اذان دینا	۲۵۱
بعد تدفین میت کے مکان پر فاتحہ پڑھنا	۲۵۲
نماز جنازہ میں تذکیر و تانیث میں غلطی کرنا	۲۵۳
آغا خانی شیعہ کا سنی مسلک کے جنازے میں شرکت کرنا، میت کے ساتھ دم کردہ ڈھیلے رکھنا	۲۵۳
تدفین کے بعد میت کے گھر فاتحہ خوانی کی رسم	۲۵۴
جنازہ کی نماز قبرستان میں پڑھنا	۲۵۵
نماز جنازہ میں فرض و سنت کیا ہیں؟	۲۵۵
عورتیں نماز جنازہ پڑھ سکتی ہیں؟	۲۵۶
قبرستان میں خالی جگہ کو نماز جنازہ کے لیے مقرر کرنا	۲۵۶
میت کو قبر میں اتارنے والوں کا قوی اور صالح ہونا / رات کو جماع کرنے والے کو قبر میں اترنے سے ممانعت اور اس کا جواب	۲۵۷
قبر میں عہد نامہ رکھنا	۲۵۹
پرانی قبر میں مردہ کو دفن کرنا	۲۵۹
پرانے قبرستان کو نماز جنازہ کے لیے مصلیٰ بنانا	۲۶۰

شوہر کا عورت کو دیکھنا، تکفین وتدفین کرنا	۲۶۰
شوہر اپنی بیوی کو جنازہ میں رکھ سکتا ہے اور قبر میں بھی اتار سکتا ہے۔	۲۶۱
قبرستان میں کھانا	۲۶۱
عورتوں کا قبرستان میں جانا	۲۶۲
قبروں پر رنگ روغن کرنا	۲۶۲
قبر کی پختگی وبلندی کا حکم	۲۶۳
سماع الموتی	۲۶۳
ضرورةً قبرستان میں راستہ بنانا	۲۶۴
نصف شعبان والی رات میں قبرستان جانا	۲۶۴
مسجد قبرستان میں نماز جنازہ کا جواز	۲۶۴
حاملہ میت کے پیٹ کو چیرنا	۲۶۶
تجہیز وتکفین اور نماز جنازہ کے فریضہ کی ادائیگی میں ایک شخص کا کافی ہونا/کافر سے علاوہ نماز جنازہ کے دیگر امور میں مدد لینا	۲۶۶
غائبانہ اور متعدد نماز جنازہ کا حکم	۲۶۷
جمعہ کی فضیلت موت کے ساتھ ہے یا تدفین کے ساتھ؟	۲۶۸
جنازہ کے ساتھ جہراً تلاوت اور اذکار پڑھنا	۲۷۰

نمازِ جنازہ میں ہاتھوں کا نہ باندھنا	۲۷۰
مردہ پیدا ہونے والے بچہ کی تدفین کا حکم اور اس کے محشور ہونے کا مسئلہ	۲۷۱
مسلم کے کافرہ سے زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچہ کے کفر کا حکم	۲۷۲
میت کو قبر میں کروٹ دے کر لٹانا	۲۷۵
جنازہ کی نماز میں چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑ دیوے یا سلام کے بعد چھوڑے؟	۲۷۶
اگر عورت کو غسل دینے والی عورت میسر نہ ہو تو مرد کے غسل دینے کا طریقہ نیز مرد کو غسل دینے والا مرد میسر نہ ہو تو عورت کے غسل دینے کا طریقہ	۲۷۶
عورت، مردوں کے درمیان یا مرد، عورتوں کے درمیان فوت ہو جائے تو اس کے غسل کا طریقہ	۲۷۷
کتاب الزکوٰۃ	۲۷۹
زیور میں زکوٰۃ کا واجب ہونا	۲۷۹
مالدار سید پر زکوٰۃ کا واجب ہونا	۲۷۹
سید کا سید کو زکوٰۃ دینا	۲۷۹
سید کو سوائے زکوٰۃ دیگر صدقات دینا، خمس کے متعلق حکم	۲۸۰
مال خبیث کل صدقۃً دینا	۲۸۱
گذشتہ بارہ سال کی زکوٰۃ زیور سے دینے کی ترکیب و دین زکوٰۃ مانع زکوٰۃ ہونا	۲۸۲

دین میں وجوب زکوٰۃ ودین زکوٰۃ کا مانع وجوب ہونا	۲۸۳
کمپنی کے شیئر (حصہ) میں اصل ونفع ہر دو پر زکوٰۃ کا واجب ہونا	۲۸۵
فاسق کے مال میں وجوب زکوٰۃ	۲۸۵
مال وقف پر زکوٰۃ ہونا	۲۸۶
مصرف صدقات میں متقی کا اولیٰ ہونا	۲۸۶
مدیون کو زکوٰۃ دے کر پھر جبراً دین میں وصول کرنا	۲۸۷
رمضان میں زکوٰۃ دینے کے لیے باڑہ بھرنا	۲۸۸
کافر نوکر کو صدقۂ فطر دینا	۲۸۹
مال زکوٰۃ سے خرید شدہ کتابیں غیر مستحق کو دینا	۲۸۹
مال زکوٰۃ سے ضروریات مسجد خریدنا	۲۹۰
مال زکوٰۃ پیسہ پیسہ یا نان خرید کر فقراء کو دینا	۲۹۰
زکوٰۃ کی رقم جمع کر کے غریبوں کے لیے مستقل آمدنی کی صورت نکالنا	۲۹۱
گاؤں کا مدرسہ چھوڑ کر باہر کے مدرسے میں مدد کرنا	۲۹۲
مدارس میں زکوٰۃ دینا اور اس کا حیلہ	۲۹۲
سید یتیم کے لیے زکوٰۃ کا جائز نہ ہونا	۲۹۶
زکوٰۃ وصدقہ میں قیمت یا غیر جنس واجب دینا	۲۹۸

وقف زمین میں وجوب زکوٰۃ	۲۹۸
کافرکوصدقۂ نافلہ دینے کا جواز	۲۹۹
مالکِ زمین پر وجوب اضحیہ وفطرہ	۳۰۰
کیاصغیرۂ منکوحہ کا فطرہ باپ پرواجب ہوگا؟	۳۰۱
باغ میں زکوٰۃ	۳۰۱
زکوٰۃ کی ادائیگی میں مال کے مکان کی جگہ کا اعتبار ہے۔	۳۰۲
اقرباءکوزکوٰۃ دینے کی افضلیت	۳۰۲
جس کی بیوی مالدار ہواسے زکوٰۃ دینا	۳۰۳
زیور پر ہر سال زکوٰۃ کا واجب ہونا/زیور سے پچھلے سال کی زکوٰۃ کی رقم منہا کرنا	۳۰۳
قرض کی زکوٰۃ مقرض پر ہے نہ کہ مستقرض پر	۳۰۴
مالدار کے لڑکے یاشوہر یاباپ یامالدار کی بیوی کوزکوٰۃ دینا	۳۰۵
مدیون جومال لے کر بھاگ گیااس مال پرزکوٰۃ واجب ہوگی؟	۳۰۶
مجنون اورصغیر مالدار پرفطرہ کا واجب ہونا	۳۰۶
کتاب الصوم (رؤیت ہلال)	۳۰۷
تحقیق مسئلہ خبر رویت بتار وٹیلیفون	۳۰۷

ٹیلیفون اور تار کی خبر سے چاند کا ثابت نہ ہونا	۳۱۱
سحری کی انتہا کا وقت	۳۱۲
صبح صادق و کاذب میں فرق	۳۱۲
رمضان یا عید کے چاند کی شہادت قاضی نے قبول نہ کی تو روزہ رکھے یا نہیں؟	۳۱۳
قضاء کے لیے سحری کرنا	۳۱۳
یوم الشک میں بعضوں کا روزہ رکھنا اور بعضوں کا نہ رکھنا	۳۱۴
صیام شعبان کا مستحب ہونا	۳۱۵
قضائے رمضان میں تسلسل واجب نہیں	۳۱۵
رمضان میں خوشبو وغیرہ سونگھنا	۳۱۶
رمضان میں مریض کا دو وقتہ فدیہ کھانا کھلانا	۳۱۶
مؤذن کا بحالت اعتکاف محلے سے قفاہِ لانا اور سحری کے لیے لوگوں کو اٹھانا	۳۱۷
احتلام سے اعتکاف میں نقصان نہ آنا	۳۱۸
شیخ فانی کا ابتداء رمضان ہی میں پورے مہینہ کا فدیہ دے دینا	۳۱۹
ڈاکٹر کے مشورہ سے روزہ افطار کرنے پر صرف قضا لازم ہوگی۔	۳۱۹
نماز، روزہ کی حالت میں رحم میں دوائی رکھنا	۳۱۹
پورا رمضان بغیر نیت روزہ افطار کیا	۳۲۰

کتاب الحج	۳۲۱
عورت کے لیے سفر حج میں وجود محرم شرط الوجوب ہے یا شرط الاداء ہے؟	۳۲۱
محرم کے سفر خرچ پر قدرت نہ ہونے سے عورت پر حج کا واجب نہ ہونا	۳۲۲
سود اور حرام پیسے سے حج کی ادائیگی	۳۲۳
ناداری کی حالت میں حج کرنے سے غنی ہونے پر حج کا واجب نہ ہونا	۳۲۴
بغیر اجازت والدین حج کو جانا	۳۲۴
بعد حج ارتکاب معاصی	۳۲۵
عورت کا بلاشوہر حج کو جانا	۳۲۶
معذور کے لیے حج بدل	۳۲۷
جس نے اپنا فرض حج ادا نہ کیا ہو اس کا دوسرے کے لیے حج بدل کرنا	۳۲۷
بیمار کا حج بدل کرنا	۳۲۸
میت کے مال کے ثلث سے میت کی طرف سے حج کروانا	۳۲۸
اندھے پر وجوب حج کی تحقیق	۳۲۹
ثلث مال میں حج کی وصیت نافذ ہوگی	۳۳۰
اندھے پر وجوب حج	۳۳۱
احرام کی حالت میں پان بیڑی کا حکم	۳۳۱

مدیون کا قبل ادائیگیٔ دین حج کرنا	۳۳۲
حاجی کا سفرِ حج میں تجارت کرنا	۳۳۳
عورت کا اپنے داماد کے ساتھ حج کرنا	۳۳۳
بوڑھی عورت کا نابالغ پوتے کے ساتھ حج کے لیے جانا، محرم نہ ملنے کی صورت میں وصیت کا واجب ہونا	۳۳۴
بعد وجوب حج بغیر وصیت کے مر گیا	۳۳۵
جس کے شوہر کا مکہ میں انتقال ہو جائے وہ اپنا حج کیسے ادا کرے؟	۳۳۶
زائد از ضرورت زمین کے مالک پر حج کا واجب ہونا	۳۳۷
کتاب النکاح	۳۳۸
بحالات مختلفہ نکاح کا واجب، سنت، مستحب ہونا	۳۳۸
نکاح افضل ہے یا ترک نکاح؟	۳۳۹
بالغہ عورت کا بحضور شہود پوشیدہ طور سے کسی کو جان بخشنا	۳۴۱
بالغہ عورت کا غیر کفو میں اپنا نکاح خود کر لینا	۳۴۲
حاضرین کے سامنے صرف جان بخشش لکھ دینے سے نکاح نہیں ہوگا	۳۴۳
نکاح میں منکوحہ یا اس کے باپ کے نام میں غلطی ہونا	۳۴۴
اگر عورت کے دو نام ہوں تو نکاح میں مشہور نام کا ذکر کرنا	۳۴۵

گونگے کا نکاح مقررہ اشاروں سے ہونا	۳۴۵
وکیل کے ذریعہ غائب کا نکاح ہونا، نکاح میں مخطوبہ کا دیکھنا غیر ضروری ہے	۳۴۵
اجنبیہ کو لڑکی کہنا مانع نکاح نہیں	۳۴۷
مطلقہ کو بہن کہنا اور اس کے بعد اس سے نکاح کرنا	۳۴۷
حاملہ و معتدۃ الغیر سے نکاح کرنا	۳۴۸
بلا تلفظ صرف نیت سے نکاح موقت نہیں ہوتا ہے	۳۵۰
باپ دادا کا نکاح کرانے کے بعد خیار بلوغ نہ ہونا	۳۵۰
باپ اور دادا کے نکاح کرانے میں بعد بلوغ خیار فسخ نہیں	۳۵۱
بلوغ سے پہلے خیار بلوغ کا مطالبہ	۳۵۲
بچپن کے نکاح میں خیار بلوغ ہونا	۳۵۲
بالغ ہوتے ہی خیار فسخ کا ملنا نیز بغیر قضاء قاضی غیر مسلَّم ہونا	۳۵۴
غیر اب وجد کے نکاح میں خیار بلوغ ہونا اور حد بلوغ	۳۵۴
پچیس سالہ عورت کا خیار بلوغ کا دعویٰ کرنا	۳۵۵
منکوحۃ الغیر سے نکاح کا باطل ہونا اور اس کا حکم	۳۵۶
باکرہ بالغہ کی مرضی کے بغیر نکاح ہونا	۳۵۹
نکاح بلفظ ذات بخشیدن	۳۶۰

نومسلم حاملہ سے نکاح کرنا	۳۶۰
نومسلم کا بعد طلاق نصاری سے نکاح کرنا	۳۶۱
پھوپی زاد بہن سے نکاح کرنا	۳۶۲
دو بہنوں کا نکاح میں جمع کرنا ناجائز ہونا	۳۶۲
عم الاب کو ولایت صغائر ہونا	۳۶۳
رضاعی بھائی کی اولاد سے نکاح کرنا	۳۶۳
ولی اقرب کی موجودگی میں ابعد کا نکاح کرانا	۳۶۴
عصبہ کی غیبت پر ماں کا نکاح صغائر کرانا	۳۶۴
وعدۂ نکاح کر کے دوسرا نکاح کرنا	۳۶۶
قادیانی کو لڑکی دینا	۳۶۶
سادات کا بیوگان کا عقد ثانی نہ کرانا	۳۶۷
سادات کا غیر سادات میں لڑکی نہ دینا	۳۶۷
عورت سے میاں بیوی کا تعلق رکھنے پر نکاح کا شبہ کرنا	۳۶۸
اپنی مزنیہ سے لڑکے کا نکاح کرنا	۳۶۹
لڑکے کے زنا سے باپ کا گنہگار ہونا	۳۶۹
سوتیلی ماں سے زنا کرنے پر باپ کا نکاح ٹوٹ جانا	۳۷۰

داماد کا ساس سے اقرار زنا وانکار ساس کا حکم	۳۷۱
جولڑکی زنا کے نتیجہ میں بہن بنی ہواس سے نکاح	۳۷۴
منکوحۃ الاب سے نکاح وزنا بسوتیلی ماں	۳۷۵
سنی کا رافضی سے نکاح	۳۷۶
شوہر کی غیبت میں زنا سے لڑکی کا پیدا ہونا/اس پر ولایت نکاح	۳۷۷
زانی کا مزنیہ سے حمل کی حالت میں نکاح	۳۷۹
حاملہ من الزنا سے نکاح کا جائز ہونا	۳۷۹
موطوءۃ الاب سے نکاح اور اس نکاح سے مہر کا واجب ہونا	۳۸۰
اعتراض بر عبارت بہشتی زیور کہ حبلیٰ من الزنا سے زانی کا نکاح جائز ہے اور غیر کا ناجائز ہے مع جواب	۳۸۰
دعاء بوقت جماع	۳۸۱
کافرہ سے زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا کافر کہلائیگا	۳۸۱
جواز عزل	۳۸۲
شادی میں مہر سے زائد دیئے جانے والے کپڑے کی مالک عرفاً عورت سمجھی جائیگی۔	۳۸۳
منگنی ٹوٹنے پر دی ہوئی چیزوں کا واپس لینا	۳۸۵
باپ کے گھر سے لائی اشیاء کی مالک عورت ہے	۳۸۵

منکوحہ سے قبل بلوغ جماع کرنا	۳۸۶
ولیمہ کھانا	۳۸۶
نشہ کی حالت میں صحبت کرنا	۳۸۷
عورت کو ارتکاب معاصی پر تعزیر کرنا	۳۸۷
متعدد عورتوں میں مرد کے ساتھ کونسی جنت میں جائے گی؟	۳۸۸
عورت کا شوہر کی نافرمانی کرنا	۳۸۸
چار ماہ سے زیادہ عورت سے جدائی ظلم ہے	۳۸۹
استفسار از پردۂ شرعی	۳۹۰
بھاگی ہوئی عورت کو حرام کرنے کی ترکیب پوچھنا	۳۹۱
باپ کا بیٹی کو شوہر کے پاس جانے سے روکنا	۳۹۲
عورت کا خلاف شرع چلنے پر مرد پر عتاب کرنا	۳۹۳
صغیرہ کا باپ کے ترکہ سے مہر مقبوض لینا	۳۹۴
مسئلہ مہر وعدت برائے مطلقہ غیر مدخول بہا و مسئلہ خلوت صحیحہ	۳۹۵
بعد نکاح عورت کا اجازتِ نکاح سے انکار کرنا	۳۹۶
رضاعی بہن کی حقیقی بہن سے نکاح	۳۹۷
توکیل بالنکاح کے لیے شہادت ضروری نہیں	۳۹۸

جواز نکاح کے لیے قاضی شہر کا ہونا ضروری نہیں	۳۹۹
ولی ابعد کا پڑھایا ہوا نکاح ولی اقرب کی رضامندی پر موقوف رہے گا	۳۹۹
ناکح اور منکوحہ کا تعین اشارہ یا تسمیہ سے ضروری ہے۔	۴۰۰
زوجہ متعنت کا فسخ نکاح کا مطالبہ کرنا	۴۰۰
تحقیق مسئلہ عدت نومسلم	۴۰۱
عورت کا پوری مہر وصول کئے بغیر شوہر کے گھر آنے سے انکار کرنا	۴۰۳
جواز نکاح بممانی وچچانی	۴۰۴
مطلب وعماتکم من الاوجہ الثلاث	۴۰۵
تحقیق حرمت عمات وخالات	۴۰۵
تحقیق حدیث "لا ینکح الصغری علی الکبریٰ"	۴۰۵
عدت نومسلمہ ومرتدہ	۴۰۵
چچا اور نانی میں ولایت کا حق چچا کو اور حضانت نانی کے لیے ہے۔	۴۱۰
وطی بحاملہ	۴۱۱
صغیرہ کا نوسال بعد بلوغ کی خبر دینا معتبر مانا جائے گا	۴۱۱
نکاح حبلی من الزنا وبعد نکاح انکار نکاح	۴۱۱
ہم میاں بیوی ہیں کہنے سے نکاح نہیں ہوگا/حکم وطی نکاح فاسد	۴۱۲

مہر کامل وصول کرنے کے بعد عورت کا سفر سے انکار کرنا	۴۱۳
نومسلمہ سے نکاح اور اس کی عدت کا حکم	۴۱۴
منگنی نکاح نہیں وعدۂ نکاح ہے	۴۱۵
صغیرہ کا بذریعہ فضولی نکاح کا باطل ہونا	۴۱۶
لڑکی کا کسی کو وکیل بالنکاح بنانے کے لیے شہادت شرط نہیں بلکہ بہتر ہے	۴۱۷
حلالہ میں شوہر ثانی کا طلاق سے انکار کرنا	۴۱۷
بیوی کی بہن کی لڑکی سے نکاح	۴۱۸
اولاد کا نکاح نہ کرانے سے والدین کا گنہگار ہونا	۴۱۹
ساردا ایکٹ ومسئلہ نکاح نابالغان	۴۲۰
کتاب الطلاق	۴۲۱
طلاق کے لیے میعاد دریافت کرنا	۴۲۱
وعدۂ طلاق معلق کا عدم طلاق ہونا	۴۲۱
اکراہ میں طلاق بالکتابت معتبر نہ ہونا	۴۲۴
بعد مدت مرد کا طلاق کی خبر دینا	۴۲۶
مطلقہ ثلاثہ کے حلالہ کے لیے حیلہ کرنا	۴۲۷
ایام عدت میں تجدید نکاح	۴۲۷

اپنی مطلقہ سے عدت میں نکاح کرنا	۴۲۸
طلاق لکھتا ہوں یا منظور ہے، طلاق نہیں	۴۲۸
لفظ طلاق کے سہ بار تکرار سے تین طلاق ہونا	۴۲۹
ارادۂ طلاق ظاہر کرنے سے طلاق نہ ہونا	۴۲۹
طلاق نامہ پر دستخط سے انکار	۴۳۰
سکران کا طلاق دیناوشافعی سے فتویٰ لینا/بضرورت مذہب غیر اختیار کرنا	۴۳۰
شوہر کا بعد طلاق مطلق تعلیق کا دعویٰ کرنا	۴۳۳
طلاق بالکتابت کے متعلق تحقیق	۴۳۴
طلاق مغلظ پر صرف عورتوں کی شہادت	۴۳۵
پس مرگ مرد کے گھر سے طلاق نامہ ملنا	۴۳۶
مطلقہ ثلاثہ کے لئے نفقہ وسکنیٰ واجب ہونا	۴۳۸
طلاق نامہ بھیج دینا	۴۴۱
بیوی کو نہ بلانا اور طلاق بھی نہ دینا	۴۴۲
اکراہ یا فریب سے لی ہوئی طلاق	۴۴۲
تو میری ماں کی مانند ہے اور حرام ہے کہنا	۴۴۳
غصہ کی حالت میں طلاق دینا	۴۴۴

مسئلہ عنین	۴۴۵
اکثر مدت حمل دو سال ہے	۴۴۶
ولد الزنا کا نسب	۴۴۸
نکاح کے چھ ماہ بعد پیدا ہونے والا بچہ ثابت النسب کہلائے گا	۴۴۸
منکوحہ کا بچہ ثابت النسب ہے خواہ شوہر سفر پر ہو	۴۴۹
مطلقہ ناشزہ کو نفقہ نہ دینا/ معتدہ و منکوحہ کا ولد بلا لعان نفی نہ ہونا	۴۴۹
زوجۃ العنین کی مخلصی بلا حکم قاضی نہ ہونا	۴۵۱
اگر عنین منکر عنت ہے تو اس کا معائنہ جائز ہے	۴۵۲
شوہر کے جنون یا عجز نفقہ پر فسخ نکاح کا مطالبہ کرنا	۴۵۳
ناشزہ کے لیے نفقہ نہ ملنا	۴۵۴
وقوع طلاق بر حاملہ	۴۵۵
شوہر کا بیوی کو کہنا تو میری ماں ہے تو میری بہن ہے	۴۵۵
عورت کو کہا کہ تو میری ماں ہے	۴۵۶
فعل کے وجود میں آنے پر تعلیق طلاق تنجیز ہو جاتی ہے۔	۴۵۷
مطلقۂ ثلاثہ اور محرم سے نکاح کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا بچہ ثابت النسب ہے۔	۴۵۷
متوفی عنہا زوجہا کا اپنے شوہر کے گھر عدت گزارنا	۴۵۸

شوہر کا بیوی کو والدین کی زیارت سے منع کرنا	۴۵۸
بیوی کو اس شرط پر طلاق دینا کہ بعد طلاق اس کے بھائی سے نکاح کرے گی	۴۵۹
غیر پابند شرع سے نکاح	۴۶۰
تو مجھ پر حرام ہے تین مرتبہ کہنا	۴۶۱
زوجۂ مجنون کو خیار فسخ	۴۶۲
فسخ نکاح بعدم نفقہ	۴۶۳
فسخ نکاح بعجز نفقہ	۴۶۳
عدت صغیرہ موطوئہ	۴۶۴
وطی سے قبل طلاق میں عدت نہیں ہے	۴۶۴
طلاق کے بعد تعلیق کا دعویٰ کرنا	۴۶۵
شوہر کے عنین ہونے کا دعویٰ کرنا	۴۶۶
وقوع طلاق سکران/ معتدہ کا گھر سے باہر نہ نکلنا	۴۶۷
بذل المجھود فی نکاح امرأۃ المفقود	۴۶۷
امرأۃ المفقود کے لیے بمذہب امام مالک فتویٰ دینا	۴۷۱
کتاب الایمان والنذور	۴۷۳
کفارۂ یمین کی مقدار	۴۷۳

نذر مان لی بعد مدت اس کی مقدار بھول گیا	۴۷۳
عید کے دس روز قبل معین شخص کو فطرہ دینے کی نیت کرنا	۴۷۴
معصیت پر معلق نذر کا پورا کرنا	۴۷۴
وعدۂ نکاح پر حلف لینا اور پھر اس کے خلاف کرنا	۴۷۵
قسم بقرآن	۴۷۶
قرآن کی قسم کا معتبر ہونا	۴۷۷
خلاف متعین میں نذر کا پورا کرنا/مسئلۂ نذر بقراء اجمیر	۴۷۷
یمین بقرآن و براءت از اسلام	۴۷۹
غیر مشروع نذر کا پورا کرنا ضروری نہیں	۴۷۹
کتاب الوقف	۴۸۱
حکومت کا مسجد پر سڑک بنانے کے لیے مسجد کے عوض دوسری جگہ زمین دینا	۴۸۱
اسلامی قبرستان و وقف میں غیر مسلم کا دخل دینا	۴۸۴
بانیان مسجد کا تولیت مسجد کے لیے افضل ہونا	۴۸۷
مصلحۃً وقف کی زمین میں تغیر اور تعمیر کرنا	۴۸۸
بعد تکمیل مسجد طبقۂ بالائی بنانا	۴۸۹
مسجد میں روشنی کا وقت اور جگہ کا تعین	۴۹۰

متولی کا وقف مکان بلا کرایہ استعمال کرنا	۴۹۱
وقف کتابوں کو بچوں پر فروخت کرنا	۴۹۲
متولی مسجد ویران کا اہل محلّہ کو قیمت لیے بغیر مسجد کی تعمیر سے منع کرنا	۴۹۳
بانی یا متولی کو مسجد کی چیز اپنے مصرف میں لانے کی ممانعت	۴۹۴
مسجد پر ملکیت کا دعویٰ کرنا وعزل خائن	۴۹۶
مزارات کی چراغی ووظیفہ سرکاری کا حکم	۴۹۶
مرض الموت میں ایک رقم زمین خریدنے اور مسجد ومدرسہ کے لیے وقف کرنے کی وصیت پر عمل کرنا	۴۹۹
وقف زمین ومکان زائد میعاد کے لیے اجرت پر دینا	۵۰۰
مسجد کے اوقاف سے مدرسہ کا چلانا جائز نہ ہونا	۵۰۰
مسجد کا بے کار سامان فروخت کرنا	۵۰۱
مسجد کی غیر کارآمد چیزیں فروخت کرنا	۵۰۳
مسجد کی غیر کارآمد چیزیں دوسری مسجد میں دینا	۵۰۳
مسجد کے تیل کو معتکف وغیرہ کا استعمال کرنا	۵۰۴
مدرسہ کا وقف مسجد میں صرف کرنا	۵۰۵
برائے توسیع مسجد یتامیٰ کا مکان خریدنا	۵۰۶
قبرستان کی بیع اور اس میں تعمیر	۵۰۷

مسجد کی آمدنی مدرسہ میں خرچ کرنا و مسئلہ قرض وقف	۵۰۹
چندہ کا حکم وقف کا حکم ہے	۵۱۰
سنیما کی آمدنی مسجد میں دینا	۵۱۰
مسجد کی تعمیر کے لیے مسجد کی زمین بیچنا یا سود پر روپے لینا	۵۱۰
انجمن غریب فنڈ کے روپیوں سے جنازہ کا غلاف تیار کرنا	۵۱۱
صحنِ مسجد کے نیچے بیت الخلا کا کنواں بنانا	۵۱۲
تحقیق مسئلہ استبدال وقف	۵۱۹
مسجد کی نئی تعمیر میں پرانی مسجد کا راستہ بن جانا	۵۲۱
ارتداد واقف سے وقف کا باطل ہو جانا	۵۲۴
مسجد کے تحتانی حصہ کی توسیع بہتر ہے فوقانی منزل بنانے سے	۵۲۴
مسجد کی فاضل رقم سے مسجد کے لیے آمدنی کا ذریعہ کرنا	۵۲۶
تقسیم زمین وقف	۵۲۶
کتاب البیوع	۵۲۸
قرض حسنہ دیکر وصول کے وقت مدرسہ کے لیے چار آنے زائد لینا	۵۲۸
نقدی ارزاں لیکر نسیئۃ گراں بیچنا	۵۲۸
نوٹ کے تبادلہ میں کمی بیشی کرنا	۵۲۹
سلم فاسد میں جبراً مسلم فیہ پر قبضہ کرنا	۵۲۹

مسجد کی بینک میں جمع رقم پر سود لینا	۵۲۹
مردار اور خنزیر کی بیع باطل ہے	۵۳۱
والد کے مال میں بیٹے کا تجارت کرنا اور اس مال میں ورثاء کا اپنا حصہ مانگنا	۵۳۱
سود کی رقم سے سڑک اور پائخانہ بنانا	۵۳۳
مصنوعی زعفران بیچنا	۵۳۳
مملوکہ زمین کی گھاس بیچنا	۵۳۶
ڈسکاؤنٹ کا حکم/ اجل پر عوض لینا	۵۳۶
کتاب الدعویٰ والمصالحة	۵۳۸
کفیل سے دین کا مطالبہ/ تحقیق مسئلہ ضامن	۵۳۸
مدیون کا دائن سے کسی حصۂ دین پر مصالحت کرنا	۵۳۹
ایک وارث کا دوسرے ورثاء کی اجازت کے بغیر موروثہ زمین میں مکان تعمیر کرنا اور بغیر خرچ وصول کئے تقسیم سے انکار کرنا	۵۴۰
چند مسائل پر مشتمل ایک استفتا دعویٔ مہر کے متعلق	۵۴۱
دار القضاء کے دفاتر کی تحریر کا حکم	۵۴۲
معتبر بودن کتاب القاضی الی القاضی	۵۴۲
کتاب القاضی الی القاضی کا حکم	۵۴۳
مدعی علیہ کا مدعی کی سند تحریر سے انکار کرنا	۵۴۳

شہادت بر تسامع	۵۴۳
مہر کی مقدار میں زوجین کا اختلاف کرنا	۵۴۴
بعد نکاح عورت کا دعویٰ کرنا کہ نکاح فاسد تھا اس لیے کہ وہ شوہر اول کی عدت میں تھی۔	۵۴۵
باپ نے بیٹے کو روپے تجارت کے لیے دئے لیکن بیٹا بخشش کا دعویٰ کرتا ہے۔	۵۴۵
شوہر کا بیوی کی ملکیت میں اپنا حصہ بتانا	۵۴۶
کتاب الاجارۃ	۵۴۸
مسجد کی کھجوریں تاڑی نکالنے کے لیے اجرت پر دینا	۵۴۸
مسجد کی وقف زمین کی کھجوروں کو تاڑی نکالنے کے لیے اجرت پر دینا	۵۴۸
وعظ اور عبادات پر اجرت کا مسئلہ	۵۴۹
ممالک غیر میں ملازم کو بشرط خرچ آمد ورفت لے جانا	۵۴۹
نکاح اور ختم قرآن پر اجرت لینا	۵۵۰
نقصان کی وجہ سے کاشتکار کا وقف زمین کی اجرت کی معافی کا مطالبہ کرنا	۵۵۱
کرایہ دار کا کرایہ کے مکان میں تعمیر کرنا اور اس پر مکان مالک سے کرایہ مانگنا	۵۵۲
ویران مکان میں اس شرط کے ساتھ سکونت کرنا کہ اس کی تعمیر میں جو کچھ خرچ ہوگا وہ مکان مالک سے وصول کرے گا	۵۵۳
شراب وغیرہ ناجائز اشیا کی فروختگی کے لیے اجرت پر مکان یا دکان دینا	۵۵۳

کتاب الھبۃ والبراءۃ	۵۵۶
صغیر کے ہبہ میں باپ کا قبضہ کافی ہونا	۵۵۶
عفو مہر پر صرف دو عورتوں کی شہادت	۵۵۷
شوہر کی وفات کے بعد اس کی جاگیر پر بیوی کا دعویٰ ہبہ کرنا	۵۵۸
شوہر کی وفات کے بعد بیوی کا اپنا مہر معاف کرنا	۵۵۹
بیوی کو بخشش دینے کے بعد واپس لے لینا	۵۵۹
باپ کا بیٹے کو بغیر قبضہ دیئے ہبہ کرنا	۵۶۱
ختنہ اور نکاح کی مجلس میں بچوں کو دیئے جانے والے ہدایا کا مالک کون ہے؟	۵۶۱
اولاد کو ہبہ دینے میں تسویہ کرنا	۵۶۲
عمریٰ میں معمر لہ ہمیشہ کا مالک ہوگا	۵۶۳
اگر عورت مرد سے کوئی چیز لے کر اس کے عوض مہر معاف کردے تو معاف ہو جائے گا؟	۵۶۴
زبانی مہر معافی سے مہر کا معاف ہونا	۵۶۵
مشروط ہبہ/ ابراء غیر معتبر ہونا	۵۶۵
اپنی لڑکی کے لیے وصیت کرنا	۵۶۶
تاحیات لڑکی کو جائداد دینا اور بعد موت واپسی کی شرط لگانا	۵۶۷
ہبہ جائداد بوارث	۵۶۹

بعد از ہبہ انکار از ہبہ	۵۷۰
رعایا کے معابد کے لیے غیر مسلم حکومت کا مدد کرنا	۵۷۰
بیع وشراء مجنون	۵۷۲
کتاب الاضحیۃ والذبائح	۵۷۳
قربانی میں مؤکل کی نیت کا اعتبار ہے نہ کہ وکیل کا	۵۷۳
قربانی اور زکوٰۃ میں مالک کی جگہ کا اعتبار ہے یا مال کی جگہ کا؟	۵۷۳
قربانی کے لیے خریدے ہوئے جانور کا گم ہو جانا	۵۷۴
ایک پستان والی بکری اور ایک خصیہ والے بکرے کی قربانی	۵۷۵
جو قربانی لحیم شحیم اور قیمت میں گراں ہو اس کا افضل ہونا	۵۷۶
فقراء کا قربانی کے گوشت کو فروخت کرنا	۵۷۷
کچھوے کا مکروہ ہونا	۵۷۷
بچہ کے مرنے کے بعد عقیقہ کرنا	۵۷۷
بچے کے انتقال کے بعد اس کا عقیقہ کرنا	۵۷۸
مرے ہوئے کا عقیقہ کرنا	۵۷۸
مذبوح حلال جانور کے سات اعضاء کا مکروہ ہونا	۵۷۹
مور کا شکار کرنا اور گوشت کھانا	۵۷۹

جھینگہ، نیوٹے، بو ملے کھانا	۵۸۰
در بیان ماہی جھینگا	۵۸۰
پنجہ اور بے پنجہ ہر دو قسم خرگوش کا حلال ہونا	۵۸۰
قربانی کے جانور کو لڑانا	۵۸۱
ہندو کی منت مانے ہوئے جانور کو حلال کرنا	۵۸۲
سرکاری ڈبہ سے خرید کردہ جانور کا قربانی کرنا	۵۸۳
شکار کو ذبح کرنے پر شکار میں حرکت نہیں ہوئی مگر تھوڑا خون نکلا	۵۸۴
غوث پاک اور اولیاء کے لیے قربانی کی وصیت کرنا	۵۸۴
سانپ کے ڈسے ہوئے جانور کا گوشت حلال ہے یا حرام؟	۵۸۶
میت کی طرف سے کی جانے والی قربانی کے گوشت کا مصرف	۵۸۶
نیلام سے خریدے ہوئے جانور کی قربانی	۵۸۷
مسلم فاسق کے ذبیحہ کا حکم	۵۸۸
حرام مال سے قربانی کرنا اور دعوت کرنا	۵۸۹
قربانی از میت	۵۸۹
قربانی کے لیے جانور خریدنا اور اس میں دوسروں کو شریک کرنا	۵۹۰
قربانی کے جانور سے فائدہ اٹھانا	۵۹۱
قربانی کے جانور کا ذبح سے قبل بچہ جننا	۵۹۲

خنثیٰ جانور کی قربانی	۵۹۳
قربانی کا گوشت قصاب کی اجرت میں دینا	۵۹۳
عیدالاضحیٰ کے دن قربانی کے گوشت سے کھانے کی ابتدا کرنا	۵۹۳
کتاب الرھن	۵۹۵
مرتہن کا باجازت راہن مرہونہ سے نفع حاصل کرنا	۵۹۵
قرض کے عوض رہن رکھنا/ رہن سے فائدہ اٹھانا	۵۹۶
کتاب الحظر والاباحۃ	۵۹۸
کرکٹ کھیلنا یا دیکھنا	۵۹۸
برہنہ سر کرسی پر بیٹھ کر کھانا	۵۹۸
ٹیبل پر بیٹھ کر کھانا	۵۹۹
میاں بیوی کا مل کر کھانا کھانا	۵۹۹
مختلف قسم کی ترکاری کھانا	۶۰۰
کاسب الحرام کا ہدیہ اور ضیافت کھانا	۶۰۰
قادر علی الکسب پر کسب کا لازم ہونا	۶۰۲
رنڈی کی کمائی کے متعلق استفسار	۶۰۲
مرغی، کبوتر پالنا	۶۰۲

فونوگرام میں قرآن مجید سننے کا حکم	۶۰۳
حساب کا سیکھنا اور سکھانا	۶۰۴
سود کا حساب سیکھنا	۶۰۴
ہندو کی نوکری میں سود کا حساب کتاب کرنا	۶۰۵
سیٹھ کا اپنے نوکر کو سود کے حساب کرنے پر مجبور کرنا	۶۰۵
سود کے حساب کی جانچ پڑتال کرنا	۶۰۶
مال خبیث کا استبدال حلال ہوسکتا ہے کہ نہیں	۶۰۶
اوجڑی اور آنتڑیاں آمیز دوا استعمال کرنا	۶۰۷
برما کے بدبودار پھل کا کھانا	۶۰۸
تمبا کو مکروہ نجس نہیں	۶۰۸
اشربۂ مسکرہ اور ان کی ادویہ کے متعلق تحقیق	۶۰۹
یورپ سے ڈبوں میں آنے والے گوشت کی تجارت	۶۱۳
مردوں کے لیے ریشم کا حکم	۶۱۴
بچوں کو ریشم وزیورات پہنانے کا گناہ پہنانے والے پر ہوتا ہے	۶۱۵
مانع حمل آلہ استعمال کرنا یا اسقاط حمل کرنا	۶۱۵
دوا کے طور پر شراب استعمال کرنا	۶۱۶

خاوند کا عورت کے زنا پر طلاق دینا	۶۱۷
رات کو نمک نہ دینے کی رسم	۶۱۸
شعر شاعری کرنا	۶۱۸
الضرب للصبیان کالماء فی البستان کی اصلیت	۶۱۹
دھوتی، لہنگا پہننا	۶۲۰
حرہ عورت کا کھلے سر رہنا	۶۲۰
عورتوں کو دکان پر خرید وفروخت کے لیے بٹھلانا	۶۲۱
عورتوں کو لکھنا سکھانا	۶۲۱
مدرسہ نسوان میں غیر محرم بالغات کو بالغ کا تعلیم دینا	۶۲۲
ضرورۃً مانع حمل یا مسقط حمل علاج کروانا	۶۲۳
امراض کا علاج داغ یا دم پھونکنے سے کرنا	۶۲۴
فاحشہ بازاری عورتوں کو کرایہ پر مکان دینا	۶۲۵
سود سے بنے ہوئے مکان میں رہائش رکھنا	۶۲۶
اہل محلّہ کے ووٹ دینے پر تعمیر مسجد کا وعدہ کرنا	۶۲۷
ممبری کے حصول کے لیے مسجد میں تقریر کرنا	۶۲۸
مسجد میں مٹی تیل جلانا	۶۲۸

مزارات پر عرس اور کھانا	۶۲۹
موجودہ علم عربیہ وادب کی تعلیم و تعلم میں اجروثواب کا حکم	۶۲۹
علاتی بہن کے ساتھ زنا کرنا	۶۳۰
فوٹو گرافر کی کمائی کا حرام ہونا	۶۳۱
کافر نوکر سے بازار سے گوشت منگوانا	۶۳۲
فاسق سے ترک تعلق کرنا	۶۳۳
بداخلاق حکیم سے علاج کرانا	۶۳۳
فرش یا دیوار پر لکھنا	۶۳۴
سنی کو لوٹیہ رافضی کہنا	۶۳۴
جانی و مالی بیمہ کرانا	۶۳۶
جاپانی کھلونوں اور تصاویر کی تجارت کرنا	۶۳۶
ہر پیغمبر کے نام سے قبل لفظ ''یا'' بڑھانا	۶۳۷
غیر سید کا سبز عمامہ پہن کر اپنے آپ کو سید مشہور کرنا	۶۳۷
اجنبیہ کے ساتھ مصافحہ اور دست بوسی کی تحقیق	۶۳۸
نومسلم کا نام سید محمد رکھنا	۶۴۰
مجلس میلاد میں آنے سے انکار کرنا	۶۴۰

جماع کے وقت تھوک نگلنا	۶۴۰
لایعنی سوال کا جواب نہ دینا	۶۴۱
مدرسہ تعلیم القرآن کے اوپر کلب یا انجمن بنانا	۶۴۱
کفار کے تہواروں میں شرکت کرنا	۶۴۱
مزامیر کی تجارت کرنا	۶۴۳
حجامت اور ناخن کاٹنے کے لیے جمعہ کی تعیین	۶۴۳
موئے زیر ناف کاٹنے کے لیے دوسرے سے مدد لینا	۶۴۴
قمار کی حرمت/گھوڑ دوڑ کی مسابقت	۶۴۴
ڈسکاؤنٹ کا حکم/اجل پر عوض لینا	۶۴۵
پشت اور سینہ کے بال مونڈنا	۶۴۵
گھر میں اگر کوئی نہ ہو تو سلام کا طریقہ	۶۴۵
علم نجوم سیکھنے کا حکم	۶۴۶
چند عورتوں کا ایک حمام میں برہنہ نہانا	۶۴۶
اشیائے خوردنی میں کیڑے پڑ جانا	۶۴۷
اشیائے خوردنی کا بدبودار اور متغیر ہو جانا	۶۴۷
میونسپلٹی کمیٹی کا سود کے روپیوں سے نل خرید کر پانی مہیا کرنا اور شہر والوں کا اس سے فائدہ اٹھانا	۶۴۸

تحقیق مسئلہ استعمال تمباکو	۶۴۹
ہر قسم کے زیورات کا عورتوں کے لیے جواز	۶۵۰
جلی ہوئی روٹی اور کھرچن کھانا	۶۵۰
حرمت بھنگ وگانجا	۶۵۱
تصویر بنانا اور گھر میں رکھنا	۶۵۲
مولود اور وعظ میں عورتوں کا اجتماع	۶۵۲
مقدار ریش مسنون	۶۵۳
تلاوت اور مولود کے وقت دف بجانا	۶۵۳
سالانہ جلسہ میں بادشاہ کی تصویر کے سامنے جھکنا	۶۵۴
حلقہ ذکر جہری در مسجد	۶۵۵
نہی عن المنکر کرنے والے کا خود اس گناہ میں ملوث ہونا	۶۵۵
مسلمان لڑکے پر کافر باپ کی اطاعت ضروری ہے یا نہیں؟	۶۵۶
لواطت بزن خود	۶۵۹
مسروقہ رقم مالک تک پہنچا دینا اور منافعہ کا صدقہ کرنا	۶۵۹
حکم بہیمۂ موطوئہ انسان	۶۶۱
خواب میں سانپ کا دیکھنا اور سانپ کے قتل کا حکم	۶۶۱

کتاب الفرائض	۶۶۳
میراث کی تقسیم کا ایک جزئیہ	۶۶۳
میراث کی تقسیم کا ایک جزئیہ	۶۶۴
میراث کا ایک جزئیہ	۶۶۴
میراث کا ایک جزئیہ	۶۶۵
ایک جزئیۂ میراث	۶۶۶
مسئلہ تقسیم میراث	۶۶۶
میراث کا ایک جزئیہ	۶۶۷
مسئلہ تقسیم میراث	۶۶۸
تقسیم میراث	۶۶۹
جزئیۂ میراث	۶۷۰
جزئیۂ میراث	۶۷۰
جزئیۂ میراث	۶۷۱
میراث ذوی الارحام	۶۷۲
جزئیۂ میراث	۶۷۳
میراث مفقود	۶۷۳

بھتیجوں کا چچا سے میراث کا حصہ	۶۷۵
میراث کا ایک جزئیہ	۶۷۶
میراث کا ایک مسئلہ	۶۷۷
تقسیم میراث کا جزئیہ	۶۷۸
عورت کا مہر بھی مانند دیگر ترکہ ورثہ میں تقسیم کرنا	۶۷۹
میراث کا ایک جزئیہ	۶۸۰
مولی الموالات کا موصی لہ بجمیع المال پر مقدم ہونا	۶۸۱
ذوی الارحام میں الاقرب فالاقرب بطور عصبہ وارث ہونا	۶۸۳
ذوی الارحام میں الاقرب فالاقرب بطور عصبہ کل مال کا مستحق ہونا	۶۸۴
توریث مفقود	۶۸۵
ہندو قانون کے مطابق عورتوں کے لیے ایک مخصوص رقم سود کی غرض سے سرکاری بنک میں محفوظ کرنا	۶۸۶
ولی اکبر کا میراث کے مال میں تجارت کر کے نفع کمانا/کیا نفع میں میراث جاری ہوگی؟	۶۸۸
پوتے کے لیے وصیت	۶۹۰
وصیت وقف عند الموت	۶۹۱

وصیت در تقسیم میراث	۶۹۱
وصیت میں موصیٰ بہ اور عدد میں اختلاف ہو تو موصیٰ بہ کا اعتبار ہوگا نہ کہ عدد کا	۶۹۱
مورث کی حیات میں میراث کا مطالبہ	۶۹۱
جنون کی حالت میں مولود اور گیارہویں میں خرچ کرنے کی وصیت کرنا	۶۹۳
لڑکے کی شادی کے اخراجات کی وصیت کرنا	۶۹۴
باپ کے موروثی مال میں جو مشترکہ تصرف سے منافع حاصل ہو اس میں تمام شرکاء برابر حقدار ہیں	۶۹۵
توریث ذوی الارحام	۶۹۶
ذوی الارحام کا وارث ہونا مع احد الزوجین	۶۹۷
در ذوی الارحام استحقاق اقرب فالاقرب	۶۹۸
مسئلۂ مقاسمۃ الجد	۶۹۸
تقسیم میراث میں مسلم لا چھوڑ کر ہندو لا کا مطالبہ کرنا	۷۰۰
ولد الزنا کو ماں کی میراث سے حصہ ملے گا باپ کی میراث سے نہیں	۷۰۱
باپ کا کچھ بیٹوں کے نام کل یا بعض جائداد کا ہبہ کرنا	۷۰۱
تجارت در مال یتیم	۷۰۲
رسوم غیر مشروعہ میں خرچ کرنے سے وصی ضامن ہوگا۔	۷۰۲

وصیت برسوم غیر مشروعہ	۷۰۳
وصیت بسکنیٰ وغلۂ مکان	۷۰۴
میراث مناسخہ	۷۰۵
تخمینی وصیت میں ثلث سے بچ جانا	۷۰۷
ورثاء کی عدم موجودگی میں موصیٰ لہٗ بجمیع المال مستحق ہوگا	۷۰۸
تمام مال کی وصیت اور وصیت سے رجوع	۷۰۹
ایک جزئیۂ میراث	۷۱۰
مرض الموت میں ہبہ اور وارث کے لیے وصیت کا حکم	۷۱۱
مورث کی حیات ہی میں ورثاء کا ابراء لغو ہوگا اور بعد وفات وارث ہوں گے۔	۷۱۲
غیر مشروع تصرف سے وصی ضامن ہوگا	۷۱۳
مفقود کا حصۂ میراث موقوف رکھنا	۷۱۴
کتاب العقائد ومسائل شتی	۷۱۶
التدبیر فی مسئلۃ التقدیر	۷۱۶
ارتکاب حرام کے لیے تقدیر کا آڑ پکڑنا	۷۲۲
حضرت عیسی علیہ السلام کے لیے والد کا عقیدہ	۷۲۴
کفرِ مرزا احمد قادیانی میں شک کرنا	۷۲۴

کمال الدین کا مرزائیت میں داخل ہونا	۷۲۵
آغا خانی شیعوں کو سنیوں کی مسجد میں آنے دینا	۷۲۶
والدین کی رضا جوئی ضروری ہونا	۷۲۷
بعض معاصی کا موجب کفر ہونا	۷۲۸
اسناد گنج العرش میں مبالغہ کرنا	۷۲۹
کرامات اولیاء والتوسل بھم	۷۲۹
مسلمانوں کو نقصان سے بچانا	۷۳۱
امانت بلا خیانت مالک کو سپرد کرنا	۷۳۱
ایک خواب کی تعبیر دریافت کرنا	۷۳۲
کفریات کے قلبی خطرات اور وسوسہ موجب کفر نہ ہونا	۷۳۳
احکام شرع پر استہزاء کرنا	۷۳۳
عمداً تارک الصلوٰۃ کو تعزیر دینا	۷۳۴
محرمات شرعیہ کے ارتکاب پر مداومت کرنا	۷۳۵
ہندو کا بلا اعلان خفیۃً عبادات سے مسلم نہ ہونا	۷۳۵
امر بالمعروف کا دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہونا	۷۳۶
ایک قریہ میں ثبوت قطب متحقق نہ ہونا	۷۳۷

مسلمان کی تحقیر کرنا	۴۳۸
کاہن اور نجومی کی پیشن گوئی کی تصدیق کرنا	۴۳۸
جو پیر اپنی تصویر کی پرستش کا حکم دے	۴۴۰
''میں کلمہ نہیں جانتی'' کہنے کا حکم	۴۴۲
تعلم برائے تعلیم بہتر ہے تعلم برائے عمل سے	۴۴۳
مدینہ کا اصلی نام کیا تھا	۴۴۴
کیا کھچڑے کا ثبوت حضرت نوح علیہ السلام سے ہے؟/کیا آپ ﷺ نے حضرت نوح علیہ السلام کی پیروی کی ہے؟	۴۴۴
قرآن کی تلاوت بہتر ہے یا سماع؟	۴۴۵
برقی پنکھے کے چلانے میں مصلیان کے درمیان اختلاف	۴۴۵
چار قبلے کا حق جاننا جہالت ہے۔	۴۴۶
فاتحہ مزارات اولیاء	۴۴۶
فحش تصاویر والے اخبار مسجد میں رکھنا اور پڑھنا	۴۴۶
بیماری دور کرنے کے لیے کفار کے طریقہ کے مطابق جانور کی قربانی کرنا	۴۴۶
ایمان من لم تبلغہ الدعوۃ	۴۴۷
رمل اور گنڈا تعویذ کرنے والے امام کے پیچھے نماز	۴۴۸

شرعی مسئلہ پر رسم کو فوقیت دینا	۷۴۹
کیا گرگٹ کے مارنے میں ثواب ہے؟	۷۴۹
سحری کے لیے طبل اور ڈھنڈھورا پیٹنا	۷۴۹
پنج وقتہ نماز کے بعد مصافحہ	۷۵۰
راتب اور حرکات صوفیہ کا حکم	۷۵۱
مصافحہ بعد نماز	۷۵۳
بچوں کا مدرسہ میں جہراً پانچوں کلمے اور سورتیں پڑھنا	۷۵۴
مرغی فارم کا پیشہ/مشین کے ذریعہ چوزے نکالنا	۷۵۵
کن دنوں جماع منع ہے اور کن دنوں اچھا ہے؟	۷۵۶
کافر کو نوکر رکھنے والے کے گھر کی دعوت	۷۵۸
مسلمانوں سے دشمنی اور کافروں سے دوستی رکھنا	۷۵۸
جادو منتر کا عقیدہ رکھنا	۷۵۹
تلاوت کرنے والے سے اوپر بیٹھنا	۷۵۹
ایک مشت سے لمبی داڑھی رکھنا	۷۵۹
اسامہ بن عمرؓ کے واقعہ کا موضوع ہونا	۷۶۰
تمت	

صاحب فتاویٰ کا مختصر تعارف

خداوند قدوس کا خاص لطف و کرم خطۂ گجرات پر یہ ہوا کہ ہمیشہ اس سرزمین میں اساطین علم و فن کا ورود مسعود ہوتا رہا اور یہاں بدعات و خرافات کے خزاں سرا ماحول کو علوم نبوت کی تابانی سے سبزہ زار کرنے کا عظیم کام بھی چلتا رہا۔

خدا کی اس زمین کو جن برگزیدہ ہستیوں نے اپنے ناقابل فراموش علمی خدمات، بلند افکار اور ارجمند جذبات سے آراستہ کیا ان کی فہرست میں ایک نمایاں نام حضرت مولانا مفتی محمود حسن صاحب کا بھی ہے۔

حضرت مولانا مفتی محمود حسن ہزاروی صاحب ۵/ذی الحجہ ۱۳۰۹ھ مطابق ۱۸۹۲ء کو ''ویدل کماچ'' علاقہ ''چغزئی'' قصبہ ہزارہ میں جناب حضرت مولانا حاجی احمد خاں صاحب کے گھر میں پیدا ہوئے اور اپنے علاقہ کے باصلاحیت علماء کرام سے ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد علم تفسیر کے شہرۂ آفاق عالم ربانی حضرت مولانا احمد علی صاحب لاہوری رحمۃ اللہ علیہ سے سندھ میں پڑھا، پھر آپ سندھ سے اجمیر منتقل ہوگئے، اجمیر کے معروف و مشہور عالم حضرت مولانا معین الدین صاحب سے مدرسہ معینیہ اجمیر شریف میں تکمیل کی سعادت حاصل کی، آپ پیر سید غلام مصطفیٰ قادری کلیدری کے خلیفہ و مجاز بھی تھے۔ پھر اسی مدرسہ ''صوفیہ'' میں کچھ عرصہ تدریس کرنے کے بعد جامعہ حسینیہ راندیر سورت گجرات میں شروع میں بحیثیت صدر مدرس برسر تدریس ہوئے، پھر بطور شیخ الحدیث ۲۶/سال تک اور بطور مفتی ۱۶/سال تک جامعہ سے منسلک رہ کر تدریس و افتاء کی خدمات انجام دیں اور سورت اور اس کے اطراف کو علم دین کی نورانیت سے لالہ زار کیا اور سینکڑوں تشنگان علم نبوت کو مخمور و سیراب کیا۔

جامعہ حسینیہ راندیر سورت گجرات میں آپ کے ورود مسعود کی کہانی خود آپ ہی کی زبانی پڑھی جائے۔ ”فقیر محمود حسن بن الحاج مولانا مولوی قاری احمد خان خلیفہ سید مصطفیٰ القادری (کلیدار حضرت القادریہ قدس سرہٗ العزیز) خادمین علم کی خدمت میں خصوصاً وجمیع مسلمانوں کی خدمت میں عموماً عرض گذار ہے کہ یہ ناچیز ۱۵؍شوال ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۲؍جون ۱۹۲۲ء کو اجمیر شریف سے مخدومی مولانا مولوی محمد حسین صاحب مرحوم مہتمم مدرسہ محمدیہ راندیر کی دعوت پر راندیر آیا اور مدرسہ محمدیہ عربیہ میں درجۂ عربی کی تدریس پر مامور ہوا۔“

رجب ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۰؍نومبر ۱۹۳۲ء میں مولانا محمد حسین صاحب مرحوم بانی ومہتمم مدرسہ محمدیہ راندیر کی وفات کے بعد حضرت مولانا ابراہیم صاحب ومحترم جناب حافظ احمد صاحب کے ارشاد کے مطابق آپ کے ذمہ جامعہ میں تعلیمی خدمات کے علاوہ افتاء کا بار گراں بھی پڑا۔

مولانا لکھتے ہیں:

”حضرت مخدومی مولانا ابراہیم صاحب ومحترم جناب حافظ احمد صاحب کے ارشاد کے مطابق اس ناچیز کے ذمہ مدرسہ میں تعلیمی خدمات کے علاوہ افتاء کا بار گراں بھی پڑا اور تدریس کے اوقات میں تھوڑا بہت جو وقت میسر ہوا اس میں افتاء کی خدمت کو انجام دینے لگا“

آپ کی صلاحیت، طرز بیان، انداز خطابت اور مطالعہ کی گہرائی یہاں کے ارباب علم وفن کے حلقہ میں بام عروج تک پہونچ چکی تھی، لہذا اب جامعہ میں آنجناب سے سیکڑوں بادہ نوشوں کو سیرابی کا موقع ملا۔

لیکن جب ملک کی تقسیم ہوگئی تو آپ اپنے وطن مالوف کی طرف رحلت فرما گئے اور وہاں مطلع العلوم بروری روڈ کوئٹہ میں ابتداء پڑھایا۔

پھر ۱۳۷۳ھ مطابق ۱۹۵۳ء کوئٹہ کی مشہور عیدگاہ کے قریب ”جامعہ اسلامیہ عربیہ“ کی

داغ بیل ڈالی اور اسی میں ایک مسجد تعمیر کرائی اور تادم حیات وہاں تدریس وافتاء کے مشغلے میں لگے رہے، یہاں تک کہ یکم ذی الحجہ ۱۳۹۳ھ مطابق ۱۹۷۳ء کو اس دنیائے دوں سے آخرت کا سفر کیا اور اپنے ہی قائم کردہ مدرسہ کے احاطہ میں سپرد خاک ہوئے۔

حضرت والا نے اپنی زندگی میں کئی اہم کتابیں تصنیف فرما کر اپنی خدمات کو جاودانی و پائندگی بخشی اور آنے والی نسلوں تک کے لئے محفوظ کرلیا ہے۔

آپ کی گراں قدر تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) معین العقائد (۲) معین الحکمۃ (۳) معین الفرائض (۴) معین المنطق اول، دوم (۵) التذکرۃ المحمود (۶) معین الفتاویٰ۔

آخر الذکر تصنیف "معین الفتاویٰ" حضرت کے قلم سے نکلے ہوئے ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو آپ نے جامعہ میں بحیثیت مفتی سولہ سال میں سائلین کے سوالات کے جواب میں تحریر فرمائے۔ آج بھی جامعہ حسینیہ راندیر کے کتب خانہ میں کتابی نام کے بغیر محفوظ ہے، جامعہ کے زیر اہتمام مصنف کی دیگر تصانیف کی طرح مطابقتی نام کی تجویز ابواب وابحاث کا قیام وترتیب اور کمپوزنگ جیسے باقی مراحل سے گذارنے کے بعد حضرت مفتی صاحب کے اس فقہی شاہکار وافادۂ علمی کو بھی "معین الفتاویٰ" کے نام سے استفادہ عام کرنے کی غرض سے پہلی بار شائع کرنے کی کوشش کی گئی ہے، اور مستفدین کی نظروں میں پائی جانے والی موجودہ کمیوں کی اطلاع کا دوسری اشاعت تک انتظار رہے گا، اللہ رب العزت ہمیں مستفید ہونے اور اس کی قدردانی کی توفیق دے۔ آمین یارب العالمین

(حضرت مولانا) محمود شبیر (صاحب)
مہتمم جامعہ حسینیہ راندیر، سورت، گجرات

مقدمہ

فقہ اسلامی _ تعارف اور تاریخ

اسلام ایک مکمل نظام حیات اور کامل طریقۂ زندگی ہے، جو انسانیت کے لئے بھیجا گیا ہے۔اور سراپا رحمت اور خیر وفلاح سے عبارت ہے۔اسلام کی نگاہ میں قانون بنانے اور حلال وحرام کو متعین کرنے کا حق صرف اللہ تعالیٰ کا ہے، کیوں کہ پوری انسانیت کے لئے وہی ذات نظام حیات طے کرسکتی ہے جو پوری کائنات کے بارے میں خیر اور شر سے واقف ہو۔اور نیز تمام انسانی طبقات کے ساتھ عدل وانصاف کا برتاؤ کرسکتی ہو اور ایسی ذات خدا ہی کی ہے، کیوں کہ وہ علیم وخبیر بھی ہے اور عادل ومنصف بھی ہے۔

انسان یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ کائنات کی تمام چیزوں سے باخبر اور واقف ہے، اور کوئی انسان یا انسانی گروہ کے بارے میں یہ بات نہیں سوچی جاسکتی ہے کہ وہ تمام انسانوں کے ساتھ مساوی طریقہ پر عدل وانصاف کا برتاؤ کرے گا۔اس لئے خدا کا بھیجا ہوا قانون انسانی قانون کے مقابلہ یقیناً برتر وفائق اور مبنی بر انصاف ہوگا۔

شریعت اسلامی کو جو باتیں انسان کے خودساختہ قوانین سے ممتاز کرتی ہیں وہ یہ ہیں:

”عدل، توازن واعتدال، عقل وحکمت سے مطابقت، فطرت انسانی سے ہم آہنگی، جامعیت، ابدیت ودوام، تنفیذ کی قوت وغیرہ۔“

قانون شریعت کے مصادر:

قانون شریعت کے مصادر کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے: نصوص اور اجتہاد سے

ثابت ہونے والے احکام، **منصوص مصادر**۔

منصوص مصادر:

منصوص مصادر چار ہیں: (۱) کتاب اللہ۔ (۲) سنت رسول اللہ۔ (۳) شرائع ما قبل۔ (۴) اور جن مسائل میں اجتہاد کی گنجائش نہ ہو ان میں صحابہ کے آثار۔

غیر منصوص مصادر:

غیر منصوص مصادر دو ہیں۔(۱) اجماع امت۔ (۲) اور قیاس۔

دوسرے دلائل:

استحسان، مصالح مرسلہ، استصحاب، ذریعہ، اور عرف

اجتہاد وتقلید:

امت میں علماء کا فریضہ ہے کہ وہ احکام شرعیہ کو مستنبط کریں اور عوام ان پر عمل کریں، اسی استنباط احکام کو اجتہاد اور اس پر عمل کرنے کو تقلید کہا جاتا ہے۔ اجتہاد کی اصطلاحی تعریف اس طرح کی گئی ہے: ''کسی بات کی تحقیق میں پوری قوت صرف کر دینا کہ اب اس سے زیادہ تحقیق وجستجو کا امکان باقی نہ رہے۔'' استفراغ الوسع فی تحقیق امرمن الامور۔ (الاحکام فی اصول الاحکام: ٤/١٦٩)

تقلید کی اصطلاحی تعریف اس طرح کی گئی ہے: ''کوئی کسی دوسرے کے قول وفعل کی دلیل طلب کئے بغیر اس کو حق سمجھتے ہوئے اتباع کرے۔'' اتباع الانسان غیرہ فیما یقول او یفعل معتقداً للحقیة من غیر نظر الی الدلیل۔ (کشف اصطلاحات الفنون:

ص/۱۱۷۸)

جو لوگ اجتہاد پر قدرت نہیں رکھتے، ان کے لئے تقلید واجب ہے۔ علمی انحطاط، ورع و تقویٰ کی کمی اور اتباع نفس کے اندیشہ سے دوسری صدی ہجری کے بعد سے شخصی تقلید کا رواج مقبول خاص و عام ہو چکا ہے۔ اور بقول شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے: "بہت کم لوگ دوسری صدی کے بعد ایسے گذرے ہیں جو کسی متعین مجتہد کے پیرو کار نہ ہوں اور یہی اس زمانہ میں واجب تھا۔" (الانصاف: ص/۵۹) اس لئے صدیوں سے ائمہ اربعہ کی اتباع پر امت کا سواد اعظم متفق ہے، اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے حسب تحریر ان کی تقلید سے باہر جانا سواد اعظم سے نکل جانے کے مترادف ہے۔ (عقد الجید: ص/۳۸) یہ تو نہیں کہا جا سکتا کہ اب اجتہاد کا دروازہ بند ہو چکا ہے، اجتہاد کا دروازہ اصولی طور پر بند نہیں ہوا ہے، لیکن صلاحیت اجتہاد کے مفقود ہونے کی وجہ سے عملاً مدتوں سے مستقل طور پر اجتہاد کا سلسلہ رکا ہوا ہے اور فی زمانہ تقلید میں ہی عامۃ المسلمین کے عقیدہ و عمل کی حفاظت ہے۔

فقہ ــــ لغوی و اصطلاحی معنیٰ:

فقہ کے لغوی معنیٰ کسی بات کو جاننے اور سمجھنے کے ہیں، اسی مناسبت سے احکام شرعیہ کے علم کو بھی فقہ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ابتداءً شریعت کے تمام احکام کے جاننے کو فقہ کہا جاتا تھا، خواہ عقائد ہوں یا اخلاق، اور عبادات ہوں یا معاملات، قرآن و حدیث میں اسی معنیٰ کے لحاظ سے اس لفظ کو ذکر کیا گیا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ نے مفہوم میں اسی وسعت کے لحاظ سے ان الفاظ میں فقہ کی تعریف کی ہے۔ ھو معرفة النفس ما لها و ما عليها۔ (التوضیح: ۱/ ۱۰) انسان کا اپنے حقوق و فرائض کو جاننا "فقہ" ہے۔ بعد کو چل کر عقائد کی توضیح اور اخلاقی تربیت نے مستقل

فنون کی حیثیت اختیار کر لی، چنانچہ عقائد سے متعلق احکام ''علم کلام'' کہلایا، اور اخلاق سے متعلق مباحث کو ''تصوف'' کا نام دیا گیا۔ اور دونوں فنون کے ماہرین کو ''متکلمین'' اور ''صوفیاء'' کا لقب دیا گیا۔ اس طرح اب وہ عملی احکام باقی رہ گئے جن کا تعلق عبادات اور معاملات سے ہے ان کو ''فقہ'' سے موسوم کیا گیا۔ العلم بالاحکام الشرعیة عن ادلتها التفصیلیة۔ (مسلم الثبوت: ص/ ۱۱، ۱۲) تفصیلی دلائل سے شرعی احکام کو جاننے کا نام ''فقہ'' ہے۔ اور اس کے ماہرین کو ''فقہاء'' کہا گیا۔

فقہ اسلامی کا دائرہ:

فقہ دراصل پوری انسانی زندگی کا احاطہ کرتا ہے اور درج ذیل شعبہائے حیات کی بابت اس فن کے ذریعہ رہنمائی ملتی ہے: عبادات، احوال شخصیہ، معاملات، مرافعات، دستوری قوانین، عقوبات، بین الملکی قوانین۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ فقہ اسلامی کا دائرہ کس قدر وسیع ہے، اور کس طرح اس نے زندگی کے تمام شعبوں کو اپنے اندر سمو لیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عہد نبوی سے لے کر خلافت عثمانیہ کے سقوط تک فقہ اسلامی نے ایشیاء، افریقہ اور یوروپ کے قابل لحاظ حصہ پر فرماں روائی کی ہے، اگر فقہ اسلامی میں ہمہ جہت رہنمائی کی صلاحیت نہیں ہوتی تو ہرگز یہ مقام حاصل نہیں کر پاتی۔

تدوین فقہ کے مراحل:

فقہ کی تدوین مختلف مراحل میں انجام پائی ہے، اور بتدریج اس نے ارتقاء کا سفر طے کیا ہے۔

عہد نبوی تا ۱۱ھ:

عہد نبوی میں احکام فقہیہ کا مدار کتاب وسنت پر تھا، پھر مکی زندگی میں آپ ﷺ کی زیادہ توجہ اعتقادی اور اخلاقی اصلاح کی طرف تھی، مکی زندگی میں قرآن کا خاص موضوع دعوتِ ایمان اور اصلاحِ عقیدہ تھا۔ ہاں بعض اصولی احکام اور بعض متفق علیہ برائیوں کی مذمت سے متعلق ہدایات مکی زندگی میں بھی دی گئیں۔ عملی زندگی سے متعلق احکام عام طور پر مدنی زندگی میں ہی دیے گئے ہیں۔ جیسا کہ ذکر کیا گیا اس عہد میں احکام شرعیہ کا اصل ماخذ تو قرآن وحدیث ہی تھا، لیکن آپ سے اجتہاد کرنا بھی ثابت ہے، البتہ اگر آپ سے اجتہاد میں لغزش ہو جاتی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے متنبہ کر دیا جاتا، اس لئے آپ کا اجتہاد بھی نص کے حکم میں ہے۔ آپ کے عہد میں صحابہ نے بھی اجتہاد کیا ہے، آپ کی عدم موجودگی میں تو کیا ہی ہے، بعض اوقات حضور ﷺ کی موجودگی میں بھی صحابہؓ نے اجتہاد فرمایا۔

عرب چوں کہ اصل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی امت تھی، اس لئے بہت سی روایات، اور رواجات صالح، منصفانہ اور شریفانہ بھی پائے تھے، لیکن بہت سے طریقے غیر شریفانہ اور غیر منصفانہ تھے۔ شریعت اسلامی نے عام طور پر پہلی قسم کے احکام کو باقی رکھا اور دوسری قسم کے احکام کی اصلاح فرمائی۔

دوسرا مرحلہ: خلافت راشدہ (۱۱ھ تا ۴۰ھ):

اس عہد میں احکام شریعت کے اخذ واستنباط کا سرچشمہ قرآن مجید اور حدیث نبوی کے علاوہ اجماع امت اور قیاس تھا۔ چوں کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد غیر منصوص مسائل میں اجتہاد کے سوا چارہ نہیں تھا، اس لئے صحابہؓ کے درمیان اختلاف رائے بھی پیدا ہوا، بعض مواقع پر کوشش کی گئی کہ لوگوں کو ایک رائے پر جمع کیا جائے، لیکن اس کے باوجود نقاط نظر کا اختلاف باقی رہا، صحابہؓ کا

مزاج یہ تھا کہ وہ اس طرح کے اختلافات کو مذموم نہیں سمجھتے تھے، اور پورے احترام اور فراخ دلی کے ساتھ دوسرے کو اختلاف کا حق دیتے تھے۔ فقہاء صحابہ کے درمیان اختلاف رائے کے مختلف اسباب ہیں جو مطولات میں مذکور ہیں۔ اس عہد میں سب سے اہم کام حضرت ابو بکرؓ کے عہد خلافت میں سرکاری طور پر قرآن مجید کی جمع وتدوین کا اور حضرت عثمان غنیؓ کے دور میں قراءت قریش پر مصحف قرآن کی کتابت اور اس کی اشاعت کا ہوا۔

یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ صحابہ سب کے سب فقیہ و مجتہد تھے، بلکہ ایک محدود تعداد ہی اس جانب متوجہ تھی۔ کیوں کہ استعداد و صلاحیت کے فرق کے علاوہ دین کے بہت سے کام اور وقت کے بہت سے تقاضے تھے اور سب کے لئے افراد کار کی ضرورت تھی، علامہ ابن قیمؒ نے ان صحابہؓ کا ذکر کیا ہے جن سے فتاویٰ منقول ہیں۔ مرد و خواتین کو لے کر ان کی تعداد ۱۳۰ر ہوتی ہے۔ علامہ ابن قیمؒ نے تفصیل سے ان کا ذکر کیا ہے، پھر انہوں نے انہیں تین حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ مکثرین، متوسطین اور مقلین۔

تیسرا مرحلہ: اصاغر صحابہ و اکابر تابعین (۴۱ھ تا اوائل دوسری صدی ہجری):

یہ مرحلہ حضرت معاویہؓ کی امارت سے شروع ہوتا ہے، اور بنو امیہ کے خاتمہ کے قریبی زمانہ تک کا احاطہ کرتا ہے، اس عہد میں بھی بنیادی طور پر اجتہاد و استنباط کا وہی منہج رہا جو صحابہؓ نے اختیار کیا تھا۔ اس عہد کی چند خصوصیات قابل ذکر ہیں۔

(۱) فقہاء صحابہؓ کسی ایک شہر میں مقیم نہیں رہے، بلکہ مختلف شہروں میں مختلف صحابہ کا ورود ہوا، وہاں لوگوں نے ان سے استفادہ کیا، اور اس شہر میں ان کی آراء اور فتاویٰ کو قبولیت حاصل ہوئی۔

(۲) صحابہ اور فقہاء تابعین کے مختلف شہروں میں مقیم ہونے کی وجہ سے فقہی مسائل میں اختلافات کی بھی کثرت ہوئی، بمقابلہ گذشتہ ادوار کے، اس دور میں اختلاف رائے کی کثرت ملتی ہے۔

(۳) یوں تو اکابر صحابہ میں بھی دونوں طرح کے فقہاء پائے جاتے تھے، ایک وہ جن کی نگاہ حدیث کے ظاہری الفاظ پر ہوتی تھی، دوسرے وہ جو معانی حدیث کے غواص تھے اور احکام شرعیہ میں شریعت کے مصالح اور لوگوں کے احوال کو بھی پیش نظر رکھتے تھے، تابعین کے عہد میں یہ دونوں طریقۂ اجتہاد اور ان کے طرز استنباط کا تفاوت زیادہ نمایاں ہو گیا۔ جو لوگ ظاہر حدیث پر قانع تھے وہ ''اصحاب الحدیث'' کہلائے اور جو نصوص اور ان کے مقاصد و مصالح کو سامنے رکھ کر رائے قائم کرتے تھے وہ ''اصحاب الرائے'' کہلائے۔ اصحاب الحدیث کا مرکز مدینہ تھا اور اصحاب الرائے کا عراق اور خاص طور پر عراق کا شہر کوفہ۔

اصحاب الرائے اور اصحاب الحدیث کے درمیان دو امور میں نمایاں فرق تھا، ایک یہ کہ اصحاب الحدیث کسی حدیث کو قبول اور رد کرنے میں محض سند کی تحقیق کو کافی سمجھتے تھے اور خارجی وسائل سے کام نہیں لیتے تھے، اصحاب الرائے اصول روایت کے ساتھ اصول درایت کو بھی ملحوظ رکھتے تھے، وہ حدیث کو سند کے علاوہ اس طور پر بھی پرکھتے تھے کہ وہ قرآن کے مضمون سے ہم آہنگ ہے یا اس سے متعارض؟ دین کے مسلمہ اصول اور مقاصد کے موافق ہے یا نہیں؟ دوسری مشہور حدیثوں سے متعارض تو نہیں ہے؟ صحابہ کا اس حدیث پر عمل تھا یا نہیں؟ اور نہیں تھا تو اس کے اسباب کیا ہو سکتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے کہ اصحاب الرائے کا منہج زیادہ درست بھی تھا اور دشوار بھی۔

دوسرا فرق یہ تھا کہ اصحاب الحدیث ان مسائل سے آگے نہیں بڑھتے تھے جو حدیث میں

مذکور ہوں، یہاں تک کہ بعض اوقات کوئی مسئلہ پیش آ جاتا اور ان سے اس سلسلہ میں رائے دریافت کی جاتی، اگر حدیث میں اس کا ذکر نہیں ہوتا تو وہ جواب دینے سے انکار کر جاتے اور لوگ ان کی رہنمائی سے محروم رہ جاتے۔ اصحاب الرائے نہ صرف یہ کہ جن مسائل میں نص موجود نہ ہوتی، ان میں مصالح شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے اجتہاد کرتے بلکہ جو مسائل ابھی وجود میں نہیں آئے لیکن ان کے واقع ہونے کا امکان ہے، ان کے بارے میں بھی پیشگی تیاری کے طور پر غور کرتے اور اپنی رائے کا اظہار کرتے، اسی کو ''فقہ تقدیری'' کہتے ہیں۔ اصحاب حدیث، اصحاب رائے کے اس طرز عمل پر طعنہ دیتے تھے، لیکن آج اسی فقہ تقدیری کا نتیجہ ہے کہ نئے مسائل کو حل کرنے میں قدیم ترین فقہی ذخیرہ سے مدد مل رہی ہے۔ متقدمین کے یہاں اصحاب الرائے میں سے ہونا ایک قابل تعریف بات تھی اور مدح سمجھی جاتی تھی، بعد کو جن لوگوں نے اس حقیقت کو نہیں سمجھا انہوں نے ''رائے'' سے مراد ایسی رائے کو سمجھا جو قرآن وحدیث کے مقابلہ خود رائی پر مبنی ہو، یہ کھلی ہوئی غلط فہمی اور ناسمجھی ہے۔

(۴) عہد صحابہ میں اکثر لوگ وہ تھے جنہوں نے حضور ﷺ کے عمل کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا، اس لئے روایت حدیث کی ضرورت کم پیش آتی، اب چوں کہ زیادہ تر صحابہ رخصت ہو چکے تھے اس لئے روایت حدیث کے سلسلہ میں بمقابلہ گذشتہ دور کے اضافہ ہوگیا، البتہ اس دور میں حدیث یا فقہ کی تدوین یا ضابطہ عمل میں نہیں آیا۔ حضرت عمر بن عبد العزیزؒ نے اس سلسلہ میں کوشش تو کی، لیکن اس سے پہلے کہ ان کا خواب شرمندۂ تعبیر ہوتا خود ان کی وفات ہوگئی۔

چوتھا مرحلہ: اوائل دوسری صدی تا نصف چوتھی صدی:

تدوین فقہ کا چوتھا مرحلہ جو عباسی دور کی ابتداء سے شروع ہو کر چوتھی صدی ہجری کے وسط

تک محیط ہے، نہایت اہم ہے۔ اور اسے نہ صرف فقہ اسلامی بلکہ تمام ہی اسلامی وعربی علوم وفنون کا سنہرا دور کہہ سکتے ہیں۔ اور فقہ کے لئے تو یہ دور نہایت ہی اہم ہے۔ اسی دور میں باضابطہ حدیث کی تدوین کا کام شروع ہوا، جو تین مرحلوں میں انجام پایا، اسی دور میں فن جرح وتعدیل کی بنیاد پڑی، اس عہد میں قراءت کے فن نے بھی بڑا عروج حاصل کیا، اصول فقہ کی باضابطہ تدوین بھی اسی عہد میں ہوئی، کہا جاتا ہے کہ اس موضوع پر امام ابوحنیفہؒ کی کوئی تالیف ''کتاب الرائے'' کے نام سے تھی، لیکن اب اس کا کوئی وجود نہیں۔ امام محمدؒ کی طرف بھی اصول کی ایک کتاب اسی نام سے منسوب کی جاتی ہے، یہ بھی دستیاب نہیں ہے۔ حقیقت یہی ہے کہ اس فن کے مؤسس اول امام ابوحنیفہؒ اوران کے تلامذہ ہیں۔ اس وقت اس موضوع پر جو قدیم ترین کتاب پائی جاتی ہے وہ امام شافعیؒ کی "الرسالہ" ہے۔ اس دور میں فقہی اصطلاحات کا ظہور ہوا اور احکام میں فرض، واجب، سنت، مباح اور مستحب جیسی اصطلاحات نے رواج پایا۔ تابعین کے عہد میں عام طور پر ایسی اصطلاحات قائم نہیں تھیں، بلکہ شریعت میں جن باتوں کا حکم دیا گیا، لوگ بلا تفریق اس پر عمل کرتے تھے اور جن باتوں سے منع کیا گیا، بلا کسی تفریق کے ان سے اجتناب کرتے تھے، بمقابل پچھلے ادوار کے اس عہد میں اجتہاد واستنباط کی کثرت ہوئی، اس کے دو بنیادی اسباب تھے: ایک عباسی حکومت کا علمی ذوق، دوسرا سبب عالم اسلام کی وسعت تھی۔ اسی عہد میں بڑے بلند پایہ عالی ہمت اور اپنی ذہانت وفطانت کے اعتبار سے محیر العقول علماء وفقہاء پیدا ہوئے، پھر ان میں بعض بلند پایہ فقہاء نے مستقل دبستان فقہ کی بنیاد رکھی اور ان سے علمی تاثر کی وجہ سے اہل علم کی ایک تعداد ان کے ساتھ ہوگئی اور اس نے ان کے علوم کی اشاعت وتدوین اور تائید وتقویت کے ذریعہ مستقل فقہی مدارس کو وجود بخشا، ان شخصیتوں میں سب سے ممتاز شخصیتیں ائمہ اربعہ کی ہیں۔

اس دور میں فقہاء اپنی قوت اجتہاد اور لیاقت استنباط میں نہایت اعلیٰ درجہ کے حامل تھے،

اللہ تعالیٰ کے یہاں یہ بات مقدر نہیں تھی کہ ان کے مذہب کو بقاء واستحکام حاصل ہوسکے، چنانچہ کم ہی عرصہ میں یہ مذاہب ناپید ہوگئے، البتہ ان کی چیدہ چیدہ آراء کتابوں میں اب بھی موجود ہیں، ان میں سے قابل ذکر شخصیتیں ہیں: امام اوزاعیؒ (م ۱۵۷ھ)، سفیان ثوری (م ۱۶۱ھ) لیث بن سعد (م ۱۷۵ھ)، داؤد ظاہری (م ۲۷۰ھ)، ابن جریر طبری (م ۳۱۰ھ)۔

لیکن ائمہ اربعہ وہ خوش قسمت مجتہدین ہیں جن کی فقہ کو من جانب اللہ بقاء حاصل ہوا، اور جو گیارہ بارہ سو سال سے عملی طور پر قائم اور نافذ ہے، ان مکاتب فقہ میں شخصیتوں کا تسلسل رہا، ہر عہد میں اس کے تقاضوں کے مطابق علم وتحقیق کا کام انجام پاتا رہا۔

لیکن فقہ کی باضابطہ تدوین کا شرف سب سے پہلے جس شخصیت کو حاصل ہوا وہ امام ابو حنیفہؒ کی ذات والا صفات ہے۔ پھر اہم بات یہ ہے کہ امام صاحب نے دوسرے فقہاء کی طرح انفرادی طور پر اپنی آراء مرتب نہیں کی، بلکہ حضرت عمرؓ کی طرح شورائی انداز اختیار کیا، اس کا نتیجہ تھا کہ بعض اوقات ایک مسئلہ پر ایک ماہ یا اس سے زیادہ بحث ومباحثہ کا سلسلہ جاری رہتا، اس مجلس تدوین میں جو مسائل مرتب ہوئے اور جو زیر بحث آئے ان کی تعداد کیا تھی؟ اس سلسلے میں تذکرہ نگاروں کے مختلف بیانات ملتے ہیں، مسانید امام ابوحنیفہ کے جامع علامہ خوارزمی نے تراسی ہزار کی تعداد لکھی ہے، جس میں اڑتیس ہزار کا تعلق عبادات سے تھا اور باقی کا معاملات سے، بعض حضرات نے چھ لاکھ اور بعض نے بارہ لاکھ سے بھی زیادہ بتائی ہے۔ مشہور محقق مولانا مناظر احسن گیلانیؒ کا خیال ہے کہ اس تعداد میں ان مسائل کو بھی شامل کرلیا گیا ہے جو امام کے مقرر کیے ہوئے اصول وکلیات کی روشنی میں مستنبط کیے گئے تھے۔ اس مجلس میں اپنے عہد کے تقریباً چالیس ممتاز علماء شامل تھے۔

مناسب محسوس ہوتا ہے کہ ائمہ اربعہ میں سے امام ابوحنیفہؒ اور ان کی فقہ پر خدمات کا مختصر اور مستقل تذکرہ کیا جائے۔

امام ابوحنیفہؒ:

آپ کا نام نعمان، والد کا ثابت اور دادا زوطی فارسی النسل تھے، اللہ تعالیٰ نے دولت ایمان سے سرفراز فرمایا، ابوحنیفہ آپ کی کنیت ہے جو آپ کی صاحبزادی کی نسبت سے ہے۔ حضرت ابوہریرہؓ راوی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لو کان الدین عند الثریا لذهب رجل من فارس او قال من ابناء فارس حتی یتناوله۔ (مسلم شریف: ۲/ ۳۱۲) گو دین ثریا پر ہوگا تب بھی اسے ابنائے فارس کا ایک شخص حاصل کر کے ہی رہے گا۔ حافظ جلال الدین سیوطیؒ نے آپ ﷺ کی اس پیشن گوئی کا مصداق امام ابوحنیفہؒ کو قرار دیا ہے۔ غیر مقلد عالم نواب صدیق حسن خاں بھوپالی صاحب نے بھی اس کا اعتراف کیا ہے۔ محققین کے نزدیک راجح یہی ہے کہ آپ تابعی تھے، سن ۸۰ ہجری میں پیدا ہوئے اور ۱۵۰ھ میں وفات پائی۔ امام ابوحنیفہؒ کا اصول استنباط کیا تھا؟ خود انہی کے الفاظ میں:

> ''اگر قرآن میں مل جائے تو میں اسی کا حکم لیتا ہوں، قرآن میں نہ ہو تو سنت رسول کو لیتا ہوں، اور کتاب وسنت میں کسی بات کا حکم نہیں پاتا تو رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے جس کا قول چاہتا ہوں لیتا ہوں، لیکن ان کے قول سے اور کے قول کی طرف نہیں جاتا، جب بات ابراہیم بن سیرین، عطاء اور سعید بن مسیّب کی آتی ہے تو جیسے ان لوگوں نے اجتہاد کیا ہے میں بھی اجتہاد کرتا ہوں۔''
>
> (الانتقاء لابن عبدالبر: ۱۴۳)

امام ابوحنیفہؒ کا تفقہ سبھی کو تسلیم ہے، لیکن فن حدیث میں بھی آپ کا پایہ کچھ کم نہیں تھا، ابو المؤید محمد بن محمود خوارزمی (م ۶۶۵ھ) نے امام صاحب کے تلامذہ سے مروی آپ کی احادیث کو ''جامع المسانید'' کے نام سے جمع کر دیا ہے جو سو صفحات پر مشتمل ہے۔ حدیث کو قبول اور رد کرنے

میں امام صاحب نے اصول روایت کے علاوہ اصول درایت کو بڑی اہمیت دی ہے۔آپ سے استفادہ کرنے والے تلامذہ کی بڑی تعداد ہے،جن میں امام ابو یوسفؒ،امام محمدؒ،امام زفرؒ اور امام حسن بن زیادؒ زیادہ مشہور ہیں۔امام صاحب کی فقہی آراء کو جاننے کا سب سے اہم ذریعہ امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کی کتابیں ہیں۔فقہ حنفی شروع سے مقبول عام فقہ رہی ہے،اس وقت ہندوستان، پاکستان، بنگلہ دیش، ترکی، روس، چین، آزاد ایشیاء کی جمہوریتیں، ایران کا سنی علاقہ، افغانستان میں قریب قریب ننانوے فی صد حنفی المسلک لوگ ہیں،اس کے علاوہ عراق،مصر،شام،فلسطین اور دنیا کے اکثر ملکوں میں احناف موجود ہیں،بعض اہل علم کا خیال ہے کہ تقریباً اَسّی (۸۰) فی صد اہل سنت حنفی ہیں۔

فقہ حنفی کی کتابیں:

بنیادی طور پر فقہ حنفی کے مصادر کے تین حصے کئے گئے ہیں،ظاہر روایت،نوادر اور فتاویٰ و واقعات۔

ظاہر روایت:

ظاہر روایت سے مراد امام محمدؒ کی یہ چھ کتابیں ہیں۔

"المبسوط، الجامع الصغیر، الجماع الکبیر، الزیادات، کتاب السیر الصغیر، کتاب السیر الکبیر۔" یہ چھ کتابیں ''ظاہر روایت'' کہلاتی ہیں۔کیوں کہ یہ شہرت و تواتر کے ساتھ اور مستند طریقہ پر منقول ہیں،انہیں اصول بھی کہا جاتا ہے،ان میں سے مکرر مسائل کو حذف کر کے ابوالفضل محمد بن احمد مروزی معروف بہ حاکم شہیدؒ (م ۳۳۴ھ) نے الکافی فی فروع الحنفیة کے نام سے مرتب کیا،اس کی شرح علامہ سرخسیؒ نے المبسوط کے نام سے کی ہے،جو شائع ہو چکی ہے۔

نوادر:

ظاہر روایت کے علاوہ امام محمدؒ کی دوسری کتابیں جیسے: ھارونیات، کیسانیات، رقیات نیز امام ابویوسفؒ کی کتاب الامالی حسن بن زیاد کی کتاب المجرد اور امام صاحب کے تلامذہ کی دوسری کتابیں ''نوادر'' کہلاتی ہیں۔ کیوں کہ یہ اس درجہ شہرت وتواتر کے ساتھ اور مستند ومعتبر طریقہ پر نقل نہیں ہوئی ہیں۔

فتاویٰ اور واقعات:

جن مسائل کے بارے میں امام صاحب کی رائے منقول نہیں ہے اور بعد کے مشائخ نے ان کی بابت اجتہاد کیا ہے ان کو ''فتاویٰ اور واقعات'' کہا جاتا ہے، اس سلسلہ میں ابواللیث سمر قندیؒ کی "کتاب النوازل" علامہ ناطفیؒ کی "مجمع النوازل و الواقعات" اور صدر شہیدؒ کی "الواقعات" اولین کتابیں ہیں۔

پانچواں مرحلہ: سقوط بغداد تک (۶۵۶ھ):

فقہ کی تدوین وترتیب کا پانچواں مرحلہ چوتھی صدی ہجری کے اوائل سے شروع ہوتا ہے اور ۶۵۶ھ میں سقوط بغداد پر ختم ہوتا ہے۔ جب ہلاکو خان نے عالم اسلام کے دار الخلافۃ بغداد پر غلبہ حاصل کیا، آخری عباسی خلیفہ کو نہایت بے دردی سے قتل کردیا۔ اس عہد کی چند خصوصیات اس طرح ہیں:

اس عہد میں شخصی تقلید کا رواج ہوا، اور تمام لوگ احکام میں ایک متعین مجتہد کی پیروی کرنے لگے، تقلید کی اس صورت کو متعدد اسباب کی وجہ سے تقویت پہونچی، اس عہد میں مقلد علماء نے دو اہم کام کئے۔ ایک تو اپنے دبستان فقہ کی آراء کے لئے دلائل کی تلاش اور استنباط، کیوں کہ اصحاب مذہب سے بہت سے مسائل میں صرف ان کی رائے ملتی تھی اور اس رائے پر دلیل منقول نہیں تھی،

لہذا علمی اور تحقیقی ضرورت کے پس منظر میں نصوص اور عقل وقیاس سے مذہب کی آراء پر دلیل فراہم کی گئی۔ دوسرا کام ایک ہی مذہب فقہی کی حدود میں مختلف آراء کے درمیان ترجیح کا ہوا۔ یہ ترجیح کی ضرورت دو موقعوں پر پیش آتی ہے، ایک تو اس وقت جب امام سے مختلف راویوں نے الگ الگ رائے نقل کی ہو، اس صورت میں راوی کے استناد واعتبار کے لحاظ سے ترجیح دی جاتی ہے کہ کون سی نقل زیادہ درست ہے؟ اسی بناء پر حنفیہ کے یہاں ظاہر روایت کو نوادر پر مقدم رکھا جاتا ہے۔ دوسرے اس وقت جب امام سے ایک سے زیادہ اقوال صحیح اور مستند طریقہ پر ثابت ہوں، ایسی صورت میں امام کے اصول استنباط اور کتاب وسنت اور قیاس سے موافقت اور ہم آہنگی کی بنیاد پر بعض اقوال کو ترجیح دی جاتی ہے۔ اس لئے اس دور کو ''اصحاب ترجیح کا دور'' کہا جا سکتا ہے۔ اور چوں کہ یہ ترجیحات بھی ایک گونہ اجتہاد پر مبنی ہوتی ہیں اس لئے ان میں اختلاف رائے کا پیدا ہونا فطری ہے، اسی لئے ایک ہی مذہب کے مختلف مصنفین کے نزدیک اقوال وآراء کی ترجیح میں خاصا اختلاف رائے پایا جاتا ہے۔ اس دور کا ایک قابل ذکر کام ائمہ مجتہدین کے اقوال کی تشریح وتوضیح بھی ہے، یعنی مجمل احکام کی توضیح، بعض مطلق اقوال سے متعلق شرائط وقیود کا بیان اور آراء کی تنقیح۔ اس طرح اس عہد میں ائمہ متبوعین کے مذہب کی تنظیم وتدوین اور توضیح وتائید کا بڑا اہم کام انجام پایا۔

چھٹا مرحلہ: سقوط بغداد تا اختتام تیرہویں صدی:

یہ عہد بھی بنیادی طور پر پہلے ہی عہد کے مماثل ہے، جس میں مختلف مسالک کے اہل علم نے اپنے مذہب فقہی کی خدمت کی، مختلف مذاہب سے متعلق متون اور متون پر مبنی شروح کی ترتیب عمل میں آئی، فتاویٰ مرتب ہوئے، فتاویٰ سے مراد دو طرح کی تحریریں ہیں، ایک متأخرین کے اجتہادات، دوسرے مستفتیوں کے سوالات کے جوابات۔

فقہ اسلامی عہد جدید میں:

فقہ اسلامی کے ارتقاء کے سلسلے میں جدید دور کا نقطۂ آغاز تیرہویں صدی ہجری کے اواخر کو قرار دیا جا سکتا ہے، جب خلافت عثمانیہ کے حکم پر ''مجلۃ الاحکام العدلیۃ'' کی ترتیب عمل میں آئی، اس عہد میں جو علمی کارنامے انجام پائے ہیں یا پا رہے ہیں ان کو ہم چار حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

(۱) اول فقہی مضامین کو دفعہ وار جدید قانونی کتابوں کے انداز پر مرتب کرنا کہ اس سے لوگوں کے لئے استفادہ آسان ہو جاتا ہے اور عدالتوں کے لئے یہ بات ممکن ہوتی ہے کہ وہ اس قانون کو اپنے لئے نشانِ راہ بنائے، اس کی ابتداء مجلۃ الاحکام سے ہوئی، حکومت عثمانیہ ترکی نے اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے وزیر انصاف کی صدارت میں اکابر فقہاء کی ایک کمیٹی تشکیل دی اور انہیں حکم دیا کہ فقہ حنفی کے مطابق نکاح، تجارت اور تمام معاملات کے احکام کو دفعہ وار مرتب کریں۔

۱۲۸۵ھ میں یہ کام شروع ہوا اور سات سال کی محنت کے بعد ۱۲۹۳ھ میں پایۂ تکمیل کو پہونچا۔ اس کے بعد مختلف مسلم ممالک میں حکومت کی زیر نگرانی احوال شخصیہ کے متعلق مجموعۂ قوانین کی ترتیب عمل میں آئی۔ اس طرح مجموعہ قوانین کی ترتیب کی بہت سی قابل قدر انفرادی کوششیں بھی عمل میں آئی ہیں۔

اس دور میں قدیم کتابوں کی خدمت میں بھی بعض نئے پہلو اختیار کئے گئے ہیں، جیسے مضامین کی فقرہ بندی، تفصیلی فہرست سازی، تعلیق و تحقیق اور ایک اہم سلسلہ حروف تہجی کی ترتیب پر مضامین کی فہرست سازی کا کام بھی شروع ہوا ہے۔ جو کتاب سے مراجعت کرنے والوں کے لئے بہت ہی سہولت بخش ہے، اس نے طویل کتابوں سے استفادہ اور مطلوبہ مضامین کے حصول کو آسان کر دیا ہے۔

موجودہ دور میں مختلف علوم کی انسائیکلو پیڈیا مرتب کرنے کا رجحان عالمی سطح پر اور ہر زبان

میں بڑھ رہا ہے، بحمد اللہ فقہ اسلامی میں بھی اس سلسلے میں متعدد کوشش کی گئی ہیں، اس سلسلے کی سب سے کامیاب اور نتیجہ خیز کوشش وزارت اوقاف کویت کی طرف سے ہوئی، جس نے ۱۹۶۹ء میں "الموسوعة الفقهية" کے منصوبہ کو منظوری دی، یہ عظیم الشان کام پینتالیس جلدوں میں مکمل ہو چکا ہے۔ اور واقعہ ہے کہ اس موضوع پر ایک تاریخی علمی کام ہوا ہے جو یقیناً فقہ اسلامی کی نشأۃ ثانیہ کا حصہ ہے، اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا نے اس موسوعہ کو اردو کا جامہ پہنایا ہے۔

اس عہد میں ایک بہتر رجحان نئے مسائل پر اجتماعی غور وفکر کا بھی پیدا ہوا ہے، جس میں مختلف فقہی مذاہب کے اہل علم سے استفادہ کیا جائے اور اس دور کی مشکلات کو حل کیا جائے۔ چنانچہ رابطہ عالم اسلامی کی موتمر منعقدہ مکہ مکرمہ میں مجمع الفقہ الاسلامی کی تشکیل عمل میں آئی ۱۹۸۳ء میں جدہ میں فقہ اکیڈمی کی تشکیل ہوئی، اس طرح یوروپ میں ''یوروپی افتاء کونسل'' قائم ہے، جس کا مرکز برطانیہ ہے، ہندوستان کے علماء نے بھی اس سمت میں کوششیں کی ہیں۔ دار العلوم ندوۃ العلماء نے ''مجلس تحقیقات شرعیہ'' اور جمعیۃ علماء ہند نے ''ادارۃ المباحث الفقہیہ'' کو اس مقصد کے تحت قائم کیا ہے۔ اس پس منظر میں ۱۹۸۹ء میں حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام نے ''اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا'' کی بنیاد رکھی۔

موجودہ عہد میں فقہ کے عربی ذخیرہ کو اردو اور دوسری زبانوں میں منتقل کرنے کا ذوق پیدا ہوا ہے، اور مختلف علاقائی اور عالمی زبانوں میں فقہ کے موضوع پر یا تو ترجمے کئے گئے یا مستقل طور پر کتابیں لکھی گئیں، ان زبانوں میں اردو زبان کو اولیت کا شرف حاصل ہے۔ اور یہ ایک حقیقت ہے کہ اس وقت اردو زبان میں علوم اسلامی اور فقہ کا جتنا بڑا ذخیرہ موجود ہے، عربی زبان کے سواء کسی اور زبان میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے۔ فقہ کے موضوع پر اردو زبان میں کم وبیش ڈیڑھ ہزار تالیفات موجود ہیں اور یقیناً یہ اردو زبان کی بڑی سعادت اور اس کے لئے تمغۂ افتخار ہے۔

افتاء

افتاء کے معنیٰ فتویٰ دینے کے ہیں اور استفتاء کے معنیٰ فتویٰ طلب کرنے کے ہیں۔فتویٰ کی اصطلاحی تعریف کے سلسلے میں اہل علم نے مختلف تعبیرات اختیار کی ہیں،فتویٰ کی جامع تعریف ڈاکٹر شیخ حسین ملاح کے الفاظ میں اس طرح ہے۔

الاخبار بحکم اللّٰہ تعالیٰ عن الوقائع بدلیل شرعی لمن سأل عنہ۔

(الفتویٰ نشأتھا و تطورھا: ۱/۳۹۸)

پیش آمدہ واقعات کے بارے میں دریافت کرنے والے کو دلیل شرعی کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حکم کے بارے میں خبر دینے کو فتویٰ کہتے ہیں۔

فتویٰ کی اصطلاحی تعریف کے سلسلہ میں چند باتیں ملحوظ رکھنی چاہئے۔

☆ مفتی کے فتویٰ کی حیثیت خبر و اطلاع کی ہوتی ہے،مفتی مستفتی پر اپنی طرف سے کسی حکم کو لازم نہیں کرتا اور نہ وہ اس کا مجاز ہے۔

☆ فتویٰ حکم سے متعلق ایسی اطلاع کو کہتے ہیں جو کسی سوال کے جواب میں ہو۔

☆ فتویٰ ایسے سوال کا جواب ہوتا ہے جو پیش آمدہ واقعات سے متعلق ہو،اگر کوئی واقعہ پیش نہیں آیا، بلکہ اس کو فرض کر کے جواب دیا گیا تو یہ تعلیم ہے نہ کہ فتویٰ۔

متقدمین کے نزدیک فتویٰ خود اجتہاد سے عبارت تھا،مفتی سے مراد مجتہد ہوا کرتا تھا۔لیکن چوتھی صدی ہجری کے بعد جب تقلید کا رواج عام ہوا اور مجتہدین مفقود ہو گئے تو لوگ فقہاء کے آراء واقوال نقل کرتے تھے،وہی لوگ مفتی کہلانے لگے،اصل میں اس عہد میں نقل فتاویٰ کا کام ہوتا ہے اور انہی کو مفتی کہا جاتا ہے۔علامہ شامیؒ ابن ہمام کے حوالہ سے نقل کرتے ہیں۔

غیر مجتہد، جسے مجتہد کے اقوال یاد ہوں وہ مجتہد نہیں ہے، اور اس پر واجب ہے کہ جب سوال کیا جائے تو مجتہد کا قول ذکر کرے، جیسے بطور حکایت کے کہے: یہ فلاں امام کا ہے۔ اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ ہمارے زمانہ میں موجودہ لوگ جو فتویٰ دیتے ہیں وہ درحقیقت فتویٰ نہیں ہے بلکہ وہ مفتی کے اقوال کو نقل کرنا ہے تا کہ مستفتی اس پر عمل کرے۔ (شامی:۱/ ۱۶۸)

اس پس منظر میں مولانا عمیم الاحسان مجددیؒ نے فتویٰ کی تعریف اس طرح کی ہے:

تبيين الاحكام الصادره عن الفقهاء فى الوقائع الجزئية۔ (ادب المفتی)

جزئی واقعات میں فقہاء سے منقول احکام کو بیان کرنے کا نام فتویٰ ہے۔

سوال وجواب:

بہت سی کتابیں فتاویٰ کے نام سے چھپی ہوئی ہیں، جیسے: "خلاصة الفتاویٰ، فتاویٰ ابو الليث سمرقندی، فتاویٰ هنديه" اور "فتاویٰ قاضی خان" وغیرہ، ان میں سوال وجواب نہیں لیکن انہیں فتاویٰ کا نام دیا گیا ہے۔

جواب یہ ہے کہ حنفیہ کے یہاں فتاویٰ اور واقعات کی ایک خاص اصطلاح ہے اور وہ یہ کہ استناد و اعتبار کے لحاظ سے کتابوں کو تین درجوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اول درجہ امام محمدؒ کی چھ کتابوں کا ہے، جنہیں ظاہر روایت کہا جاتا ہے، دوسرا درجہ امام صاحب کے شاگردوں کی تالیفات اور خود امام محمدؒ کی ظاہر روایات کے علاوہ دوسری کتابوں کا ہے، ان کو نوادر کہتے ہیں، جن احکام کی بابت امام صاحب اور آپ کے تلامذہ سے رائے منقول نہیں ہے بلکہ بعد کے مشائخ اور اہل علم نے ان میں استنباط واستخراج سے کام لیا ہے، ان مسائل کو "فتاویٰ اور واقعات" سے تعبیر کرتے ہیں،

فتاویٰ کے نام سے جو کتابیں لکھی گئی ہیں ان میں ظاہر روایت اور نوادر کے علاوہ بعد کے مشائخ کے اقوال کو بھی نقل کرنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔اسی عموم کی وجہ سے ان کو فتاویٰ کہتے ہیں، گویا یہ ایک الگ اصطلاح ہے،اس سے فتویٰ کی اصولی اصطلاح مراد نہیں ہے۔

منصب افتاء کی اہمیت اور کار افتاء کی نزاکت:

افتاء کی ذمہ داری بہت ہی نازک ہے اس کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فتویٰ کی نسبت اپنے آپ کی طرف کی ہے:"قل اللّٰہ یفتیکم فیھن۔" (النساء) "قل اللّٰہ یفتیکم فی الکلالۃ" (النساء) گویا اللہ تعالیٰ کی ذات خود مفتی ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے منشاء کی توضیح وتشریح اپنے نبی محمد رسول اللہ ﷺ کو حوالہ کی:"یبین للناس ما نزل الیھم" (النحل) یہ بیان اور وضاحت کی ذمہ داری آپ ﷺ کے بعد ہر عہد کے علماء ارباب افتاء کے حصہ میں آئی، مفتی گویا خود شارع کا نائب ہے اور اس کی طرف سے احکام شرعیہ میں لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے، اسی لئے علامہ ابن قیمؒ نے لکھا ہے کہ مفتی کو اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ فتویٰ دینے میں وہ کس کا قائم مقام ہے۔و لیعلم المفتی عمن ینوب فی فتواہٗ۔ (اعلام الموقعین: ص:۱۱) اور امام نوویؒ نے لکھا ہے کہ مفتی اللہ تعالیٰ کی جانب سے رائے کا اظہار کرتا ہے۔المفتی موقع عن اللہ تعالیٰ۔ (شرح مھذب:۸/۴۰) اسی لئے فتویٰ دینے میں بہت احتیاط کرنی چاہئے، رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:تم میں جو شخص فتویٰ دینے میں جری ہو در اصل دوزخ پر جری ہے۔(سنن دارمی:۱/۵۷)سلف صالحین افتاء کے سلسلے میں بہت زیادہ احتیاط برتتے تھے۔

فتویٰ عہد نبوی میں:

یہ ظاہر ہے کہ امت میں سب سے پہلے مفتی رسول اللہ ﷺ تھے۔علامہ ابن قیمؒ فرماتے

ہیں اول من قام بهذا المنصب الشريف سيد المرسلين ﷺ۔ (اعلام الموقعین) عہد نبوی میں رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے صحابہ نے بھی فتویٰ دیا ہے۔

عہد صحابہ میں:

صحابہ سب مقام افتاء پر فائز نہیں تھے، بلکہ ایک محدود تعداد تھی جو فتاویٰ دیا کرتی تھی، اس میں ایک تو ان کی احتیاط کو دخل ہے، دوسرے صلاحیت واستعداد میں تفاوت کو، تیسرے تقسیم کار کو۔ دین اور امت سے متعلق مختلف ذمہ داریاں صحابہ انجام دیتے تھے، تعلیم وتعلم، دعوت وجہاد، انتظام و انصرام، تربیت وتزکیہ وغیرہ۔ اسی نسبت سے ایک محدود تعداد علم وتحقیق، اجتہاد واستنباط اور قضاء و افتاء کے کام میں مشغول ہوئی، ان حضرات کو اس زمانہ میں قراء کہا جاتا تھا۔ (مقدمہ ابن خلدون)

علامہ ابن قیمؒ نے تفصیل سے ان کو ذکر کیا ہے، ان کی تحقیق ہے کہ مجموعی طور پر ۱۳۰ر سے کچھ زیادہ صحابہ اور صحابیات فتاویٰ دیتے تھے، پھر انہوں نے انہیں تین حصوں میں تقسیم کیا ہے: مکثرین، متوسطین اور مقلین۔

تابعین اور تبع تابعین کے عہد میں:

صحابہ کے بعد تابعین اور تبع تابعین کا دور فقہ وفتاویٰ میں خصوصی اہمیت کا حامل ہے، ائمہ مجتہدین اور بعد کے فقہاء نے ان فتاویٰ سے خاص طور پر استفادہ کیا ہے۔

عہد زرّیں:

دوسری صدی ہجری فقہ وفتاویٰ اور اجتہاد واستنباط کے لحاظ سے سب سے زرّیں دور کہلانے کا مستحق ہے۔ جس میں ایسے ائمہ مجتہدین پیدا ہوئے جنھوں نے فقہ وفتاویٰ کا نہایت ہی نمایاں کارنامہ انجام دیا اور ایک بڑے گروہ نے ان کی اتباع وپیروی اور اقتداء وتقلید کا راستہ اختیار

کیا، انہیں میں اہل سنت کے چاروں ائمہ مجتہد ہیں جن کی فقہ کو امت کے سواد اعظم نے اپنی چشم محنت کا سرمہ بنایا۔

موجودہ دور میں کار افتاء:

موجودہ دور میں جو لوگ منصب افتاء پر فائز ہیں وہ اپنی صلاحیت و استعداد کے اعتبار سے اس طرح کے کام انجام دے رہے ہیں۔

ا......تخریج:

یعنی جن مسائل کے بارے میں فقہاء کی رائے منقول نہیں ہے اور وہ اس دور کے پیدا ہونے والے مسائل ہیں، فقہاء کے مقرر کئے ہوئے اصول وقواعد کی روشنی میں ان کے بارے میں رائے قائم کرنا۔

کیوں کہ ہر عہد میں نئے مسائل پیدا ہوتے رہیں گے جن کا شرعی حکم متعین کرنا علماء کی ذمہ داری ہے اور یہ شریعت اسلامی کے ابدی ہونے کا لازمی تقاضا ہے۔

۲......ترجیح:

یوں تو بعد کے فقہاء نے متقدمین کی اختلافی آراء کے بارے میں ترجیحات متعین کر دی ہیں، لیکن ترجیح کی ایک اساس کسی رائے کا اپنے عہد کے عرف اور اس زمانہ کے مصالح پر مبنی ہونا ہے، ان کے بارے میں اپنے عہد کے حالات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کریں، کسی خاص رائے کو تقاضاء عصر و زمان کے تحت اختیار کیا جائے۔ علامہ شامیؒ نے مختلف مقامات پر اس سلسلہ میں اشارہ کیا ہے۔

۳......نقل فتاویٰ:

تیسرا کام یہ ہے کہ جس فقہ کا مقلد ہو اس فقہ کے مطابق جوابات نقل کر دئے جائیں۔

موجودہ دور میں ارباب افتاء یہ تینوں طرح کے کام کر رہے ہیں۔

فتویٰ __ شرعی احکام:

شریعت کے اصولی احکام اور اجتہاد کے سلسلہ میں فقہاء کی توضیحات سے معلوم ہوتا ہے کہ حالات اور مواقع کے اعتبار سے فتویٰ دینے کا حکم مختلف ہوگا۔

ا......فرض عین:

یہ اس صورت میں ہے جب کہ وہ خود حکم سے واقف ہو، یا کم سے کم واقفیت حاصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو، اس کے سوا کوئی اور شخص نہ ہو جو اس مسئلہ کا جواب دے سکے۔ اور وہ مسئلہ پیش آچکا ہو، محض فرضی اور بے فائدہ سوال نہ ہو۔ (نووی شرح مہذب: ۱/ ۴۵)

اب اگر ایسا سوال ہے جس میں تاخیر سے بھی عمل کی گنجائش ہے تو جواب میں تاخیر بھی کی جاسکتی ہے اور اگر فوری حل طلب مسئلہ ہو تو فوری طور پر اس کا جواب دینا یا اس کے جواب کو تلاش کرنا واجب ہے، گویا کبھی فتویٰ دینا واجب علی الفور ہوتا ہے اور کبھی واجب علی التراخی، جیسا کہ اجتہاد کا حکم ہے۔ (کشف الاسرار: ۴/ ۲۶)

۲......فرض کفایہ:

اس علاقہ میں ایک سے زیادہ مفتی موجود ہوں اور مسئلہ اتنا زیادہ عاجلانہ نہ ہو کہ اگر جواب نہ دے تو ضرورت منداس موقع پر مطلوب عمل سے محروم رہ جائے گا تو فتویٰ دینا فرض کفایہ ہے، اس پس منظر میں بعض فقہاء شوافع نے لکھا ہے کہ سفر شرعی کی مسافت کے بقدر علاقہ میں کم سے کم ایک مفتی ضرور ہونا چاہئے۔ (شرح المنہاج للمحلی: ۴/ ۲۱۴)

۳......مستحب:

جو مسائل ابھی پیش نہیں آئے ہیں اور ان کے بارے میں دریافت کیا جائے تو اس کا جواب دینا واجب نہیں، مستحب ہے۔ (کشف الاسرار: ۴/ ۲۷، التقریر والتحریر: ۳/ ۲۹۲)

۴......حرام:

جو شخص مسئلہ سے واقف ہی نہ ہو یا واقف تو ہو لیکن قرآن وحدیث کے نصوص اور اجماع کے مقابل اپنی رائے رکھتا ہو تو اس کے لئے فتویٰ دینا حرام ہے، کیوں کہ وہ خود غلطی پر ہے اور فتویٰ دے کر دوسروں کو بھی غلطی پر اکسا رہا ہے۔

۵......مکروہ:

جو مسائل پیش نہیں آئے ہوں اور بظاہر ان کے پیش آنے کی توقع بھی نہیں ہے، ایسی بے فائدہ چیزوں کے بارے میں سوال کرنا اور جواب دینا مکروہ ہے۔(الفتاویٰ نشاطہا وتطورھا:۲/۶۲۰)

......معین الفتاویٰ......

مہتمم جامعہ حضرت مولانا محمود شبیر صاحب مدظلہ العالی ''صاحب فتاویٰ کا مختصر تعارف'' میں رقم طراز ہیں:

''معین الفتاویٰ'' حضرت کے قلم سے نکلے ہوئے ان فتاویٰ کا مجموعہ ہے جو آپ نے جامعہ میں بحیثیت مفتی سولہ سال میں سائلین کے سوالات کے جواب میں تحریر فرمائے۔ آج بھی جامعہ کے کتب خانہ میں کتابی نام کے بغیر (قلمی نسخہ) محفوظ ہے۔''

صاحب فتاویٰ نے فتویٰ نویسی میں جن امور کا لحاظ رکھا ہے وہ انہی کے الفاظ میں حسب ذیل ہیں۔

(۱) حسب مقدور جوابات میں اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ سوال کے متعلقہ امور کو بھی جواب میں شامل کر کے بظاہر تو عنوان ایک سوال کا رکھا گیا ہے مگر جواب میں اکثر فقہی کتابوں کا خلاصہ جمع کر کے حقیقۃً اس سوال کے متعلق متعدد سوالوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے جواب دیا گیا ہے۔

(۲) حتی الامکان اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ ہر قول کی دلیل میں کسی معتبر کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے، اور بعض جگہ بغیر حوالہ بھی جواب دیا گیا، مگر وہ ایسی جگہ پر جہاں کے دلائل شرعی قوانین سے ظاہر تھے اور کسی کو شبہ کرنے کا احتمال پیدا نہیں ہوسکتا تھا۔

(۳) بعض مسائل تفصیل طلب کو ضرورت وقتی کا لحاظ کرتے ہوئے ذرا تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، مثلاً مسئلہ تقدیر وغیرہ، بغیر مفصل تمہید وماحول کے تشنۂ تحریر وتفصیل رہ جاتا تھا، اس لئے ایسے مسائل میں تفصیل سے کام لیا گیا ہے۔

(۴) جوابات میں اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ مفہوم گول مول نہ رہ جائے، بلکہ مطلب صاف اور واضح سمجھ میں آجائے، اس واسطے سیدھے سادے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جس سے ادنیٰ اردو خواں بھی مطلب سمجھ سکتا ہے۔

(۵) مسائل کے لئے ترتیب ابواب ومباحث نہ ہوسکی، جس کی وجہ یہ ہے کہ باہر سے جیسا فتویٰ (سوال) آیا ویسا ترتیب وار معہ جواب کے رجسٹر میں درج کیا گیا، اس واسطے عدیم الفرصتی کی وجہ سے دوبارہ ترتیب ابواب وابحاث کے لئے موقع نہ ملا۔ اور ناظرین کی سہولت کی غرض سے بترتیب فقہی ''فہرستِ مسائل'' بنا کر ہر ایک مسئلہ کو اپنی اپنی بحث میں درج کیا گیا ہے۔ اور اس فہرست کو شامل کیا گیا، تاکہ ہر مسئلہ زیر بحث کو اپنی بحث میں تلاش کرنے سے آسانی ہو۔

اب الحمدللہ جامعہ نے حضرت کی بترتیب فقہی ''فہرست مسائل'' میں بسہولت تلاش کر کے مسائل کو کتب وابواب میں مرتب کر دیا ہے اور افادہ عام اور استفادہ آسان کر دیا ہے۔ اور حضرت کی دیگر گراں قدر تصانیف کے مطابق نام ''معین الفتاویٰ'' تجویز کر کے پہلی بار منصۂ شہود پر لانے کی سعی کی ہے۔

اس موقع پر سب سے پہلے اور سب سے زیادہ حضرت مولانا محمود شبیر صاحب مدظلہ

العالی مہتمم جامعہ حسینیہ مبارکباد کے مستحق ہیں، جن کی فکر و اہتمام سے یہ گراں قدر کام پایۂ تکمیل کو پہونچا۔ فجزاہ اللّٰہ احسن الجزاء فی الدنیا و الاٰخرۃ۔ ثانیاً وہ تمام احباب مستحق تشکر و امتنان ہیں جن کا کسی بھی طرح کا تعاون اس علمی کام کی انجام دہی میں حاصل رہا، خاص طور پر مفتی محمد قاسم مانگرولی صاحب استاذ حدیث وافتاء جامعہ حسینیہ جنہوں نے خاص طور پر کتاب الفرائض پر اپنی گہری اور عمیق نگاہ ڈالی اور ضروری اصلاحات و تصحیحات کے ذریعہ اس کے اعتبار کو مستحکم کیا۔ مفتی محمد امین ادھنا جنہوں نے بڑی وسعت قلبی اور فراخ دلی کے ساتھ کمپیوٹر کمپوزنگ کی خدمت انجام دی اور بار بار تصحیحات واصلاحات کو خندہ پیشانی کے ساتھ قبول کیا، مولانا حسیب الرحمٰن قاسمی (کاتب صاحب) جن کی حرکیت وفعالیت اور مفید مشوروں سے یہ کارنامہ تدریجاً تکمیل کی منزل تک رواں دواں رہا۔ فجزاھم اللّٰہ فی الدارین۔ اور بھی کئی احباب ہیں جن کا تعاون حاصل رہا اور ان کے نام اس عجالہ میں نہیں آ سکے۔ اللہ تعالیٰ علیم وخبیر ہیں۔ وہ انہیں اپنے شایان شان بہترین بدلہ عطا فرمائے۔ اور معین الفتاویٰ کے ذریعہ امت مسلمہ کو صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرمائے اور صاحب فتاویٰ کے لئے ذخیرۂ آخرت اور ہم سبھوں کے لئے ذریعہ نجات بنائے۔ آمین یارب العالمین بحرمۃ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم۔

حررہٗ: العبد عقیل احمد قاسمی
خادم طلبۂ تفسیر وحدیث
جامعہ حسینیہ، راندیر، سورت، گجرات

پیش لفظ

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم۔

الحمد للّٰہ حمداً مکافیاً لنعمائہ والصلوٰۃ علیٰ رسولہ و اولیائہ واٰلہ و اصحابہ و اتباع اتباعہ و سائر ھداۃ طریقہ و حماتہ۔ اما بعد!

فقیر محمود حسن بن الحاج مولانا مولوی قاری احمد خان خلیفۂ سید مصطفیٰ القادری (کلیدار حضرت القادریہ قدس سرہ العزیز) خادمین علم کی خدمت میں خصوصاً و جمیع مسلمانوں کی خدمت میں عموماً عرض گذار ہے کہ یہ ناچیز ۱۵؍شوال ۱۳۴۰ھ مطابق ۲۲؍جون ۱۹۲۲ء اجمیر شریف سے مخدومی مولانا مولوی محمد حسین صاحب مرحوم مہتمم مدرسہ محمدیہ راندیر کی دعوت پر راندیر آیا، اور مدرسہ محمدیہ عربیہ میں درجۂ عربی کی تدریس پر مامور ہوا۔ مولانا مرحوم نے گجرات میں جو ملی وقومی خدمات کا بیڑا اٹھایا تھا، اس کا دائرہ بہت وسیع تھا، خود راندیر میں دو عظیم الشان مردانہ وزنانہ مدرسوں کو چلانا کچھ آسان کام نہ تھا۔ مگر یہ آپ ہی کی عالی ہمتی اور جوش ملی کا اثر تھا کہ ان عظیم الشان مدارس اسلامی کی تعلیمی اور تنظیمی بارگراں اٹھانے کے ساتھ آپ گجرات کے دیہات کے مسلمانوں کی ملی اور قومی خدمات سے بھی غافل نہ تھے۔ چنانچہ آپ نے گجرات کے دیہات میں جا بجا وہاں کے مسلمانوں کی سہولت کے لئے مدارس ومکاتب کا ایک جال بچھایا تھا، جن کی نگرانی کے لئے آپ وقتاً فوقتاً دیہات میں دورے پر تشریف لے جاتے۔ اس کے علاوہ جو لوگ کہ کبرسنی یا دیگر عوارض سے وہ علوم دینیہ سے اور مسائل شرعیہ سے محروم تھے ان کو مسائل شرعیہ پہنچانے کی یہ صورت کی کہ باہر سے جو سوالات آتے ان کو معہ جوابات کے گجراتی اخبار میں ہفتہ وار شائع کرتے۔ اس میں دو

فوائد تھے ایک تو سائل کو واپسی کے ٹکٹ وغیرہ کا خرچہ نہ اٹھانا پڑتا بلکہ اخبار میں اپنا جواب دیکھ لیتا تھا۔ دوم یہ کہ اس شرعی فیصلے سے تمام مسلمان واقف ہو جاتے تھے۔ غرض آپ کی ملی اور قومی خدمات اس قدر ہے کہ حیطۂ تحریر میں لانا دشوار ہے۔ مگر افسوس کہ ہمارے اور اہل گجرات کی بدقسمتی سے اس مایۂ ناز ہستی کو ۱۱؍رجب ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۰؍نومبر ۱۹۳۲ء قضاوقدر کے ہاتھوں نے ہم سے جدا کیا اور یہ عظیم الشان خدمات مخدومی مولانا ابراہیم صاحب اور محترم جناب حافظ احمد صاحب کے کندھوں پر پڑ گئی۔

حضرت مخدومی مولانا ابراہیم صاحب ومحترم جناب حافظ احمد صاحب کے ارشاد کے مطابق اس ناچیز کے ذمہ مدرسہ میں تعلیمی خدمات کے علاوہ افتاء کا بارگراں بھی پڑا۔ اور تدریس کے اوقات میں تھوڑا بہت جو وقت میسر ہوا اس میں افتاء کی خدمات کو انجام دینے لگا۔

اس تمہید سننے کے بعد ناظرین یہ غور کر سکتے ہیں کہ افتاء کا کام اس قدر اہم ہے کہ اس کے لئے مستقل وقت اور فراغت کی ضرورت ہے جو درس نظامی کی انتہائی کتابوں کی تدریس کے ساتھ ممکن نہیں۔ پھر فتویٰ میں تمام ماحول کا لحاظ کرتے ہوئے عام فہم اور مختصر طریقہ پر اخبار میں درج کرانے کے قابل بنانا اور مخالفین کے ہر ایک نکتہ چینی کا لحاظ رکھنا اس دشواری کو وہی سمجھ سکتا ہوگا جو خود اس قسم اشکال میں گرفتار ہو چکا ہو۔ اس قسم متعدد موانعات کے اجتماع سے ضرور ہے کہ میرے جوابات اور طرز تحریر میں خامی رہ گئی ہوگی۔ جن کی اصلاح اور پرخلوص مشورے کا میں تہ دل سے ہر خادم دین وملت کا احسان مند ہوں۔ تاہم حسب مقدور جوابات میں اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ سوال کے متعلقہ امور کو بھی جواب میں شامل کر کے بظاہر تو عنوان ایک سوال کا رکھا گیا ہے مگر جواب میں اکثر فقہی کتابوں کا خلاصہ جمع کر کے حقیقۃً اس سوال کے متعلق متعدد سوالوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے جواب دیا گیا ہے۔ پھر حتی الامکان اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ ہر قول کی دلیل میں

کسی معتبر کتاب کا حوالہ دیا گیا ہے۔اور بعض جگہ بغیر حوالہ بھی جواب دیا گیا ہے مگر وہ ایسی جگہ پر جہاں کے دلائل شرعی قوانین سے ظاہر تھے اور کسی کو شبہ کرنے کا احتمال پیدا نہیں ہوسکتا تھا۔غرض اصحاب فتویٰ خصوصاً اور تمام مسلمان عموماً ان شاء اللہ میری اس ناچیز خدمت سے استفادہ حاصل کرتے ہوئے دعائے خیر میں یاد فرمائیں گے۔بعض مسائل تفصیل طلب کو ضرورت وقتی کا لحاظ کرتے ہوئے قدرے تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔مثلاً مسئلہ تقدیر وغیرہ بغیر مفصل تمہید و ماحول کے تشنۂ تحریر و تفصیل رہ جاتا تھا،اس لئے ایسے مسائل میں تفصیل سے کام لیا گیا ہے۔

مسائل کے لئے ترتیب ابواب و مباحث نہ ہوسکی،جس کی وجہ یہ ہے کہ باہر سے جیسا فتویٰ آیا ویسا ترتیب وار معہ جواب کے رجسٹر میں درج کیا گیا،اس واسطے عدیم الفرصتی کی وجہ سے دوبارہ ترتیب ابواب و ابحاث کے لئے موقع نہ ملا۔اور ناظرین کی سہولت کے غرض سے بترتیب فقہی فہرستِ مسائل بنا کر ہر ایک مسئلہ کو اپنی اپنی بحث میں درج کیا گیا ہے۔اور اس فہرست کو شامل کیا گیا،تا کہ ہر مسئلہ زیر بحث کو اپنی بحث میں تلاش کرنے سے آسانی ہو۔

جوابات میں اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ مفہوم گول مول نہ رہ جائے، بلکہ مطلب صاف اور واضح سمجھ میں آجائے،اس واسطے سیدھے سادے الفاظ استعمال کئے گئے ہیں جس سے ادنیٰ اردو خواں بھی مطلب سمجھ سکتا ہے۔دلائل عقلیہ منطقیہ مطلقاً نہیں لائے گئے ہیں، کیوں کہ ناواقفوں کو مسائل سے واقف کرنا مقصود تھا اپنے کمالات و قابلیت سے واقف کرنا مقصود نہ تھا جس طرح کہ یہ مرض عام مؤلفین میں پایا جاتا ہے۔ھدٰینا و لسائر المسلمین لما یحب ربنا و یرضٰی۔

محمود حسن غفرلہٗ

کتاب الطهارة

تین بار سے زائد اعضاء دھونا

[۰۱] سوال: ایک آدمی وضوء میں تین مرتبہ اعضاء دھوتا ہے مگر اس کی تسلی نہیں ہوتی ہے اور اس شبہ میں کہ شاید کوئی جگہ سوکھی رہ گئی ہو اس واسطے وہ ہر عضو کو پانچ مرتبہ دھوتا ہے تو یہ جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ پانی میں اسراف کرنے کو فقہاء نے مکروہ لکھا ہے اور حدیث شریف میں تو تین بار سے زائد دھونے والے کو متعدی اور ظالم لکھا ہے، مگر شامی اور دیگر اصحاب ترجیح نے تطبیق اقوال مختلفہ میں دیتے ہوئے یہی فیصلہ کیا ہے کہ: اگر تین سے زائد مرتبہ کو وہ سنت سمجھتا ہے تو یہ زیادتی منع اور مکروہ تحریمی میں داخل ہوگی اور اگر مسنون تین ہی بار سمجھتا ہے، مگر رفع شک کے لیے زیادتی کرتا ہے، تو چوں کہ ایک مستحب امر کے خلاف کرتا ہے، اس لیے مع کراہت تنزیہی جائز ہوگا۔

و مكروهه لطم الوجه بالماء و الاسراف و منه الزيادة على الثلث فيه تحريما (الدر المختار) قال العلامة الشامی اقول قد تقدم ان النهى عنه فى حديث فمن زاد على هذا او نقص فقد تعدى و ظلم، محمول على الاعتقاد عندنا كما صرح به فى الهداية و غيرها و قال فى البدائع: انه الصحيح حتى لو زاد او نقص و اعتقد ان الثلث سنة لا يلحقه الوعيد و قدمنا انه صريح فى عدم كراهته ذلك يعنى كراهة تحريم فلا ينافى الكراهة التنزيهية فما مشى عليه ههنا فى الفتح و البدائع و غيرهما من جعل تركه مندوبا مبنى على ذلك

التصحيح فيكره تنزيها آھ (شامی: ج ۱ / ص ۱۳۷) فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بوقت غسل یا جماع کیا پڑھنا چاہیے؟

[۰۲] سوال: بوقت جماع اور غسل جنابت کیا دعاء پڑھنا چاہیے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ بوقت غسل تو کسی پختہ روایت سے دعاء پڑھنی نظر سے نہیں گذری ہے، ہاں جماع کے وقت برہنہ ہونے سے قبل احادیث میں اس دعا کو پڑھنے کی ہدایت کی گئی ہے، اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَ جَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا۔ (شرح شرعة الاسلام: ۴۴۳)
فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بھول کر غسل میں اگر عضو خشک رہے تو بلا اعادۂ غسل صرف اس جگہ کو دھونا

[۰۳] سوال: ایک شخص نے غسل جنابت کیا، مگر منہ پر پانی ڈالنا بھول گیا غسل خانہ سے نکل کر یاد آیا، تو خیال کیا کہ مسجد جاؤں گا وہاں منہ دھولوں گا اس واسطے اس وقت منہ نہ دھویا اور مسجد میں جا کر منہ پر پانی ڈالدیا، تو کیا اس طور سے جنابت اتر گئی کہ نئے سرے سے غسل کرنا لازم تھا، یہاں اس مسئلہ میں دو مولویوں میں اختلاف ہے، ایک فرماتا ہے کہ نئے سرے سے غسل کرنا لازم ہے، دلیل یہ ہے کہ سوکھی جگہ کو بعد میں دھونے سے ترتیب (قاعدہ) فوت ہوتی ہے۔

دوسرا فرماتا ہے کہ غسل خانہ سے نکلنے کے متصل اگر منہ دھولیوے تو غسل ہو گیا اور اگر ایک گھنٹہ تک سستی کر کے بعد میں دھولے گا تو پھر نئے سرے سے غسل کرنا لازم ہوگا صرف منہ کا دھونا کافی نہیں، تو کیا مولوی اول کا قول صحیح ہے کہ ثانی کا، جواب بالصواب عنایت کیجئے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک ترتیب اور موالات نہ وضوء میں فرض ہے اور نہ غسل وتیمّم میں فرض ہے بلکہ ایک امر مسنون ہے، بنابریں جب کہ شخص مذکور سے غسل جنابت

میں صرف منہ پر پانی ڈالنا رہ گیا تھا، تو اس پر جنابت اتارنے کے لیے صرف منہ ہی کا دھونا فرض تھا نہ کہ سارے بدن کا، نیز منہ کو غسل کے متصل دھوتا یا کچھ دیر کے بعد دھوتا بہرحال غسل کی تکمیل ہو جاتی، اور سارے بدن کا دوبارہ دھونا ضروری نہ تھا۔

رہے مولانا صاحبان کے جوابات: تو ان میں ہر ایک بزرگ نے قواعد اور اقوال فقہا سے بے نیاز ہو کر بے ضرورت غلط اجتہاد کی تکلیف اٹھائی ہے اور حضرت کے ارشاد کو بھول گئے ہیں جو دینی مسائل میں لاعلمی سے فی البدیہہ ارشاد فرماتے ہیں اور وعید اور انجام کا خیال نہیں فرماتے ہیں، حالانکہ انما شفاء العی السوال اور فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون انکو ایسا کرنے سے منع کرتے تھے۔

(ذکر فی سنن الوضوء) و الترتیب المذکور فی النص و عند الشافعیؒ فرض و هو مطالب بالدلیل و الولاء بکسر الواؤ ای غسل المتأخر او مسحه قبل جفاف الاول بلا عذر، حتی لو فنا ماؤه فمضیٰ لطلبه لا باس به، و مثله الغسل و التیمم و عند مالك فرض (قال الشامی) ای اذا فرق بین افعالهما لعذر لا بأس به کما فی السراج و مفاده اعتبار سنیة الموالاة فیها (الدر المختار مع الشامی: ج ۱/ص ۱۲۷) ای لو اغتسل و بقیت علی بدنه لمعة لم یصبها الماء فتیمم لها ثم احدث فتیمم له ثم وجد ماءً یکفیها فقط فانه یغسلها به و لا یبطل تیممه للحدث (الدر المختار مع الشامی: ج ۲/ص ۲۶۳)

و لو ترکها ای ترك المضمضة او الاستنشاق او لمعة من ای موضع کان من البدن ناسیاً فصلی ثم تذکر ذلك یتمضمض او یستنشق او یغسل اللمعة و یعید ما صلی ان کان فرضاً لعدم صحته و ان کان نفلاً فلا لعدم

صحة شروعه (كبيرى: ٤٨) جنب اغتسل و بقيت على بدنه لمعة فان وجد ماء بعد ما تيمم و بعد ما احدث يغسل اللمعة و تيمم للحدث اذا كان الماء يكفى للمعة و لا يكفى للوضوء آه (كبيرى كانفورى: ٨٣) فقط واللہ سبحانہ اعلم

مستطیل حوض کا دہ دردہ کے حکم میں ہونا

[۰۴] سوال: ایک مسجد کا حوض بشکل مستطیل واقع ہے جس کے طولانی ضلعے پندرہ ذراع ہیں اور عرضی ضلعے کچھ اوپر پانچ ذراع ہیں تو کیا یہ عشرًا فی عشرٍ کے حکم میں تصور ہو سکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مندرجہ اضلاع کے مجموعے سے چالیس ذراع محیط تیار ہو سکتا ہے لہٰذا مذکورہ حوض عشرًا فی عشرٍ کے حکم میں داخل ہے۔

(ولو له طول العرض لكنه يبلغ عشرا فى عشر جا ز تيسرا۔ (در مختار مع الشامى، ج ۱ /ص۱۷۸، شامى قديم: ص۱۹۹)۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم

نصف حوض کا پانی چھت سے لگ جاتا ہو تو وہ دہ دردہ کے حکم میں ہے یا نہیں؟

[۰۵] سوال: مستطیل شکل کا حوض جس کے دو ضلعے پندرہ ذراع اور دو ضلعے پانچ ذراع کچھ اوپر ہے، اب مسجد کی تعمیر جدید میں تقریبا طولانی حصے کا دس ذراع جماعت خانہ میں داخل کیا گیا گویا دس ذراع کی مقدار کا حوض مسجد کے نیچے آگیا، اور باقی پانچ در پانچ حصہ جو ایک گڑھا رہ گیا یہی حوض کا ظاہری حصہ ہے جسکو مدفون حصہ سے بلند بنایا گیا ہے اب مدفون حصہ چھت سے پیوست ہو گیا اور سطح آب صرف پانچ در پانچ رہ گیا ہے۔

تو کیا اس حوض کو عشرً افی عشرٍ تصور کر کے اس سے وضوء بنا سکتے ہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جب کہ سطح آب متحرک صرف پانچ در پانچ ہے اور باقی دہ در پانچ حصہ چھت سے پیوستہ ہو کر وضو بنانے کے وقت تموج اور حرکت سے اثر پذیر نہیں ہوتا ہے تو یہ حوض عشر فی عشرٍ کے حکم میں داخل نہیں اور وضوء اس سے جائز نہیں جب تک سطح آب چھت سے نیچے اتر کر ایک سرے کا تموج اور حرکت دوسرے پر ظاہر نہ ہو سکے۔

ولوا علاه عشر واسفله اقل جاز حتى يبلغ الاقل ولو بعكسه فوقع فيه نجس لم يجز حتى يبلغ العشر ولو جمد ماوه فثقب ان كان الماء منفصلا عن الجمد جاز لا نه كا المسقف وان كان متصلا لا لانه كالقصعة حتى لوولغ فيه كلب تنجس (درالمختار مع الشا مى ج ١ /ص ٢٨٠) فقط واللہ سبحانہ اعلم

بیت الخلاء میں برہنہ سر جانا خلاف ادب ہے

[٥٦] سوال: بیت الخلاء میں بغیر ٹوپی کے جانا اور اس پر ٹوکنا اور اعتراض کرنا کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ بیت الخلاء میں برہنہ سر جانا شرعاً ممنوع نہیں، البتہ ادب اور استحباب کے خلاف ہے بلکہ فقہاء نے ٹوپی کے علاوہ سر پر چادر وغیرہ ڈالنے کو بھی آداب میں داخل کیا ہے۔

اذا اراد ان يدخل الخلاء ينبغي ان يقوم قبل ان يغلبه الخارج و لا يصحبه شيء عليه اسم معظم و لا حاسر الرأس و لا مع القلنسوة بلا شيء عليه (تتمه استنجاء باب الانجاس؛ شامي: ج ١ /ص ٣٥٦ قديم) فقط واللہ سبحانہ اعلم

متعدد بار جماع کرنے کے لیے ایک غسل کافی ہونا

[٥٧] سوال: ایک رات میں عورت کے ساتھ تین وقت وصل کریں تو ہر دفعہ الگ الگ غسل

کریں یا تین وقت وصل کرنے کے اخیر میں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ہر بار صحبت کرنے کے لیے جدا جدا غسل کرنے کی ضرورت نہیں بلکہ جتنے بار صحبت کریں آخر میں ایک بار غسل کرنا کافی ہوسکتا ہے، البتہ جب ایک بار صحبت کریں اور اس کے بعد دوبارہ صحبت کرنے کا ارادہ کریں، یا سونے کا ارادہ ہو یا کھانے وغیرہ کا تو پہلے ذَکر اور ہاتھ دھوڈالنا چاہیے، اور اگر مکمل وضو کرے تو افضل ہے۔

و ینا م بعد الو طی نومة خفیفة فانه اروح للنفس، لکن السنة ان یتوضأ و ضو ئه للصلوٰة (ثم قا ل) و لو ارا د ان یعو د فلیتو ضأ المراد به التنظف بغسل الذکر والیدین، لا وجو ب الو ضو ء الشرعی کما ذ هب ا لیه بعض الما لکیة آھ (شر ح شر عة الا سلا م (ص٤٤٨)۔فقط واللہ سبحانہ اعلم

غسل بیٹھ کر کرنا

[۰۸] سوال: غسل بیٹھ کر کرے یا کھڑے ہوکر؟ کیونکہ سقاوے میں سے پانی اوپر سے گرتا ہے، تو افضل کونسی صورت ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چوں کہ غسل میں جس قدر زیادہ ستر ممکن ہو وہی طریقہ افضل ہے، اور قیام کی حالت سے بیٹھنے میں ستر زیادہ ہے۔

لہٰذا اگر اور کوئی امر مانع نہ ہو تو بیٹھ کر غسل کرنا قیام سے افضل ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم

جنبی کو برائے غسل جگہ نہ ملنا

[۰۹] سوال: جنابت والی عورت کو غسل کی جگہ ایسی ملے کہ جہاں بے پردگی ہوتی ہو تو کیا کرے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چوں کہ ستر عورت فرض ہے اور جنابت کا قائم مقام تیمّم ہے، مگر بے پردگی

کا کوئی بدل نہیں، اس لیے جب تک تلاش وسعی کے باوجود ستر کی جگہ میسر نہ ہو اس وقت تک تیمّم پر اکتفاء کرے۔ (کذا فی الدر المختار مع الشامی ۱۶۰) فقط واللہ سبحانہ اعلم

بحالت جنابت خورد ونوش کرنا

[۱۰] سوال: مجھ پر جنابت کا غسل ہے مجھ کو پانی ملتا ہے، مجھ کو غسل پر قوت وقدرت ہے، تو غسل کئے بغیر کھانا کھا سکتا ہوں یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: ہاتھ منہ دھو کر بلا کراہت کھا سکتے ہو، اور اگر منہ ہاتھ بھی نہیں دھویا، تو بھی کھا سکتے ہو، مگر کراہت تنزیہی سے۔

ویجوز للجنب ان یذکر اسم الله تعالی ویأکل ویشرب اذا تمضمض هکذا قیل فی فتح القدیر (ثم قال)والمنقول فی فتاوی قاضی خان الجنب اذا اراد ان یأکل او یشرب فالمستحب له ان یغسل یدیه وفاه وان ترك لا بأس (البحر الرائق ص٤٧ / ج ١) فقط واللہ سبحانہ اعلم

آئندہ نماز تک جنبی کا غسل مؤخر کرنا

[۱۱] سوال: رات کو عورت کے ساتھ ہم بستری ہو جائے، اور سستی سے رات کو غسل نہ کرے صبح غسل کرے، تو اتنی مدت ناپاک رہنے سے گنہگار ہوگا کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: اتنی مدت تک تاخیر غسل سے گنہگار نہ ہوگا بشرطیکہ بعد طلوع فجر غسل کر کے نماز فجر اپنے وقت میں ادا کر سکے۔

الجنب اذااخر الاغتسال الی وقت الصلوٰة لایأثم کذا فی المحیط (عالمگیری ص١٦ / ج ١) فقط واللہ سبحانہ اعلم

وقت جماع ملبوسہ جامہ کا ناپاک نہ ہونا

[۱۲] سوال: عورت سے ہمبستری کرتے وقت بدن پر جو کپڑے پہنے ہوئے ہیں وہ ناپاک ہوتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر احتیاط کر کے حقیقی نجاست لگنے سے کپڑا بچایا جائے تو نفس جنب کی نجاست حکمی سے کپڑا ناپاک نہیں ہوتا ہے۔ جس طرح کہ بول و براز جانے کے وقت پہنے ہوئے کپڑے کی حالت ہے۔ (ابو داؤد: ص ۵۳) فقط واللہ سبحانہ اعلم

غسل کرنے میں دیر کرنا مع اسراف آب

[۱۳] سوال: ایک آدمی کو غسل میں گھنٹہ لگتا ہے، کیوں کہ اس کو یہ شک رہتا ہے کہ شاید کوئی جگہ سوکھی رہ گئی ہو، اس وجہ سے پانی بھی زیادہ خرچ کرتا ہے، تو کیا یہ جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ شک کے ازالہ کے لیے کوشش کرنا بہتر ہے، کیوں کہ غسل پر زیادہ وقت صرف کرنے سے عموماً جماعت ہاتھ میں نہیں آتی ہے، دوم یہ کہ تین بار سے زائد کو اگر وہ مسنون نہ سمجھے، تو بھی ایک مندوب فعل کو ترک کرنا، اور فضول پانی کو استعمال کرنا کراہت تنزیہی سے خالی نہیں۔

کذایستفاد من الشامی (ص۱۳۷ ج۱) من العبارة المنقولة آنفا وقال فی الدر: ثم یفیض الماء علی کل بدنه ثلاثا مستوعبا من الماء المعهود فی الشرع للوضوء والغسل و هو ثمانیة ارطال، و قیل المقصود عدم الاسراف آه (درمختار مع الشامی ص۱٦٤ ج۱) فقط واللہ سبحانہ اعلم

نجاست مشرک

[۱۴] سوال: ﴿انما المشرکون نجس﴾ کس پارہ اور کس رکوع میں ہے؟ اکثر لوگ ہندوؤں کے ہاتھ کا کھانے کی ممانعت میں یہ دلیل لاتے ہیں تو یہ درست ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ یہ آیت کریمہ سورۂ توبہ کے تیسرے رکوع اور دسویں پارہ کے نصف سے ایک رکوع قبل کی ہے۔ مذکور استدلال درست نہیں ہے، کفار کی نجاست باطنی اور اعتقادی ہے۔ ہاں کفار کے طعام سے احتراز افضل ہے مگر واجب نہیں جب تک حرمت کا یقین نہ ہو۔ انما المشركون نجس قذر لخبث باطنهم (جلالين) وانهم نجس اى ذو نجاسة فى باطنهم حيث تنجسوا بالشرك و الاعتقاد الباطل۔ (روح البيان ج ١/ص٨٨٦) لان الخبث فى اعتقادهم فلا يؤدى الى تلويث المسجد۔ (هدايه ج ٤/ص٤٥٨) فقط واللہ سبحانہ اعلم

☆......☆......☆

کتاب الحیض

جنبی ہونے کے متصل حیض آنے پر غسل جنابت مؤخر کرنا/ حائضہ اور جنبی کا کھانا

[۱۵] سوال: ایک عورت کو صحبت کرنے کے بعد حیض آیا، تو وہ جنابت کے لیے غسل کرے یا حیض سے پاک ہونے پر ایک غسل کافی ہوسکتا ہے؟ اس کا کھانا پکانا کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اس کو اختیار ہے کہ ابھی سے غسل کرے یا بعد میں جب حیض سے فارغ ہوجائے تو ایک غسل کرلے۔

کیوں کہ غسل نماز کے وقت تک مؤخر کرسکتے ہیں، اور حائضہ پر اس وقت جب نماز نہیں، تو غسل بھی لازم نہیں، کھانے پکانے کے لیے ہاتھ منہ دھونا کافی ہے۔

فان اجنبت المرأة ثم ادركها الحيض ان شاء ت اغتسلت وان شا ئت اخرت حتى تطهر الا ترى ان الجنب اذا اخر الاغتسال الى وقت الصلوٰة لا ياثم (خلاصة الفتاوى ص١٤ ج١) وفى الاصل اذا ارادالجنب ان يأكل فالمستحب له ان يغتسل يد يه ويمضمض فاه، وفى الحائض اذا ارادت ان تأكل يغسل يديها آھ (خلاصة الفتاوى ص٤٧ ج١) فقط واللہ سبحانہ اعلم

ایام حیض میں جنابت کے لیے غسل کرنے میں عورت کا مختار ہونا

[۱٦] سوال: حیض کے ایام میں غسل کرنے سے گناہ یا کوئی نقصان ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛شرعاً حائضہ کوغسل کی ممانعت نہیں آئی ہے، بلکہ مندرجہ ذیل عبارت سے ظاہر ہوتا ہے کہ غسل اور عدم غسل کا اس کو اختیار ہے۔

وكذا الحائض اذا احتلمت او جومعت فهى با لخيار آه (خلاصة الفتاوى ص ١٤ ج ١)

اگر طبی نقصان مراد ہو تو طبیب حاذق سے دریافت کیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم

مسجد کے حوض کا پانی وضوء کے علاوہ دوسری ضرورت میں استعمال کرنا

[۱۷] سوال: مسجد کے حوض کا پانی، گھر کی تعمیر یا مسجد کی تعمیر یا غسل میت وغیرہ میں صرف کرسکتے ہیں کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛مسجد کے حوض کا پانی چوں کہ وقف کے حکم میں ہے،اس لیے اگر واقف نے یہ پانی مسلمانوں کی عام ضروت کے لیے مقرر کیا ہو اور ان ضرویات میں پانی کے استعمال سے طہارت کے لیے مصلیوں کو کسی قسم کا مضائقہ نہ ہو، تو مندرجہ ضرویات میں مسجد کا پانی استعمال کرسکتے ہے، ورنہ نہیں۔

شرب الماء من السقاية جائز للغنى و الفقير و يكره دفع الجرة من السقاية و حملها الى منزله لانه و ضع للشرب لا للحمل وحمل ماء السقاية الى اهله ان كان ماذونا للحمل جاز والا فلا (عالمگيرى ص ٣٤١/ ج٥، و٤٦٥/ ج٢، قهستانى ص ٤٠ /ج ١) فقط واللہ سبحانہ اعلم

مسجد کا پانی وضوء کے علاوہ دوسری ضرورت میں استعمال کرنا

[۱۸] سوال: مسجد کے پاس ہندو مسلم آباد ہیں، اور اتفاقاً کسی ہندو کے گھر میں آگ لگ گئی، اور

آگ بجھانے کے لیے کہیں پانی نہیں ملتا تھا، تو مجبوراً مسجد کے حوض سے پانی لینے کے لیے ہندو آئے، اور پانی لیکر آگ بجھائی گئی، تو کیا مسجد کے حوض کا پانی آگ بجھانے میں خرچ کر سکتے ہیں؟ اور ہندوؤں کا مسجد میں جانا جائز ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ہندوؤں کا تو مسجد میں کسی ضرورت کے لیے جانا منع نہیں۔

ولا بأس بدخولِ اهل الذمّة المسجد الحرام وسائر المساجد (عالمگیری ص ٣٤٦ / ج ٥)

رہا حوض کا پانی آگ بجھانے میں استعمال کرنا؛ تو اگر چہ مسجد کا پانی عموماً مصلّیوں کی طہارت کے لیے رکھا جاتا ہے، اور طہارت کا پانی دوسرے کاموں میں صرف نہیں کر سکتے ہیں۔ مگر شہروں اور آبادیوں میں مصلّیوں کی طہارت کے لیے اس قدر شدید ضرورت درپیش نہیں آتی ہے، جس قدر آگ بجھانے کے لیے درپیش آئی ہے، اور فقہاء کا قاعدہ ہے کہ بڑی اور اہم ضرورت کو دفع کرنے کے لیے خفیف ضرر برداشت کیا جا سکتا ہے، اور نیز مذکورہ آگ بجھانے کی ضرورت حالت مخمصہ میں داخل ہو سکتی ہے۔ اور مخمصہ کی حالت میں دوسرے کے مال کو اپنی ضرورت میں بشرط ضمان صرف کر سکتے ہیں۔ بناء بریں قواعد اگر آگ بجھانے کی دوسری کوئی صورت نہ بن سکے تو مسجد کے حوض کا پانی استعمال میں لایا جائے، اور بعد میں جس نے پانی استعمال کیا ہے وہ مسجد کے حوض میں اس قدر پانی ڈالدے جس قدر اس نے صرف کیا ہے، اس کے متعلق مستقل جزئیہ نظر سے نہیں گزرا ہے، مگر قواعد کے ماتحت یہی جواب دیا جا سکتا ہے۔

واذا وقف للوضوء لایجوز منه الشرب وکل ما اعد للشرب حتی الحیاض لا یجوز منها التوضی (عالمگیری ص ٤٦٥ / ج ٢ و قستهانی ص ٤٠ / ج ١)

(ثم اقول)الضرورات تبيح المحظورات...... لو كان احدهما اعظم ضرراً من الآخر فان الاشد يزال بالاخف۔ (اشباه ص٤٣،٤٤)

اذا خاف على نفسه الموت من الجوع ومع رفيق له طعام ذكر فى "الروضة" انه جاز ان يأخذ الطعام قدر ما يدفع جوعه على شرط الضمان كذا فى الخلاصة ولو اضطرا لى ماء فى بئر وهناك احد يمنعه له ان يقاتل عليه كذا فى التهذيب(والتفصيل فى العالمگيرى ج٥/ ص٣٣٨) فقط واللہ سبحانہ اعلم

معذور کا ہر نماز کے وقت کے لیے تجدید وضوء کرنا

[١٩] سوال: ایک شخص کو سلسِ بول کی بیماری ہے، تو نماز میں قطرے گرتے ہوئے بھی وہ نماز پڑھ سکتا ہے کہ نہیں؟ کیوں کہ ہر وقت اس سے قطرے گرتے رہتے ہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ سلسِ بول والے یا دیگر معذورین کا عذر اس وقت معتبر ہے، جب کہ فرض نماز کی متوسط ادائیگی کے وقت میں بھی عارضہ بیماری سے وقفہ نہ ملتا ہو، اور اگر فرض نماز کے وقت تک وقفہ مل سکتا ہو، تو وہ صاحب العذر نہیں ہے، بلکہ صحیح تندرست انسانوں میں شمار ہے۔

اس کلیہ کے بعد اب دیکھنا چاہیے کہ مذکورہ شخص مندرجہ قاعدہ سے معذور ہے کہ نہیں؛ اگر ہے، تو اس کو احتیاطاً لنگوٹ باندھنا چاہیے، تاکہ حتی الامکان ناپاکی ایک جگہ تک محدود رہے، اس کے بعد پنجگانہ فرضوں کے لیے وضوء بنا کر نمازیں پڑھا کریں۔

نماز کے وقت میں فرضوں کے متابعت میں نوافل بھی اسی وضو سے پڑھ سکتا ہے، اور جب وقت ختم ہو جائیگا تو اس کا وضو بھی ختم ہوا تصور کیا جائیگا، اور وقت میں قطرے بھی گرتے بھی

رہیں تو وضو میں کوئی نقصان نہیں آئیگا، یہ حکم عام کتب فقہ میں موجود ہے۔ (مجمع الانہر ج ۱ / ص ۲۹ و عالمگیری ج ۱ / ص ۴۱ و البحر الرائق ج ۱ / ص ۲۱۶ و غیر ذالك) فقط واللہ سبحانہ اعلم

خروج منی سے غسل لازم ہونا

[۲۰] سوال: ایک شخص کو دھات کی بیماری ہے، جب عورتوں کا ذکر آتا ہے تو اس کی دھات نکلتی ہے، جب عورتوں سے تنہائی میں باتیں کرتا ہے تو بھی دھات نکلتی ہے، یہاں تک کہ کسی جانور کو جفتی کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو بھی دھات نکلتی ہے، تو کیا اسپر ان اسباب سے غسل واجب ہوگا کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ دھات اگر مذی یا ودی ہے، جو پانی کے قسم کا ایک لیس دار مادہ ہوتا ہے، تو صرف وضوء ٹوٹ جاتا ہے، اور غسل واجب نہیں، اور اگر منی ہے، اور دفق وشہوت یعنی لذت کے ساتھ نکلے تو پھر خواہ کسی وجہ سے بھی نکلے غسل واجب ہوگا۔

المعانی الموجبة للغسل وهی ثلاثة منها الجنابة وهی تثبت بسببین احدهما خروج المنی علی وجه الدفق والشهوة من غیر ایلاج باللمس والنظر اوالاحتلام اوالاستمناء کذافی محیط السرخسی من الرجل او المرأةفی النوم والیقضة کذافی الهدایه (عالمگیری صفحه ۱۴ / ج ۱) فقط واللہ سبحانہ اعلم

کنویں میں انسان کا گر کر مر جانا / کنویں کے کل پانی کے نکالنے کی ترکیبیں

[۲۱] سوال: ہمارے کنویں میں بارہ برس کی لڑکی گر کر مرگئی اور مرنے کے بعد نکالی گئی، تو پانی کا کیا حکم رہا؟ اور کیا مقدار پانی نکال کر کنواں پاک ہوگا؟ اور اگر سارا پانی نکالنا ممکن نہ ہو تو ایسی حالت

میں کنواں کس طرح پاک کیا جائے؟ مدلل جواب عنایت کیجئے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ انسان خواہ بڑا ہو یا چھوٹا، جب کہ پانی میں گر گیا، اور کنویں میں مر گیا، تو کنویں کا سارا پانی ناپاک ہوگیا، جس کی پاکی کی یہی صورت ہے کہ سارا پانی نکالا جائے، اور اگر کنواں چشمہ دار ہونے سے سارا پانی نکالنا ممکن نہ ہو تو اس کے متعلق احناف مشائخ کا اختلاف آیا ہے، بعض کہتے ہیں کہ کنویں کے طول وعرض عمق کے مطابق اس کے پاس ایک گڑھا بنایا جائے، اور کنویں سے پانی نکال کر اس میں ڈالتا جائے جب اس مقدار کا پانی ہو جائے جو کنویں کا اندازہ کیا گیا تھا تو کنواں پاک ہو جائے گا۔

بعض کہتے ہیں کہ بانس وغیرہ سے گہرائی معلوم کریں اور طاقتور آدمیوں سے متواتر دس یا بیس ڈول جلدی جلدی نکلوائیں اور لکڑی کو دیکھیں کہ مثلاً بیس ڈول میں کس قدر کم ہوگیا، مثلاً: اگر ایک بالش کے مقدار پانی کم ہوگیا، تو اب اس لکڑی کو بالشت سے ناپ کر جتنے بالشت پانی کی گہرائی نکلے اس کے مطابق ہر بالشت کے مطابق بیس ڈول نکالیں تو گویا سارا پانی نکالا گیا۔

بعض یہ کہتے ہیں کہ سمجھدار آدمیوں سے پانی کا اندازہ کرائیں، جن کو پانی کے متعلق مہارت ہو تو جو مقدار وہ بتائیں اسی مقدار کا پانی نکالا جائے۔

بعض کہتے ہیں کہ اتنا نکالا جائے کہ نکالنے سے لوگ عاجز آجائیں، یہ تمام امام صاحب اور ان کے صاحبین اور نیز دیگر مشائخ کے اقوال ہیں۔

متأخرین نے سہولت کے لیے دو سو سے تین سو ڈول تک پانی نکالنے سے طہارت کا فتوی دیا ہے، اور یہی فتویٰ تمام متون میں مندرج ہے، مگر چوں کہ شارحین کہتے ہیں کہ یہ مقدار کوفہ اور بغداد کے کوؤں کی ہے، اور چوں کہ ہندوستانی کوؤں میں پانی بہت زیادہ ہوتا ہے اس لیے اس میں احتیاطاً چار سو ڈول متوسط کا حکم دیتا رہا ہوں۔

و کله بنحو شاة ای ینزح ماء البئر کله بموت ما عادل الشاة فی الجثة کالآدمی و الکلب طاهراً کان او نجساً، لان ابن عباس و ابن الزبیر افتیا بنزح الماء کله حین مات زنجی فی بیر زمزم (البحر الرائق: ج ۱ / ص ۱۱۹)

و مئتا دلوٍ لو لم یمکن نزحها (بحر: ج ۱ / ص ۱۲۲) و کله بنحو کلب او شاة او آدمی او انتفاخ الحیوان الدموی و ان لم یمکن نزحها نزح قدر ما کان فیها ای فی البئر بقول رجلین لهما معرفة بامر الماء عند الامام و هو الاصح و الاشبه بالفقه و فی روایة ینزح منها مئتا دلو و فی روایة حتی یغلبهم الماء و عن ابی یوسفؒ ینزح قدر ما فیها بان تحفر حفیرة مثل موضع الماء من البیر و یصب فیها ما ینزح منها الی ان تمتلئ او ترسل فیها قصبة و تجعل لمبلغ الماء علامة ثم ینزح مثلاً عشر دلاء ثم تعاد القصبة فینظر کم انتقص فینزح لکل قدر منها عشر دلاء و یبقی بنزح مئتی دلوٍ الی ثلث مأة و هو مروی عن محمد کانه بنی قوله علی ما شاهد فی بلدة بغداد فان آبارها لا تزید علی ثلث مأة دلوٍ۔ انتهی (مجمع الانهر: ج ۱ / ص ۱۸، و التفصیل فی البحر: ج ۱ / ص ۱۱۹) فقط واللہ سبحانہ اعلم

حیض کی حالت میں قرآن کی تعلیم کی ترکیب

[۲۲] سوال: عورت معلّمہ بحالت حیض ونفاس تعلیم قرآن وحدیث وتفسیر کس طرح دے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ معلّمہ کے لیے بحالت حیض بلامس مصحف بچوں کو بقصد تعلیم ایک ایک کلمہ الگ الگ پڑھانا چاہیے، اوراسی طرح دینی علوم مثلاً: فقہ، حدیث، تفسیر کے مضامین بھی زبانی

تعلیم دے سکتی ہے، تفاسیر کے متعلق جو اختلاف آیا ہے، وہ مس میں ہے نہ کہ زبانی تعلیم میں۔

وفی النهاية وغيرها اذا حاضت المعلمة فينبغي لها ان تعلم الصبيان كلمة كلمة وتقطع بين الكلمتين على قول الكرخي وعلى قول الطحاوى ونصف آية ثم قال واختلف المتاخرون فى تعليم الحائض والجنب والا صح انه لا بأس به ان كان يلقن كلمة كلمة ولم يكن من قصدها ان يقرأ آية تامة آه (البحر الرائق ج ١/ ٢٠٠ وشامى) فقط واللہ سبحانہ اعلم

بحالت حیض بسم اللہ و تسبیح پڑھنا

[۲۳] سوال: عورت بحالت حیض کھانے کے وقت بسم اللہ پڑھ سکتی ہے؟ اور تسبیح وغیرہ پڑھ سکتی ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ حائضہ کھانے کے وقت بطور تبرک بسم اللہ پڑھ سکتی ہے، اور نیز قرآن شریف کے علاوہ باقی تمام ذکر واذکار اور تسبیحات پڑھ سکتی ہے۔

(وفى التسمية اتفاق انه لا يمنع اذاكان على قصد الثناء او افتتاح امر كذا فى الخدمة (بحر الرائق: ص١٩٩) ولا بأس بقرأة ادعية ومسها وحملها وذكر الله تعالى والتسبيح. (در مختار مع الشامى ج ١/ ٤٨٨ زكريا) فقط واللہ سبحانہ اعلم

حالت حیض میں جماع کا کفارہ

[۲۴] سوال: ایک شخص نے لاعلمی میں عورت سے ایسی حالت میں وطی کی جو حیض کے چھ یوم گزر چکے تھے مگر غسل نہیں کیا تھا، اور اسی وطی سے ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی، جو آج تین برس کی ہے، تو اس

صورت میں لڑکی حلال ہے کہ حرام؟ اور مرد کے لیے اس فعل کا کچھ کفارہ ہے کہ نہیں؟ اور کس قدر کفارہ ہے؟ نیز جماع کے وقت جو دعا پڑھی جاتی ہے، وہ بھی لکھئے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ حائضہ کی وطی کی چار صورتیں ہیں، اگر مدتِ حیض میں خون کی موجودگی میں وطی کی جائے تو وہ حرام ہے، مگر حد اس پر قائم نہیں کی جائے گی، اور اگر خون بند ہو چکا تھا، تو اگر پورے دس دن پر بند ہوا تھا تو بلا غسل بھی وطی جائز ہے، اگرچہ استحباباً وطی غسل کے بعد کرنا چاہیے تھا۔

اور اگر دس دن کے اندر خون بند ہو گیا ہو، تو اگر عادت سے کم پر بند ہوا ہو، تو وطی حرام ہے، اگرچہ عورت غسل کر چکی ہو، اور اگر خون عادت پر بند ہوا ہو، تو خون بند ہونے کے بعد اگر وہ غسل کر چکی ہو یا پاکی کی حالت میں اس پر نماز کا اتنا وقت گزر گیا ہو جو اس وقت کی نماز اس پر واجب القضا ہو چکی ہو تو اس کے ساتھ وطی جائز ہے، ورنہ نہیں۔

وتحل وطيها اذا انقطع حيضها و ان لأقله فان لدون عادتها لا يحل وان لعادتها لا يحل حتى تغتسل او يمضى عليها زمن يسع الغسل ولبس الثياب والتحريمة۔ (در المختار مع الشامی ص ۲۷۳/ج ۱) (وكذا فى البحر الرائق مفصلا ص ۲۰۳، ج ۱)

اب سائل اپنا حادثہ ان میں سے خود تلاش کر کے منطبق کر لے۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم

حیض میں وطی سے جو حمل قرار پائے وہ حلالی کہلائے گا یا حرامی؟

رہا یہ کہ لڑکی حلال ہے کہ حرام؟ تو چونکہ حدیث میں ثبوت نسب کے لیے فراش ہی علت گردانی گئی ہے، اور فراش صحیح یہاں موجود ہے، لہٰذا لڑکی اس کی جائز ثابت النسب لڑکی ہے، اگرچہ وطی حرام سے ہو۔ (عالمگیری ص ۱۴۹/ج ۲ مجمع الانہر ص ۲۸۷/ج ۱)

رہا مسئلہ کفارہ؛ تو اگر سائل کی وطی صورت حرام میں واقع ہو تو توبہ، استغفار کرنا چاہیے، اور بطور استحباب اگر ایک دینار خیرات کرے تو بہتر ہے مگر ضروری نہیں۔ (عالمگیری: ج ۱/ص ۳۹)

جماع کے وقت کی دعا

اَللّٰھُمَّ جَنِّبْنَا الشَّیْطَانَ وَ جَنِّبِ الشَّیْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا۔ (مسلم: ج ۱/ص ٤٦٣) فقط واللہ سبحانہ اعلم

☆ ...... ☆ ...... ☆

کتاب الانجاس

پٹرول واسپرٹ پاک ہے کہ نہیں؟

[۲۵] سوال: پٹرول یا اسپرٹ کپڑوں پر گرنے سے نماز درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ پٹرول اوراسپرٹ جیسا کہ مشہور ہے اگر شراب کا خلاصہ یا جزء ہوتو کپڑے پر گرنے سے نجاست غلیظہ کے حکم کے مطابق نجس ہو جائے گا اور اگر شراب یا اس قسم کی ناپاک چیز کی آمیزش سے پاک ہوتو اس میں کچھ حرج نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم

ولایتی تیل۔ویسلین وغیرہ پاک ہے کہ نہیں؟

[۲۶] سوال: ولایتی تیل یا دیسی تیل یا ویسلین لگا کر مسجد میں جانا اور نماز پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ولایتی تیل، ویسلین وغیرہ میں جب تک یہ یقین نہ ہو کہ اس میں ناپاک چیز کی آمیزش ہے تو شرعاً بنابر قاعدۂ الاصل فی الاشیاء الاباحة کے استعمال جائز ہوگا، اور اگر ناپاک چیز کی آمیزش کا شبہ موجود ہو تو بھی بقاعدۂ الیقین لا یزول بالشك استعمال جائز اور اس کے ساتھ نماز درست ہوگی مگر بنابر تقوی اور بفحوائے حدیث دع ما یریبك الی ما لا یریبك (الحدیث) پرہیز اور احتراز اولیٰ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم

دودھ میں کیڑا مر جاوے تو اس کا حکم

[۲۷] سوال: دودھ کے اندر ایک یا دو کیڑیاں گر کر مر جائیں تو اس کو نکال کر باقی دودھ کو پینا کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ کیڑا وغیرہ چوں کہ غیر دموی ہیں اور غیر دموی چیزیں اگر دودھ، پانی وغیرہ

میں گرکر مر جائیں تو اس کو ناپاک نہیں کرتی ہیں، لہٰذا صورت مسؤلہ میں بھی کیڑا نکال کر باقی دودھ کو استعمال کر سکتے ہیں۔ (تتمة جلد رابع امداد الفتاوی:ص ۳۱۹) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ہندو دھوبی کا دھلا ہوا کپڑا پاک ہونا

[۲۸] سوال: ہم لوگ ہندو دھوبی کو کپڑے دھونے کو دیتے ہیں، اوران کپڑوں سے ہم نماز پڑھتے ہیں اور ہم کو معلوم نہیں اس نے کون سے پانی سے کپڑے دھوئے، پاک پانی سے دھوئے یا ناپاک پانی سے، تو اب ہم کو کیا کرنا چاہیے؟ اگر مسلمان دھوبی نہ ملے اور خود نہیں دھو سکتے ہوں تو کیا کریں، ہندو کے دھوئے ہوئے کپڑوں سے جو نماز پڑھی ہیں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: دنیاوی معاملات میں تو کافر کا قول معتبر ہے، اور دینی امور میں خبر کافر کے ساتھ اپنی رائے اور تحری کی ضرورت ہے۔

و خبر الكافر يقبل في المعاملات و لا يقبل في الديانات۔ (کنز :ص۴۲۲ وغیرہ)

دوسرا فقہاء کا قاعدہ ہے کہ الضرورات تبيح المحظورات اس بنا پر بصورت ضرورت جب کہ مسلم دھوبی میسر نہ ہو، تو کافر دھوبی کو پاک پانی کے استعمال کی تاکید کر کے کپڑے دئے جائیں، اور جب دھوبی نے یہ خبر دی کہ کپڑے کی صفائی صاف اور پاک پانی سے ہوئی ہے، تو اب اس میں نماز پڑھ سکتے ہیں۔ و كذا يفيد من تتمة رابعة امداد الفتاویٰ لاشرف علی (ص:٤٥) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مکھی کے بیٹھنے سے بدن کا ناپاک نہ ہونا

[۲۹] سوال: اپنے بدن پر مکھی بیٹھی ہو تو ایسی حالت میں نماز پڑھنا کیسا ہے؟ نیز اگر کھانے پر مکھی بیٹھی ہو تو اس کھانے کا کھانا کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اذا وقع الذباب فی اناء احدکم فامقلوہ آھ

اس حدیث سے مکھی کی طہارت ثابت ہوتی ہے، لہٰذا بدن اور کھانے کو ناپاک نہیں کرتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ترکیب پاکی روغنیات

[۳۰] سوال: دودھ، چھاچھ، دہی سے نجاست حقیقی دور ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ سیال بہنے والی چیزیں جیسے: دودھ، گھی، شربت، شہد وغیرہ میں نجاست واقع ہو جائے، تو اگر خشک ہو اور نجاست کا اثر ان چیزوں میں بعد علیحدگی نجاست باقی نہ رہے، تو نجاست کو نکال کر باقی چیزوں کو استعمال میں لائیں، جس طرح خشک مینگنی دودھ میں پڑ جائے تو اس کے ہٹانے کے بعد اگر دودھ میں اس کا کچھ اثر باقی نہ رہے تو دودھ استعمال کر سکتے ہیں، اور اگر نجاست کا اثر ان چیزوں میں سرایت کر چکا ہو اور مختلط ہو گئی ہو تو اس صورت میں بہتر تو یہ ہے کہ احتیاطاً اس کو استعمال میں نہ لائیں۔

تاہم اگر استعمال کرنا ہی ہے اور پاک کرنا مقصود ہے تو اس کی ترکیب یہ ہے کہ ان میں پانی ڈال کر آگ پر جوش دیں، تاکہ وہ پانی جل جائے اور وہ چیز اپنی اصلی حالت پر آجائے پھر دوبارہ پانی ڈال کر اسی طرح جوش دیں۔

غرض اسی طرح تین دفعہ جوش دیں اور آخر میں جب وہ چیز اپنی اصلی مقدار میں رہ جائے تو پاک ہو جائے گی۔ (علم الفقہ بحوالۂ مراقی الفلاح صفحہ:۸۶) ویطھر لبن

وعسل ودبس ودهن يغلىٰ ثلاثا آھ (در مختار: انجاس) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

شرعی موزے کی تعریف

[۳۱] سوال: وہ کون سے موزے ہیں، جن پر مسح درست ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ موزہ جس کو عربی میں خف کہتے ہیں، وہ ہے جس میں چلنا پھرنا عادۃً ہو سکے، اور نیز آسانی کے ساتھ قطع مسافت کی صلاحیت رکھتا ہو، اور ٹخنوں کے ساتھ تمام قدم کے لیے ساتر ہو۔

ذكر قاضی خان فی فتاواه ثم الخف الذی يجوز به المسح عليه ان يكون صالحا لقطع المسافة والمشی المتتا بع عادة ويستر الكعب وما تحتها وما ليس كذالك لا يجوز المسح عليه آھ (بحر الرائق: ۱۸۰) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کفار کے بدن و پسینہ کا پاک ہونا

[۳۲] سوال: کفار کا مذہب اور دل ناپاک ہے، تو ان کا پسینہ پاک ہے یا ناپاک؟ مدلل جواب عنایت کیجئے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ کفار کے مذہب اور دل کی ناپاکی اعتقادی ناپاکی ہے، ظاہری جسمانی نہیں، اور انما المشركون نجس سے اکثر مفسرین یہی اعتقادی نجاست مراد لیتے ہیں، خود آنحضرت ﷺ نے اور صحابہ سے لے کر آج تک مسلمانوں نے کفار کے ساتھ جو ظاہری تعلقات اور معاشرت قائم رکھ چکے ہیں، اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ بشرطیکہ کفار کے بدن پر ظاہری نجاست لگی ہوئی نہ ہو تو باقی حالات میں اس کا بدن و پسینہ مثل مسلم پاک ہے۔

لان الخبث فی اعتقاد هم فلا یؤدی الی تلویث المسجد (هدایه: ج ٤ / ص ٤٥٨)

و عرق کل شیء معتبر بسوره (ثم قال) و سور الآدمی طاهر و یدخل فی هذا الجنب و الحائض و النفساء و الکافر۔ آه (عالمگیری: ج ١ / ص ٢٣، بحر الرائق: ج ١ / ص ١٢٦) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ہندو کے ہاتھ ڈالنے سے پانی مستعمل ہونا

[٣٣٣] سوال: گاؤں میں پانی ملتا ہے، پانی کا لوٹا بھر کر وضوء کے لیے بیٹھے کہ ہندو نے آکر اس لوٹے میں ہاتھ ڈالا تو اس پانی سے وضوء کریں یا نہیں؟ اور اس سے وضو کر سکتے ہیں یا نہیں؟ دلائل کے ساتھ جواب سے نوازیں، عین عنایت ہوگی۔

الجواب: وباللہ التوفیق: اگر کافر کے ہاتھ پر ظاہری نجاست نہ تھی تو محض ہاتھ ڈالنے سے پانی ناپاک نہیں ہوا کیونکہ کافر کا جسم مثل مسلم پاک ہے، مگر چوں کہ کافر عموماً ناپاکی سے احتراز نہیں کرتا ہے، اور موجودہ پانی میں ہاتھ ڈالنا کسی ضرورت کے لیے بھی نہ تھا، اور فقہاء نے ضرورت اور بے ضرورت ہاتھ ڈالنے میں فرق لکھا ہے کہ ضرورۃً ناپاک آدمی ہاتھ ڈالے تو پانی مستعمل ہو کر قابل وضوء نہیں رہتا، مگر مٹکے وغیرہ میں پانی اٹھانے کا برتن گرا ہو، اس کو اٹھانے کے لیے ہاتھ ڈالے تو مستعمل نہیں ہوتا ہے، اور پانی قابل وضوء رہتا ہے۔

اس قاعدے کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور دوسرے یقینی پاک پانی کی موجودیت کو دیکھتے ہوئے کہ "دع ما یریبك الی ما لا یریبك" پر عمل کرتے ہوئے دوسرے پانی سے وضوء بہتر اور اولی ہوگا، اور اسی پانی سے وضوء کراہت سے خالی نہیں۔

الجنب والحائض والمحدث اذاأدخل يده للاغتراف اووقع الكوز في الجب فادخل يده في الجب الى المرفق لاخراج الكوزلايصير مستعملا بخلاف ما اذاادخل يده في الاناء او رجله للتبرد انه يصير مستعملا لانعدام الضرورة.آه (خلاصة الفتاوى: ج ١ /ص٦) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ڈھیلہ نہ لینے والوں پر منطقی سوال وجواب

[۳۴] سوال: بنگالی دبلے ہوتے ہیں، اور دبلے کا مثانہ ضعیف ہوتا ہے، اس پر بھی یہ لوگ ڈھیلہ نہیں لیتے ہیں، تو ان کی نمازیں ہوتی ہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ سچ پوچھو! تو سوال کا اصلی پہلو ہماری سمجھ میں ہی نہیں آیا، اس لیے جو پہلو سائل کے ذہن میں ہے جب وہ واضح ہو جائے گا، اس وقت مطابق جواب بھی انشاءاللہ العزیز پیش کیا جائے گا۔

سرِ دست چوں کہ سوال منطقی ہے، اس لیے منطقی حیثیت سے جواب دیا جاتا ہے، ممکن ہے کہ اسی میں اصلی سوال کے جواب کا بھی کوئی پہلو ضمناً ثابت ہو جائے۔

اقول و بالله التوفيق ؛ قوله "بنگالی دبلے ہوتے ہیں" آھ، جناب کے قیاس پر سطحی نظر ڈالنے کے وقت فوراً ذہن نقض اجمالی وتفصیلی کو سامنے لاکر کھڑا کر دیتا ہے، جو فن والوں سے پوشیدہ نہیں، اس واسطے میں اس کو زیادہ طول نہیں دیتا، صرف مقدمین کی تشریح اور لزوم اکبر بلا وسط محتاج ثبوت ہے۔

اول قابل غور یہ ہے کہ ہر دو مقدمین موجبے مہملے ہیں، اور مہملے درقوت جزیئے ہوتے ہیں، اس لیے کبریٰ کی کلیہ مفقود ہے، اور اگر کبریٰ میں قولہ " دبلے کا مثانہ ضعیف ہوتا ہے" بہ تقدیر

''ہر'' ہے، جس سے کبریٰ کلیہ ہو جائے گا، تو میں استفسار کرونگا کہ فما معنیٰ دبلا فی الصغری و کذا فی الکبری فان کان الدبلا فی الصغریٰ بمعنیٰ ضعیف الاعضاء الذی بمعنی الهزال فلا نسلم ان البنگالی بهذا المعنی دبلا، بل یصدق علیه غالباً، مقابله اعنی القوی والموٹا۔

وان کان المراد من دبلا صغیر الاعضاء غالباً خلقةً، فلانسلم ان الدبلا بهذا المعنی مستلزم ضعف المثانة فی الکبریٰ، وبعد تسامح ارادة الدبلا فے الموضعین واستلزامه ضعف المثانة، لانسلم ان الڈھیله یقوی المثانة، لان قوله: ''اس پر بھی یہ لوگ ڈھیلہ نہیں لیتے'' راجع الی القیاس الاستثنائی لان غرضه من هذا القول عدم خروج القطرة بعد اخذ ڈھیله، فکان القائل اثبت الملازمة بین اخذ الڈھیله وسد القطرة بل اثبت العلیة بین اخذ الڈھیله ومنع القطرة وجوداً وعدماً ولهٰذا یترتب علے عدم الڈھیله استهاماً انکاریاً۔

قوله: ''تو'' (بتقدم عدم استعمال ڈھیله) ان کی نمازیں ہوتی ہیں؟ گویا آپ قیاس استثنائی اس طرح فرماتے ہیں کہ بتقدم ضعف مثانہ اگر وہ ڈھیلہ لیتے تو وضوء ہرگز نہ ٹوٹتا، تو نمازیں ضرور ہو جاتیں۔ مگر چوں کہ وہ ڈھیلہ نہیں لیتے ہیں، لہٰذا یقیناً ان کا وضوء ٹوٹ جاتا ہے، اور چوں کہ یہ ایک علیحدہ قیاس سے ثابت ہے کہ (لا یقبل اللّٰہ الصلوٰة بلا طهور) لہٰذا تو کیا ان کی نمازیں ہوتی ہیں یا نہیں ہوتی ہیں؟

فا قول وبا اللّٰہ التوفیق: کہ ڈھیلہ لینا شریعت میں ایک مستحب اور مسنون فعل ضرور قرار دیا گیا ہے، لیکن اس کا لینا وضوء کے بقاء کے لیے گارنٹی ہونا اور نہ لینا وضوء ٹوٹنے کے لیے ظاہراً دلیل ہونا کہیں بھی نہیں آیا ہے۔

لہٰذا طہارت اور جمیع مسائل میں جو دبلے کی حالت ہے وہی موٹے کی حالت ہے، جو دوسرے صوبوں کے افراد کی حالت ہے، وہی بنگالی حضرات کے لیے ہے، جو نواقض الوضوء ہیں وہ سب کے لیے نواقض ہیں، اگر دبلے کا قطرہ نہ آیا، اس کا وضوء رہے گا، اور موٹے کا قطرہ آیا تو اس کا وضوء ٹوٹ جائے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ناپاک جگہ پر مصلّٰی بچھا کر نماز پڑھنا

[۳۵] سوال: کپڑے کے دکان میں لوگ مال خریدتے ہیں، اور فرش پر بچھی ہوئی ٹاٹ پر پیر رکھتے ہیں، اب اس ٹاٹ پر اگر پاک مصلّٰی بچھا کر نماز پڑھی جائے تو درست ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ پاک مصلّٰی خواہ پاک جگہ پر بچھایا گیا ہو یا ناپاک جگہ پر، بہر حال اس پر نماز درست ہے، بشرطیکہ ناپاکی کے رنگ یا بو کا اثر مصلّٰی پر ظاہر نہ ہوا ہو۔

بخلاف المضرب و المبسوط علی نجس ان لم یظهر لون او ریح (الدر المختار مع الشامی ص۵۸٦ ج ۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

جس کپڑے یا جوتے کا نیچے والا حصہ ناپاک ہو اس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھنا

[۳٦] سوال: بعض لوگ نماز جنازہ میں جوتا نکال کر اس پر کھڑے ہو کر نماز پڑھتے ہیں، اور جوتے کے نیچے تلے میں نجاست ہوتی ہے، تو کیا اس طرح نماز ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جوتے کے تلے چوں کہ آپس میں سلے ہوئے ہیں، اس لیے وہ سب بمنزلہ ایک تلے کے ہیں، اور جس طرح کہ دو کپڑے سلے ہوئے ہوں اور نیچے والا ناپاک ہو تو اوپر نماز درست نہیں اسی طرح جوتے کے نیچے والے تلے کی ناپاکی سے اوپر والے پر کھڑے ہو کر نماز درست نہیں۔

وصلوٰتہ علی بساط مضرب نجس البطانة بخلاف غیر المضرب (والتفصیل فی الشامی ص ۵۸۵ ج ۱ وشرح الوقایہ ص ۱۴۰ ج ۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد کے کنویں سے پیشاب خانہ کی دوری کتنی ہو؟

[۳۷] سوال: ایک مسجد کے کنویں کے پاس تین چار قدم کے فاصلہ پر پیشاب خانہ بنا ہوا ہے، جہاں پیشاب اور استنجے کا پانی زمین میں جذب ہوتا ہے، نیز پاس ایک گڑھا ہے جس میں گوبر کوڑا کرکٹ جمع کیا جاتا ہے، تو ایسے کنویں سے وضو بنانا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اس مسئلہ میں اصل پانی کا نجاست سے اثر پذیر ہونے یا نہ ہونے پر دارو مدار ہے، قرب اور بعد کا فاصلہ مقرر کرنا اس واسطے دشوار ہے کہ بعض زمین نرم ہوتی ہے تو پانی نجاست سے اگر دس گز پر بھی ہو تب بھی اثر پذیر ہوتا ہے، اور بعض زمین سخت ہوتی ہے تو نزدیک سے بھی اثر پذیر نہیں ہوتا ہے۔

اس لیے اس مسئلہ میں اصل حکم تو یہ ہے کہ اگر پانی میں نجاست کا رنگ یا بو یا مزہ آ گیا تو پانی ناپاک ہے ورنہ نہیں، اور یہی راجح قول ہے۔

اس پر میں اس قدر زائد کہتا ہوں کہ چوں کہ مسجد اور نماز کا معاملہ زیادہ قابل احتیاط ہے اس لیے مناسب یہ ہے کہ پیشاب خانہ یا دیگر نجاست مسجد اور کنویں سے اس قدر فاصلہ تک منتقل کریں جہاں سے پانی یا مسجد تک اس کے اثر پہنچنے کا احتمال بھی نہ رہے۔

البعد بین البئر و البالوعة بقدر ما لا یظہر للنجس اثر وقال الحلوانی المعتبر الطعم او اللون او الریح فا ن لم یتغیر جاز والا لا و لو کا ن

عشرة اذرع و فی الخلا صة و الخا نية و التعويل عليه وصححه فی المحيط (بحر) و الحا صل انه يختلف بحسب رخا وة الارض و صلا بتها ومن قدره اعتبر حال ارضه آه (شا می ص ٢٠٤ / ج ١) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

معذور کا وضوء اور اس کا حکم

[٣٨] سوال: ایک شخص کو ایک بیماری کا ایسا عارضہ ہے جس کی وجہ سے دو سے پانچ منٹ کے وقفہ میں اس کا وضوء ٹوٹ جاتا ہے، تو وہ نماز کس طرح پڑھے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: اگر نماز کے تمام وقت میں اس کی بیماری اتنا وقفہ بھی نہ دیتی ہو، جس میں وہ وضوء بنا کر مختصر طور سے نماز با طہارت ادا کر سکے، تو وہ صاحب عذر کہلاتا ہے، وہ ہر وقت نماز کے لیے وضوء کی تجدید کر کے اس وقت میں جو چاہے پڑھے، اور وقت گذرنے پر اس کا وضوء ٹوٹ جائیگا۔

اور اگر کل وقت نماز میں اس کو اتنی مہلت مل سکتی ہے جس میں وضوء کر کے نماز با طہارت ادا کرے، تو وہ صاحب العذر میں شمار نہیں ہے، اس لیے اس کو ہر ایک نماز صحیح انسان کی طرح طہارت کے ساتھ ادا کرنا چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

اذا استوعب عذره تمام وقت صلوٰة مفروضة آه (در مختار مع الشامی: ج ١ / ص ٣١٣، قبيل الانجاس و كذا فی سائر كتب الفقهية)

جس حوض کے چاروں کونے مختلف ہوں اسے دہ دردہ میں شمار کرنا

[٣٩] سوال: ایک مسجد کا حوض ٢/١-١٩ (ساڑھے انیس) فٹ طویل اور ٢/١-١٢ (ساڑھے بارہ) فٹ عریض بنایا گیا ہے۔ تو یہ دہ دردہ کے حکم میں داخل ہوسکتا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛اس سوال کا جواب میں نے پہلے دے دیا ہے کہ یہ حوض دہ دردہ میں داخل ہے،بعدازاں علماءڈابھیل کا فتویٰ بھی نظر سے گزرا،جنہوں نے میری موافقت میں اس کو دہ دردہ میں داخل کیا تھا۔

آج میری نظر سے ایک جگہ کا فتویٰ گزرا جس میں مذکورحوض کو دہ دردہ سے کم بتلایا گیا ہے،اس کے بعد شامی کی وہ عبارت جہاں حوض صغیر سے وضو کی ترکیب لکھی گئی ہے وہ مع الوضوء من الفساقی مفصل تحریر کیا گیا،یعنی یہ عبارت مذکورحوض کے دہ دردہ میں عدم دخول کی دلیل تو نہیں ہے،البتہ اس میں چھوٹے حوض سے وضو کی ترکیب مفصل موجود ہے۔

اب میں نے جن دلائل سے جواب دیا ہے ان کی تشریح لکھتا ہوں،دوسری جگہ بھی استصواب کیا جائے۔

(۱)دہ دردہ میں جو ذراع مذکور ہے اس کے متعلق تین قول آتے ہیں۔

ذراع مساحت؛ذراع کرباس سبع قبضات؛ذراع کرباس ست قبضات

ذراع مساحت:(سبع قبضات فوق کل قبضۃ اصبع قائمۃ)تخمیناً:۴۲؍انچ،یعنی انگریزی ایک وار اور ا۔۶ وار یا ۳/۱۔۲ فٹ۔

ذراع کرباس:(سبع قبضات فقط)تخمیناً:۲۲؍انچ،یعنی دوانچ کم دوفٹ۔

ذراع کرباس:(ست قبضات فقط)تخمیناً:۱۸؍انچ یعنی ڈیڑھ فٹ ۲/۱۔۱

(۲)دہ دردہ کا مربع سوذراع ہوتا ہے،جس کا مطلب یہ کہ مربع یا مستطیل شکل میں ایک ضلع کو دوسرے میں ضرب کا حاصل سو ہونا چاہیے۔

(۳)۲/۱۔۱۹ - ۲/۱۔۱۲ کا مربع فٹ

۲/۱۔۲۹ ۲/۱۔۱۲

$$\frac{۳۹}{۲} \times \frac{۲۵}{۲} = \frac{۹۷۵}{۴} = ۲/۱\text{ـ}۲۴۳ \quad \frac{۳}{۴}$$ فٹ ہوا۔

(۴) اب حوض دہ دردہ بحساب ذراع کرباس علے الشق الاخر ۲۲۵ر فٹ ہونا چاہیئے ۔

صاحب الدر المختار اور البحر الرائق وغیرہ میں ذراع ایک کرباس ہی کو رائج قرار دیا ہے، اور زراع الکرباس میں دو تفسیروں میں ترجیح آخر کو دی ہے۔

لہذا موجودہ حوض تفسیر آخر رائج پر دہ دردہ سے زائد ہے، اس لیے اس اس کو دہ دردہ کے حکم میں شامل سمجھنا چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

جوتا کنویں میں گرنے سے کنویں کا حکم

[۴۰] **سوال**: کنویں میں جوتا گر گیا ہے جواب تک اس کو نکال نہ سکے تو کنویں کا کیا حکم ہے اور پانی کے پاکی کی کیا صورت ہوگی؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر یقیناً جوتا پر نجاست موجود تھی تو کنواں ناپاک ہوگیا جس کا تمام پانی نکالنا لازم ہے اور اگر نجاست کا یقین نہ ہو تو چوں کہ خود جوتا مدبوغ ہونے کی وجہ سے ناپاک نہیں ہے اور اس پر نجاست کی موجودگی کا بھی یقین نہیں ہے اور کنواں قبل ازیں یقیناً پاک تھا اور چوں کہ فقہاء کا عام قاعدہ ہے کہ اليقين لايزول بالشك لہٰذا کنواں بدستور پاک ہے۔ (تتمہ اولیٰ امدادالفتاوی)

مذکور مسئلہ کا اگرچہ کوئی جزئیہ نظر سے نہیں گذرا ہے مگر اس کی نظیر موجود ہے، البحر الرائق میں ہے کہ اگر بقر یا اس قسم ماکول اللحم جانور کنویں میں گر جائے اور زندہ نکل جائے تو اگر نجاست ظاہری کا یقین نہ ہو تو کنواں پاک ہے اور جانوروں کا جسم پیشاب اور گوبر سے اگرچہ خالی نہیں ہوتا ہے اور احتمال ہے کہ کنویں میں گرنے سے قبل وہ جانور دوسرے پانی میں گر کر پاک ہوگیا ہو اس

لیے کنواں شک سے ناپاک نہ ہوگا، بلکہ ماٗنحن فیہ مسئلہ میں یہ احتمال قوی ہے کیوں کہ جوتا اور موزے کے متعلق یہی حکم ہے کہ نجاست ذی جرم مسح سے پاک ہوجاتی ہے اور غیر ذی جرم مثلا پیشاب اگر لگ جائے اور مٹی اس پر لگے تو مٹی لگنے سے وہ غیر ذی جرم بھی ذی جرم نجاست کے حکم میں ہوجاتی ہے اور اس مٹی کے ازالہ کے بعد طہارت کا حکم لگا سکتے ہیں تو یہاں بھی یہی تصور کیا جائے گا کہ زمین کے رگڑنے سے جوتا پاک ہوگیا ہوگا۔

لانهم قالو فى البقر ونحوه يخرج حيا لا يجب نزح شيء وان كان الظاهر اشتغال بولها على افخاذها لكن يحتمل طهارتها بان سقطت عقيب دخولها ماءً كثيرا هذا مع ان الاصل الطهارة وان لم يعلم ولم يصل فمه الى الماء فان كان مايؤكل لحمه فلا يوجب التنجس اصلا وان كان ممالا يؤكل لحمه من السباع والطيور ففيه اختلاف المشائخ والاصح عدم التنجيس (البحرالرائق ج ۱ / ص ۱۱۷)

والخف بالدلك بنجس ذى جرم والا بغسل واطلق الجرم فيشمل مااذا كان الجرم منها او من غيرها بان ابتل الخف بخمر فمشى به على رمل او رماد فاستجمد فمسحه بالارض حتى تناثر طهر هو الصحيح (البحرالرائق ج ۱ / ص ۲۲۳) والتفصيل هناك فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

استنجا میں ڈھیلے پر اکتفاء کرنے والے کی نماز کا حکم

[۴۱] سوال: ایک امام نے نماز پڑھائی بعد میں معلوم ہوا کہ اس نے قضائے حاجت کے بعد صرف ڈھیلہ استعمال کیا تھا پانی سے استنجا نہیں کیا تھا تو نماز ہوگئی یا اعادہ کی ضرورت ہوگی؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛معمولی حالتوں میں تو ڈھیلہ لیناہی کافی ہوتا ہےاور پانی لینے کے بغیر صرف ڈھیلہ سے اکتفاء کرنے پر نماز ہو جاتی ہے،اور اگر قضائے حاجت میں پاخانہ نرم نکلے اور مخرج سے باہر کافی مقدار میں نجاست لگے تو پھر پانی لینا ضروری ہو جاتا ہے۔

لہٰذا مسئلہ مذکور میں اگر خشک پاخانہ کیا تھا جس کی وجہ سے مخرج سے باہر نجاست نہیں پھیلی تھی تو ڈھیلے پر اکتفاء درست تھا اس لیے نماز ہوگئی اعادہ کی ضرورت نہیں،اور اگر مخرج سے باہر کافی مقدار میں نجاست لگ چکی تھی تو پھر ڈھیلہ پر اکتفاء درست نہیں تھا اس لیے اعادہ کی ضرورت ہوگی۔

الاستنجاء سنة مما يخرج من احد السبيلين غير الريح و ما سن فيه عدد بل يمسحه بنحو حجرٍ و مدرحتى ينقيه وغسله بالماء بعد الحجر افضل.ويجب الغسل بالماء ان جاوز النجس المخرج اكثر من قدر الدرهم ويعتبر ذالك وراء موضع الاستنجاء (مجمع الا نهرص:٣٤ ج:١ وشامی ص:٣١٢ ج:٣) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ناپاک کنویں کو پاک کرنے کا طریقہ/ ناپاک پانی کا پاک پانی سے ملنا

[۴۲] سوال: مسجد کے کنویں میں چوہاپایا گیا جوگل سڑ گیا تھا،مولوی صاحب نے سارا پانی نکالنے کا حکم دیا،چنانچہ ایک بڑے ڈول سے جس میں بڑے مٹکے سے بھی زائد پانی سماجاتا ہے صبح نو بجے سے شام کے چھ بجے تک متواتر پانی نکالا گیا مگر شام کو پانچ ہاتھ پانی باقی رہا،سمجھدار لوگوں کا یہ خیال ہے کہ موجودہ پانی نکل چکا ہے اور فی الحال جو پانی موجود ہے یہ نیا پانی جمع ہو گیا ہے کیوں کہ کنواں چشمہ دار ہے تو اب اس کو پاک سمجھیں کہ نہیں؟

دوم یہ کہ صفائی سے قبل ناواقفی سے ایک شخص نے اس ناپاک کنویں سے تیس چالیس چھوٹے ڈول مسجد کے حوض میں بھر دیا ہے جس میں قبل بھی کافی پاک پانی موجود تھا تو اس حوض کا کیا حکم ہے پاک ہے کہ ناپاک؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مذکور صورت میں نو دس کلاک متواتر بڑے ڈول سے پانی نکالا گیا جو دو تین سو متوسط ڈول سے تو ہر گز کم نہ ہوگا۔

دوم یہ کہ بقول راجح جب سمجھدار لوگ یہ خیال کریں کہ اگر نیا پانی نہ آتا تو جو پانی نکالا گیا ہے اس سے کنویں میں پانی ختم ہو جاتا، تو اس وقت کنواں پاک سمجھا جاتا ہے، اور یہاں یہ صورت بھی موجود ہے، لہٰذا اب کنواں تو یقیناً پاک ہے۔

رہا حوض کا مسئلہ؛ تو چوں کہ حوض میں پہلے سے پانی کافی مقدار میں موجود تھا، جو دہ دردہ ہونے کی وجہ سے جاری کے حکم میں تھا، اب جب کہ ایک ایک ڈول اس میں پڑتا رہا تو کثیر پاک پانی کا تابع ہو کر پاک ہوتا رہا، یہاں تک کہ اب جسقدر ڈول بھی اس میں ڈالے گئے ہوں تاہم حوض پاک ہے، (مجمع الانہر ج ۱ / ص ۸ ۱ وخلاصه ج ۱ / ص ٥)

والماء النجس اذا دخل الحوض الكبير لا يتنجس الحوض وانكان الماء النجس علے ماء الحوض غالباً لانه كلما اتصل الماء بالحوض صار ماء الحوض عليه غالباً (خلاصه ج ۱ / ص ٥) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مستعمل ڈھیلہ سے استنجا کرنا

[۴۳] سوال: ڈھیلہ جب کہ ایک دفعہ استنجا میں استعمال ہو چکا ہے تو اس کو دوبارہ استنجا صاف کرنے میں استعمال کر سکتے ہیں کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مستعمل ڈھیلے کا اگر یہ مطلب ہے کہ ایک شخص ایک ہی ڈھیلہ بیک وقت دو دفعہ استعمال کرسکتا ہے کہ نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر ڈھیلہ بڑا ہو بایں طور کہ ایک کونہ ہاتھ میں ہو اور دوسرے کونہ کو ایک دفعہ مثلاً استدبار میں استعمال کرے اور دوسری دفعہ دوسرا کونہ استقبال میں استعمال کرے تو یہ درست ہے، بشرطیکہ سابق نجاست بدن کے کسی حصہ میں نہ لگے۔ اور اگر یہ مطلب ہے کہ جس طرح مسجد کے مستعمل ڈھیلے ایک برتن یا جگہ میں جمع ہوتے ہیں انکو کوئی استنجا میں استعمال کرسکتا ہے کہ نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ چوں کہ وہ ڈھیلے خشک ہو گئے ہیں اور اس میں پاک اور ناپاک طرف کی تمیز ممکن نہیں۔ اور قاعدہ یہ ہے کہ ناپاکی سے استنجا منع ہے، اس لیے احتیاطاً سارے ڈھیلے کو نجس قرار دیکر اس سے استنجا منع ہوگا، تاہم اگر کسی نے استعمال کیا تو کراہت کے ساتھ جائز ہوگا۔

من کل طاهر مزيل بلا ضرر وليس متقوما ولا محترما (مراقی الفلاح:۸) وكره تحريما بعظم وطعام وروث يابس كعذرة يا بسة وحجر استنجى به الا بحرف آخر (الى ان قال) فلو فعل اجزاه مع الكراهة (الدر المختار مع الشامی: ج ۱/ص ۳۱٤) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

طہارت ہڑتال ونوشادر

[۴۴] سوال: سنکیا، ہڑتال، نوشادر پاک ہے کہ ناپاک ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ان میں سنکیا، ہڑتال وغیرہ تو معدنی اشیاء اور جنس ارض میں سے ہیں اور زمین بذاتہا پاک ہے، رہا نوشادر تو وہ اگر چہ نجاست کا دھواں ہے مگر نجاست کا دھواں بھی پاک ہے لہٰذا یہ اشیاء سب پاک ہیں۔

اقول و اما النوشادر المستجمع من دخان النجاسة فهو طاهر کما یعلم مما مر (شامی: ج ۱/ص ۳۰۰) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

غسل جنابت میں نیت شرط نہیں ہے۔

[۴۵] سوال: جنابت کے لیے غسل کیا مگر نیت بھول گیا تو کیا دوبارہ غسل کرنا پڑے گا؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ دوبارہ غسل کی ضرورت نہیں کیونکہ غسل میں نیت شرط نہیں بلکہ بلا نیت بھی غسل جنابت ہوسکتا ہے ہاں نیت مسنون ہے کرنے میں ثواب ملیگا مگر نہ کرنے سے غسل میں کچھ نقصان نہیں آتا جس طرح کہ وضو میں ہے۔

وسننه (الغسل) کسنن الوضوء (در) ای من البداية بالنية والتسمية والسواك والتخليل والدلك والولاء آه (شامی: ج ۱/ص ۱٤٤) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بعد نماز کپڑے پر ناپاکی کا پایا جانا

[۴۶] سوال: ایک شخص نماز پڑھ کر مسجد سے باہر نکلا، تو کپڑوں میں ناپاکی پائی تو نماز اعادہ کرے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ناپاکی اگر بمقدار عفو ہے تو اعادہ کی ضرورت نہیں اور اگر مقدار عفو سے زائد ہے تو اعادہ ضروری ہے۔ مقدار عفو نجاست غلیظہ میں بمقدار ایک درھم ہے اور خفیفہ میں پہنے ہوئے کپڑے کا چوتھائی حصہ ہے۔ و التفصيل فی الشامی (ج ۱/ص ۲۹٦) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

وضوء امت محمدیہ کی خصوصیت ہے یا امم سابقہ پر بھی فرض تھا؟

[۴۷] سوال: کیا وضوء تمام انبیاء کرام اوران کی امت پر نماز کے لیے ضروری تھا؟ یا صرف ہمارے لیے اس کی فرضیت آئی ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ وضوء جس طرح ہمارے نبی کے دین میں ضروری ہے اسی طرح پہلے انبیاء اورامم پر بھی لازم تھا، البتہ ہمارے وضوء کی یہ خصوصیت ہے کہ قیامت کے روز امت محمدی کے اعضائے وضوء چمکتے رہینگے دوسری امم میں یہ صفت نہ ہوگی۔ واللہ اعلم

واجيب بان الظاهر منه ان الخاص بهذه الامة الغرة و التحجيل لا اصل الوضوء و بان الاصل ان ما ثبت للانبياء ثبت لاممهم يوئيده ما فى البخارى من قصة سارة مع الملك و من قصة جريج الراهب آه (والتفصيل فى الشامى : ج ١ /ص ٨٤)

پیشاب سے فارغ ہوکر استنجاء کرنا

[۴۸] سوال: صرف پیشاب کرنے کے بعد ہی استنجا کرنا ضروری ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ضروری تو نہیں مگر مستحب ہے کہ ذکر دھوڈالے۔

والرابع مستحب وهواذابا ل ولم يتغوط يغسل قبله (عالمگيرى : ج ١ /ص ٥٠)

ہاں اگر ذکر کا سر قدرِ درہم سے بھی زائد یا بقدرِ درہم پیشاب سے ملوث ہوتو پہلی صورت میں دھونا ضروری اور ثانی میں افضل ہے۔

و كذا اذا اصاب طر ف الاحليل من البول اكثر من قدر الدرهم يجب

غسله آه (عالمگیری: ج ۱ / ص ۵۰) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ناپاک غلہ کی پاکی کا طریقہ

[۴۹] سوال: اگر اناج کے ڈھیر پر بکری وغیرہ پیشاب کردے تو اس کی طہارت کی کیا صورت ہو سکتی ہے؟ دھونے سے تو سارا غلہ بگڑ جائے گا۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اس میں سے دوایک سیر کسی کو خیرات کردے یا بیچ ڈالے تو باقی پاک سمجھا جائے گا۔ (مجمع الانهر: ج ۱ / ص ٦٤) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایک تیمّم سے دو جنازہ کی نماز پڑھنا

[۵۰] سوال: بخوف فوت نماز جنازہ تیمّم کیا اور تھوڑی دیر کے بعد دسرا جنازہ آیا تو پہلا تیمّم باقی ہے یا دوبارہ تیمّم کرنا ضروری ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر اوّل تیمّم کے بعد اتنا وقت گزر گیا کہ جس میں وہ وضوء کرسکتا تو اگر اب وضوء کرنے سے نماز جنازہ فوت ہوتی ہو تو دوبارہ تیمّم کرکے نماز جنازہ پڑھے، کیوں کہ پانی کی موجودگی اور قدرت استعمال سے پہلا تیمّم ٹوٹ گیا۔ اور اگر درمیان میں اتنا وقفہ نہ گزرا ہو جس میں وہ وضوء کرسکتا اور اب بھی وضوء کا موقع نہ ملتا ہو تو سابق تیمّم سے نماز جنازہ پڑھ لے۔

وفی شرح النقاية: اذا صلى بالتيمم فحضرت اخرى فان كان بينهما مدة التوضى اعاد التيمم والافلا وعليه الفتوى (مجمع الانهر: ج ۱ / ص ۲۲ وطبع آخر: ج ۱ / ص ٦١) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

جس عورت کو بلوغ کے بعد سے اخیر عمر تک تین روز سے کم خون آئے اس کا حکم

[۵۱] سوال: ایک لڑکی بالغ ہوئی تو صرف دو ہی دن خون آکر بند ہوا اور اب ہر ماہ دو ہی دن خون

آتا ہے تو اس کا حیض کس طرح اعتبار کیا جائے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مذکورہ عورت کا خون جب تک تین یوم تک نہ آئے وہ پاک تصور کی جائے گی، اور عدت مہینوں سے گزارے گی، گویا وہ آئسہ کے حکم میں ہے۔

ولاحد لاكثر الطهر هذا صادق بثلاث صور؛ الاول: ان تبلغ بالسن وتبقى بلادم طول عمرها فتصوم وتصلى ويأتيها زوجها وغير ذالك ابدا، وتنقضى عدتها با لاشهر؛ الثانية: ترى الدم عند البلوغ او بعده اقل من ثلاثة ايام ثم يستمر انقطاعه وحكمها كالاولىٰ؛ الثالثة: ان ترى مايصلح حيضاً ثم يستمر انقطاعه وحكمها كالاولىٰ الا انها لا تنقضى لها عدة الا با لحيض ان طرأ الحيض عيلها قبل سن الا ياس آه (شامى: ج ١ / ص ٢٦٣) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب الصلوٰۃ

باب اوقات الصلوٰۃ

وقت عصر بعد مثلین

[۵۲] سوال: عصر کا وقت بلا سایہ اصلی دو مثل سے شروع ہوتا ہے یا مع سایہ اصلی دو مثل سے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ بلا سایہ اصلی دو مثل سے۔

ووقت الظهر من زوالها الى ان يصير ظل كل شیء مثليه سوى فیء الزوال و هو رواية محمد عن الامام و به اخذ الامام ووقت العصر من انتهاء وقت الظهر آه (مجمع الانهر: ج ۱ / ص ۳٦) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نصف النہار میں نماز کی کراہیت

[۵۳] سوال: آفتاب جب کہ نصف النہار پر آئے تو اس وقت فرض یا نفل نماز یا سجدۂ تلاوت و سہو و نماز جنازہ پڑھنا درست ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مذکورہ وقت مذکورہ امور کی ادائیگی منع ہے۔

و منع عن الصلوٰة و سجدة التلاوة و صلوٰة الجنازة عند الطلوع و الاستواء و الغروب آه (مجمع الانهر: ج ۱ / ص ۳۷) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بعد طلوع فجر سنن ونوافل پڑھنا

[۵۴] سوال: بعد طلوع فجر سنت فجر کے علاوہ دیگر نوافل پڑھنا درست ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: نہیں۔

ومنع عن النفل فقط بعد طلوع الفجر باكثر من سنته (مجمع الانهر: ج ۱ /ص ۳۸ شامی: ج ۱ /ص ۳۴۹) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بعد طلوع فجر تہجد یا قضا پڑھنا

[۵۵] سوال: ایک آدمی صبح کی سنتیں پڑھ کر مسجد میں گیا جب پہنچا تو ابھی جماعت میں پانچ یا دس منٹ باقی ہے اور وہ دو رکعت تہجد مسجد میں پڑھنا چاہتا ہے تو وہ پڑھے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: چوں کہ صبح صادق کی طلوع کے بعد نفل اور تہجد کا وقت باقی نہیں رہا، اس لیے وہ تہجد ادا نہیں کرسکتا ہے، اور اگر تہجد کی قضا پڑھنا چاہتا ہو جس کو اس نے نذر یا شروع سے اپنے اوپر واجب کر دیا ہو تو اگر چہ طلوع صبح صادق کے بعد فرض اور واجب لنفسہ کی قضا درست ہے مگر تہجد اس صورت میں واجب لنفسہ میں داخل نہیں ہے، لہٰذا وہ تہجد کی قضا بھی اس وقت نہیں پڑھ سکتا ہے۔

و اما الوقتان الآخران من الخمسة فانه يكره فيهما التطوع فقط و لا يكره فيهما الفرض ولا الواجب لنفسه يعنى الفوائت و صلوٰة الجنازة و سجدة التلاوة بخلاف المنذور و اللازم بالشروع و ركعتي الطواف فانها تكره لوجوبها لغيرها وهما الوقتان المذكوران ما بعد طلوع الفجر الى ان يطلع الشمس فانه يكره فى هذا الوقت النوافل كلها الا سنة الفجر، (صغيرى مع كبيرى؛ مطبوعه لاهور:ص ۲۱۵) و كذا الحكم من كراهة نفل وواجب لغيره لا فرض و واجب لعينه بعد طلوع فجر سوىٰ سنته (الشامى و الدر المختار: ج ۱ /ص ۳۸۹) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

جمعہ کے دن زوال کے وقت نفلیں پڑھنا

[۵۶] سوال: جمعہ کے روز عین اس وقت جب کہ آفتاب سر پر ہو تو نوافل وغیرہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ امام ابو یوسفؒ کے نزدیک اس وقت نوافل پڑھنا جائز ہے اور صاحب درمختار نے اس قول کو راجح قرار دیا ہے۔ مگر شامی (ص۴۳۵) نے تردید کرتے ہوئے مختلف وجوہ سے کراہت ثابت کی ہے، مثلاً اوقات مکروہہ میں مطلقا نہی قولی وارد ہے جو فعلی جواز سے راجح ہے۔ محلل ومحرم کے اجتماع سے محرم کو ترجیح دینے کا قاعدہ بھی کراہت کی تائید میں ہے، اور خصوصاً حنفی کتابوں میں جو ظاہر الروایۃ کے قول کو تمام متون میں نقل کیا گیا ہے ایک مقلد شخص کے لیے ان اوقات میں نوافل کی کراہت پر کافی دلیل ہے۔ والحدیث حجة علی الشافعی فی تخصیص الفرائض وحجة علی ابی یوسف فی اباحة النفل یوم الجمعة قبل الزوال۔ (ھدایہ ص۶۸) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

امام کا اوقات کی پابندی نہ کرنا

[۵۷] سوال: امام وقت مقررہ میں نماز نہیں پڑھاتا ہے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ امام اگر شرعاً مستحب اوقات سے تاخیر کرتا ہو تو اس کا یہ فعل مکروہ ہے، اور اگر مسجد کے نمازیوں کی طرف سے جو وقت مقرر کیا گیا ہو اس کی پابندی نہیں کرتا ہو، تو جماعت اور نمازیوں کی سہولت اور تنظیم کے لیے جو وقت مقرر ہے اس کی پابندی بہتر ہے، تاہم جماعت اور نمازیوں کی اصلاح کے لیے اس میں تقدیم تاخیر کی گنجائش ہے، بشرطیکہ مستحب وقت سے خارج نہ ہو جائے، (کذا یفھم من الشامی: ج ۱/ص ۳۴۰، و ج ۱/ص ۵۱۹) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مغرب کی فرض سے قبل دو رکعت نفل کی تحقیق

[۵۸] سوال: مغرب کی نماز سے قبل ایک مولوی صاحب دو رکعت نماز پڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ہر نماز سے قبل نفل پڑھی ہے اس لیے میں پڑھتا ہوں، تو کیا اس کا یہ قول حق بجانب ہے اور یہ نفل پڑھنی چاہیے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ آنحضرت ﷺ سے احیاناً اس کے فعل کے متعلق روایت آئی ہے مگر ابن عمر کا یہ فرمانا کہ آنحضرت ﷺ کے عہد میں اس کو کوئی نہیں پڑھتا تھا اور کبار صحابہ مثل ابی بکر و عمر وغیرہ نے کبھی یہ نماز نہیں پڑھی اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس کا پڑھنا ثابت نہیں اور اگر ثابت ہے تو منسوخ ہو گیا ہے، اس کے ساتھ اگر ان نوافل میں کوئی مشغول ہو جائے تو یقیناً تاخیر مغرب کو مستلزم ہوگا جو بالاتفاق منہی عنہ ہے۔

اس واسطے حنفی اور مالکی اس کو مکروہ مانتے ہیں بلکہ امام شافعیؒ کی ایک روایت سے بھی کراہت ثابت ہوتی ہے اس لیے فقہاءِ احناف کے نزدیک بعد ادائیگی عصر تا ادائیگی مغرب ہر قسم نوافل مکروہ ہے۔

و كذا الحكم من كراهية النفل و واجب لغيره بعد طلوع فجر سوا سنته و قبل صلوٰة مغرب لكراهة تاخيره الا يسيراً (در) عليه اكثر اصحاب العلم منهم اصحابنا و مالك و احد الوجهين عن الشافعى لما ثبت فى الصحيحين وغيرهما مما يفيد انه ﷺ كان يواظب على صلوٰة المغرب باصحابه عقيب الغروب و لقول ابن عمرؓ ما رايت احداً على عهد رسول الله ﷺ يصليهما، رواه ابو داؤد و سكت عنه و المنذرى فى مختصره و اسناده

حسن و روی محمد عن ابی حنیفة عن حماد انه سئل ابراهیم النخعی عن الصلوٰة قبل المغرب قال فنهیٰ عنها و قال إ ن رسول الله ﷺ و ابابکر و عمر لم یصلّوها آه (شامی: ج ۱ /ص ۳۴۹، اوقات الصلوٰة) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

جس ملک میں عشاء کا وقت ہی نہیں آتا جیسے بلغاریا وہاں عشاء کی فرضیت

[۵۹] سوال: کیا روئے زمین پر ایسے مقامات بھی ہیں جہاں اوقات خمسہ موجود نہیں ہو سکتے، اور اگر ایسے مقامات ہیں تو ان کے نماز روزوں وغیرہ عبادات کے متعلق علماء کیا فتوی دیں گے، یعنی ان سے عبادات ہی ساقط سمجھیں یا کس صورت سے وہ ادا کریں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ روئے زمین پر بیشک ایسے مقامات موجود ہیں کہ جہاں ہمارے یہاں کے اعتبار سے انکو پنج وقتہ نماز روزوں کے اوقات یا بارہواں مہینہ رمضان اور ذی الحجہ کی تعیین دشوار ہو۔

واقعہ یہ ہے کہ جن مقامات پر مدار رأس سرطان اور رأس جدی کا طلوع وغروب ہوتا ہے وہاں تو تمام سال میں ہر چوبیس کلاک پر رات ودن پیدا ہو سکتے ہیں، گو باعتبار قلت وکثرت میلان کے دونوں کا طول وقصر مختلف رہے گا، مگر شبانہ روز کا وقوع چوبیس کلاک میں ضرور ہوگا، اور شرع کے اکثر احکام اس خطہ کے اعتبار سے بیان ہوئے ہیں اس میں پنج وقتہ نمازوں کی تعیین جمعہ عیدین رمضان وغیرہ کی تعیین بھی ظاہر ہے۔

اب وہ مقامات کہ جہاں مدار رأس سرطان ورأس جدی کا طلوع یا غروب نہیں ہوتا ہے ایسے مقامات میں چوبیس کلاک رات اور دن سے لے کر چھ ہفتے تک رات دن طویل ہو سکتے ہیں جو میلان کی قلت وکثرت کے اعتبار سے مختلف ہونگے، مثلاً وہ مقامات کہ جنکا عرض البلد خط

استوا سے چھیاسٹھ (٦٦) درجہ یا زائد ہوتو آفتاب جب رأس سرطان پر آئے گا اس روز وہاں چوبیس کلاک غروب ہی نہ ہوگا اور جب رأس جدی پر آئیگا تو طلوع ہی نہ ہوگا پھر چندروز میں معمولی طلوع وغروب شروع ہوگا مگراس طور سے کہ غروب ہوتے ہی طلوع ہوگا جہاں شفق کی غیبوبت سے قبل طلوع ہوگا جس سے عشاء کا وقت معدوم ہوجائے گا۔

تو ایسے مقامات کے لیے اکثر متون مثل کنز، ملتقی وغیرہ اور اکثر شروح مثل زیلعی، عینی، کبیری، وغیرہ میں یہ حکم موجود ہے کہ ایسے مقامات والوں کے لیے وہ نماز ہی معاف ہے کیوں کہ جب نماز کا سبب وقت ہے اور انکے حق میں سبب معدوم ہے تو نماز بھی نہ ہوگی۔

جیسے کسی شخص کے دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت کٹے ہوئے ہوں تو اس پر فرائض وضوء چار کے بجائے تین رہ جاتے ہیں، اور اسی قول کو تقریباً تمام فقہاء نے مفتیٰ بہ قرار دیا ہے، مگر میرے نزدیک ایسے مقامات میں اپنے ان قریبی مقامات کے اوقات پر عبادات بجالانا چاہیے کہ جہاں رات دن اور اوقات کا وقوع ہوتا ہے، اس مسلک کو صاحب فتح القدیر اور شامی کے آخری قول سے ترجیح ثابت ہوتی ہے، ہر دو اقوال کے دلائل اور تفصیل شامی، کبیری، فتح القدیر، مجمع الانہر، زیلعی وغیرہ میں کتاب الصلوٰۃ کے باب الاوقات میں مبحث وقت العشاء والوتر میں موجود ہیں۔

مقطوع الیدین کے وضوء پر قیاس کو فتح القدیر نے رد کیا ہے، کہ محلّ فرض کے انتفاء اور محض ایک سبب کے انتفاء میں فرق ہے۔

میرے نزدیک سب سے زیادہ قوی دلیل وہ حدیث ہے جو صحاح میں موجود ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ خمس صلوات افترضھن الله تعالى على العباد آھ

اس میں کسی قسم آفاق کی تخصیص نہیں، ایک نص مشہور کے مقابلہ میں محض قیاس اور وہ بھی مع الفارق کوئی وقعت نہیں رکھتا، حساب سے نماز پڑھنے کے لیے یوم دجال کی نظیر کافی ہے۔

پھر مقطوع الیدین اقطاع عالم میں معدود محصور، مگر اوقات میں کمی والے آفاق کثیر غیر محدود کثیر، پھر شرائط صلاۃ کی عدم پر خود صلوٰۃ کی عدم کا قیاس غیر معقول ہے۔

پھر نماز کے عدم افتراض کے لیے وقت کے عدم کو دلیل بنانا حج، صوم، عید، وغیرہ احکام شرعیہ کے لیے بھی دلیل بنانا پڑے گا، حالانکہ صوم و حج وغیرہ احکام کے متعلق وہاں کے اقرب مقامات پر بنا کرنے کا حکم دیا جاتا ہے، جیسے شامی میں اس مسئلہ کے تحت میں مفصلاً موجود ہے۔تو نماز کا معاملہ دیگر عبادات سے تو اور بھی مؤکد ہے۔

اندازہ کرنے کا معاملہ تو بنابقول میاں صاحب گھڑیوں کی ایجاد نے آسان کر دیا ہے۔اور ہر مقام پر اب ایسی گھڑیاں ملتی ہیں جو موجودہ وقت کے مطابق دنیا کے تمام اقطاع کے اوقات بتلاتی ہیں، رسل ورسائل، آمد ورفت ڈاک، سالانہ جنتریوں اور کلینڈروں کی ایجاد نے تعین اوقات میں کسی قسم کی دقت نہیں چھوڑی۔

لہٰذا ان دلائل کو دیکھتے ہوئے اس مسئلہ میں بھی راجح معلوم ہوتا ہے کہ مذکور مقامات کے لوگ اپنے اقرب مواضع کے یوم ولیل کے مطابق اپنی تمام عبادات بجالایا کریں۔واللہ اعلم وعلمہ اتم ولاحول ولاقوۃ الا باللہ۔

☆......☆......☆

باب الاذان

قبلہ رخ ہوکر اذان دینا

[٦٠] سوال: اذان قبلہ رخ ہوکر دینا چاہیے یا چاروں طرف منہ پھرا کر کے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اذان قبلہ رخ ہی دینا چاہیے، البتہ اذان خانہ کی وسعت کی وجہ سے اگر باوجود ثبات قدم آواز باہر نہ پہنچے تو حیعلتین میں یمیناً وشمالاً انتقال درست ہے، مگر اس حالت میں بھی سینہ قبلہ سے نہ پھیرنا چاہیے، اور اگر بلاضرورت غیر قبلہ کی طرف اذان دی گئی تو کراہت کے ساتھ ہوجائے گی۔

ویلتفت فیہ یمیناً وشمالًا ویساراً فقط لئلا یستدبر القبلة بصلوٰة وفلا ح ویستدیر فی المنارة لو متسعة ویخرج رأسه منها آه (الدر المختارمع الشامی: ص٤٠١) ویستقبل غیر الراکب القبلة لهما ویکره ترکه آه (الدر المختار مع الشامی ص:٤٠٣) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بوقت اذان کانوں میں انگلی رکھنا

[٦١] سوال: بوقت اذان جو کانوں میں انگلی رکھی جاتی ہے، یہ ہر کلمے پر رکھ کر پھر نکالنا چاہیے، یا اول سے آخر تک رکھی رکھنا چاہیے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ حدیث شریف میں کانوں میں انگلی رکھنے کی جو علت قرار دی گئی ہے، یعنی آواز کا بلند ہوجانا؛ اس سے صرف کلمات کے تلفظ کے وقت انگلی رکھنا ثابت ہوتا ہے، مگر چونکہ

ہر ایک کلمہ کے لیے کانوں میں انگلی رکھنا اور نکالنا ایک دشوار فعل ہے اس لیے اگر اول سے اخیر تک انگلی کانوں میں رکھی رہے تو کچھ حرج نہیں۔ واللہ اعلم

و یجعل ندبا اصبعیه فی صماخ اذنیه فاذانه بدونه حسن و به احسن لقوله علیه السلام لبلال ؓ و اجعل اصبعیك فی اذنیك فانه ارفع لصوتك آه (الدر المختار مع الشامی؛ ص: ٤٠٢) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کرسی پر بیٹھ کر اذان دینا

[٦٢] سوال: کرسی پر بیٹھ کر اذان دے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چوں کہ کھڑے ہو کر اذان دینے میں آواز دور پہنچتی ہے اور زمانۂ رسالت سے آج تک یہی طریقہ معمول بہ رہا ہے، لہٰذا بلا عذر بیٹھ کر اذان دینا یقیناً کراہت میں داخل ہے۔

وکره اذان جنب (الی ان قال) وقاعدٍ اِلّا اذا اَذَّنَ لنفسه وراکبٍ الا المسافر آه (الدرالمختار مع الشامی: ج ١ / ص٤٠٧) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بے وضوء اذان دینا

[٦٣] سوال: اذان شروع کرنے کے وقت وضوء تھا مگر درمیان میں وضوء ٹوٹ گیا تو وضوء کر کے بقیہ اذان پوری کرے یا پھر سے اذان لوٹاوے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اُسی اذان کو پوری کردے، کیوں کہ محدث کی اذان درست ہے۔

ویکره اذان جنب واقامته واقامة محدث لا اذانه علی المذهب آه (الدر المختار مع الشامی: ج ١ / ص٣٦٤) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بعد اذان صلوٰۃ پڑھنا

[۶۴] سوال: رمضان میں بعد اذان عشاء اس طرح صلوٰۃ پڑھتے ہے: الصلوۃ والسلام علیك یا حضرۃ آدم صفی اللہ اسی طرح اور سات پیغمبروں کے نام لیے جاتے ہے، تو کیا یہ صلوٰۃ جائز ہے یا نہیں؟ اور پڑھنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: اس کی تصریح نہ شریعت کی کتابوں میں ملتی ہے اور نہ فعل سلف میں، اس لیے یہی کہا جاتا ہے کہ بدعت ہے۔

رہا یہ کہ پڑھنا چاہیے کہ نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ بعض چیزیں اگر چہ فی نفسہ موجب ثواب ہوتی ہیں مگر بعض نامشروع امور اور خوف فتنہ و بدعت کی وجہ سے ترک لازم ہوتا ہے، ترك سنة افضل من احداث بدعة (شامی: ج ۱)

لہٰذا اس کا ترک ہی لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

متعدد اذانوں میں اپنی مسجد کا جواب دینا

[۶۵] سوال: ایک وقت میں جب کہ دو تین مسجدوں میں اذان ہوتی ہو، تو کس کا جواب دیوے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: اور جب متعدد اذان ہوتی ہوں تو پہلی اذان کا جواب دینا چاہیے اور اگر بیک وقت ہوتی ہوں تو قریب مسجد جس میں نماز پڑھتا ہو جیسے مسجد محلّہ اس کا جواب دینا چاہیے۔

قال العلامة الشامی تحت قول الدر وانما یجیب اذان مسجده آه والذی ینبغی اجابة الا ول سواء کان موذن مسجده اوغیره فان سمعهم معاً اجاب معتبراً کون اجابته لمؤ ذن مسجده ولو لم یعتبر ذالك جاز وانما فيه مخالفة الا ولیٰ۔ آه۔ (شامی: ج ۱/ص ۴۱۵، ج ۱/ص ۳۷۱ عثمانیه) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

راستے پر چلنے والے کا اذان کا جواب دینا

[۶۶] سوال: مسجد میں اذان ہوتی ہواور کوئی شخص راستے پر ہوتو اذان کا جواب دیوے یا نہیں؟ ایک وقت میں جب کہ دو تین مسجدوں میں اذان ہوتی ہو تو کس کا جواب دیوے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛: راستے پر چلنے والا شخص جواب دینے والوں سے مستثنیٰ نہیں، لہٰذا اس کو عملی اور لسانی ہر دو جواب دینا چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اذان برائے نماز قضاء

[۶۷] سوال: قضاء نماز کے لیے بھی وقتیہ کی طرح اذان واقامت دینا چاہیے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ہاں قضاء نماز کے لیے بھی مثل وقتی نماز کے اذان واقامت دینا چاہیے، مگر محلّہ کی مسجد میں جہراً نہ دینا چاہیے، آہستہ کہے تو منع نہیں۔

ویسن ان یؤذن ویقیم لفائتة رافعاً صوته لو بجماعة او صحراء لا بیته منفردا ولا فیما یقضیٰ من الفوائت فی المسجد لان فیه تشویشا وتغلیطا (قال الشامی) ای لو کان الاذان بجماعة اما اذاکان منفردا ویؤذن بقدرما یسمع نفسه فلا آه (شامی: ج ۱/ص ۳۶۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

دفع طاعون کے لئے اذان دینا

[۶۸] سوال: گاؤں کے آس پاس طاعون کا حملہ ہوگیا، اہل قریہ رات کو گاؤں کے ناکوں پر بعد عشاء اذان دیتے ہیں، یہ جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ فقہاء کی تصریحات "ولا یؤذن لغیرہ" یعنی "فرائض کے علاوہ

اذان نہ دی جائے“اس کلیہ میں طاعون وغیرہ کے لیے بھی نفی نکلتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کلام وغیرہ سے اذان کا فاسد ہونا

[٦٩] سوال: وہ کونسی چیزیں ہیں جن سے اذان فاسد ہو جاتی ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جو امور کہ اذان کی غرض کے منافی ہوں، مثلاً: وقت سے پہلے اذان کہنا، اذان کے درمیان میں کلام کرتے رہنا، جنون اور عتہ وغیرہ عارض ہونا۔

فیعاد اذان وقع قبلہ، (الدر المختار مع الشامی: ٤٠٨)ولا یتکلم فیهما ولورد السلام فان تکلم استانف (الدر المختار مع الشامی: ٤٠٤) و جزم المصنف بعدم صحة اذان مجنون و معتوه آه (الدر المختار مع الشامی: ٤٠٨) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اذان خانہ پر برائے اعلام افطار نقارہ بجانا

[٧٠] سوال: رمضان شریف میں مؤذن کی اذان گاؤں میں سنائی نہیں دیتی ہے جس سے افطار میں خلل پڑتا ہے تو جماعت خانہ سے باہر مسجد کے دروازہ پر جو موذن خانہ ہے اس پر نقارہ بجانا کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چوں کہ اذان خانہ عموماً مسجد کی حدود میں ہوتا ہے اور مسجد میں جب کہ جہری ذکر کی بھی ممانعت کی جاتی ہے تو ایک آلۂ لہو کی بطریق اولیٰ ممانعت ہوگی، خصوصاً جب کہ افطار کے اعلام کے لیے دیگر طریقے مثل: توپ، پٹاس وغیرہ موجود ہیں، اور اگر نقارہ بجانے کی جگہ مسجد کی حدود سے باہر ہو تو بصورت ضرورت ممانعت نہ ہوگی۔

ورفع الصوت بالذکر الا للمتفقهة آه (الاشباه والنظائر: ص٢٠٢)

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

جماعت ثانیہ اور اذان کا حکم

[۷۱] سوال: مسجد میں جماعت ہوگئی ہے اس کے بعد ایک شخص یا چند اشخاص جماعت سے نماز پڑھنا چاہتے ہیں تو اس ایک شخص یا چند اشخاص کو اذان اور اقامت سے نماز پڑھنا چاہیے یا بلا اذان واقامت؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ محلے کی مسجد جہاں مقررہ طور پر اذان اور جماعت سے نماز ہوتی ہے، اس مسجد میں بعد جماعت اولی نہ دوسری جماعت درست ہے اور نہ اذان واقامت جہراً درست ہے، کیوں کہ اس سے غلط فہمی اور بدنظمی کا اندیشہ ہے۔

او مصل فی مسجد بعد صلوٰۃ جماعۃ فیہ بل یکرہ فعلھما و تکرار الجماعۃ الافی مسجد علی طریق فلا بأس بذلك، (شامی: ج ۱ /ص ۳۶۷) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اقامت سے پہلے درود پڑھنا

[۷۲] سوال: اقامت سے پیشتر درود شریف پڑھنا شرعاً کیسا ہے؟ کیا یہ سنت ہے یا بدعت؟ پڑھنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نفس درود شریف پڑھنا بہر حال ایک مبارک فعل اور باعث اجر ہے، مگر بعض خصوصیتوں کی وجہ سے اس کی ممانعت اس واسطے کی جاتی ہے کہ اس محل میں جو امر مشروع ہے اس میں اس نئی چیز کی زیادتی سے یہ خوف ہوتا ہے کہ عوام اس کو اس فعل کا ایک جزء سمجھنے لگیں گے، اور اس طرح ہر فعل میں نئی زیادتی کرنے سے امتداد زمانہ کے بعد لوگ یہی سمجھیں گے کہ اس

مشروع عمل کا یہ بھی جزء ہے، اوراس طرح افعال شرعیہ میں خلل پڑے گا، لہٰذا انہی قبائح کو مدنظر رکھتے ہوئے اذان واقامت اورنماز کے ارکان میں جو جو کلمات اور قرأت مشروع اور مقرر ہیں ان پر زیادتی نہ کرنا چاہیےاور ہر محل اور موقع پر جو جو الفاظ مقرر ہیں انہی پر اکتفاء کرنا چاہیے۔ وفقنا الله وسائر المسلمين لما يحب به ربنا ويرضاه۔ آمين فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اذان سے قبل تحیۃ المسجد یا تحیۃ الوضوء پڑھنا

[۷۳] سوال: قبل اذان تحیۃ المسجد یا تحیۃ الوضوء پڑھ سکتے ہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اوقات مکروہ کے ماسوا اور نیز ان اوقات کے ماسوا جن میں نوافل پڑھنا منع ہے مثلاً طلوع فجر کے بعد تا طلوع شمس یا بعد ادائے عصر تا ادائے مغرب وغیرہ، باقی اوقات میں ہر قسم نوافل پڑھ سکتے ہیں خواہ قبل اذان ہوں یا بعد اذان۔

وكره نفل ولو تحية المسجد (الى ان قال) وبعد طلوع الفجر سوى سنته (شامی: ج ۱/ص ۳۴۹) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اذان میں لحن وتغنی

[۷۴] سوال: اذان کھینچ کر پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اذان کھینچ کر پڑھنے سے اگر لحن اور تغنی مراد ہے، جس پر اکثر مؤذنین عامل ہیں تو اس کے متعلق یہ حکم ہے کہ اذان میں خوش آوازی جو بلا تصنع ہو تو وہ جائز بلکہ مستحسن ہے اور جو لحن اور تغنی جس میں حروف ومدات کی کمی بیشی ہوتی ہے اور محض غلط نقالی کی جاتی ہے تو یقیناً یہ فعل سخت مذموم اور قبیح ہے اور بعض حالتوں میں ان کی بیشی سے اصل معنی میں سخت تحریف اور غلطی لازم آتی ہے اس لیے اس قسم کا کھینچنا واجب الترک ہے۔

و لا لحن فیہ ای تغن یغیر کلماته فانه لایحل فعله و سماعه، ای بزیادة حرکة او حرف او مد او غیرها فی الاوائل و الاواخر۔ (شامی: ج ۱ / ص ۳۵۹) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

☆......☆......☆

باب صفۃ الصلوٰۃ

صف اول میں زیادہ ثواب ہونا

[۷۵] سوال: صفوف میں از روئے نزول رحمت سب سے بہتر کون سی صف ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ پہلی صف، کیوں کہ ایک روایت میں وارد ہے کہ جب اللہ تعالیٰ جماعت پر نزول رحمت کرتا ہے تو سب سے پہلے امام پر نازل کرتا ہے، پھر امام کے متصل ان لوگوں پر جو صف اول میں ہیں پھر ان کے یمین والوں پر پھر یسار والوں پر پھر صف دوم وسویم پر اسی طرح آخر تک۔

و خير صفوف الرجال اولها لانه روى فى الاخبار ان الله تعالىٰ اذا انزل الرحمة على الجماعة ينزلها اولا على الامام ثم يتجاوز عنه الى من بحذائه فى الصف الاول ثم الى الميامن ثم الى المياسر ثم الى الصف الثانى و تمامه فى البحر آه (شامی: ج ۱ /ص ۵۹٤) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

اگلی صف میں جانے کے لیے نمازیوں کو ایذا دینا

[۷٦] سوال: اکثر لوگ جمعہ کی نماز میں پیچھے آتے ہیں اور نمازیوں کے اوپر سے کود کود کر اگلی صف میں جاتے ہیں، اس کا خلاصہ سے جواب دیں کیونکہ اکثر لوگ پہلے سے آئے ہوئے نمازیوں کو تکلیف دیتے ہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ خطبے کے شروع ہونے سے قبل اگر اگلی صف میں خالی جگہ کو پر کرنے کے لیے بلا کسی کو ایذا دیتے ہوئے اگلی صف میں جائے تو درست ہے، اور اگر آگے بڑھنے میں نمازیوں

کو ایذا پہنچاتا ہو یا خطبہ شروع ہو گیا ہو تو اگلی صف کو جانا منع ہے۔

ولا بأس بالتخطی مالم یأخذ الامام فی الخطبة ولم یؤذ احداً وعن معاذ بن انس الجهنی قال قال رسول الله ﷺ من تخطی رقاب الناس یوم الجمعة اتخذ جسراً الیٰ جهنم، شرح منیه۔ (شامی: ج ۱ / ص ۸٦۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

چھوٹے بچوں کو بڑوں کی صف میں کھڑا کرنا

[۷۷] سوال: سب لوگ جانتے ہیں کہ نماز تراویح اور نماز جمعہ میں چھوٹے بچوں کو بڑوں کی صفوں میں کھڑا رکھنا مکروہ ہے، تاہم لوگ بچوں کو بڑوں کے ساتھ کھڑے کرتے ہیں، بلکہ ساتھ لا کر کھڑے رکھتے ہیں، تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چوں کہ حضرت کے ارشاد میں یہ تاکید آئی ہے کہ سمجھدار اور بالغین مجھ سے قریب کھڑے ہوں، اس لیے صفوف کے قیام میں مسنون طریقہ یہ ہے کہ بچے بالغین کے ساتھ نہیں بلکہ پیچھے کھڑے کئے جائیں، اب اگر کوئی اس صریح حکم کی خلاف ورزی کا ارتکاب کرتا ہو تو ایک مکروہ فعل کا ارتکاب کرتا ہے جو قابل تنبیہ و ملامت ہے۔

و یصف الرجال ثم الصبیان ثم النساء لقوله علیه السلام لیلینی منکم اولوا الاحلام و النهی۔ (هدایه: ج ۱ / ص ۱۰۳، در مختار مع الشامی: ج ۱ / ص ۵۳٤) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسجد میں جانے کے آداب

[۷۸] سوال: مسجد میں فرض نماز پڑھنے کے لیے جانے سے قبل کیا کیا فرض ہیں اور کیا کیا سنت و

واجب ومستحب ہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ کسی نمازی کے لیے نماز سے پہلے جن جن شرائط کی تصریح کتب فقہ میں موجود ہیں مثلاً: طهارة البدن و الثوب والمكان الى آخره اس کے سوا صرف مسجد کی طرف جانے کے لیے کسی شرائط کی تصریح نہیں آئی ہے، البتہ نماز کے لیے روانہ ہونے کے لیے آداب ومستحبات کا ذکر آیا ہے، مثلاً روانگی کے وقت خدا کی طرف بالقلب توجہ اور خشوع وخضوع وغیرہ جو کتب تصوف ومواعظ مثلاً: شرح شرعۃ الاسلام (ص:۱۰۸) وغیرہ سے مفصل معلوم ہو سکتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تکبیر تحریمہ سے قبل درود شریف پڑھنا

[۷۹] سوال: تکبیر تحریمہ سے پہلے درود شریف پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: نفس درود شریف پڑھنے کے جواز بلکہ استحباب میں شک نہیں، مگر اس کو کسی وقت اور محل سے مخصوص سمجھ کر ایک شرعی حکم قرار دینا اور مخالف کو شرعی حکم کا مخالف سمجھ کر اس کی تحقیر کرنا، ایک غیر شرعی فیصلہ کو شریعت کا جزء قرار دینا ہے، جو ایک بدترین جرم ہے اور جب یہ صورت پیش آئے تو اس وقت ترک واجب ہوگا، کیوں کہ "ترك سنة افضل من ارتكاب بدعة" ہے، شامی مبحث مکروہات الصلوٰۃ میں مذکور ہے کہ اذا تردد الحكم بين سنة و بدعة كان ترك السنة اولىٰ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایک نابالغ لڑکے کو صف میں کھڑا کرنا

[۸۰] سوال: جامع مسجد میں تین چار بالغ اور ایک نابالغ لڑکا ہو تو اگر وہ لڑکا بالغین کی صف میں کھڑا ہو جائے تو بالغین کی نماز فاسد ہوگی یا مکروہ؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نہ فاسد ہوگی نہ مکروہ، کیوں کہ اس کا صف ہی میں کھڑا کرنا مستحب تھا۔

كما يعلم من حديث انس و اليتيم و يصف الرجال ثم الصبيان ظاهره تعددهم فلو واحد ادخل الصف آه (در المختار مع الشامی: ج ۱ / ص ۵۹۷ امامة) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نابالغ بچوں کی صف کا طریقہ

[۸۱] سوال: (۱) اگر مقتدیوں میں بالغ کوئی نہ ہو بلکہ سب نابالغ بچے ہوں تو امام کے متصل صف باندھ کر کھڑے ہو جائیں یا مردوں کے صف کا مقدار چھوڑ کر پیچھے کھڑے ہو جائیں؟

(۲) ایک بالغ باقی سب نابالغ مقتدی ہوں تو کس طرح کھڑے ہو جائیں؟

(۳) ایک بالغ مقتدی امام کے داہنی طرف کھڑا ہو اور باقی نابالغ پیچھے آ جائیں، یا اول سے امام کی داہنی طرف نابالغ بچہ کھڑا ہو اور بالغ پیچھے آوے تو امام کو آگے بڑھنا چاہیے یا آنے والا امام کے ساتھ والے کو پیچھے کھینچے یا خود کھڑا ہو تو کہاں کھڑا ہو جائے؟

الجواب: جب بالغ مرد نہیں ہیں تو بچے بالغ مردوں کے صف کی جگہ امام کے پیچھے کھڑے ہو جائیں۔

(۲) ایک بالغ ہو باقی بچے ہوں تو سب کو امام کے پیچھے ایک ہی صف باندھ کر کھڑے ہونا چاہیے خواہ بالغ امام کے ساتھ کھڑا ہو یا نابالغ دونوں صورتوں میں پیچھے آنے والا تحریمہ باندھ کر آگے والے کو پیچھے کھینچے، یا اگر امام کے لیے آگے بڑھنے کی جگہ ہو تو امام خود آگے بڑھ جائے، یہ ہر دو طریقہ درست ہے مگر صاحب البحر الرائق نے منیہ سے نقل کرتے ہوئے یہ لکھا ہے کہ مسائل سے ناواقفیت کی وجہ سے مندرجہ طریقوں کے استعمال سے شاید نمازی اس فعل کو نماز سے منافی سمجھ

کر نماز ہی توڑ دیگا اس خدشہ کے لیے ہمارے زمانہ میں یہ بہتر ہوگا کہ آنے والے پیچھے کھڑے ہو جائیں اور امام کے ساتھ جو کھڑا ہے اس کو وہیں رہنے دیں۔

و یقف الواحد عن یمینه و الاثنان خلفه و یصف الرجال ثم الصبیان ثم النساء آھ و اطلق فی الواحد فشمل البالغ و الصبی، و انما یتقدم الرجلین لان النبی ﷺ تقدم علی انس و الیتیم حین صلی بهما و فی الظهیرية فلو جاء و الصف متصل انتظر حتی یجیء الآخر فإن خاف فوت الرکعة جذب واحداً من الصف ان علم انه لا یوذیه و ان اقتدی به خلف الصفوف جاز، و لو کان فی الصحراء ینبغی ان یکبر اولاً ثم یجذبه و لو جذبه اولاً فتأخر ثم کبر هو قیل یفسد صلوٰة الذی تاخر آھ و فی القنية و القیام وحده اولیٰ فی زماننا لغلبة الجهل علی العوام آھ و ان محل الترتیب انما هو عند حضور جمع من الرجال و جمع من الصبیان فحینئذ توخر الصبیان آھ (البحر الرائق: ج ۱ /ص ۳۵۲، ۳۵۳ و قریباً منه ما فی الشامی: ج ۱ /ص ۵۹۷، عالمگیری: ج ۱ /ص ۸۸) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

صفوں کو درست کرنا سنت ہے

[۸۲] سوال: امام کے پیچھے صفوف میں لوگ برابر کندھے سے کندھا ملا کر کھڑے نہیں ہوتے ہیں، بلکہ تقدم تاخر کے ساتھ یا کچھ فاصلہ چھوڑ کر کھڑے ہوتے ہیں، تو اس طرح کرنے سے نماز میں کچھ نقصان آتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: آنحضرت ﷺ نے صفوف کی درستی میں سخت تاکیدات فرمائی ہیں، یہاں

تک کہ صفوف کی عدم درستی کی صورت میں آپس کے ختلاف اور عداوت پیدا ہونے کا خدشہ ظاہر فرمایا ہے، اس لیے صفوف کی درستی سنت مؤکدہ ہے، اور عدم درستی مکروہ ہے۔

وینبغی للقوم اذا قاموا الی الصلوٰۃ ان یتراصو ویسدوا الخلل ویسووا بین مناکبھم فی الصفوف (البحر الرائق: ج ۱ / ص ۳۵۳، شامی: ج ۱ / ص ۵۳۱، شرح شرعۃ الاسلام ص: ۱۱۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نوافل پڑھنے والے کے سامنے صف میں خالی جگہ کو پر کرنے کے لیے جانا

[۸۳] سوال: جماعت کھڑی ہو جائے اور ایک آدمی سنتیں پڑھتا ہو، جس کے سامنے صف میں جگہ خالی ہو تو نمازیوں کو وہاں کھڑے ہونا چاہیے یا اس شخص کے لیے خالی چھوڑ دیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: صفوف کو تمام کرنے اور خالی جگہ کو پُر کرنے کے متعلق احادیث میں تاکید آئی ہے، اس لیے جماعت کے وقت سنت وغیرہ پڑھنے والے کو صفوف میں نہ کھڑا ہونا چاہیے تھا، اور جب اس نے یہ خیال نہ کیا تو نمازی اس کی وجہ سے صفوف کی تکمیل سے نہیں روکے جاسکتے ہیں، بلکہ نمازیوں کو بہر حال اس خالی جگہ کو پر کرنا چاہیے۔

وجد فی الصف الاول فرجۃ دون الثانی فلہ ان یصل فی الصف الاول ویخرق الثانی لانہ لا حرمۃ لہ لتقصیرھم حیث لم یسدوا الصف الاول، (البحر الرائق ج ۱ / ص ۳۵٤؛ وکذا فی الشامی: ج ۱ / ص ۵۹۵ و ج ۱ / ص ٦٦۵ مفصلاً) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

صفوف کو نا تمام رکھنا

[۸۴] سوال: سب لوگ جانتے ہیں کہ نماز تراویح میں صف پوری کرنا چاہیے، تاہم لوگ صف

ناقص چھوڑ کر دوسری صف میں کھڑے رہتے ہیں اس کے متعلق کیا حکم ہے؟ کہا جاتا ہے کہ صف پوری کرو تب بھی نہیں سنتے ہیں۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛صفوف کو درست اور تمام کرنے کے متعلق احادیث میں بڑی تاکید آئی ہے،اس لیے پہلی صف کو تمام اور پورا کرنا ضروری ہے،اور اگر پہلی صف میں گنجائش موجود ہو تو اس کو چھوڑ کر پیچھے کھڑا ہونا مکروہ ہے،جس کو اکثر فقہاء نے مکروہ تحریمی لکھا ہے،اور جب یہ فعل مکروہ تحریمی ہوا تو اس کے خلاف کرنے والا اور اصرار کرنے والا سخت سرزنش اور ملامت کا مستوجب ہے۔

کقیامه خلف صف فيه فرجة هل الكراهة فيه تنزيهية او تحريمية و يرشد الى الثانى قوله عليه السلام و من قطعه قطعه الله (در مختار مع الشامي؛ من باب الامامة) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

جمعہ اور عیدین میں بچوں کا بالغین کی صفوف میں کھڑے ہونا

[۸۵] سوال: جمعہ وعیدین میں بالغوں کی صف میں نابالغ بچے بھی کھڑے ہو جاتے ہیں،تو اس سے نماز فاسد ہوتی ہے یا مکروہ تحریمی یا تنزیہی؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛صفوف کے بارے میں عورتوں کے لیے جو پیچھے رکھنے کا حکم ہے،وہ نہایت مؤکد اور ضروری ہے،اس کے سوا بڑوں اور چھوٹوں کی ترتیب صفوف استحباب پر مبنی ہے، جس کے خلاف کرنے سے کراہت تنزیہی ثابت ہوتی ہے۔یہ بھی اس وقت جب کہ و ليلني منكم اولوا الاحلام والنهى (الحديث) پر عمل کرنے کے لیے ہم قدرت واختیار رکھ سکیں۔ اور بعض جمعہ اور عیدین میں ہجوم اور ازدحام کی وجہ سے ترتیب صفوف اور حفظ مراتب کی رعایت دشوار ہو جاتی ہے تو اس حالت میں کراہت بھی نہ ہوگی، یہ تو ان بچوں کے متعلق حکم ہے جو نماز

پڑھنے کی غرض سے عیدگاہ میں آتے ہیں، رہے وہ بچے جو باپ یا دیگر ولی ان کو عیدگاہ کے اجتماع کو میلہ سمجھ کر گودوں میں اٹھا کر لے جاتے ہیں اور اپنے ساتھ صف میں بٹھاتے ہیں اور نماز کے وقت وہ رونا شروع کرتے ہیں یا دیگر غیر مناسب حرکات سے نمازیوں کی نماز میں خلل ڈالتے ہیں یہ فعل سخت بے ہودہ اور موجب گناہ ہے جس کے ذمہ داران کے وہ ولی ہیں جو اس قسم کے بچوں کو ساتھ لاتے ہیں اور نمازیوں کی حضور قلبی میں انتشار کے باعث ہوتے ہیں انہی کے متعلق ارشاد نبوی ﷺ میں منع وارد ہے۔

وعن معاذ ابن جبل رضی الله عنه ان رسول الله صلی الله علیه و سلم قال جنبوا مساجدکم صبیانکم و مجانینکم (الحدیث) (کبیری بحث المساجد: ص٥٦٣) ویحرم ادخال صبیان ومجانین حیث غلب تنجیسهم و الا فیکره آه (الدرالمختار مع الشامی: ج١/ص٦٨٧ فی احکام المساجد) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نیت میں لفظ استقبال چھوڑ دینا

[٨٦] سوال: ایک شخص نے نماز کی نیت باندھنے میں ''منہ میرا کعبہ شریف کی طرف'' کہنا بھول گیا تو نماز ہوگئی یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: نماز ہوگئی، کعبہ شریف کا تلفظ نیت میں شرط نہیں ہے۔ و نية الكعبة ليست بشرط هو الصحيح۔ (عالمگیری: ج١/ص٦٦) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

قضاء بنیت اداء واداء بنیت قضاء پڑھنا

[٨٧] سوال: قضاء بنیت اداء، اور اداء بنیت قضاء، اداء ہوسکتی ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ قضاء بنیت اداء، اور اداء بنیت قضاء اداء ہوسکتی ہے؛ مگر اس شرط پر کہ جس عمل یا نماز کو وہ پڑھنا چاہتا ہے اس کی نیت دل میں موجود ہو تو اس کے بعد لفظ خواہ اداء استعمال کریگا یا قضاء اس کی مطلوب نماز اور عمل درست ہوگا، اور اگر جو لفظ زبان سے کہے وہی دل میں بھی مراد ہو تو پھر قضاء کہنے سے قضاء مراد ہوگی نہ کہ اداء اور اداء کہنے سے اداء مراد ہوگی نہ کہ قضاء۔

ففی "التتارخانیہ" اذا عین الصلوٰۃ التی یودیھا صح نوی الاداء او القضاء آھ (الاشباہ والنظائر، مصری ص:۱۸) اقول وفی قولہ اتی باصل النیۃ انہ قد عین فی قلبہ ظھر الیوم الذی یرید صلوٰتہ فلا یضر وصفہ لہ بکونہ اداءً ا او قضاءً ا بخلا ف ما اذا نوی صلوٰۃ الظھر قضاءً ا وھو فی وقت الظھر ولم ینو صلوٰۃ ھذا الیوم لایصح عن الوقتیۃ لانہ بنیۃ القضاء صرفہ عن ھذ ا الیوم ولم توجد نیۃ الوقتیۃ حتی یلغوا وصفہ فلم یوجد التعین وکذا لو نوی اداءً ا وکانت علیہ ظھر فائتۃ لایصح عنھا وان کان قد صلی الوقتیۃ۔ آھ (شامی: ج ۱ /ص۴۳۸) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

قرأت سے عاجز کے لیے ترجمہ سے نماز پڑھنا

[۸۸] سوال: اگر کسی کو قرآن مجید کی سورت عربی میں یاد نہ ہو اور اس کا ترجمہ پڑھ لیوے تو نماز ہوجائے گی یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ایسے شخص کو کم از کم ما تجوز بہ الصلوٰۃ کی مقدار آیتوں کو حفظ کرنے کے لیے کامل سعی رکھنی چاہیے اور جب تک اس سعی کے باوجود عربی منزل قرآن سے ما تجوز بہ الصلوٰۃ آیتیں یاد نہ ہوں اس وقت تک مجبوری کی وجہ سے ما تجوز بہ الصلوٰۃ کے ترجمہ سے نماز ادا

کرسکتا ہے۔

کما لو شرع بغير عربية (الى ان قال) او قرأ بها عاجزاً فجائز اجماعاً قيد القرأة بالعجز لان الاصح رجوعه الى قولهما و عليه الفتوىٰ آه (الدر المختار مع الشامی: ج ۱ /ص ۵۰۵) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

سجدے میں صرف پیشانی پر اکتفاء کرنا

[۸۹] سوال: ایک شخص نے بلا عذر سجدے میں پیشانی رکھی، ناک نہیں رکھی تو اس کے لیے شرعا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ سجدے میں بلا عذر صرف پیشانی پر اکتفاء کرنے سے نماز با کراہت ہوجاتی ہے۔

ويكره اقتصاره فى السجود على احد هما ومنعا الاكتفاء بالانف بلا عذر واليه صح رجوعه وعليه الفتوى كما فى شرح الملتقى۔آه (الدر المختار مع الشامی ص: ۵۲۰) و فى شرح المجمع: السجود على الجبهة جائز بالاتفاق ولكنه يكره ان لم يكن على الانف عذر وعليه رواية الكنز۔آه (مجمع الانهر ؛ص: ۵۰) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

عورت ومرد کو تین کپڑوں میں نماز مستحب ہونا

[۹۰] سوال: عورت کو کتنے کپڑوں میں نماز پڑھنا مستحب ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ عورت اور مرد دونوں کے لیے تین تین کپڑوں میں نماز پڑھنا مستحب ہے، مرد کے لیے قمیص، ازار، عمامہ اور عورت کے لیے قمیص، ازار، مقنع یعنی سر پر ڈالنے کی اوڑھنی یا چادر۔

وفی الخلاصة والمستحب ان یصلی الرجل فی ثلاثة اثواب قمیص وازار وعمامة (کبیری ص:٢١٤) واما المرأة فالمستحب ان تصلی فی ثلاثة اثواب ایضاً قمیص وازار ومقنعة فان صلت فی ثوبین جازت صلوٰتها۔ آھ (خلاصة الفتاوٰی: ج ١/ص ٧٣) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بوقت نماز عورت کے بال کھلے رکھنا

[٩١] سوال: عورت کے بال کھل جانے سے اس کی نماز ہوگی کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ حرہ عورت کا سر اور لٹکتے ہوئے بال دو الگ الگ عضو ہیں، اور جس طرح عورت کے کسی عضو کا چوتھائی حصہ مثلاً پنڈلی کا چوتھائی حصہ بمقدار ادائیگی ایک رکن کے کھلا رہنے سے نماز نہیں ہوتی، اسی طرح اگر سر یا لٹکے ہوئے بالوں کا چوتھائی حصہ بمقدار ایک رکن صلوٰۃ کھلا رہے تو نماز نہ ہوگی۔

والحکم فی الشعر المسترسل من المرأة الحرة والرأس منها والبطن والظهر والفخذ کالحکم فی الساق فای عضو من هٰذه الاعضاء انکشف ربعه قدراداء رکن لا یجوز الصلوٰة عندهما خلافاً لابی یوسف۔ آھ (کبیری: ص:٢١١،مطبوعه مجیدی کانفور) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

آیت کو ناقص چھوڑ کر رکوع میں جانا

[٩٢] سوال: امام سورۂ عم میں لیخرج به حباً و نباتاً تک پڑھ کر رکوع میں چلا گیا، بعد نماز اختلاف پیدا ہوا تو نماز دوبارہ پڑھی گئی تو نماز ہوئی کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جب کہ ما تجوز به الصلوٰة تک قرأت ہوچکی تھی تو نماز ہوگئی تھی

دوبارہ پڑھنے کی ضرورت نہ تھی بہر حال نماز ہوگئی۔

و ذکر انه لو قرأ حتی مطلع الفجر فلما قال الفج انقطع نفسه فرکع لم یفسد صلوٰته۔ (کبیری: ٤٤٧، کانفوری) و اما الوقف فی غیر موضعه فلا یوجب ذالك فساد الصلوٰة ایضا لعموم البلویٰ آھ (شامی: ج ١ /ص ٦٦٠ و کبیری: ٤٤٧) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

قرأۃ میں ایسی غلطی کرنا جو موجب فساد معنی ہو

[٩٣] سوال: ایک امام نے سورۂ بقرہ کا آخری رکوع شروع کیا، جب ربّنا لا تؤاخذنا پڑھا، تو اِصْراً آھ پڑھا یعنی لا تؤاخذنا اصراً کماحملته آھ پڑھا، اور درمیان میں ان نسینا او أخطأنا ربّنا ولا تحمل علینا تک چھوڑ دیا، اب نماز کے بعد ایک مولوی نے کہا کہ چوں کہ معنیٰ بدل گئے یا مہمل ہوگئے اس لیے نماز نہ ہوئی۔ دوسرے نے کہا کہ چوں کہ امام ماتجوز به الصلوٰة قرأت پڑھ چکا تھا اس لیے اگر چہ مذکورہ غلطی سے معنی بدل بھی گئے جب بھی نماز ہوگئی، تو آپ شرعی فیصلہ لکھیے کہ کس کا قول صحیح ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: قرآن شریف کی قرأت میں اگر حروف یا کلمات میں اس طور پر تغیر وتبدل کیا جائے جس سے مطلوب معنی بدل جائے تو اگر وہ حرف یا کلمہ قرآن میں ہی موجود نہ ہو تو نماز فاسد ہوگی بالاتفاق، کیونکہ مقرؤ غیر قرآن ہوا تو کلام الناس سے مشابہت ہوئی اور کلام الناس سے نماز فاسد ہوتی ہے، اور اگر وہ کلمہ قرآن میں کسی اور جگہ موجود تھا تو بھی طرفین کے نزدیک نماز فاسد ہوگئی کیوں کہ مقصود منزل من اللہ بدل گیا اور امام ابو یوسف کے نزدیک نماز ہو جائے گی، اس قاعدے کے بعد اب مذکور امام نے جو لا تؤاخذنا اصرا آھ پڑھا، تو اگر چہ بجائے ان نسینا

آہ اصـراً پڑھا جو قرآن سے ہے مگر بقول طرفین چوں کہ معنی مقصود بدل گیا تو نماز فاسد ہوگئی اور چونکہ نماز کا معاملہ زیادہ قابل احتیاط ہے، اس لیے بقول طرفین ہی فتوی دینا لازم ہے اور نماز فاسد تصور کی جائے جس کا اعادہ لازم ہے۔

رہا یہ کہ اس سے قبل چوں کہ ما تجوز بہ الصلوٰۃ پڑھ چکا تھا اس لیے غلطی سے نماز فاسد نہ ہوئی تو یہ غلط ہے، کیوں کہ فقہاء نے جہاں یہ قاعدہ ذکر کیا ہے وہاں قدر ما تجوز بہ الصلوٰۃ سے قبل وبعد میں تفریق نہیں کی ہے اور قاعدہ بھی یہی چاہتا ہے جیسا کہ دلیل سے واضح ہے۔

وكذا اذا كان (الخطأ) فی نفس الحروف فا ن بقيت الكلمة بسببه لا معـنـى لهـا او لها معنى بعيد جداً عن المراد تفسد والافلا سو اء كا ن ذالك فی حـر ف اواكثـر و سـواء كـان فـی الـقـرآن او لا عند هما و عند ابی يوسف لا يـفسـد اذاكـانت الكلمة المغيرة فی القرآن وكذاالكلا م فی الخطاء بذكركلمة او آيةمـكان آية۔ (كبيری: ص:٤٥٨ مطبوعه كانفو ری) وان غيرت فسدت مثله عـنـدهـماوعند ابی يو سف ان لم يكن مثله فی القرآن۔ (درمختارمع الشامی: ج١/ص٥٩٢، ٥٩٣؛ زلة الـقـاری) ان الخطاء اما فی الاعرا ب او فی الحروف ....وان كـان مثـلـه فی القران والمعنی بعيد اولم يكن متغيرا فاحشا تـفسـد ايـضا عند ابی حنيفةو محمد و هو الا حوط۔ (شامی: ج١/ص٥٩٠)

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بجائے غیر المغضوب کے گیر المغضوب پڑھنا/ مسئلۂ نماز الثغ

[٩٤] سـوال: ایک شخص سورۂ الحمد میں غیر المغضوب میں گیر المغضوب یعنی غین کی جگہ گاف پڑھتا

ہے،تو اس کی نماز ہوتی ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جو شخص کسی عذر سے ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف ادا کرتا ہو اس کو الثغ کہتے ہیں، اور الثغ کے پیچھے غیر الثغ کی نماز تو نہیں ہوتی ہے، باقی خود الثغ کو اپنی نماز کی درستی کے لیے اس قدر صحیح قرأت سیکھنے کی کوشش لازم ہے کہ اگر وہ تنہا نماز پڑھے تو نماز درست ہو، بنابریں اگر اس نے تصحیح کی کوشش نہ کی یا جواز نماز کی مقدار صحیح قرأت یاد تھی مگر اس کو چھوڑ کر اس حصے کی تلاوت کی جس میں لثغ پیدا ہوتا تھا تو نماز نہ ہوگی۔

ولا غیر الا لثغ بالالثغ علی الاصح، وانه بعد بذل جهده دائمًا حتماً کالامی فلایؤم إلا مثله ولا تصح صلوٰته اذا امکنهٗ الاقتداء ممن یحسنه او ترك جهده او وجد قدرالفرض مما لالثغ فیه هذاهو الصحیح المختار (درالمختارمع الشامی: ج ۱ /ص ۵۴۵) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بے محل وقف یا وصل کرنے سے نماز فاسد ہونا

[۹۵] سوال: اگر بجائے رب العالمینَ الرَّحمٰن کے اَلرَّحْمٰن پڑھے تو نماز ہوگی کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نماز ہوگی، کیوں کہ نماز میں وصل میں وقف کرنا یا وقف میں وصل کرنا یا صفت موصوف کے درمیان وقف کرنا مفسد صلوٰۃ نہیں۔

قال فی البزازیة الابتداء ان کان لم یغیر المعنی تغیراً فاحشاً لا یفسد نحو الوقف علی الشرط قبل الجزاء و الابتداء بالجزاء و کذا بین الصفة و الموصوف و ان غیر المعنی نحو شهد الله انه لا اله ثم ابتدأ بإلا هو لا یفسد عند عامة المشائخ لان العوام لا یمیزون آه (شامی: ج ۱ /ص ۶۶۱، مسائل زلة القاری) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بجائے نَ الرَّحْمٰن الرَّحِیم کے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیم پڑھنا

[۹۶] سوال: الحمد میں بجائے نَ الرَّحْمٰن الرَّحِیم کے اَلرَّحْمٰنِ الرَّحِیم پڑھے تو نماز ہوگی کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ہوگی، کیوں کہ رب العٰلمین پر اگر وقف نہ کیا بلکہ نون کو اگلے کلمہ سے ملا کر پڑھ لیا تو بھی درست ہے اور اگر رب العٰلمین پر وقف کر کے الرَّحْمٰن الرحیم سے شروع کیا تو بھی جائز ہے۔

قال فی البزازیة: الابتداء ان کان لا یغیر المعنی تغیراً فاحشاً لا یفسد نحو الوقف علی الشرط قبل الجزاء و الابتداء بالجزاء و کذا بین الصفة و الموصوف و ان غیر المعنی نحو شهد الله انه لا اله ثم ابتدأ بإلا هو لا یفسد عند عامة المشائخ لان العوام لا یمیزون آه (شامی: ج ۱ / ص ۶۶۱، مسائل زلة القاری) وکذا فی الکبیری، کانفوری: ۴۴۷ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

سورۂ توبہ میں بسم اللہ کے متعلق تحقیق

[۹۷] سوال: سورۂ توبہ کے ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا منع ہے، اور اس کی جگہ کنارہ پر لکھی ہوئی دعا پڑھتے ہیں، مگر جب درمیان سورۃ توبہ سے کوئی تلاوت شروع کرے تو بھی بسم اللہ پڑھنے کی ممانعت ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ سورۂ توبہ میں تو قاریوں کے نزدیک مطلقاً بسم اللہ پڑھنے کی ممانعت ہے، مگر نصوص اور دلائل کے مجموعہ حالات پر نظر ڈالنے سے جو فقہاء نے بہتر اور قوی طریقہ پسند کیا ہے وہ یہ ہے کہ سورۂ براءت یعنی سورۂ توبہ میں بسم اللہ کی نفی دو ہی صورت میں ہے پہلی صورت یہ

ہے کے لکھنے کے وقت جب سورۂ انفال ختم کر کے سورۂ توبہ شروع کرے تو سورۂ توبہ کے اول میں خالی جگہ چھوڑ کر بسم اللہ نہ لکھے۔ دوم یہ کے جب تلاوت کرتا ہوا سورۂ توبہ پر پہنچے تو سورۂ توبہ کی ابتداء میں بسم اللہ نہ پڑھے بلکہ پہلی سورۃ سے ملا کر پڑھے اس کے علاوہ اگر قرآن پاک کی تلاوت سورۂ توبہ ہی سے شروع کرے یا درمیان سورۃ میں سے تلاوت شروع کرے تو تعوذ اور تسمیہ دونوں پڑھے، کل امر ذی با ل والی حدیث اور دیگر مختلف دلائل پر نظر ڈالنے سے یہی قول راجح اور قوی معلوم ہوتا ہے۔

وذكر فى النوازل: سئل محمد بن مقاتل عمن ابتدأ بسورة براءة ولم يسم قال اخطأقال ابو القاسم السمرقندى الصحيح ما قاله محمد بن مقاتل انما تركت التسمية فى سورة براءة اذا كتبها او وصلها بسورة الانفال اما اذا ابتدأها فليتعوذ وليأت بالتسمية انتهى و هذا مخالف لما عليه الائمة السبعة و غيرهم من القراء وذلك لانه اختلف فى سبب ترك كتابة البسملة فى براءة فعن عليؓ وا بن عباسؓ ان بسم الله امان و سورة براءة نزلت لرفع الامان و عن عثمانؓ ان رسول اللهﷺ كان اذا نزلت عليه سورة او آية قال اجعلوها فى الموضع الذى يذكر فيه كذا و كذا و توفى رسول اللهﷺ و لم يبين لنا ان اين نضعها و كان قصتها شبه قصة الانفال لان فيها ذكر العهود و فى البراءة نبذ العهودفلذلك قرنت بينهما و قيل اختلف الصحابة فقال بعضهم الانفال و براءة سورة واحدة نزلت فى القتال و قال بعضهم هما سورتان فترك بينهما فرجة لقول من قال هما سورتان و تركت البسملة لقول من قال هما سورة واحدة و حينئذ فمن نظر الى الوجه الاول لم يبسمل مطلقاً و من

نـظـر الـى الوجهين الاخيرين بسمل عند الابتداء لأنها و ان كانت مع الانفال سورة واحدة فـالبسـمـلة عـند ابتداء الاجراء مسنونة ايضاً و لم يبسمل عند الوصل لاحتمال كونهما سورة واحدة و على تقدير كونهما سورتين فالوصل بينهما من غير بسملة اولىٰ عند قراء المدينة و البصرة و الشام، انتهى (كبيرى كانفورى: ٤٦٠ و لاهورى مع صغيرى: ٤٢٥) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کل قرآن میں چودہ مقام پر سجدہ ہونا

[۹۸] سوال: تمام قرآن میں سجدۂ تلاوت کتنے ہیں؟ اور حنفی اور شافعی میں کچھ اختلافی فرق ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ قرآن پاک میں کل چودہ مقام پر سجدۂ تلاوت واجب ہے، اس پر امام ابو حنیفہؒ اور امام شافعیؒ کا اتفاق ہے، اختلاف صرف تعیین مقام پر ہے، وہ یہ کہ امام صاحب کے نزدیک سورۂ حج میں پہلے مقام پر سجدہ کرنا چاہیے اور ثانی مقام پر نہیں، اور سورۂ صٓ میں سجدہ مانتے ہیں، اور امام شافعیؒ سورۂ حج میں دو مقام پر سجدۂ تلاوت مانتے ہیں اور سورۂ ص میں نہیں مانتے ہیں۔ دوسرا ایک خفیف اختلاف سورۂ فصلت میں ہے، کہ امام شافعیؒ پہلی آیت پر سجدہ مانتے ہیں اور امام صاحب ثانی آیت پر، یعنی امام شافعیؒ " ان كـنـتـم اياه تعبدون " پر اور امام صاحب "لا يسأمون " پر۔

ويـجـب بتلا وة آية مـن اربع عشرة آية مـنهـا اولـى الحج اما الثانية فصلوٰتية وصٓ خلافاً للشافعي واحمد حيث اعتبرا كلا من سجدتى الحج ولم يـعتبرا سجدة صٓ كـمـا فـى غرر الافكار آه (شامى: ج ١ /ص ٥٠٠ و مجمع

الانهر ج ۱ / ص۷۹ وغیر ذالك) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

امام کا ایک سورت سے دوسری سورت کو انتقال کرنا

[۹۹] سوال: پیش امام صاحب نے پہلی رکعت جمعہ میں سورۂ یوسف شروع کی، آٹھ دس آیتیں پڑھ کر تشابہ کی وجہ سے سورۂ جمعہ شروع کی، تو اب سوال یہ ہے کہ ایک ہی رکعت میں سورۂ یوسف میں سے ما تجوز بہ الصلوٰۃ پڑھنے کے بعد سورۂ جمعہ شروع کرنا نماز میں کچھ نقص پیدا کرتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ سورۂ یوسف سے جب ما تجوز بہ الصلوٰۃ پڑھ چکا تھا تو اسی رکعت میں قصداً سورۂ جمعہ کی طرف انتقال کرنا مکروہ تھا مگر نماز با کراہت ہوگئی، اور اگر سہواً سورۂ جمعہ شروع کیا ہے چنانچہ سوال سے یہی معلوم ہوتا ہے تو اس صورت میں جب کہ اس کو یاد آیا تھا کہ میں دوسری سورت کو انتقال کر چکا ہوں اس وقت بہتر یہ تھا کہ یا رکوع میں چلا جاتا اور یا واپس سورۂ یوسف کو اسی جگہ سے شروع کرتا جہاں سے چھوڑا تھا، تاہم اگر اس نے ان میں سے ایک بھی نہ کیا بلکہ سورۂ جمعہ ہی پڑھ کر نماز پوری کی تو نماز با کراہت ہو جائے گی۔

وكذا لوانتقل فى الركعة الواحدة من آية الٰى آية يكره وان كان بينهما آيات بلا ضرورة۔فان سهىٰ ثم تذكر يعود مراعاةً لترتيب الآيات، (كبيرى:ص:۴۵۹ مطبوعه كانفور مجيدى) وكذا فى الشامى ناقلا عن الكبير ى ثم قال بعد ذالك و هٰذا لو فى الركعتين اما فى الركعة فيكره الجمع بين سورتين بينهما سور او سورة فتح۔ (شامى: ج ۱ / ص ۵۷۰ فصل القرأة) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

قرأت میں بھول سے دوتین آیت کا چھوٹ جانا

[۱۰۰] سوال: ایک امام نے ھل اَتیٰ سے دوتین آیتیں پڑھی اور درمیان میں تین آیتیں بھول کر آگے تین چار آیتیں پڑھ کر رکوع میں گیا تو نماز ہوئی کہ نہیں؟ حالانکہ اس نے سجدۂ سہو نہیں کیا؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نماز ہوگئی، اور سجدہ اس پر لازم بھی نہ تھا، اس لیے کہ درمیان میں سے تین چار آیتوں کو سہواً ترک کرنا کوئی ترک واجب تو ہوا نہیں، تاکہ سجدۂ سہو لازم آتا، ہاں قصداً ایسا کرنا مکروہ ہے، اور سہواً ہو تو جب یاد آوے تو واپس آکر ترتیب سے پڑھنا افضل تھا، مگر جب رکوع میں گیا تو اب واپسی بھی نہیں ہوسکتی تھی، بہرحال نماز ہوگئی۔

وکذا لو انتقل فی الرکعة الواحدة من آیة الی آیة یکره وان کان بینهما آیات بلا ضرورة فان سهی ثم تذکر یعود مراعاة لترتیب الآیات آه (کبیری:۴۵۹ کانفوری) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مقدار ما تجوز بہ الصلوٰۃ آیات کے حفظ کی فرضیت

[۱۰۱] سوال: کیا ہر بالغ اور بالغہ پر بقدر جواز صلوٰۃ صحیح آیتیں یاد کرنا فرض نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جب کہ ہر مسلم عاقل بالغ پر نماز فرض ہے اور نماز میں قرأت فرض ہے اس لیے بقدر جواز صلوٰۃ صحیح آیتیں یاد کرنا بھی فرض ہے۔ و حفظها فرض عین۔ (شامی: ج ۱/ص ۵۰۲) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایک رکعت میں ایک سورت کی چند آیتیں اور دوسری رکعت میں دوسری سورت کی چند آیتیں پڑھنا

[۱۰۲] سوال: (۱) پہلی رکعت میں ایک سورت کا آخری رکوع اور دوسری رکعت میں دوسری

سورت کا آخری رکوع پڑھنے سے نماز میں کچھ خلل آتا ہے؟

(۲) پہلی رکعت میں ایک سورت کا ابتدائی یا درمیانی یا آخری حصہ پڑھے اور دوسری رکعت میں دوسری سورت کا ابتدائی یا درمیانی یا آخری حصہ پڑھے تو نماز میں کراہت آتی ہے؟

(۳) پہلی رکعت میں کسی سورت کا درمیانی حصہ اور دوسری میں دوسری سورت کا ابتدائی یا وسطانی یا آخری حصہ پڑھنے سے نماز میں کچھ خلل آتا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛(۱) پڑھنا درست ہے،مکروہ تحریمی بھی نہیں، ہاں مکروہ تنزیہی اور خلاف اولی ہے۔

(۲) پڑھنا درست ہےاور بلاضرورت خلاف اولی ہے۔

(۳) پڑھنا درست ہے، بلاضرورت ایسا کرنا خلاف اولیٰ ہے،قرأت کے متعلق نظم قرآنی کو معکوس کرنا یا قرأت کے درمیان چھوٹی سورت یا دوآیتوں سے کم چھوڑنا مکروہ ہےاس کے علاوہ قرآن کریم سے جہاں چاہے نماز میں پڑھ سکتے ہیں۔

کما قال الله تعالیٰ: فا قرؤا ما تیسرمن القرآن۔ الآیة۔ ولا بأس ان یقرأ سورة و یعید ها فی الثا نیة و ان یقرأفی الاولیٰ من محل وفی الثانیة من آخر ولو من سورة ان کان بینهما آیتان فاکثر ویکره الفصل بسورةقصیرة وان یقرأ منکوساً (الدر المختار) قال فی النهر: وینبغی ان یقرأ فی الرکعتین آخر سورة واحدة لا آخر سورتین فانه مکروه عند الاکثر آه لکن فی شرح المنیة عن الخانیة الصحیح انه لا یکره وینبغی ان یراد بالکراهة المنفیة التحریمیة فلا ینا فی الاکثر ولا قول الشارح لا بأس۔ تامل۔ ویؤیده قول شارح المنیة عقب ما مر وکذا لو قرأ فی الاولی من وسط سورة او من سورة

اولها ثم قرأ فی الثانية من وسط سورة اخری او من اولها او سورة قصيرة الاصح انه لا يكره ولكن الاولی أن لا يفعل من غير ضرورة۔ (شامی:ص ۵۱۰، والطبع الآخرج ۱/ص ۵۷۰ فی مبحث القرأة) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

استحباب ادعیۂ ماثورہ بعد نماز فجر وعصر

[۱۰۳] سوال: فجر کی نماز کے بعد یا عصر کی نماز کے بعد امام صاحب جو دعاء مانگتے ہیں وہ سنت ہے یا واجب؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جن نمازوں کے بعد سنت ہو ان میں "اللهم انت السلام ومنك السلام تباركت يا ذا الجلال والإكرام" پر زائد دعائیں پڑھنا مکروہ ہے، اور جن کے بعد سنتیں نہیں ہیں جیسا فجر وعصر تو ان میں فرض پڑھنے کے بعد فاتحہ، آیۃ الکرسی یا دیگر تسبیحات، تہلیلات پڑھنا درست بلکہ مستحب ہے۔ولا بأس للإمام عقيب الصلوٰة بقرأة آية الكرسی وخواتيم سورة البقرة والإخفاء أفضل وتقدم فی الصلوٰة أن قرأ آية الكرسی والمعوذات والتسبيحات مستحبة وأنه يكره تاخير السنة إلا بقدر اللهم انت السلام آه واختار الإمام جلال الدين إن كانت الصلوٰة بعدها سنة يكره وإلا لا عن الهندية (درمختار مع الشامی باب الحظر والإباحة ۴۱۸)

اس سے معلوم ہوا کہ فجر اور عصر کے بعد ادعیہ او راذکار جائز اور مستحب ہے مگر جہر سے اخفاء بہتر ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نماز کے بعد فاتحہ اور دعاء پڑھنے سے کافر نہیں ہوتا

[۱۰۴] سوال: ایک حافظ فرماتے ہیں کہ ظہر، مغرب، عشاء کے بعد دعاء مانگنا منع ہے اور اس سے

خلاف کرنے والے کو کافر ماتے ہیں تو اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے اور ایسے حافظ کے پیچھے نماز جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: ظہر، مغرب، عشاء کے فرضوں کے بعد "اللهم انت السلام" آھ سے زائد دعائیں مانگنی مکروہ ہے نہ کہ حرام، اور سنتوں کے بعد بلا کراہت دعاء مانگنا درست ہے، اور جب کہ اہل السنّت والجماعت کے نزدیک حرام قطعی اور گناہ کبیرہ کے محض ارتکاب سے کفر لازم نہیں آتا ہے، تو کسی جائز اور مکروہ تنزیہی فعل کے ارتکاب سے کس طرح کفر لازم آئے گا، موجودہ صورت میں جو لوگ سنتوں کے بعد یا بعد فرض صرف "اللهم انت السلام" پڑھتے ہیں وہ خالص جائز فعل کے مرتکب ہیں اور جو فرضوں کے بعد بمقدار "اللهم انت السلام" آھ پر زائد دعاء مانگتے ہیں وہ ایک مکروہ فعل کا ارتکاب کرتے ہیں، اور ہر دو صورتوں میں محض ان افعال سے کفر لازم نہیں لہٰذا وہ لوگ بدستور مسلمان ہیں اور مسلمان کے متعلق کفر کا عقیدہ رکھنا خود موجب کفر ہے، لہٰذا حافظ مذکور کا عقیدہ خلاف قیاس اور موجب کفر ہے، جس سے اس کو توبہ کرنی چاہیے اور جب تک وہ اس عقیدے پر قائم رہے گا اس کے پیچھے نماز پڑھنی درست نہیں۔ ویكره تاخير السنة إلا بقدر اللهم انت السلام آه قال الحلبى: ان اريد بالكراهة التنزيهية ارتفع الخلاف. (درمختار فی آخر باب صفة الصلوٰة)

وعزر الشاتم بيا كافر وهل يكفر إن اعتقد المسلم كافراً نعم وإلا لا به يفتى. شرح وهبانية. الدر المختار قال العلامة الشامى تحته: أى يكفر إن اعتقده كافرا لا بسبب مكفر. آه. ثم قال فى آخر قوله لأنه لما اعتقد المسلم كافراً فقد اعتقد دين الإسلام كفراً. آه. (شامى باب التعزير ج ۳/ص ۲۸۳)

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

والدین کے بلانے پر نماز توڑنا

[۱۰۵] سوال: ماں باپ پکارے تو نماز توڑ دے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ کسی مصیبت میں اعانت اور استغاثہ کے طور سے بلائے تو فرض نماز بھی توڑ کر والدین کی اعانت کے لیے جانا چاہیے، اور اگر بغیر استغاثہ خالی آواز دیوے تو فرضوں کو مطلقا نہ توڑے اور نفلوں میں اگر ان کو نماز کی حالت کا علم ہے تو نماز نہ توڑے ورنہ توڑے، حدیث میں جو جریج راہب اور اس کی ماں کا قصہ مذکور ہے وہ اس کی دلیل ہے۔ ولو دعاه احد ابويه في الفرض لا يجيبه إلا أن يستغيث به وفي النفل ان علم أنه في الصلوٰة فدعاه لا يجيبه وإلا أجابه. آه. (درمختار مع الشامي ٧٤٤) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

قبرستان میں نماز پڑھنا

[۱۰٦] سوال: قبرستان میں نماز پڑھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ قبرستان میں اگر ایسی جگہ نماز کے لیے تیار کی گئی جس میں قبریں نہ ہوں تو ایسی جگہ میں نماز جائز ہے۔ وكذا اي قال في الفتاوٰى لا بأس بالصلوٰة في المقبرة اذا كان فيها موضع اعد للصلوٰة وليس فيه قبر و هٰذا لان الكراهة معلقة بالتشبه بأهل الكتاب وهو منتف فيما كان على الصفة المذكورة. آه. (كبيرى مطبوعه مجيدى كانفور ٣٥٠) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

سجدے میں جاتے وقت دونوں ہاتھوں سے پائجامہ اٹھانا

[۱۰۷] سوال: اکثر لوگ سجدے میں جانے کے وقت دونوں ہاتھوں سے پائجامہ اونچا چڑھاتے

ہیں ایسی حالت میں ان کی نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر کسی نجاست وغیرہ سے بچانے کے غرض سے اٹھائے گا تو بلا کراہت ورنہ با کراہت نماز ہو جائے گی، اور قومہ سے سجدے کو جانے کی حالت میں چوں کہ نہ وضع یدین کے لیے کوئی مخصوص حالت مقرر ہے اور نہ یہ نماز کا کوئی خاص رکن ہے، اس لیے اس حالت میں عمل یدین فعل کثیر میں داخل نہیں ہوگا، خصوصا جب کہ یہ فعل نماز کی اصلاح کے لیے ہو ورنہ تو عبث میں داخل ہوگا، اور عبث فعل بشرطیکہ مکرر نہ ہو تو کراہت کو مستلزم ہے نہ کہ فساد کو۔

وكف ثوبه وهو رفعه من بين يديه او من خلفه اذا ارادان يسجد لان فيه ترك السنة سواء كان يقصد رفعه عن التراب او لا، وقيل لا باس بصونه عن التراب. آه. (مجمع الانهر ٦٣) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حلال وحرام مشترکہ پیسے سے بنائی ہوئی مسجد میں نماز پڑھنا

[۱۰۸] **سوال:** ایک جامع مسجد ہے جس کو ہر قسم کے لوگوں نے چندہ دے کر بنائی ہے، اب سوال یہ ہے کہ چوں کہ چندہ دہندوں میں سودخور وغیرہ بھی شامل ہیں تو ایسی مسجد میں نماز کیسی ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ فقہاء کے نزدیک خبیث وطاہر کی آمیزش کی حالت میں جانب غالب معتبر ہوتا ہے، موجودہ صورت جب کہ ہر قسم کے لوگوں نے چندے میں حصہ لیا تھا تو بنا بر قاعدۂ "الدين يعلو ولا يُعلىٰ عليه" ونیز "ظنوا المؤمنين خيراً" وغیرہ دلائل سے ہمارا ظن غالب یہ ہوگا کہ حلال کمائی والوں کا چندے میں زیادہ حصہ ہوگا اور سودخوروں کا فطری کنجوسی کی وجہ سے بہت کم حصہ ہوگا، پھر سودخور چوں کہ مسلمان ہے اور مسلمان کے ایمان کا تقاضہ یہ ہے کہ اخروی ثواب کے کام میں حلال پیسہ دیتا ہوگا نہ کہ حرام، اس قسم کے احتمالات کثیرہ کے ملانے سے چندے

میں حرام یا سود کے پیسے کا بہت قلیل حصہ یا بہت ہی ضعیف احتمال باقی رہ جاتا ہے جو کثیر حصۂ حلال اور قوی احتمال حلت پر فوقیت نہیں پا سکتا ہے؛ لہٰذا مسجد مذکور شرعی مسجد ہے اور اس میں بلا کراہت نماز جائز ہے۔

ولنا أن الغلبة تنزل منزلة الضرورة فی افادة الإباحة ألا يرى أن أسواق المسلمين لا تخلو عن المحرم والمسروق والمغصوب ومع ذلك يحل التناول اعتماداً على الغالب، وهذا لأن القليل لا يمكن الاحتراز عنه ولا يستطاع الامتناع فسقط اعتباره دفعاً للحرج كقليل النجاسة وقليل الانكشاف.آه.(مجمع الأنهرمسائل شتى ٢/ص٧٠٦) (وليخرج هذه المسئلة وجه آخر تركته لمقام آخر) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

قیام وقعود میں جانے کے لیے زمین پر ہاتھ ٹیکنا

[١٠٩] سوال: بغیر عذر زمین پر ہاتھ ٹیک کر کھڑے ہونے سے نماز میں کوئی نقصان آتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نقصان تو نہیں آتا ہے صرف مکروہ تنزیہی فعل ہے، جس کا ترک اولیٰ ہے۔ قال فی الكفاية: أشار إلى خلاف الشافعی فی موضعين أحدهما: يعتمد بيديه على ركبتيه عندنا وعنده على الأرض، والثانی: الجلسة الخفيفة. قال الشمس الأئمة الحلوائی: الخلاف فی الأفضل. (الى أن قال) ولا شبه انه سنة أو مستحب عند عدم العذر فيكره فعله تنزيها لمن ليس به عذر. (شامی ٣٢٨، كبيری ٣١٤) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نماز میں رونا

[۱۱۰] سوال: نماز میں اللہ کی یاد اور گناہوں کی یاد سے رونا کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نماز میں ذکر جنت ودوزخ یا خدا کی رحمتوں اور اپنے گناہوں کے خیال سے رونا منع نہیں ہے، خصوصا جب کہ بغیر آواز ہو؛ بلکہ یہ غایت خشوع کی نشانی ہے۔ لا لذكر جنة ونار۔ (مجمع الأنهر ج ۱ / ص ۶۰، وكذا فی الشامی ج ۱ / ص ۵۴۷ مفصلاً) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

عورتوں کا انبوڑہ باندھ کر نماز پڑھنا

[۱۱۱] سوال: عورتوں کو نماز میں یا باہر سر کے بالوں کا انبوڑہ باندھنا کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نماز میں انبوڑہ کھولنا چاہیے اگر انبوڑہ باندھ کر نماز پڑھے گی تو نماز مکروہ ہوگی، اور خارج نماز باندھنے میں حرج نہیں۔ وعقص شعره للنهی عن كفه۔ (درمختار والتفصيل فی الدر المختار ج ۱ / ص ۶۷۱) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تخصیص بعض سور برائے بعض نماز

[۱۱۲] سوال: ایک شخص رمضان شریف کی وتر میں سورۂ "انا انزلنا، قل یایها الكافرون، قل هو الله احد" پورے رمضان میں پڑھا یا کسی نے اعتراض کیا تو جواب میں کہا رمضان میں یہ تعیین مکروہ نہیں؛ کیونکہ آنحضرت ﷺ نے بھی اس طرح پڑھی ہے، یہ درست ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ آنحضرت ﷺ کا کسی نماز میں مخصوص سورتوں کو پڑھنے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ اس پر مداومت کی جائے؛ بلکہ بغرض حصول تبرک بقرأت آنحضرت ﷺ گاہ بگاہ اس کو پڑھنا بہتر ہے، مگر مداومت سے دو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں: اول یہ کہ ان کی مداومت سے دوسری

سورتوں کی برکت سے محرومی لازم آتی ہے۔دوم یہ کہ عوام کے اعتقاد کے متعلق یہ اندیشہ ہوسکتا ہے کہ وہ کہیں اس تخصیص کو لزوم اور وجوب کا درجہ نہ دیدیں،اس لیے اس مسئلہ میں یہی قول فیصل ہے کہ مداومت کراہت سے خالی نہیں خواہ رمضان ہو یا غیر رمضان، امامت سے ہو یا انفراد سے۔فتكره المداومة مطلقاً لما صرح فی غاية البيان من كراهية المواظبة على قرأة السور الثلاثة فی الوتر أعم من كونه في رمضان إماما أو لا.آه.وتفصيله فی(الشامی ج ۱ /ص۵٦٨، مطبوعه قديم مصری) وغير ذلك من الكتب المعتبرة. فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

غیر مصلی کا امام کو لقمہ دینا

[۱۱۱۳] سوال: جس وقت جماعت کھڑی ہوئی اس وقت ایک شخص حوض پر وضوء کررہا تھا،اب سوال یہ ہے کہ جس وقت امام قرأت پڑھ رہا تھا اس وقت اس امام سے کچھ غلطی ہوگئی،تو اب وہ وضوء کرنے والا شخص امام کو لقمہ دے سکتا ہے یا نہیں؟اور اگر لقمہ نہیں دے سکتا ہے تو کیوں نہیں دے سکتا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛چوں کہ وضوء کرنے والا شخص امام کی نماز سے اجنبی اور بے تعلق ہے اس لیے اس کو لقمہ دینے کی ضرورت نہیں اور اس کو خارج سے لقمہ لینے کی اجازت نہیں؛ کیونکہ بلا ضرورت لقمہ دینا یا لینا تعلیم میں داخل ہے اور نماز میں بلاضرورت تعلیم سے نماز فاسد ہوتی ہے،اس لیے اگر امام نے اس صورت میں لقمہ لیا تو اس کی اور اس کے ساتھ قوم کی بھی نماز فاسد ہوجائیگی۔

فإن فتح غير المصلی على المصلی فاخذ بفتحه تفسد صلوٰته؛ لانه تعلم وهو عمل كثير.آه.(كبيری۴۱۸)

اور مقتدی کے لیے جو لقمہ دینے کی اجازت ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ امام کی نماز کی صحت کا محتاج ہے جو دراصل خود اپنی نماز کی صحت کی سعی کرتا ہے اور چوں کہ اس کی اپنی نماز فساد سے بچانا ضروری ہے لہٰذا وہ لقمہ دینے کی طرف مضطر ہے اس لیے معاف ہے۔ **وان فتح علیٰ امامہ لم یکن کلاماً لا نہ مضطر الیٰ اصلاح صلوتہ. آہ . (ھدایة ج ۱/ص ۱۱۶) فکان ھذا من اعمال صلوتہ معنی.** فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

آغا خانیوں کا سنیوں کی مسجد میں نماز پڑھنا

[۱۱۴] **سوال:** یہاں آغا خانی خوجہ قوم کے چھ سات گھر ہیں، یہ لوگ کانوڈا کو پوجتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بھی مانتے ہیں، عوام میں خانہ والا خوجہ مشہور ہیں، رمضان کے ستائیسویں روز جو کھانا سنیوں کی طرف سے پکایا جاتا ہے یہ لوگ اس میں شرکت کرتے ہیں، عیدین کی نماز میں شرکت کر کے پہلی صف میں کھڑے ہوتے ہیں، کبھی میت کو کندھا دیتے ہیں لہٰذا اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ آغا خانی شیعوں میں بہت سی باتیں مشرکوں کی پائی جاتی ہیں اور مسئولہ صورت میں جب کہ غیر اللہ کی پرستش ثابت ہے تو اب ان کے کفر میں شبہ ہی نہ رہا اور ذمیوں اور مشرکوں کے متعلق شریعت کا حکم یہ کہ ذمیوں کی پوشاک، سواری، مکانات وغیرہ مسلمانوں سے علیحدہ رکھی جائے اور ان کو ذلت کی نشانیوں سے ممتاز رکھے جائیں، اب سائل خود فیصلہ کرے کہ جب کفار اور مشرکوں کو خوراک پوشاک مکان میں مسلمانوں سے علیحدہ ممتاز طرز پر مجبور کرنا ضروری ہے تو نماز اور عبادات جیسی شعائر اسلام میں ان کو کس طرح موقع دیا جا سکتا ہے، پھر جب کہ ابتداء سے آغا خانیوں کی جماعت، معبد، قبرستان، شادی بیاہ وغیرہ تمام امور میں سنی مسلمانوں سے علیحدہ قائم کئے جاتے ہیں، تو یہ خود ایک بڑی دلیل ہے کہ وہ مذھباً اپنے آپ کو مسلمانوں کے ساتھ شریک

نہیں سمجھتے، ان حالات کی موجودگی میں ان کو اپنے شعائر اسلامی میں شرکت دینے سے ایک طرف مشرکوں کی توقیر ہوتی ہے تو دوسری طرف شعائر اسلامی کی تحقیر ہوتی ہے، لہٰذا جب تک وہ باطل مسلک سے کلیۃً کنارہ کش ہو کر مذہب حق کے تسلیم پر آمادہ نہ ہو اس وقت تک عبادات اور شعائر اسلامی میں ان کو شریک نہ کیا جائے۔

ویمیز الذمی عنا فی زیه ومرکبه وسرجه، حاصله: انهم لما کانوا مخالطین اهل الاسلام فلا بد من تمیزهم عنا کی لا یعامل معاملة المسلم من التوقیر والاجلال وذالك لا یجوز، وربما یموت احدهم فجاءة فی الطریق ولا یعرف فیصلی علیه، واذا وجب التمیز وجب ان یکون بما فیه صغار لا اعزاز. آه. (درالمختار والشامی ج ۳ / ص ۳۷۷) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مقتدی کا اپنے امام کو لقمہ دینا

[۱۱۵] سوال: امام تین آیتیں پڑھ کر بھول گیا جس پر مقتدی نے فتح (لقمہ) دیا مگر امام نے مقتدی کا فتح نہ لیا اور آگے بڑھا تو مقتدی یا امام کی نماز میں کچھ نقصان واقع ہوگا یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جب امام تین آیتیں پڑھ کر بھول گیا تو مقتدی کے فتح کا انتظار کرتے ہوئے بغیر رکوع میں جانا تھا اور جب رکوع مین نہ گیا تو مقتدی اپنی نماز کے اصلاح کے لیے فتح دینے پر مجبور تھا چنانچہ اس نے فتح دینے سے اپنا فرض اداء کر دیا جس سے اس کی نماز میں کچھ نقصان نہ ہونا چاہیے امام اس کے فتح کو لیتا یا نہیں، اسی طرح امام کی نماز میں بھی نقصان نہ آیا اور دونوں کی نماز ہوگئی۔ بخلاف فتحه علی امامه لا یفسد مطلقا. (در المختار) لان هذا الفتح لم یکن کلاما استحسانا لانه مضطر الی اصلاح صلاته فکان هذا من اعمال

صلٰو ته معنى. آه. (مجمع الانهر: باب ما يفسد الصلوٰة) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بعد نماز عید یا بعد خطبہ دعا مانگنا

[۱۱۶] سوال: عیدین کی نماز کے بعد اور خطبہ کے بعد "اللهم انت السلام" آه یا دیگر ادعیہ پڑھ سکتے ہیں کہ نہیں؟ جو نہیں پڑھتا ہے اس کو وہابی کہہ سکتے ہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ عیدین کے بعد مخصوص طور سے دعاؤں کی تصریح نہیں آئی ہے، بقاعدہ ہر نماز کے بعد اللهم انت السلام پڑھ سکتے ہیں تو عیدین کے بعد بھی پڑھ سکتے ہیں اور جس نماز کے بعد سنن ونوافل نہیں اس کے بعد ادعیہ ماثورہ بھی پڑھ سکتے ہیں تو عیدین کے بعد بھی پڑھ سکتے ہیں؛ البتہ خطبہ کے بعد نہ ثبوت ہے اور نہ نظیر لہٰذا بعد خطبہ نہ پڑھنا چاہیے اور چوں کہ یہ فعل فی نفسہ نہ محرمات سے اور نہ واجبات سے جس کے فاعل یا تارک کو مورد الزام بنائیں اس لیے نہ پڑھنے والے کی تذلیل وتحقیر بھی درست نہیں ہے۔

كذا يستفاد من الشامی الحظر والاباحة ۴۱۸ (ونقلت كلامه فی أول الصفحة) والكبيری كانفوری ۳۳۳، ۳۵۱. فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بعد قرأت ما تجوز بہ الصلوٰۃ امام کو لقمہ دینا

[۱۱۷] سوال: امام ما تجوز بہ الصلوٰۃ یعنی بمقدار تین آیت قرأت پڑھ کر بھول جائے یا غلط پڑھنے لگے تو کیا مقتدی بتائے یا نہیں؟ اگر مقتدی بتائے اور امام لقمہ لیوے تو کیا نماز فاسد ہوگی یا نہیں؟ دراں حالیکہ اگر نہ بتائے تو امام کی غلطی اس درجہ پہونچی ہے کہ معنی آیت بدل جاتا ہے اور مطلب بالکل الٹا ہوجاتا ہے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ صورت مسئولہ میں نماز فاسد نہیں ہوئی؛ بلکہ صحیح ہوگی البتہ امام کے لیے

اولیٰ یہ تھا کہ جب ماتجوز بہ الصلوٰۃ پڑھ چکا تھا تو رکوع میں چلا جاتا اور مقتدی کو فتح دینے کے لیے مجبور نہ کرتا مگر جب امام نے بصورت موجودہ اپنی غلطی کا احساس نہ کیا اور غلط پڑھنے لگا تو مقتدی کو اپنی نماز کی درستی کے لیے فتح دینا ضروری تھا اور امام کا فتح لینا بھی جائز۔ بخلاف فتحه على امامه فإنه لا يفسد مطلقا لفاتح وآخذ بكل حال.(الدر المختار) وقال الشامی فی ذیله: أي سواء قرأ الإمام قدر ماتجوز به الصلوٰة أم لا، انتقل إلى آية أخرى أم لا، تكرر الفتح أم لا هو الأصح. نهر. شامی باب ما يفسد الصلوٰة ج١/ص٥٨٢. لاتفسد إن فتح على إمامه مطلقاً سواء قرأ مقدار ما تجوز به الصلوٰة أو انتقل إلى آية اخرىٰ أو لم يتحول فى الاصح وعليه الفتوى احتراز عن قول بعض المشائخ أنه إذا قرأ مقدار ما تجوز به الصلوٰة أو انتقل إلى آية أخرىٰ ففتح تفسد صلوٰة الفاتح وإن أخذ الإمام منه تفسد صلوٰة الإمام ايضاً؛ لأن هذا الفتح لم يكن كلاماً استحساناً لأنه مضطر إلى اصلاح صلوته فكان هذا من اعمال صلوته معنى لكن ينبغي للمقتدى أن لا يعجل الفتح وللإمام أن لا يلجئهم إليه بل يركع إذا قرأ مقدار ما يسقط به الفرض وإلا انتقل إلى آية اخرىٰ. (مجمع الأنهر باب ما يفسد الصلوٰة ١١٩) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تنبیہ: ہدایہ وغیرہ میں بعد قرأت ماتجوز بہ الصلوٰۃ یا بعد انتقال الی آیت اخریٰ کی صورت میں جو فتح کو مفسد ٹھہرایا ہے مندرجہ شامی و مجمع الانھر کی عبارت سے مرجوح ثابت ہوا۔

رکوع کی تسبیح سجدہ میں پڑھنا اور رکوع میں قرأت کرنا

[۱۱۸] **سوال:** رکوع میں سجدے کی تسبیح اور سجدے میں رکوع کی تسبیح کہے یا رکوع میں بسم اللہ پوری پڑھے تو نماز ہوگی کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ دونوں صورتوں میں نماز تو ہو جائیگی مگر مکروہ ہوگی؛ کیوں کہ رکوع اور سجود کی تسبیح آنحضرت ﷺ نے معین فرمائی ہے لہٰذا مسنون ہوگی اور سنت کے مخالفت سے کراہت آتی ہے، اسی طرح حضرت نے رکوع میں قرأت سے ممانعت فرمائی ہے اور بسم اللہ بھی قرآن کی آیت ہے۔

تنبیہ: إن السنة فی تسبیح الرکوع سبحان ربی العظیم.ھ.(شامی ج ۱/ص ۴۶۲) ویکرہ قرأة القران فی الرکوع والسجود والتشهد باجماع الائمة لقوله علیه السلام:"نهیت ان اقرأ راکعا او ساجدا" مراقی الفلاح ۵۰، (ویکرہ) لوجود قرأة القرآن فی غیر حالة قیام کاتمام القرأة فی حالة الرکوع، ویکرہ ان یاتی بالاذکار المشروعة فی الانتقالات بعد تمام الانتقال لأن فیه خللین ترکه فی موضعه وتحصیله فی غیره. مراقی الفلاح ۶۳) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ختم قرآن کے موقعہ پر سورۂ اخلاص تین مرتبہ پڑھنا

[۱۱۹] **سوال:** تراویح کے ختم میں ستائیسویں شب سورہ اخلاص معہ بسم اللہ جہراً تین بار پڑھی جاتی ہے یہ جائز ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ بسم اللہ قرآن پاک کی ایک آیت ہے، اس لیے سارے قرآن کے ختم پر

ایک دفعہ جہراً پڑھنا چاہیے، اس کے سوا نہ ہر سورۃ کے ابتداء میں پڑھنا چاہیے اور نہ مکرر پڑھنا چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ٹائی پہن کر نماز پڑھنا/ خارجِ نماز ٹائی پہننے کا حکم

[۱۲۰] سوال: ایک شخص پکا مسلمان ہے مگر نکٹائی پہنتا ہے، ایک روز مسجد میں نماز کے لیے گیا تو متولی اور امام نے کہا کہ نکٹائی نکالو یا مسجد سے نکلو، نکٹائی کے ساتھ نماز نہیں ہوتی ہے کیوں کہ اس میں کفار کے ساتھ مشابہت ہے اور اگر تو نکٹائی نہ اتارے گا تو ہم تم کو نماز میں شریک نہ ہونے دیں گے تو یہ کرنا درست ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نکٹائی واقعی نصاریٰ کی نشانی ہے، اور تحقیق سے یہ معلوم ہوا ہے کہ یہ صلیب (کراس) کی نشانی ہے جس کو نصاریٰ نے بجائے کسی دھات کے آسانی کے لیے کپڑے کا بنا کر گلے میں ڈالتے ہیں، اور کفار کے ساتھ بُرے کاموں میں تشبہ بھی برا اور مکروہ ہے، اور صلیب اگرچہ ذی روح نہیں شبیہ نہیں ہے مگر کفار کے معبود ہونے کی وجہ سے تمثال روحی میں داخل ہے جس کے ساتھ نماز مکروہ ہوتی ہے، اس کے علاوہ نکٹائی نیک پرہیزگار لوگ ہرگز نہیں پہنتے ہیں بلکہ آزاد منش اور فاسق لوگ کفار سے تشبہ اور جنٹلمین بننے کے غرض سے پہنتے ہیں جو عموماً متکبرین اور فساق کی ایک نشانی ہوگئی ہے، اور نماز میں ہر وہ فعل مکروہ ہے جو متکبرین اور فساق کی عادات و اخلاق سے ہو کیونکہ نماز ایک تضرع اور خشوع کی حالت ہے جس میں یہ امور یقیناً سخت مکروہ ہیں۔

بنابریں نکٹائی اگرچہ وہ شخص تشبہ کے لیے نہ پہنتا ہو جب بھی مستلزم گناہ ہے اور نماز کی کراہت کا موجب ہے، اور اگر وہ واقعی پکا مسلمان ہے تو امام اور متولی کو مورد الزام بنانے کی جگہ خود ضد چھوڑ دے اور کم از کم نماز تو ایسی حالت سے پڑھے کہ جس سے تضرع اور خشوع ظاہر ہوتی ہو۔

قال فی الدر المختارفی مکروھات الصلوٰۃ:أو بحذا ئه تما ثل. أقول: والظا ھر انه یلحق به الصلیب و ان لم یکن تمثال ذی روح؛ لان فیه تشبھا بالنصاری ویکره التشبه بھم فی المذموم وان لم یقصده کما مر.آھ.(شامی ج١ /ص٦٠٦) أقول: والذی یظھر من کلا مھم ان العلة اما التعظیم اوالتشبه کما قد مناه(شامی ج١ /ص٦٠٧) و یکره للمصلی کل ما ھو من اخلا ق الجبابرة عموماً لأن الصلوٰۃ مقا م التواضع والتذلل والخشوع وھو ینافی التکبر والتجبر.(کبیری) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

باب الوتر والنوافل

سنن ونوافل گھر میں پڑھنا

[۱۲۱] سوال: جمعہ کی سنتیں مسجد میں پڑھنی چاہیے یا گھر میں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر یہ خوف نہ ہو کہ مسجد سے نکل کر کسی اور مشاغل میں پڑکر سنتیں رہ جائے گی اور گھر میں پڑھنے کے لیے اطمینان کی جگہ میسر ہو تو گھر میں پڑھنا افضل ہے ورنہ مسجد میں۔ الرجل اذا کان یصلی المغرب فی المسجد فأراد ان یصلی رکعتین بعده ان خاف لو رجع الی بیته یشغله شیء آخر یأتی بهما فی المسجد، وان کان لا یخاف صلا هما فی المنزل وکذا سائر السنن حتی الجمعة فإنه لو صلی الاربع قبل الجمعة فی البیت وصلی الجمعة فی الجامع یکون سنة.آه.(خلاصة الفتاوی ٦٢) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نفلوں کو بیٹھ کر پڑھنا

[۱۲۲] سوال: وتر کے بعد جو دو رکعت نفل پڑھتے ہیں وہ کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیے یا بیٹھ کر؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ احادیث سے جو ثابت ہے وہ یہ کہ آنحضرت ﷺ تہجد اور وتر کے پڑھنے سے جب فارغ ہوتے تو آخر میں بیٹھ کر دو رکعت مختصر طور سے پڑھتے، یہ تو آپ ﷺ کا فعلی طریقہ تھا؛ مگر دوسری جگہ ارشاد کیا ہے کہ: "صلوٰة القاعد علی نصف صلوٰة القائم" جس سے یہ اخذ ہوتا ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھنا دوگنا ثواب کا موجب ہے، اور آپ ﷺ تہجد اور وتروں کے طویل

قیام وقرأت سے تھک جاتے تو آخر میں دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے، اس لیے تطبیق کے لیے یہی کہا جائے گا کہ اگر اس سے قبل طویل قیام وقرأت سے تھک گیا ہو تو بیٹھ کر پڑھنا چاہیے ورنہ کھڑے ہو کر پڑھنا چاہیے۔ ذلك فعله وهذا قوله فبأيهما اقتد يتم اهتد يتم. وفقنا الله وایاکم اتباع سننه. آمین. فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نوافل کو قائماً پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے

[۱۲۳] سوال: نفلوں کو بیٹھ کر پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے کہ کھڑے ہو کر پڑھنے میں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چوں کہ حدیث صحیح میں وارد ہے کہ بلا عذر قاعد کی نماز قائم کی نماز سے باعتبار ثواب کے آدھی ہے، اور جمہور ائمہ نے اس کو نفلوں پر محمول کیا ہے، لہٰذا نفلوں کو قائما پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے۔ من صلى قائما فهو افضل ومن صلى قاعدا فله نصف اجر القائم، وقد ذكر الجمهور كما نقله النووى انه محمول على صلوٰة النفل قاعدا مع القدرة على القيام، واما اذا صلاه مع عجزه فلا ينقص ثوابه عن ثوابه قائما. (بحر الرائق ج ۲ /ص ۶۲، شامی ج ۱ /ص ۹۲۷) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بعد وتر دو رکعت قائماً پڑھنا

[۱۲۴] سوال: بعض کہتے ہیں کہ عشاء کے بعد آخری دو رکعت نفل کو بیٹھ کر پڑھنے میں زیادہ ثواب ہے تو شرعاً اس کا کوئی ثبوت ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ عشاء کے بعد والے نفلوں کے متعلق ثبوت معلوم نہیں؛ البتہ وتر کے بعد احادیث صحیحہ سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ وتر سے فارغ ہونے کے بعد مختصر طور سے دو رکعت بیٹھ کر پڑھتے، رہا مسئلہ زیادتی ثواب کا تو اس کے متعلق چونکہ آنحضرت ﷺ کی مطلقاً قولی حدیث

موجود ہے کہ قاعد کی نماز قائم کی نماز سے باعتبار ثواب آدھی ہے جس کو مشائخ اور جمہور امت نے نفلوں پر محمول کیا ہے جو بلا عذر بیٹھنے کی حالت میں پڑھی جاتی ہے؛ نیز یہ بھی ثابت ہے کہ آنحضرت ﷺ کی نفلیں جو بیٹھ کر پڑھی جاتی تھیں وہ ان نفلوں کے اجر وثواب کے مساوی ہوتی تھی جو قیام سے پڑھی جاتی تھیں، اس کو آپ کی خصوصیات میں سے شمار کیا گیا ہے؛ لہٰذا عام امت کے لیے وہی قولی حدیث پر عمل اولیٰ ہوگا، اور بلا عذر قعود خلاف اولیٰ ہوگا، اور قائما نفل پڑھنے میں بہر حال ثواب زیادہ ہوگا۔ من صلى قائما فهو أفضل (إلى آخر ما نقلت البحر آنفا) وقال فى الصفحة الآتية وقد عد من خصائصه ﷺ أن نافلته قاعداً مع القدرة على القيام كنافلته قائما تشريفا له ﷺ. (البحر الرائق ج ۲/ص ٦٣، شامی ج ١/ص ٦٢٩) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نابالغ کی اقتدا میں تراویح کا عدم جواز

[١٢٥] سوال: نابالغ بچے کے پیچھے تراویح میں اقتداء جائز ہے کہ نہیں؟ اور اگر نہیں تو مقتدی ہو کر امام کو فتح (لقمہ) دے سکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نابالغ کے پیچھے بالغوں کی اقتداء کسی صورت میں جائز نہیں؛ کیوں کہ فرضوں میں وہ خود متنفل ہے اور متنفل کے پیچھے مفترض کی نماز درست نہیں، اور نفلوں میں بعض مشائخ بلخ نے جواز کا قول کیا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ چوں کہ نابالغ کے نفل بالغ سے کم درجہ کے ہیں، اور اعلیٰ کا اقتداء ادنی کے پیچھے درست نہیں۔ ولا يصح اقتداء رجل بامرأة وصبى مطلقاً ولو فى جنازة ونفل على الاصح. الدرالمختار مع الشامى ج ١/ص ٦٠٤.

(قال فى الهداية): وفى التراويح والسنن المطلقة جوز مشائخ بلخ ولم يجوزهٗ

مشـائـخـنـا ومنهم من حقق الخلاف فی النفل المطلق بین ابی یوسف ومحمدؒ والمختار انه لایجوز فی الصلوات کلها.آھ.(شامی ج ۱/ص ۶۰۴) اورنابالغ فتح دے سکتا ہے. فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تراویح میں داڑھی منڈے کا امام بننا

[۱۲۶] سوال: ایک شخص تراویح میں امامت بھی کرتا ہےاور داڑھی بھی منڈاتا ہےتو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

الــجــواب: وباللہ التوفیق؛داڑھی منڈاتا ہےتو فاسق ہے۔اور فاسق کے پیچھے نماز پڑھنا مکروہ ہے۔اگر متشرع متقی حافظ میسر ہوتو اس کو بنایا جائے اور اگر کوئی متشرع حافظ میسر نہ ہوتو فاسق حافظ کے نسبت کسی متقی متشرع امام کو مقرر کیا جانا بہتر ہے جو چھوٹی سورتوں سے تراویح پڑھائے۔تاہم اگر اس فاسق کے پیچھے تراویح ادا کی گئی تو جماعت کا ثواب مل جائے گا۔و فـی الـنـهـر عـن الـمـحـیـط صلی خلف فاسق او مبتدع نال فضل الجماعة آھ (در المختار مع الشامی ج ۱/ص ۵۸۷) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

ایک حافظ کا دوجگہ مکمل تراویح میں امامت کرانا

[۱۲۷] سوال: ایک امام دوجگہ پوری تراویح پڑھاوے تو وہ کیسا ہے؟

الـجـواب: وباللہ التوفیق؛ایک دفعہ تراویح پڑھ کر دوسری دفعہ بطور نفل کسی امام کے پیچھے پڑھ سکتا ہے؛مگر دوبارہ دوسروں کے لیے امامت سے نہیں پڑھا سکتا۔ إمـام یـصـلـی الـتـراویح فی مسـجـدیـن فـی کـل مسـجـد عـلـی وجه الکمال لا یجوز؛ لأنه لایتکرر، اقتدی بـالامـام فـی الـتـراویـح وهو قد صلیٰ مرة لابأس ویکو ن هٰذا اقتداء المتطوع

بمن یصلی السنة. آھ. (خلاصة الفتاویٰ ج ۱ / ص ٦٤) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

فرض تنہا پڑھ کر جماعت وتر میں شرکت کرنا

[۱۲۸] سوال: رمضان میں اگر کسی نے فرض جماعت سے نہ پڑھی ہو تو وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اس میں اختلاف ہے کہ جماعت وتر فرض کے تابع ہے کہ تراویح کے۔ ثم قال لکنه اذا لم یصل الفرض معه لایتبعه فی الوتر. (شامی ناقلا عن القهستانی) ولو لم یصلها ای التراویح بالامام یصلی الوتر معه. (الدر المختار) اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جماعت وتر جماعت فرض کے تابع ہے؛ مگر ظاہر اور راجح قول جو شامی سے معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے جماعت وتر جماعت تراویح کے تابع ہے، اس لیے جس نے تراویح جماعت سے پڑھی ہے وہی وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے ورنہ نہیں۔ الذی یظهر ان جماعة الوتر تابعة لجماعة التراویح وان کان الوتر نفسه اصلا فی ذاته لان سنة الجماعة فی الوتر انما عرفت بالاثر تابعة للتراویح. آھ. (شامی ج ۱ / ص ۷٤۱) وسیأتی تحقیق هذه المسئلة. فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

وتر کی نماز رمضان میں جماعت سے ہے یا تنہا؟

[۱۲۹] سوال: رمضان شریف میں بعض حضرات وتر جماعت سے نہیں پڑھتے ہیں؛ بلکہ آخر شب میں تہجد کے ساتھ تنہا ادا کرتے ہیں اور بعض جماعت سے پڑھتے ہیں تو شرعاً افضل کونسا طریقہ ہے جماعت سے کہ تنہا؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مذکورہ افضلیت میں علماء کا اختلاف ہے قاضیخان کا فتویٰ جماعت کی

افضلیت پر ہے، اور صاحب نھایہ کا افراد پر، مگر حق اور صحیح فتوی قاضی خان کا ہے اور جماعت سے پڑھنا ہی افضل ہے اور اسی کو محقق فتح القدیر نے بھی ترجیح دی ہے لہٰذا جائز دونوں طریقے ہیں مگر افضل جماعت سے پڑھنا ہے۔ ویوتر بجماعة فی رمضان فقط علی وجه الاستحباب وعليه اجماع المسلمين كما فی الهداية، واختلفوا فی الأفضل ففی الخانية الصحيح أن أداء الوتر بجماعة فی رمضان افضل لأن عمر رضی اللہ عنہ كان يؤمهم فی الوتر. وفی النهاية واختار علماء نا أن يوتر فی منزله لا بجماعة لأن الصحابة رضی اللہ عنہم لم يجتمعوا على الوتر بجماعة فی رمضان كما اجتمعوا على التراويح؛ لأن عمر رضی اللہ عنہ كان يؤمهم فيه فی رمضان ولا يؤمهم أبي بن كعب رضی اللہ عنہ، ورجح الأول فی فتح القدير بأن صلی اللہ علیہ وسلم كان أوتر بهم ثم بيّن العذر الى آخر ما قال مفصلاً. (البحر الرائق ج ۲ / ص ٦۹) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تراویح میں قرأت ایسی سریع پڑھنا کہ فہم میں نہ آئے

[۱۳۰] سوال: تراویح میں امام اس قدر جلدی قرأت پڑھتا ہے کہ سوائے کلمہ آخر کے جس پر وقف کرتا ہے باقی کچھ بھی سمجھ میں نہیں آتا ہے، تو کیا ختم تراویح اس طور سے کرنا چاہیے اور یہ جائز ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: اس طور سے ختم کی نسبت بہتر ہے کہ چھوٹی سورتوں سے صحیح تلفظ کے ساتھ تراویح پڑھی جائیں؛ کیوں کہ جب تراویح کی قرأت میں نفس جلدی قرأت پڑھنے سے ممانعت آئی ہے جس قرأت میں کلمات اور حروف کی امتیاز ہی نہ رہے تو وہ بطریق اولیٰ ہی منع ہوگا۔ ويجتنب المنكرات هذرمة القرأة سرعة الكلام والقرأة. (شامی ج ۱ / ص ٦٦۳، مسلم ج ۱ / ص ۲۷٤) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

وتر میں شافعی المذہب کا اقتداء کرنا

[۱۳۱] سوال: تراویح میں شافعی المذہب امام کے پیچھے جب نماز پڑھی جاتی ہو تو وتر میں حنفی مقتدیوں کو اس کے پیچھے جماعت میں شریک ہونا چاہیے یا تنہا پڑھنا چاہیے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چوں کہ وتروں کی جماعت اور افراد کی افضلیت میں فی نفسہ اختلاف ہے، پھر جماعت کی افضلیت کو اگر چہ فقہاء نے ترجیح دی ہے؛ مگر شافعی المذہب امام کے پیچھے حنفی المذہب کی اقتداء میں فقہاء میں اختلاف پایا جاتا ہے کیونکہ بہت سے ایسے امور ہیں جو حنفیوں کے نزدیک مفسد صلوٰۃ ہیں مگر شافعی المذہب ان کو مفسد نہیں سمجھتے ہیں، حالانکہ مفسدات وغیر مفسدات کا اعتبار مقتدی کے مذہب پر کیا جاتا ہے، اس لیے ایسی صورت میں تنہا پڑھنا بہتر ہو گا خصوصا جب کہ دوسری اور تیسری رکعت میں شافعی المذہب امام سلام کے ساتھ فاصلہ لاتا ہو، مگر تاہم اگر حنفی المذہب مقتدی شافعی المذہب امام کے پیچھے وتروں میں اقتدا کرے تو نماز درست ہو جائے گی بشرطیکہ امام دوسری اور تیسری رکعت میں سلام کا فاصلہ نہ کرتا ہو اور ایسے امور کا ارتکاب نہ کرتا ہو جو حنفیوں کے نزدیک مفسد ہوں۔ الحاصل انه ان علم الاحتياط منه فی مذهبنا فلا كراهية فی الاقتداء به، وان علم عدمه فلاصحة، وان لم يعلم شيئا كره ثم قال:وظاهر الهدايه ان الاعتبار لاعتقاد المقتدی ولااعتبار لاعتقاد الامام.آه.(شامی) وصح الاقتداء فی (الوتر) بشافعی لم يفصله بسلام لا إن فصله علی الأصح. (الدر المختار علی الشامی ج ۱ /ص ۶۲۵) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مروجہ دعائے قنوت واجب ہے یا دوسری دعا بھی پڑھ سکتے ہیں۔

[۱۳۲] سوال: یہاں ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ دعائے قنوت جو واجب ہے وہ تو کوئی بھی

ماثورہ دعا پڑھ سکتے ہیں، اور مروجہ دُعا مسنون ہے تو یہ صحیح ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مولوی صاحب درست فرماتے ہیں۔و قرأة قنوت الوتر و هو مطلق الدعاء اى القنوت الواجب يحصل بأي دعاء كان، قال فى النهر: واما خصوص: "اللهم إنا نستعينك .... آه" فسنة فقط حتى لواتى بغيرها جازاجماعاً. (شامى ج ١ /ص ٤٣٧، مجمع الانهر ٦٥) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

قاعداً نماز پڑھنے والے کے رکوع سجدہ کی ہیئت

[۱۳۳۳] سوال: نفلی نماز کو جب بیٹھ کر پڑھے تو قعود اور سجود کی کیا کیفیت ہونی چاہیے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ قعود کے متعلق علماء نے مختلف کیفیتیں بیان کی ہیں: کسی نے احتباء کو پسند کیا ہے، کسی نے نمازی کے اختیار پر چھوڑا ہے، مگر صحیح یہ ہے کہ قعود ویسا ہو جیسا کہ تشہد کی نشست ہے، صرف قیام کی صورت میں ہاتھ ناف پر اور قعود یعنی تشہد کی حالت میں رانوں پر اور رکوع میں دونوں ہاتھوں کو گھٹنوں پر رکھ کر جھکے، اور سجدے کی حالت بدستور جیسے قیام کی حالت نماز میں ہوتی ہے وہی قعود والی نماز میں رہنی چاہیے؟ ويجوز النفل قا عدًا مع القدرة على القيام؛ لكن له نصف أجر القائم إلا من عذر و يقعد كالمتشهد فى المختار. (مراقى الفلاح ٧٦، شامى ج ١ /ص ٩١٩)

وتر کی نماز فرض کے تابع ہے یا تراویح کے؟

[۱۳۳۴] سوال: ہمارے یہاں ایک مسئلہ میں اختلاف پیدا ہو گیا ہے براہ کرم تحقیق جواب تحریر فرما کر بھیجیں؟

جماعت وتر میں اختلاف ہے کہ ایک گروہ کا قول ہے کہ جس نے فرض جماعت سے

پڑھی ہوتو وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے، اور اگرفرض جماعت سے نہ پڑھی ہوتو خواہ تراویح جماعت سے پڑھی یانہیں وہ وتر جماعت سے نہیں پڑھ سکتا ہے؟ اس کے برخلاف ایک گروہ کہتا ہے کہ تراویح جماعت سے پڑھی ہوتو وتر جماعت سے پڑھ سکتا ہے، تو صحیح قول کس کا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ یہ مسئلہ اختلافی ہے، دراصل اختلاف اس میں ہے کہ جماعت وتر فرض کی جماعت کے تابع ہے کہ تراویح کے، تو قہستانی وغیرہ حضرات اول قول کے قائل ہیں، اور شامی وغیرہ ثانی قول کو راجح کہتے ہیں؛ بہر حال اگر اس مسئلہ میں مجموع اقوال فقہاء پر نظر ڈالی جائے تو خلاصہ یہ نکلتا ہے کہ جس نے فرض وتر اویح دونوں جماعت سے پڑھی ہو یا صرف فرض جماعت سے پڑھی ہو، یا محض تراویح کلاً یا بعضاً جماعت سے پڑھی ہوں ان تینوں صورتوں میں وتر کی جماعت میں شرکت درست ہے، اور اگر نہ فرض جماعت سے ملی اور نہ تراویح تو یہ شخص وتر کی جماعت میں شریک نہیں ہوسکتا ہے۔ ولولم یصل التراویح بالامام اوصلاها مع غیره، له ان یصلی الوتر معه بقی لو ترك الکل هل یصلون الوتر بجماعة فلیراجع. (الدرالمختار) قال العلامة الشامی علیه الذی یظهر ان جماعة الوتر تبع لجماعة التراویح وان کان الوتر نفسه اصلا فی ذاته لان سنة الجماعة فی الوتر انما عرفت بالاثر تابعة للتراویح. (شامی ج ۱/ص ۶۶۲) ویشیر إلی أنه یجوز ان یصلی الوتر بجماعة وان لم یصل شیأ من التراویح مع الامام أو صلٰها مع غیره وهو الصحیح لکنه اذا لم یصل الفرض معه لایتبعه فی الوتر کما فی المنیة. (قهستانی ج ۱/ص ۱۳۴ وکذا فی مجمع الانهر ج ۱/ص ۷۰) ولو لم یصل التراویح جماعة مع الامام فله ان یصلی الوتر معه. (بحر ج ۲/ص ۷۰) وإذا معه شیء من التراویح أو لم یدرك شیئا منها أو صلاها مع

غیرہ لہ أن یصلی الوتر معہ هو الصحیح. (عالمگیری ج ۱/ص ۱۱۷، کبیری ۳۹۱ بیان التراویح) واذا لم یصل الفرض مع الامام فعن عین الائمة الکرابیسی انہ لا یتبعہ فی التراویح ولا فی الوتر وکذا اذا لم یتابعہ فی التراویح لا یتابعہ فی الوتر، وقال ابویوسف اللبلائی إذا صلی مع الإمام شیئا من التراویح یصلی معہ الوتر وکذا إذا لم یدرك معہ شیأ منها. (کبیری ج ۱/ص ۳۰۱) اقول: لعل هذا القول الاخیر مبنی علی ما إذا صلی الفرض مع الإمام لیوافق قول القهستانی وغیرہ

پندرہویں شعبان کی شب میں نفلیں پڑھنا/نمازِ رغائب کا حکم

[۱۳۵] سوال: ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ رجب اور شعبان کی پندرھویں کو جو لوگ نوافل پڑھتے ہیں یہ حرام ہیں اور شامی کا حوالہ دیتا ہے کہ اس میں صلوٰۃ رغائب کی ممانعت آئی ہے جو کہ نفل نماز ہے، تو کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: نوافل اوقات مکروہ کے علاوہ ہر وقت بہتر ہے اور خصوصا ایسی راتوں میں نوافل، تلاوت، تسبیحات پڑھنا کہ جن کی فضیلت کے متعلق احادیث میں ذکر آیا ہو، جیسے: عیدین کی راتیں، نصف شعبان، رمضان کا آخری عشرہ، ذوالحج کا اول عشرہ وغیرہ تو اس کے استحباب اور افضیلت میں کسی قسم کا شبہ نہیں، شامی نے جو صلوٰۃ رغائب کی کراہت لکھی ہے وہ ہر نوافل اور تنہا پڑھنے والے کے لیے نہیں؛ بلکہ وہ بعض مبتدعین کی ایک مخصوص ایجاد کردہ نوافل کے متعلق ہے اور وہ بھی بحیثیت اجتماع پڑھنے کو مکروہ لکھا ہے، انفرادی پڑھنے سے اس میں بھی منع نہیں کیا ہے۔

مثلاً رغائب کے متعلق شامی اور البحر الرائق کا خیال ہے کہ وہ رجب کی پہلی جمعہ میں

چند نوافل ہیں جن کو بعض متعبدین نے ایجاد کیا ہے اور لوگ اجتماعی شکل سے اس کو ادا کرتے ہیں، شامی علی بحر سے معلوم ہوتا ہے کہ صلوٰۃ رغائب بارہ رکعت نوافل ہیں جو چھ سلاموں میں بین العشائین ادا کی جاتی ہیں؛ بہرحال صلوٰۃ رغائب ان میں رجب کی پہلی جمعہ کی نوافل ہوں یا بین العشائین بارہ رکعات مگر نفس صحت سے کسی کو انکار نہیں، ہر کوئی شخص اپنے گھروں اور مکانوں میں جتنا چاہیں نوافل پڑھیں یہ ثواب کا کام ہے، تراویح کے سوا باقی نوافل جماعت سے منع ہے۔ کذا فی البحر ج ۲/ص ۵۲، والشامی ج ۱/ص ۷۱۷، ۹۳۵ طبع قدیم. ونقلت العبارة فی آخر الکتاب.

باب قضاء الفوائت

جس کی چھ نمازیں قضاء ہو جائیں اس سے ترتیب ساقط ہو جانا

[۱۳۶] سوال: ایک شخص نے بعد بلوغ چار پانچ سال تک نمازیں نہیں پڑھی، اس کے بعد پابندی سے پڑھنے لگا اب فجر کی نماز قضاء ہو گئی تھی اور ظہر کے لیے جب مسجد آیا تو جماعت کھڑی ہو رہی تھی تو وہ پہلے فجر کی قضاء پڑھ کر جماعت میں شامل ہو یا پہلے ہی جماعت میں شامل ہو جائے اور بعد میں قضاء پڑھے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چوں کہ اس کی قدیمہ اور جدیدہ قضائیں چھ سے زائد ہیں، اس لیے وہ صاحب الترتیب نہیں ہے، اس کو پہلے جماعت میں شامل ہونا چاہیے اور فجر کی قضاء بعد ادائیگی ظہر پڑھے۔

صاحب ترتیب کے لئے فرائض اور عید کی نماز میں ترتیب کا ضروری نہ ہونا

[۱۳۷] سوال: کیا صاحب ترتیب کے لئے قضائے فجر اور عیدین کی ترتیب کا لحاظ بھی ضروری ہے یا قضائے فجر بعد عید بھی پڑھ سکتا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نماز عید اور فرائض خمسہ میں ترتیب لازم نہیں۔ اذا قضی صلوٰة الفجر قبل صلوٰة العید لا باس به و لو لم یصل صلوٰة الفجر لا یمنع جواز صلوٰة العید و کذا یجوز قضاء الفوائت القدیمة قبلها لکن لو قضاها بعدها فهو احب و ادنیٰ۔ هکذا فی التتارخانیة ناقلاً عن الحجة (عالمگیری ج ۱/ص ۱۵۰)

چھ یا زائد نمازوں کی قضاء سے ترتیب ساقط ہونا

[۱۳۸] سوال: اگر کسی کی بہت سی نمازیں قضاء ہو جائیں تو ان کی ادائیگی میں بھی ترتیب کی رعایت رکھنی ضروری ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ پانچوں وقتی نمازوں میں مع وتر کے بھی ترتیب لازم ہے اور خود قضاء نمازوں میں اور قضاء اور وقتی میں بھی ترتیب ضروری ہے، مگر جب قضاء نمازیں چھ یا زائد ہو جائیں تو ترتیب ساقط ہو جاتی ہے، لہٰذا مذکورہ صورت میں اگر قضاء نمازیں چھ یا زائد تک پہنچی ہو تو ترتیب ساقط ہوگئی۔ الترتيب بين الفروض الخمسه والوتر اداء أو قضاء لازم. (الى ان قال) إلا إذا ضاق الوقت المستحب أو نسيت الفا ئتة؛ لأنه عذر او فاتت ستة اعتقادية بخروج وقت السادسة. آھ. (در مختار مع شامی ج ۱ /ص ۷۶۰)

تیس سال کی قضاء نمازوں کو پڑھنا

[۱۳۹] سوال: ایک شخص کی عمر ۲۵، ۳۰ تک پہنچی ہے مگر جمعہ کے علاوہ کبھی بھی نماز نہیں پڑھی اب اس پر قضا ہے کہ نہیں اور کس طرح ادا کرنا چاہیے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ قضا تو لازم ہے، باقی ادائیگی کے لیے چوں کہ چھ یا زائد قضا شدہ نمازوں میں ترتیب ضروری نہیں، اس لیے جب اس کو موقع ملتا رہے تو صبح سے لے کر عشاء معہ وتر صرف فرضوں کی قضا کرتا رہے پھر صبح سے شروع کر کے وتر پر ختم کیا کرے، اس طرح ہمیشہ جب موقع ملے پڑھتا رہے یہاں تک کہ تمام قضا شدہ نمازوں کی ادائیگی کا یقین آئے۔ (شامی ج ۱/ص ۷۶۰)

امام کے ساتھ چوتھی رکعت میں ملے تو باقی نماز کیسے پڑھے؟

[۱۴۲] سوال: ظہر یا عصر کی ایک رکعت امام کے ساتھ ملی تو باقی ماندہ نماز کس طرح پوری کرے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ بعد سلام امام کھڑے ہوکر ایک رکعت بافاتحہ وضم سورت پڑھ کر بقدر تشہد قعدہ میں بیٹھے، پھر کھڑے ہوکر دو رکعت اس طور سے پڑھے کہ پہلی رکعت میں فاتحہ اور سورت پڑھے اور پچھلی میں صرف الحمد شریف پڑھ کر نماز پوری کردے۔ ولو أدرك ركعة من الرباعية فعليه أن يقضى ركعة يقرأ فيها الفاتحة والسورة ويقعد لأنه يقضى آخر صلوٰته فى حق القعدة و حٍ فهى ثانية، ويقضى ركعة يقرأ فيها كذلك ولا يقعد، وفى الثانية يتخير والقرأة أفضل، كبيرى كانفورى ٤٣٨ وقال: ركعة بفاتحة وسورة وتشهد ثم ركعتين اولاهما بفاتحة وسورة وثانيتهما بفاتحة خاصة، وظاهر كلامهم اعتماد قول محمد. آه. شامى ج ١/ص ٦٢٤.

ساٹھ برس کی عمر میں بھی ایک سجدہ نہ کرنیوالے کا حکم

[۱۴۱] **سوال:** ایک شخص کی عمر ساٹھ برس ہوگئی ہے؛ مگر اس نے آج تک کوئی نماز نہیں پڑھی ہے تو وہ مسلمانوں میں شمار کیا جاسکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مسلمان سے جب تک ایسا فعل یا اعتقاد ظاہر نہ ہوجائے جو موجب کفر ہو تو اس کے علاوہ خواہ کتنا ہی گناہ کرتا ہو ہم اہل سنت اس پر کفر کا حکم نہیں لگا سکتے ہیں، اس لیے شخص مذکور کا اعتقاد نماز و دیگر ضروریات دین کے متعلق اگر کفر کے درجے تک نہ پہنچا ہو تو نفس ترک فرائض کی وجہ سے اس پر کفر کا حکم نہیں لگایا جائے گا، ہاں نماز یا دیگر ضروریات دین کے متعلق اس کا تساہل کرنا موجب ملامت و تعزیر ہے، اس لیے مسلمانوں کو لازم ہے کہ مناسب ذرائع سے اس کو ضروریات دین پر پابند بنانے کے لیے سعی و کوشش کرتے رہیں۔ وان تركه تكاسلا مع اعتقاد ه وجوبها كما هو حال كثير من الناس فقد اختلف العلماء فيه وذهب ابو حنيفة وجماعة من اهل الكوفة والمزنى صاحب الشافعى انه لا يكفر ولا يقتل بل يعزرو يحبس حتى يصلى. آه. نووى على مسلم شريف ج ١/ص ٦١.

نفلوں پر قضا کو ترجیح دینا

[۱۴۲] سوال: کسی شخص سے بہت سی نمازیں قضا ہوگئیں ہیں اور وہ فرصت پا کر نوافل پڑھتا ہے تو ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ نوافل نہ پڑھیں اس قسم کی نوافل اس کے منہ پر ماری جائے گی؛ بلکہ اس کو قضاء نمازیں ہی پڑھنی چاہیے تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جس شخص سے بہت سی نمازیں قضا ہوگئیں ہوں اس کے لیے بہتر تو یہ ہے کہ جب فرصت پائے تو مقررہ نوافل کے ماسوا قضا پڑھنے کو ہی مقدم رکھے مگر یہ کہنا کہ نوافل پڑھنا درست ہی نہیں یہ خلاف واقع ہے۔ وفی الحجة الا شتغال بالفوائت اولی، وأهم من النوافل إلا السنن المعرو فة وصلوٰة الضحی وصلوٰة التسبيح التی رويت فی الاخبار فيها سور معدودة واذكار معهودة فتلك بنية النفل وغيرها بنية القضاء، كذا فی المضمرات. (عالمگیری ج ۱ /ص ۱۳۵)

امام کے ساتھ آخری رکعت میں ملنا

[۱۴۳] سوال: ایک شخص عشا کی نماز میں امام کے ساتھ تیسری رکعت میں ملا، اب جب امام سلام پھیر دے اور اس کے بعد جب وہ اپنی چھوٹی ہوئی تین رکعتوں کو پورا کرنے کے لیے کھڑا ہو جائے، تو قرأت کس طرح پڑھے؟ کیا پہلی رکعت میں پڑھ کر بیٹھے تو دوسری رکعت میں جب کھڑا ہوئے تو پڑھے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چوں کہ فقہاء کی یہ تصریح ہے کہ مسبوق امام کی نماز کا اخیری حصہ پاتا ہے، اس قاعدے سے جب کہ اس شخص کو امام کی اخیری رکعت ملی، تو بعد اختتام نماز امام پہلی رکعت با قرأت پڑھ کر تشہد کے لیے بیٹھے اور بعد تشہد پہلی رکعت با قرأت اور ثانی بلا قرأت پڑھ کر نماز

پوری کرے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ولـو أدرك ركعة من الرباعية فعليه أن يقضى ركعة يقرأ فيها الفاتحة والسورة ويـقـعـد لأنـه يـقـضـى آخر صلوٰته فى حق القعدة و ح فهى ثانية، ويـقـضـى ركـعـة يقرأ فيها كذلك ولا يقعد، وفى الثالثة يتخير والقرأة أفضل. (كبيرى كانفورى ٤٣٨)

لاحق فوت شدہ نماز کس طرح ادا کرے؟

[۱۴۴] سوال: مقتدی کو دوسری رکعت میں حدث لاحق ہوا وہ وضوء کر کے آیا تو ایک رکعت ہو چکی تھی، وہ تیسری رکعت میں شامل ہوا تو جب وہ وضوء کر کے آئے گا تو اس کو تنہا گذشتہ رکعت پڑھ کر امام کے ساتھ شامل ہونا چاہیے یا پہلے امام کے ساتھ شامل ہونا چاہیے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: اکثر کتابوں میں تو آیا ہے کہ جو رکعت ہوگئی ہے اس کو تنہا بلا قرأت پڑھ کر بعد میں شامل ہونا چاہیے؛ مگر اگر وہ پہلے ہی سے امام کے ساتھ شریک ہو کر امام کے فراغت کے بعد فوت شدہ تنہا پڑھے تو بھی درست ہے۔وفى شرح الطحاوى:يشتغل أولا بقضاء ما سبقـه الإمـام بـغير قرأة لانه لا حق ثم يقضى آخر صلا ته، ولو تا بع الامام أولا جـاز ويـقـضـى ما فاته.آھ.مجمع الانهر (الحدث فى الصلوٰة) فإن ادرك امـامه فى الصلوٰة فهو مخير بين ان يقضى ما استقبله الامام فى حالة اشتغاله بـالـوضـوء بـغـيـر قرأة ثم يقضى آخر صلوٰته وبين ان يتابع الامام ثم يقضى ماسبقه الامام بعد تسليمه.(عناية على فتح القدير ج ١ /ص ٣٣١)

☆......☆......☆

باب السہو

صلوٰۃ التسبیح میں کسی مقام کی تسبیح بھول جائے تو

[۱۴۵] سوال: اگر صلوٰۃ تسبیح میں سہو ہو جائے تو تسبیح پڑھے یا نہیں اور کسی جگہ تسبیح پڑھنا بھول جائے تو کیا کرے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ کسی کتاب میں اس کا جزئیہ نظر سے نہیں گذرا، تاہم صلوٰۃ التسبیح کی ہر ایک رکعت میں چوں کہ عدد تسبیحات مقرر ہے، اس لیے اس عدد کو تمام کرنے کے لیے جس مقام میں بھول جائے تو اس کے بعد آنے والے مقام میں جو مقررہ تسبیح پڑھے تو اس کے ساتھ یہ بھولی ہوئی تسبیح بھی پڑھ لے۔ مثلاً قومہ میں دس بار تسبیح پڑھنی تھی جو بھول گیا اور سجدے میں یاد آیا تو سجدے میں بجائے دس کے بیس تسبیح پڑھے اس طور سے عدد تسبیحات بھی مکمل ہو جائے گی اور محل تسبیح کا بھی لحاظ رکھا جائے گا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

بعد اس کے معلوم ہوا کہ سائل کی غرض یہ ہے کہ سجدۂ سہو میں بھی یہ زائد تسبیحات پڑھیں یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ سجدۂ سہو میں یہ زائد تسبیحات نہ پڑھیں کیوں کہ مقررہ عدد تسبیحات پوری ہو چکی ہیں۔

نماز میں کسی رکن کو بے محل کرنا اور دو سہو کے لیے ایک سجدہ کافی ہونا

[۱۴۶] سوال: امام نے مغرب میں دو رکعت پر سلام پھیر دیا پیچھے سے مقتدی نے لقمہ دیا تو فوراً امام نے مع قوم ایک سجدہ لگایا پھر اٹھ کھڑا ہوا اور باقی ماندہ رکعت پڑھ کر قعدۂ اخیرہ کر کے آخر میں سجدہ سہو کیا اور نماز پوری کی تو کیا یہ نماز ہوئی کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نماز ہوگئی، کیوں کہ مسئولہ صورت میں ایک سجدہ زائد ادا کیا گیا ہے مگر چوں کہ وہ ایسا فعل نہیں جو نماز کے منافی ہو اس لیے ایک رکن کی زیادتی ہوئی اور نیز تاخیر رکعت ثالث بھی ہوئی تھی جو ہر ایک مستقل سجدۂ سہو کی موجب تھی مگر چوں کہ تکرر سہو کے لیے ایک سجدۂ سہو کافی ہوتا ہے اس لیے جب کہ آخر میں سجدۂ سہو لگا چکا ہے تو نماز یقیناً ہوگئی۔ إذا سهى بزيادة ونقصان سجدتين . (وقال تحت قوله إن قرأ فى ركوع) لأن كلا منهما ليس بمحل القرأة فيكون فعل من افعال الصلوٰة غير واقع فى محله فيجب. (وقال فى الصفحة الآتية) وإن سهى مراراً يكفيه سجدتان. (مجمع الأنهر ج ١ /ص ٧٥،٧٦)

بے محل قیام یا قعود پر سجدۂ سہو لازم ہونا

[١٤٧] سوال: امام پانچویں رکعت کو بلا قعدہ سہواً کھڑا ہو گیا اور تین تسبیح تک قیام کیا پھر مقتدیوں کے فتح پر واپس آ کر بیٹھ گیا تو سجدہ سہو لازم ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ لازم ہے۔ يجب عليه سجدة السّهو بمجرد القيام والقعود. آه. (كبيرى كانفورى ٤٣٠)

متعدد سہو پر ایک سجدۂ سہو کا کافی ہونا

[١٤٨] سوال: امام کو نماز میں ایک رکعت باقی تھی مگر سہواً قعدہ پر بیٹھا سلام کے وقت مقتدیوں نے لقمہ دیا تو امام گھبرا کر سجدہ میں چلا گیا اور مقتدی بھی سجدے میں چلے گئے پھر سجدہ کر کے امام سیدھا باقی رکعت کے لیے کھڑا ہوا اور آخر میں سجدہ سہو کیا تو نماز ہوئی کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نماز ہوگئی، کیوں کہ موجودہ صورت میں تاخیر رکعت پر سجدۂ سہو لازم ہوا تھا

پھر جب کہ بے محل ایک زائد سجدہ لگایا تو دوسرا سہو ہوا مگر چوں کہ متعدد سہو کے لیے ایک بار سجدۂ سہو کی ادائیگی سے نماز ہو جاتی ہے، اور مذکورہ صورت میں امام آخر میں سجدۂ سہو کر چکا تو نماز پوری ہوگئی۔ إذا سهى بزيادة أو نقصان سجدتين. (وقال تحت قوله إن قرأ فى الركوع) لأن كلا منهما ليس بمحل القرأة فيكون فعل من افعال الصلوٰة غير واقع فى محله فيجب. (وقال فى الصفحة الآتية) وإن سهى مراراً يكفيه سجدتان. (مجمع الانهر ج ١ / ص ٧٥، ٧٦)

سہواً قنوت چھوڑ کر رکوع میں چلے جانا اور دوبارہ قنوت کے لیے قیام میں آنا

[١٤٩] سوال: امام وتر میں قنوت بھول کر رکوع میں چلا گیا، پیچھے سے مقتدی نے فتح دیا تو امام رکوع سے واپس قیام میں آیا اور قنوت پڑھ کر پھر رکوع میں گیا اور آخر میں سجدۂ سہو ادا کیا تو کیا یہ نماز ہوگئی؟

الجواب: وباللہ التوفیق: ہاں نماز تو ہوگئی، مگر بہتر یہ تھا کہ قنوت کو واپس نہ لوٹاتا، بلکہ بعد اتمامِ رکوع سجدے میں چلا جاتا اور آخر میں سجدۂ سہو کرتا تاہم اگر اس نے ایسا نہ کیا، بلکہ قنوت پڑھنے کے لیے واپس قیام میں گیا اور پھر ترتیب وار نماز ختم کر کے آخر میں سجدۂ سہو ادا کیا تو نماز فاسد نہ ہوئی، بلکہ درست ہوئی۔ ولو ترك القنوت فذكر فى القعدة او بعد ماقام من الركوع لا يقنت وعليه السهو. (خانية بر عالمگيرى ج ١ / ص ١٢١) وكما لو سهى عن القنوت فركع فانه لو عاد وقنت لا تفسد على الاصح. (البحر الرائق ج ٢ / ص ١٠١) وانه لا يعود اليه لو ركع على الاصح. (البحر الرائق ج ٢ / ص ٩٦، ٩٤، عالمگيرى ج ١ / ص ١١١)

بخلاف ما لو تذكر القنوت فى الركوع فإنه لا يعود ومتى عاد فى الكل فإنه يعيد ركوعه لارتفاضه وفى الخلاصة ويسجد للسهو فيما إذا عاد أو لم يعد إلى القرأة (بحر ج ٢ /ص ٩٤)

مسئلہ تسبیحات در سجدۂ تلاوت

[۱۵۰] سوال: سجدۂ تلاوت میں سبحان ربی الاعلی پڑھنا چاہیے یا اور کوئی تسبیح یا سکوت کرنا چاہیے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر فرض نماز میں سجدۂ تلاوت ادا کرنا ہو تو سبحان ربی الاعلی پڑھنا چاہیے، اور اگر نوافل میں ہو یا خارج نماز سے ادا کرنا ہو تو خواہ سبحان ربی الاعلی پڑھے یا دیگر ماثورہ مرویہ تسبیحات پڑھے تو اختیار ہے سکوت نہیں چاہیے۔ واختلفوا فيما يقوله فى هذه السجدة: والاصح انه يقول سبحان ربى الاعلى ثلاثا كسجدة الصلوٰة ولا ينقص منها، وينبغى ان لا يكون ما صحح على عمومه فإن كانت السجدة فى الصلوٰة فإن كانت فريضة قال سبحان ربى الاعلى، أونفلا قال ماشاء مما ورد، كسجد وجهى للذى خلقه آه. وقوله اللّٰهم اكتب لى بها عندك اجرا وضع عنى بها وزرا واجعلها لى عندك ذخرا وتقبلها منى كما تقبلتها من عبدك داؤد. وإن كان خارج الصلاۃ قال كلما اثرمن ذلك، كذا فى فتح القد ير. (البحر الرائق ج ٢ /ص ١٢٦، والشامى ج ١ /ص ٧١٩)

اگر مسبوق سہواً ہمراہ امام سلام پھیرے تو سجدۂ سہو کرے یا نہ کرے؟

[۱۵۱] سوال: مسبوق نے بھول کر امام کے ساتھ سلام پھیر دیا تو اس پر کیا بعد اختتام نماز سجدۂ سہو لازم ہے کہ نہیں؟ یہاں دو مولویوں میں اس میں اختلاف ہے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ غالباً مولویوں کا اختلاف نزاعِ لفظی کی صورت میں ہوگا؛ کیونکہ اس کے متعلق سجدہ کا لازم ہونا اور نہ ہونا دونوں آیا ہے، مگر دراصل سلام کے وقت میں اختلاف ہے: اگر مسبوق نے امام سے قبل یا امام کے ساتھ؛ بلکہ متصل سلامِ امام سلام پھیر دیا ہو تو اس وقت وہ مقتدی کے حکم میں ہے، اس لیے سجدۂ سہو لازم نہیں، اور اگر امام نے سلام پھیر دیا ہو اور کچھ دیر کے بعد مسبوق نے سلام پھیر دیا ہو تو چونکہ اس وقت وہ منفرد تھا اس لیے سجدۂ سہو لازم ہوگا۔ لزمه السهو لانه منفرد في هذه الحالة. (شامي ج ١ /ص ٥٦٠) ولو سلم ساهيا إن بعد امامه لزمه السهو وإلالا، والتفصيل في الشامي في آخر مبحث الجماعة.

قراءت فاتحہ یا ضم سورۃ سہواً ترک ہو جائے تو دوبارہ رکوع سے قیام میں جانا

[١٥٢] سوال: ایک شخص فاتحہ پڑھ کر سورۃ ملانا بھول گیا اور رکوع میں یاد آیا تو اب کیا کرنا چاہیے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ واپس قیام میں آ کر ضم سورۃ کر کے پھر رکوع میں جائے اور نماز پوری کر کے آخر میں سجدۂ سہو کرے، اور اگر واپس ضم سورۃ کے لیے قیام میں نہ گیا؛ بلکہ اس طرح نماز پوری کر کے آخر میں سجدۂ سہو کیا تو بھی نماز ہو جائے گی۔ وفي المحيط ولو ترك السورة فذكرها قبل السجود عاد وقرأها، وكذا لو ترك الفاتحة فذكرها قبل السجود قرأها ويعيد السورة. (ثمّ قال ناقلا عن الخلاصة): ويسجد للسهو فيما إذا عاد أو لم يعد إلى القرأة. (البحر الرائق ج ٢ /ص ٩٤)

امام کا قعدۂ اخیرہ بھول جانا

[١٥٣] سوال: امام چوتھی رکعت پر قعدہ بھول کر کھڑا ہوا اور پانچویں رکعت پڑھ کر سلام پھیر دیا، بعد میں مصلیوں نے کہا کہ قعدۂ اخیرہ رہ گیا اور تو نے پانچ رکعت پر قعدہ کر کے نماز پڑھی ہے تو نماز

ہوئی کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نماز نہ ہوئی دوبارہ پڑھنی چاہیے؛ کیونکہ قعدۂ اخیرہ فرض ہے، اور وہ ترک ہوگیا ہے۔وإن سجد سجدة تامة بطل فرضه. (مجمع الأنهر ج ١ /ص ٧٦، البحر الرائق ج ٢ /ص ٣٠٣)

سورۂ فاتحہ کی تکرار سے سجدۂ سہو کا واجب نہ ہونا

[١٥٤] **سوال:** ایک حافظ نے تراویح کی آخری رکعت سورۂ اعراف پر ختم کی اور سجدۂ تلاوت کے لیے گیا، جب سجدہ کر کے کھڑا ہوا تو بجائے سورۂ انفال شروع کرنے کے پھر الحمد للہ پڑھ کر سورۂ انفال سے کچھ پڑھ کر رکوع کر کے نماز پوری کی تو اس پر سجدۂ سہو لازم ہوا کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اس پر سجدۂ سہو لازم نہیں، کیوں کہ نوافل اور فرائض کی اول رکعتوں میں اگرچہ تکرار فاتحہ سے سجدۂ سہو لازم آتا ہے؛ مگر جب ہر دو فاتحہ کے درمیان سورت یا آیت پڑھی جاتی ہیں تو اس سے سجدۂ سہو لازم نہیں آتا اور یہاں چوں کہ دونوں فاتحین کے درمیان میں قرأت پڑھی گئی ہے اس لیے دونوں فاتحوں میں فاصلہ آنے کی وجہ سے سجدۂ سہو واجب نہ ہوا۔ ولو كرر الفاتحة فی ركعة من الأوليين متواليا يجب عليه سجود السهو، ولو قرأ الفاتحه ثم السورة ثم الفاتحة لا يلزمه السهو، وقيل: يلزمه. (كبيرى ٤٣١، حتى إذا قرأها فی ركعة منها مرتين وجب سجود السهو كذا فی الذخيرة وغيرها لكن فی قاضيخان تفصيل: وهو أنه إذا قرأها مرتين على الولاء وجب السجود، وإن فصل بينها بسورة لا يجب واختاره فی المحيط. (بحرالرائق ج ١ /ص ٢٩٦، شامی ج ١ /ص ٤٢٩)

☆......☆......☆

باب صلوٰۃ المسافر

سرکاری دورہ میں مسئلہ قصر صلوٰۃ

[۱۵۵] سوال: سرکاری ملازموں کو دورہ میں جانا پڑتا ہے، بعض وقت ایک دو روز میں واپس آنا ہوتا ہے بعض وقت میں آٹھ دس روز کو، جاتے وقت یہ معلوم نہیں کہ دورہ کتنے روز کا ہوگا ایسی حالت میں نماز قصر پڑھنی ہوگی یا پوری؟

الجواب: وباللہ التوفیق: گھر سے روانگی کے وقت جس جگہ منتہائے سفر مقرر کیا گیا ہے اس پر شرعی سفر کا اعتبار کیا جاتا ہے، اور سرکاری ملازموں کے دورے میں بھی اسی طرح اعتبار کیا جائے گا کہ جاتے وقت جس جگہ کو منتہائے دورہ مقرر کیا ہے اگر متوسط چال والے شخص کے پیادہ تین روز سفر کی مسافت پر واقع ہے تو قصر پڑھے گا ورنہ پوری نماز پڑھنی ہوگی، خواہ اس طرح متردد حالت میں کتنی ہی مسافت طے کرے، ہاں واپسی کے وقت اگر گھر تک تین روز متوسط پیادہ سفر کی مقدار کی مسافت ہو تو قصر پڑھے گا۔ وفی الدر: والسلطان إذا سافر قصر إلا إذا طاف فی ولایته من غیر ان یقصد مایصل الیه فی مدة السفر فانه حـ لایکون مسافراً، أوطلب العدو ولم یعلم أین یدرکه فانه ایضاً لایکون. وفی الرجوع یقصر إن کان بینه وبین منزله مسیرة سفر. آھ. مجمع الأنهرشرح ملتقی الأبحر ج ۱ / ص ۸٤.

مسافت قصر نماز/ جو شخص ریل اور جہاز سے دورہ کرتا رہتا ہے اسکے لئے قصر کا حکم

[۱۵۶] سوال: ایک شخص رنگون میں ایک شیعہ کے یہاں ادھار وصول کرنے پر نوکر ہے، جو دورہ کر کے آرڈر لینا اور مال وصول کرنا اس کا کام ہے، یہ شخص عموماً ریل یا جہاز کے سفر پر رہتا ہے، اور رنگون کو دو ایک ماہ کے قیام کے لیے آتا ہے، اور پھر دورے پر نکلتا ہے، تو اس شخص کے لیے نماز میں قصر پڑھنا چاہیے یا نہیں؟ بحوالۂ کتب جواب دیجئے۔

الجواب: وباللہ التوفیق: قصر نماز کے لیے جو سفر معتبر ہے وہ یہ کہ جائے قیام سے منتہائے مقصد تک متوسط چال سے تین روز کے پیدل سفر کی مسافت ہو جو انگریزی میل کے حساب سے تخمینا اڑتالیس میل کی مسافت ہوتی ہے، اس مسافت کو خواہ وہ بذریعہ ریل یا جہاز اور سرعت سفر کے ایک ہی روز میں ختم کرے جب ہی قصر کرے گا جب تک سفر میں کسی قریہ میں پندرہ یوم کی نیت قیام نہ کرے یا واپس گھر نہ پہنچے، اس سے کم مسافت کے سفر پر قصر نہیں۔

اس طرح اگر گھر سے نکلنے کے وقت منتہائے ارادہ ایسا مقام ہو جو تین روز سے کم مسافت ہو تو بھی قصر نہیں کرے گا خواہ ایسے چھوٹے چھوٹے سفر کا سلسلہ اس کو کتنا ہی دور نہ پہنچائے البتہ واپسی کے وقت جب گھر کا ارادہ کرے اور اس مقام اور گھر کے درمیان تین یوم یا زائد کی مسافت ہو تو آتے وقت قصر پڑھے گا۔

خلاصہ یہ کہ مدت سفر مسافت خشکی میں پیدل کا معتبر ہے اور دریا میں معتدل ہوا میں بادبانی کشتی کا معتبر ہے۔

دوسرا یہ کہ یہ مسافت جائے قیام سے اس مقام تک معتبر ہے جہاں کا ارادہ گھر سے نکلنے

کے وقت کیا گیا ہے۔

اس قاعدے کے ماتحت مذکورہ نوکر بھی اپنے متعلق حکم معلوم کیا کریں کہ جائے قیام سے جہاں کا ارادہ ہے وہ مندرجہ ترکیب سے تین روزہ سفر ہے کہ نہیں بس اسی پر حکم معلوم کیا کرے ریل وجہاز کی رفتار پر اور نیز اپنی سرعت سیر کا اعتبار نہ کرے من خرج من عمارة موضع إقامته قاصدا ولو كافرا و من طاف الدنيا بلا قصد لم يقصر مسيرة ثلاثة أيام وليا ليها ولا اعتبار بالفراسخ على المذهب بالسير الوسط مع الاستراحات المعتادة حتى لو اسرع فوصل فى يومين قصر ولو لموضع طريقان احدهما مدة السفر والآخر اقل قصر فى الأول لا الثانى صلى الفرض الرباعى ركعتين وجوبا. آه. الدر المختار. الفرسخ ثلاثة أميال، والميل أربعة آلاف ذراع. وقال تحت قوله على المذهب: لأن المذكور فى ظاهر الرواية اعتبار ثلاثة أيام كما فى الحلية. وقال فى الهداية: هو الصحيح احترازاً عن قول عامة المشائخ من التقدير بالفراسخ ثم اختلفوا فقيل أحد وعشرون وقيل ثمانية عشر وقيل خمسة عشر والفتوىٰ على الثانى؛ لأنه الأوسط. وفى المجتبى فتوى أئمة خوازم على الثالث. الدرالمختار على الشامى ج ۱ / ص ۸۲۱، ۸۳۰، ۸۲۳.

قریہ بہ قریہ دورہ کرنے والوں کے لیے حکم قصر نماز

[۱۵۷] سوال: گاؤں گاؤں پھیری کر کے بیچنے والے جب گھر سے نکلتے ہیں تو اکثر پانچ روز تک گاؤں گاؤں پھرتے ہوئے تجارت کرتے ہیں اور پھر گھر لوٹتے ہیں اور اس دورے میں

بسا اوقات چالیس پچاس میل بھی سفر رہتا ہے تو وہ نماز قصر پڑھے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ پھیری کرنے والے اور نیز ہر وہ ملازم وغیرہ جو قریہ بقریہ دورہ میں رہتے ہیں ان سب کا ایک حکم ہے، یعنی منتہائے ارادہ معتبر ہے، مثلاً گھر سے اس ارادہ پر نکلا کہ بیس گاؤں کا دورہ کروں گا تو ان مقصود گاؤں میں جو سب سے دور مسافت پر واقع ہو اس کے اور گھر کے درمیان سفر کا اعتبار کرنا چاہیے، درمیان میں جو گاؤں میں ٹھہرے گا وہ معتبر نہیں اب اگر گھر سے منتہائے ارادہ تک تین روز کی مسافت ہو جس کا تخمینہ ۴۸-۵۰ میل ہوتا ہے تو قصر پڑھے گا، ورنہ نہیں، اور اگر منتہائے ارادہ مسافت سفر سے کم ہے مگر دوران سفر میں ارادہ بدلتا رہا اور اس گاؤں سے اس گاؤں ہوتا ہوا دور نکل گیا جو واپسی کے وقت گھر تک تین روز یا زائد کا سفر ہوتا تھا تو اگرچہ جاتے وقت مسافر نہیں ہوگا اور نماز پوری پڑھے گا مگر آتے وقت مسافر سمجھا جائے گا اس واسطے قصر پڑھے گا۔ وفی الدر: والسلطان إذا طاف فی ولایته من غیر ان یقصد مایصل الیه فی مدة السفر فانه حِ لایکون مسافراً، أوطلب العدو ولم یعلم أین یدرکه فانه ایضاً لایکون مسافراً. وفی الرجوع یقصر إن کان بینه وبین منزله مسیرة سفر. آھ. مجمع الأنهرشرح ملتقی الأبحر ج ۱ /ص ۸۴.

صلوٰۃ الاستسقاء

مسائل استسقاء اوراس کی مفصل کیفیت

[۱۵۸] سوال: استسقاء کے احکام اورضروری مسائل اورترکیب نماز کی ضرورت ہے، براہ کرم پوری کیفیت اُردو میں لکھ کر بھیج دیجئے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛

استسقاء کی تعریف:

خدا سے اپنے گناہوں کا استغفار اورتوبہ کے ذریعہ پانی اور بارش طلب کرنا۔

(البحرالرائق ج۲/ص۱۴۸)

استسقاء پڑھنے کی شرط:

ایسے مقامات کہ جہاں کے باشندوں اور جانوروں اور زراعت کی سیرابی کے لیے کنویں، نالے، نہریں بقدرکفایت پانی مہیا نہ کرسکے اور بارش نہ ہونے سے لوگ قحط اور تنگی محسوس کریں تو ایسے وقت میں استسقاء کے لیے نکلنا چاہیے۔ (عالمگیری ج۱/ص۱۵۴، شامی ج۱/ص۷۹۰)

استسقاء کا ثبوت:

استسقاء کتاب اللہ، سنت رسول، اور اجماع امت سے ثابت ہے۔ (البحرالرائق ج۲/ص۱۶۸)

استسقاء سے پہلے کیا کرنا چاہیے؟

چوں کہ بارش کا بند ہونا، قحط پڑنا مخلوق کو تنگی اور تکلیف ہونا، خدا کی ناراضگی سے ہوتا ہے جس کا باعث ہماری شرعی امور سے غفلت اور گناہوں کا ارتکاب ہے، اس لیے استسقاء کی اصلی غرض توبہ اور گناہوں کے لیے خدا سے مغفرت طلب کرنا ہے، اور خشوع خضوع سے عبادت میں مشغول ہونا ہے، اس لیے استسقاء کو نکلنے سے قبل متواتر تین روز تک روزے رکھے جائیں اور اپنے دلوں سے بغض وحسد وکینہ نکال کر مخلوق کے مظالم اور حقوق ادا کیے جائیں اور بقدر استطاعت خیر خیرات کی جائے اور حقوق العباد کی ادائیگی کے ساتھ حقوق اللہ کی ادائیگی کا عزم بالجزم کیا جائے اور گذشتہ تقصیرات کی صدق دل سے توبہ استغفار کی جائے۔ (شامی ج ۱/ص ۷۹۲)

استسقاء کو نکلنے کی کیفیت:

تین روز متواتر روزہ اور توبہ واستغفار، خیر خیرات اور عبادات میں صرف کرنے کے بعد چوتھے روز سورج نکلنے کے بعد دوبارہ تجدید توبہ واستغفار کر کے اور کچھ خیر خیرات کر کے معمولی پیوند لگائے ہوئے کپڑے پہن کر نہایت خشوع خضوع سے سر نیچے کیا ہوا پیدل مصلی یا کسی میدان کو جائیں، اپنے ساتھ صلحاء، بوڑھے، ضعیف، بچے اور جانور بھی لے جائیں؛ کیوں کہ ان بے زبانوں اور صلحاء اور ضعفاء کے وسیلہ سے دعا کی مقبولیت کی زیادہ امید کی جاتی ہے۔ (شامی ج ۱/ص ۷۹۲، عالمگیری ج ۱/ص ۱۵۴، بحر الرائق ج ۲/ص ۱۶۹)

مصلی یا عید میں کیا کرنا چاہے:

یہ معلوم ہوا کہ استسقاء اصل توبہ واستغفار کے ذریعہ بارش طلب کرنا ہے، اس لیے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس میں کوئی امامت سے نماز یا خطبہ مقرر نہیں؛ بلکہ دعا واستغفار کرنا ہے مگر راجح قول صاحبین کا ہے جن کے نزدیک فجر کی نماز کی طرح سب امام کے پیچھے دو رکعت نفل استسقاء

پڑھیں اور پھر امام خطبہ پڑھے پھر سب دعا مانگیں۔(شامی ج۱/ص۷۹۱)

نماز خطبہ قلب رداء کی کیفیت:

دو رکعت نفل استسقاء کی نیت سے امام کے پیچھے نیت باندھے، امام دونوں رکعتوں میں جہراً فاتحہ اور کوئی سورت پڑھے۔

بہتر یہ ہے کہ پہلی رکعت میں "سبح اسم ربک" آہ اور دوسری رکعت میں "هل اتاک حديث الغاشية" پڑھے۔

نماز کے بعد امام خطبہ کے لیے زمین پر قبلے کو پشت اور قوم کو رخ کر کے دو خطبہ پڑھے، اگر منبر پر کھڑا ہو جائے یا ایک خطبہ پر اکتفاء کرے تو بھی جائز درست ہے۔(بحر) خطبہ میں لوگوں کو توبہ و استغفار اور عبادت کی ترغیب دے، شامی کے ایک قول سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کا کچھ حصہ پڑھ کر امام قلب رداء کرے؛ مگر اکثر کتابوں میں قلب رداء خطبہ کے اختتام پر آیا ہے۔

قلب رداء اور دعا کی کیفیت:

خطبہ سے فارغ ہو کر امام قبلہ رُخ ہو کر لوگوں کو پشت پھیر دے اور قلب رداء کرے، جس کی ترکیب یہ ہے کہ اُوڑھے ہوئے چادر کو اپنے کندھوں پر اس طور سے پلٹ دے کہ دایاں حصہ بائیں طرف چلا جائے اور نیچے کا اوپر، غرض پورا الٹا کیا جائے اور پھر امام کھڑے کھڑے قبلہ رخ اور قوم بیٹھے ہوئے قبلہ رخ دعا مانگیں، دعا میں بہتر ہے کہ ماثورہ دعائیں مانگی جائیں اور اس کے علاوہ جو محل کی مناسبت سے پڑھے تو بھی بہتر ہے، اسی طور سے تین روز تک متواتر جائیں اگر بارش ہو جائے تو بھی بطور شکریہ و مزید نعمت جانا چاہیے۔(شامی ج۱/ص۷۹۲، بحر الرائق ج۲/ص۱۶۱، عالمگیری ج۱/ص۱۵۴)

طریقہ استسقاء مع رسوم قبیحہ

[۱۵۹] سوال: ہمارے یہاں گاؤں میں جب بارش کی ضرورت ہوتی ہے تو گاؤں کے نوجوان ایک جلوس کی شکل میں گاتے ہوئے گلی کوچوں میں نکلتے ہیں، اور عورتیں بھی بعض اوقات ان میں شامل ہوجاتی ہیں، اور جلوس پر پانی کے مٹکے خالی کرتی ہیں، تو یہ ترکیب پانی مانگنے کی درست ہے کہ نہیں؟ اگر درست نہیں تو اس کا صحیح طریقہ کیا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: یہ طریقہ تو سراسر لغو اور بے ہودہ اور بعض امور میں کفار کی رسوم سے مشابہ ہے، اس لیے یہ بدعت سیئہ ہے اور واجب الترک ہے، شریعت مطہرہ میں استسقاء (طلب پانی) کا طریقہ وہ معبود حقیقی کے سامنے توبہ اور استغفار کے ذریعہ سے غایت خشوع سے دعائے بارش مانگنی ہے، جس کا طریقہ یہ ہے کہ حسب ضرورت متواتر تین یوم تک شہر یا گاؤں کے لوگ مقامی بچے، بوڑھے ضعیفوں کو ساتھ لے کر پرانے پیوند لگائے ہوئے کپڑے پہن کر اور آپس میں میل محبت پیدا کر کے دل سے آپس میں بغض و کینہ نکال کر حسب مقدور کچھ صدقہ خیرات کر کے باہر میدان یا مصلی و عیدگاہ میں جا کر دعاء و استغفار اور توبہ میں مشغول ہوں اور تنہا تنہا نوافل پڑھ کر خوب خشوع خضوع سے دعائے بارش مانگی جائے۔ لا صلوٰة بجماعة فى الاستسقاء بل دعاء واستغفار فإن صلوا فرادىٰ جازو يخرجون ثلثة أيام فقط، ويخرجون مشاة لابسين ثيابا خلقة أومرقعة متذللين خاشعين للّٰه ناكسى رؤسهم و يقدمون الصدقة كل يوم و يجددون التوبة ويستغفرون للمسلمين ويتراضون بينهم ويستسقون با لضعفة والشيوخ والصبيان. (مجمع الانهر ج ۱/ص ۷۱)

☆......☆......☆

باب الجمعة والعيدين

یوم الجمعہ نصف النہار میں نوافل پڑھنا

[۱۶۰] سوال: جمعہ کے روز عین اس وقت جب کہ آفتاب سر پر ہو تو نوافل وغیرہ پڑھنا کیسا ہوگا؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ امام ابو یوسف کے نزدیک اس وقت نوافل پڑھنا جائز ہے اور صاحب الدرالمختار نے اس قول کو راجح قرار دیا ہے؛ مگر شامی (ص۴۳۵) نے تردید کرتے ہوئے مختلف وجوہ سے کراہت ثابت کی ہے، مثلاً: اوقات مکروہہ میں مطلقا نہی قولی وارد ہے جو فعلی جواز سے راجح ہے، محلل ومحرم کے اجتماع سے محرم کو ترجیح دینے کا قاعدہ بھی کراہت کی تائید میں ہے، اور خصوصا حنفی کتابوں میں جو ظاہر الروایہ کے قول کو تمام متون میں نقل کیا گیا ہے، ایک مقلد شخص کے لیے ان اوقات میں نوافل کی کراہت پر کافی دلیل ہے۔ والحديث حجة على الشافعي في تخصيص الفرائض بمكة وحجة على ابي يوسف في اباحة النفل يوم الجمعة قبل الزوال. هدايه ج ۱/ ص۶۸۔

بوقت خطبہ نماز ونوافل پڑھنا

[۱۶۱] سوال: جمعہ کے روز خطبہ کے وقت نوافل اور سنن پڑھنا کیسا ہے اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جب کہ امام خطبہ کے لیے منبر پر چڑھتا ہے اس وقت نماز اور کلام اور دیگر مشاغل کو ترک کر کے خطبے کی طرف توجّہ ضروری ہے؛ اس لیے نوافل اور سنن وغیرہ میں اس وقت

مشغول ہونا مکروہ ہے، اور اگر اس سے قبل نماز شروع کی تھی تو اگر جمعہ کی سنتیں ہوں تو اس کو تمام کرنا چاہیے، اور اگر دوسری نوافل ہوں تو اگر شفعہ کامل ہو چکا ہو تو اسی ایک شفعہ کی تکمیل پر سلام پھیرنا چاہیے، اور ایک ہی رکعت پڑھ چکا تھا یا تیسری رکعت کے اختتام پر تھا تو ایک رکعت اختصار قرآت کے ساتھ ملا کر نماز ختم کرنا چاہیے۔ وإذا خرج الإمام اى صعد على المنبر لاجل الخطبة فلا صلوٰة، فمن كان فى صلوٰة فان كانت سنة الجمعة فالصحيح أنه يتم ولا يقطع؛ لانها بمنزلة صلوٰة واحدة كما فى الوالوالجى آھ. مجمع الانهر٨٧، وقريبا منه عبارة الهداية:قال فى النوادر: ان صلى ركعة اضاف اليها ركعة أخرى ويسلم، إن نوى الركعتين عند الافتتاح، وإن نوى الأربع عند الافتتاح فإن قيد الثالث بالسجدة أضاف إليها الرابعة وخفف القرأة، وإن لم يقيد الثالثة بالسجدة منهم من قال: يتمها ويخففها، ومنهم من قال: يعود إلى القعدة آھ. خلاصة الفتاوى نوافل٢٠٦،٢٠٧.

مسجد جامع میں بوقت خطبہ سوال کرنا

[١٦٢] سوال: ایک مسجد جامع میں بوقت خطبہ و نیز قبل خطبہ یتیم خانہ کے چندے کے لیے صفوف میں صندوق پھرایا جاتا ہے یہاں کے بعض علماء اس پر معترض ہیں اور بعض نے ابن عابدین کی عبارت سے جواز کا فتویٰ دیا ہے، شرعاً جو قول صحیح ہو ارشاد فرمایئے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ خطبے کے وقت ہر وہ فعل منع ہے جو نماز میں منع ہے؛ یہاں تک کہ نماز اور امر بالمعروف جیسی ضروری چیزیں بھی منع ہے تو یتیم خانہ کے چندے کے لیے صفوف میں چلنا اور خود واجب سماع خطبہ کو ترک کرنا اور دوسروں کے سماع میں خلل ڈالنا یقیناً سخت مذموم اور حرام فعل

ہے، رہا غیر حالت خطبہ میں مسجد میں سوال کرنا تو اس کے متعلق مشائخ کا کچھ اختلاف آیا ہے، بعض مطلقا سوال کرنا اور سائل کو کچھ دینا ہر دو کو منع کرتے ہیں، اور سائل اور معطی ہر دو کو مستوجب گناہ لکھتے ہیں، اور بعض نے چند شرائط کیساتھ اجازت دی ہے کے سائل تخطی رقاب نہ کرتا ہو، مصلی کے سامنے نہ گذرتا ہو یا کسی کو ایذاء نہ دیتا ہو اور سوال ایسے امر کا ہو جو بغیر اس کے مخلص نہ ہو مگر عام مشائخ نے احتیاطا اول قول کو ترجیح دی ہے اور سائل کو مطلقا منع کرتے ہیں اور معطی کو اس وقت منع کرتے ہیں جب کہ سائل قول ثانی کی شرائط کے خلاف سوال کرتا ہو۔ (واللہ اعلم) اور بعض معطی کو ہی مطلقا منع کرتے ہیں۔

ولا يحل للرجل أن يعطى السائل فى المسجد هكذا ذكر فى الفتاوٰى، قال الصدر الشهيد: المختار ان السا ئل اذا كا ن لا يمر بين يدى المصلى ولا يتخطى رقاب الناس ولا يسأل الناس الحافا ويسأل لا مر لا بد له منه لا بأ س بالسوال و الإعطاء. آه. خلا صة الفتاوى قبل صلوٰة العيدين.

فالحاصل: ان المساجد بنيت لاعمال الآخرة مما ليس فيه تو هم اهانتها وتلو يثها مما يبقى التنظيف منه ولم تبن لاعمال الدنيا ولو لم يكن فيه توهم تلو يث واها نة على ما اشار اليه قو له عليه السلا م فانه لم تبن لهذا. (الحديث) فما كان فيه نو ع عبا دة وليس فيه اها نة ولا تلو يث لا يكره وإلا يكره. (ثم قال) وعلم مما تقدم حرمة السوال فى المسجد؛ لانه كنشدان الضالة والبيع ونحوه، وكراهة الاعطاء لانه يحمل على السوال، وقيل لااذلم يتخط الناس ولم يمر بين يد ى مصل، والاول احوط. اه. كبيرى فى احكا م المسجد فى آخر كتابه.

المختار ان السائل اذا كا ن لايمر بين يدى المصلى ولا يتخطى رقاب الـنـاس ولا يسـال الـنـاس الـحـافـا ويسـال لأمـر لا بـد منه لا باس بالسوال والاعـطـاء. ولـو صـلـى فى الجامع وا لمسا كين يمر ون بين يد يه فالإثم على الـمـار لا على المصلى. ولا يحل الاعطا ء لسوال المسجد اذالم يكونواعلى تلك الـصفة المذكورة.قال الإمام أبونصر العياضى: أرجوا أن يغفر الله تعالىٰ لمن يـخـرجهم من المسجد. وقال بعض العلماء: يتصدق اربعين فلسا كفارة لفلس اعـطـا هـم فيه. وعن الإمام خلف بن ايوب: لو كنت قاضيا لم أقبل شهادة من تـصـدق عـلى هؤلاء فى الجامع.وقال ابن المبارك يعجبنى أن لا يعطى لهؤلاء لأنهـم عـظـمـوا مـا حـقره الله تعالىٰ وهو الدنيا. ولا يتخطى الرقاب للدنو من الإمـام إن كـان يـؤذى بـأن يطأ ثوبا أو جسداً وإن كان لا يؤذى تخطى ودنا مـن الإمـام. وقـال الفقيه أبوجعفر إذا كان فى حال الخطبة لا يتخطى وإن لم يـؤذ. فتـاوى بـزازيـه قبيل صلوٰة العيد وكذا فى الدر المختار والشامى قبيل صلوٰة الـعـيـديـن ويـحـرم فيــه السـوال ويـكـره الا عطـاء مطلقـا، وقيل ان تـخـطـى.(الـدر الـمـخـتـار) وقيل ان تخطى هو الذى اقتصر عليه الشارح فى الـحـظـرحيـث قـال:فـرع: يـكره اعطاء سائل المسجد إلا إذا لم يتخط رقا ب الناس فى المختار؛ لأن عليا رضی اللہ عنہ تـصدق بخاتمه فى الصلوٰة فمدحه الله تعالى بـقـو لـه ﴿ويـؤتون الزكوٰ ة وهـم راكـعـون﴾ شـامـى قبـل الو تر والنوافل (ج ١ /ص ٦٩٠)

اقـول: وانـمـا بـذلـت جهـدى فى استخراج عبارات فقهية؛ لأن بعض

الناس افتوا بجواز السوال فی المسجد لاسیما فی حالة الخطبة، فجمعت الاقوال الفقهية حتی لا يحتاج المفتی الی مطا لعة الكتب الجديدة؛ بل يجد مطلو به فی ذيل هذه المسئلة ما يتعلق بالسوال وفی المسجد وفی الخطبة. واللّٰه أعلم.

عدم جواز جمعہ در قریٰ

[۱۶۳] قصبۂ دنوج علاقۂ گجرات میں مسلم اور غیر مسلم کی مجموعی مردم شماری سات سو اور صرف مسلم مکلّف نمازی ایک سو اٹھاسی (۱۸۸) ہیں اس قصبہ میں ہر قسم کے پیشہ والے موجود ہیں اور ضروریات زندگی اس میں مل سکتے ہیں (اس کے بعد مستفتی نے اناج اور مصالحات اور پیشہ والوں کی ایک طویل فہرست پیش کی ہے) تو کیا ایسا مقام مصر یا قریۂ کبیرہ یا صغیرہ میں داخل ہے؟ (مسجد کا نقشہ چھوٹا سا بتا کر لکھتے ہیں کہ) مسجد نمازیوں سے بھر جاتی ہے تو کیا ایسی جگہ جمعہ اور عیدین جائز ہے یا نہیں؟

اس کے بعد احمد آباد میں ایک نو وارد ملا میاں جان مفتی محکمۂ شرعیہ قطعن افغانستان کا جواب ہے جو فضائل جمعہ بیان کر کے اور شارح وقایہ کے قول کو دلیل پیش کر کے "وما لا يسع أكبر مساجده أهله مصر" مذکورہ قریہ میں جمعہ کو فرض قرار دیا ہے اور اس حکم کے لیے کثرت سے مناسب وغیر مناسب مختلف کتابوں سے حوالہ جات نقل کئے گئے ہے، اور آخر میں تین حضرات کی تصحیح موجود ہے جن میں سے ایک تصحیح کے نیچے لکھتے ہے:

واختلاف العلماء فی جواز الجمعة فی مثل هذا الموضع. اور دوسرے حضرات مطلقا ارشاد کرتے ہیں کہ جمعہ جائز ہے، اس خلاصہ کے ساتھ چار مکمل صفحے بڑے سائز پر

تصحیح کے لیے، استفتاء مع جواب آیا۔

الجواب: نحمده ونصلى على رسوله الكريم اما بعد فاقول و بالله التوفيق.

مسئولہ صورت میں مفتی صاحب نے احتیاط کے پہلو کو ترک کر کے صرف فضیلت اور ثواب جمعہ کے دلائل کو دیکھتے ہوئے جواز جمعہ کا حکم لگا چکے ہیں، اور مصححین نے تو سوال وجواب سے کوئی واسطہ ہی نہیں رکھا ہے؛ بلکہ مطلقا قریٰ میں اختلاف لکھتے ہیں یا جمعہ فی نفسہ کو جائز قرار دیتے ہیں، جن کو جواب استفتاء سے کچھ تعلق نہیں ہے، حالانکہ مفتی صاحب اگر قواعد فقہاء پر غور فرماتے تو ان کو معلوم ہوتا کہ جو حکم متعدد شرائط سے مشروط ہو تو یہ اس کے خطر اور قابل احتیاط ہونے کی نشانی ہے، اس واسطے فقہاء نے جو مصر کی تعریف میں اختلاف کیا ہے وہ اور بھی احتیاط کا موجب ہے، اس کے علاوہ جہاں جمعہ کے شرائط موجود ہوں مگر پھر بھی بجائے جمعہ کے چار رکعت ظہر پڑھی جائے یہ اس قدر قبیح نہیں جتنا کہ شرائط جمعہ نفس الامر میں موجود نہ ہو مگر پھر بھی بجائے چار رکعت ظہر کے دو رکعات پر اکتفاء کیا جائے، اس لیے مسئولہ صورت میں اگر اس قریہ پر بعض وجوہ سے قریہ کبیرہ کی تعریف صادق بھی ہو مگر بعض دیگر وجوہ سے وہ یقیناً قریہ کبیرہ نہیں ہو سکتا ہے، علاوہ ازیں ایسے قریہ میں جواز جمعہ کا قول بہر حال خلاف ظاہر الروایت ہے یعنی: "كل موضع لهُ امير وقاض يقدر على اقامة الحدود" (الدر المختار) لہٰذا ایسے مقام کے بسنے والے اگر جمعہ واعیاد کے قیام کے خواہش مند ہوں جہاں جمعہ کا قیام اور مصر یا قریۂ کبیرہ کا ثبوت فقہاء کے اختلاف کی وجہ سے مختلف فیہ ہو تو وہاں کے قاضی یا حاکم سے وہ صراحۃً قیام جمعہ واعیاد کی اجازت حاصل کریں تو پھر بلا خلاف جمعہ درست ہو جائے گا۔ قال ابو القاسم: هذا بلا خلاف إذ أذن الوالى أو القاضى ببناء المسجد الجامع لأن هذا مجتهد فيه فاذا اتصل به حكم صار مجمعا عليه. شامى ج ١ / ص ٨٣٦.

قریۂ کبیرہ میں جمعہ وعیدین کا حکم

[۱۶۴] سوال: یہاں گائیکواڑی ریاست میں ایک ہاریج نامی گاؤں ہے جس میں کچہری، پولیس موجود ہے، کل بستی تین ہزار نفوس کی ہے، بازار اور ضروریات زندگی تمام پائی جاتی ہیں، بیوپار عمدہ ہے، مسلمان بیوپاری اور دوسرے جو ہمیشہ کے رہنے والے ہیں تیس کی تعداد میں ہیں، اور دوسرے پندرہ کی تعداد میں ملازمت والے ہیں جو بدل کر آتے ہیں، ایسے گاؤں میں جمعہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: جمعہ کے منجملہ دیگر شرائط کے مصر بھی ہے، اور مصر کی تعریف میں فقہاء کے اقوال مختلف ہیں، موجودہ قریہ میں کچہری اور حاکم کا ہونا، بازار اور ضروریات زندگی کا پایا جانا ایسے امور ہیں جن کو دیکھتے ہوئے جمعہ کی صحت کا قول کیا جا سکتا ہے؛ مگر قیام جمعہ کو متعدد شرائط سے مقید کرنا اس کا مقتضی ہے کہ قیام جمعہ میں احتیاط کی جائے، بنابریں اگر وہاں کے بالغ مردوں کی جمعیت اس قدر ہوں کہ وہاں کی بڑی مسجد میں نہ سما سکیں تو پھر قیام جمعہ میں شک ہی نہیں رہے گا، اور اگر مسلمانوں کی جمعیت اس قدر نہیں ہے اور قبل ازیں وہاں نہ قیام جمعہ ہوتا تھا اور نہ حکومت کی طرف سے ایسا صریح حکم موجود ہو اور وہاں کے مسلمان جمعہ اور عیدین کے قیام چاہتے ہوں تو اس کے لیے مقامی حکومت سے صریح حکم اور فیصلہ حاصل کریں اس کے بعد وہاں قیام جمعہ وعیدین بلاشک جائز ہوگا۔ ويشترط لصحتها المصر وهو مالا يسع أكبر مسجده أهله المكلفين بها وعليه الفتوىٰ لاكثر الفقهاء. (مجتبى) لظهور التوانى فى الاحكام، وظاهر المذهب أنه كل موضع له أمير وقاض يقدر على إقامة الحدود. قال فى القهستانى: وتقع فرضا فى القصبات والقرى الكبيرة اللتى

فيها أسواق، قال ابوالقاسم: هذا بلا خلاف إذا اذن الوالى أو القاضى ببناء المسجد الجامع و أداء الجمعة لأن هذا مجتهد فيه فإذا اتصل به الحكم صار مجمعا عليه. الدرالمختار مع الشامی ج ۱ /ص۸۳۶.

اعتراض بریک خطبہ

[۱۶۵] سوال: بارہ ماہ کا وہ خطبہ جو مولوی عبدالرزاق نے بنایا ہے اور مطبع کریمی بمبئی سے چھپا ہے وہ جمعہ میں پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ خطبہ ہمارے پاس موجود نہیں ہے، دیکھنے پر رائے قائم کریں گے انشاء اللہ۔

امام کے ساتھ تشہد میں شامل ہونے والا جمعہ پورا کرے کہ ظہر

[۱۶۶] سوال: ایک شخص بیان کرتا ہے کہ مشکوۃ شریف میں ایک حدیث ہے جس میں یہ تصریح موجود ہے کہ جو شخص جمعہ کی نماز میں امام کے ساتھ تشہد میں شامل ہو جائے تو ظہر پورا کرے، تو کیا مشکوۃ میں اس قسم کی حدیث ہے اور کیا ظہر بنیت جمعہ ہو سکتی ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ہاں، مشکوۃ ۱۲۴ میں بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ دار قطنی سے ایک حدیث مروی ہے۔ "من أدرك من الجمعة ركعة فليصل إليها اخرى ومن فاتته الركعتان فليصل أربعا أو قال الظهر" رواه الدار قطنى ١٢٤. یہ حدیث امام محمد اور ائمہ ثلاثہ کے نزدیک معمول ہے اور ان کے نزدیک اس صورت میں ظہر بنیت جمعہ ادا بھی ہو جاتی ہے جس کی دلیل ہدایہ ج ۱/ص ۱۵۰ میں یوں مذکور ہے: لأنه جمعة من وجه وظهر من وجه آھ مگر ہمارے فقہائے احناف کے نزدیک مسئولہ صورت میں جمعہ ہی بنا کرنا چاہیے نہ کہ ظہر، یہی شیخین کا

قول ہے جس کی دلیل وہ حدیث ہے جس کو اصحاب سنن ستہ نے روایت کی ہے۔ "فمـا درکتم فصلو وما فاتکم فاقضوا" (الحديث) هدايه ج ۱ / ص ۱۵۰ باب الجمعة.

شافعی امام کے ساتھ تکبیرات عیدین میں موافقت کرنا

[۱۶۷] سوال: عید کی نماز میں شافعی امام بارہ تکبیریں کہتا ہے تو حنفی مقتدی اس کی مطابقت کرے یا کیا کرے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چوں کہ تکبیرات عیدین میں ائمہ کا اختلاف ایک اجتہادی اختلاف ہے اور مسائل اجتہادیہ میں امام کی متابعت واجب ہے، اس لیے مسئولہ صورت میں بارہ تکبیریں بایں طور کہ پانچ پانچ زوائد اور ایک تکبیر تحریمہ اور ایک تکبیر رکوع آخر ملا کر اگر امام شافعی المذھب نے کل بارہ تکبیریں پڑھیں تو حنفی مقتدی کو امام کی متابعت واجب ہے، اور اگر فی رکعت پانچ سے زائد بھی پڑھتا ہو تو چوں کہ کسی معتبر روایت میں فی رکعت پانچ سے زائد تکبیریں ثابت نہیں؛ لہٰذا ایسے زوائد میں حنفی مقتدی ساکت کھڑا رہے اور قرأت تکبیرات میں متابعت نہ کرے۔ ومثـال مـايـجـب فيـه الاقتداء المتابعة مما يسوغ فيه الاجتهاد ما ذكره القهستاني في شـرح الـكيـدانية عـن الـجلابـي بقوله كتكبيرات العيد وسجدتي السهوقبل السلام والقنوت بعد الركوع في الوتر. آه. والمراد بتكبيرات العيد مازاد على الثلاث في كل ركعة مما لم يخرج عن أقوال الصحابة كما لو اقتدى بمن يراها خمسا مثلاً كشافعي. آه. شامي ج ۱ / ص ۴۹۲ واجبات الصلوٰة. وكذا ج ۱ / ص ۶۹۹ في الاقتداء بشافعي.

قبل خطبۂ جمعہ وعظ کرنا

[۱۶۸] سوال: ہمارے یہاں خطیب صاحب قبل خطبۂ جمعہ کے روز وعظ فرماتے ہیں جو نمازیوں کو بہت مفید واقع ہوا ہے مگر بعض لوگ اس پر اپنی نادانی کی وجہ سے معترض ہیں، تو کیا شرعاً خطبہ سے قبل جمعہ کے روز وعظ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: جب تک امام خطبہ کے لیے منبر پر نہ آیا ہو اس سے قبل وعظ کرنا ہرگز منع نہیں ہے، خصوصاً جب کہ نماز کا وقت نہ ہو اور نمازیوں کی نماز میں خلل انداز نہ ہو؛ بلکہ موجودہ زمانہ میں مسلمانوں کو ایسے اجتماعات میں احکام شرعیہ سے واقف کرانا ضروری ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کراہت نوافل در عیدگاہ

[۱۶۹] سوال: عیدگاہ میں نماز عید سے قبل تحیۃ الوضوء یا دیگر نوافل مکروہ است یا نے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: مکروہ است۔ وعامة المشائخ على كراهية التنفل قبلها مطلقاً وبعدها فى المصلى. مجمع الأنهر ج ١ / ص ٨٨.

خطیب کے لیے خطبہ کی حالت میں کلام جائز نہ ہونا

[۱۷۰] سوال: ایک خطیب خطبہ کی حالت میں لوگوں کو کتا، کوا وغیرہ برے الفاظ سے خطاب کرتا ہے، تو کیا خطبہ کی حالت میں بات چیت کرنا یا مندرجہ الفاظ استعمال کرنا درست ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: درست نہیں؛ کیوں کہ فقہاء کہتے ہیں کہ جو امور کہ نماز میں درست نہیں وہ سامع اور خطیب کے لیے خطبہ کی حالت میں درست نہیں اور مندرجہ الفاظ تو خارج نماز وخطبہ بھی

درست نہیں تو خطبہ کی حالت میں بطریق اولیٰ درست نہیں، خطبہ کا فرض حمد، ثنا، تذکیر، تلاوت، اور امر بالمعروف ہے اوران میں سے ایک بھی نہیں۔ وإذا خرج الإمام فلا صلوٰة ولاكلام، واطلق في منع الكلام فشمل الخطيب، قال في البدائع: ويكره للخطيب أن يتكلم في حال الخطبة إلا إذا كان أمراً بمعروف فلا يكره. البحر الرائق ج۲/ص۱۵۵،۱۴۸. والشامي ج۱/ص۷۶۷.

خارج مصر شخص کا قیام جمعہ میں تاخیر کا مطالبہ کرنا

[۱۷۱] سوال: ایک شخص شہر سے چھ سات میل دور رہتا ہے اور جمعہ کا وقت یہاں تمام مساجد میں ڈیڑھ بجے مقرر ہے، تو وہ کہتا ہے کہ وقت پونے دو بجے کیا جائے کہ میں شریک ہوسکوں تو کیا اس کی بات قابل عمل ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: نہیں؛ کیوں کہ جمعہ کی نماز اول وقت میں بہتر ہے، اور یہ شخص ان لوگوں میں بھی داخل نہیں جس پر جمعہ فرض ہو؛ کیوں کہ وہ مصر اور فناء مصر سے خارج ہے، اس لیے اس کی وجہ سے ایک منظّم جماعت کے وقت میں تبدیل نہیں کی جاسکتی ہے۔ و قال الجمهور: ليس بمشروع؛ لأنها تقام بجمع عظيم فتأخيرها مفض إلى الحرج، ولا كذلك الظهر وموافقة الخلف لا صله من كل وجه ليس بشرط. آھ. شامي ج۱/ص۳۴۱.

عورتوں پر جمعہ اور عیدین

[۱۷۲] سوال: عورتیں جمعہ یا عیدین کی نماز گھر میں پڑھ سکتی ہیں کہ نہیں؟ اور اگر پڑھ سکتی ہیں تو مسجد میں امام کے پیچھے پڑھ سکتی ہیں کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: عورتوں پر نہ نماز جمعہ فرض ہے اور نہ عیدین واجب ہے، اور چوں کہ گھر

میں تنہا مرد بھی نہیں پڑھ سکتا ہے؛ کیوں کہ جمعہ اور عیدین کے لیے جماعت، خطبہ وغیرہ بہت سی شرطیں ہیں جو گھر میں پڑھنے سے حاصل نہیں ہوتی ہیں، اس لیے عورتیں گھر میں تو یقیناً نہیں پڑھ سکتی ہیں، اور مسجد میں اگر پردے کا انتظام ہو جس سے فتنہ کا اندیشہ نہ ہو تو ایسی حالت میں اگر وہ امام کے پیچھے اقتدا کرلیں تو نماز تو ہو جائے گی؛ مگر چوں کہ متأخرین علماء نے زمانہ کے فتنہ کو دیکھ کر عورتوں کی شرکت کو منع کیا ہے اس لیے عورتوں کو بہر حال گھر ہی میں اپنی پنج وقتہ نمازوں کو ادا کرنا بہتر ہے اور مردوں کی جماعتوں سے علیحدہ رہنا لازم ہے؛ کیوں کہ دفع مضرت جلب منفعت سے بہت حال بہتر ہے۔ وهذا في زمانهم، وأما في زماننا فيمنعن عن حضور الجماعات وعليه الفتوىٰ. مجمع الأنهر ج ١ /ص ٥٥.

[١٧٣] منبر کے زینے تین سے زائد رکھنا

سوال: منبر کے درجے کتنے رکھنے چاہیے؟ کیا چار درجے بھی رکھ سکتے ہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: آنحضرت ﷺ کے منبر کے تین درجے تھے، اس لیے بلاضرورت تو تین سے زائد خلاف اولیٰ ہوگا، اور اگر مقامی خصوصیت اس بات کا مقتضی ہو کہ تین درجے سامعین تک آواز پہنچانے میں کافی نہیں تو تین سے زائد بحسب ضرورت رکھنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ وفيه تصريح بان منبر رسول الله ﷺ كان ثلاث درجات. نووی علی مسلم ج ١ /ص ٢٠٦۔

غیر عربی زبان میں خطبہ دینا

[١٧٤] سوال: چوں کہ ہمارے یہاں عربی زبان کوئی بھی نہیں جانتا ہے، اور مقصود خطبہ سے وعظ ہے تو اگر بجائے عربی کے مقامی زبان میں خطبۂ جمعہ پڑھے تو بہتر ہوگا؟

الجواب: وباللہ التوفیق: خطبہ سے جہاں وعظ وپند مقصود ہے وہاں یہ فی نفسہ جواز جمعہ کی ایک شرط بھی ہے، اور خطبہ کے معنی کو اگر سامعین نہ سمجھیں تو جمعہ کی شرط ہونے کی وجہ سے پھر بھی ایک ضروری العمل چیز ہے، اب اگر سامعین ایک بہتر اور مستحب زبان سے اپنی کمزوریوں کی وجہ سے ناواقف رہیں تو ان کے لیے خطبہ کی مسنون لغت ترک نہیں کی جاسکتی ہے، آپ ﷺ کے عہد مبارک میں اور بعد میں صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم کے عہد میں جب کہ اسلام عرب سے باہر شام عراق وغیرہ مقامات میں پہنچا تھا اور جہاں مقامی زبان سے واقف امام اور خطیب بھی موجود تھے: مگر یہ ثبوت ملنا دشوار ہے کہ کسی نے غیر عربی زبان سے خطبہ پڑھا ہو، اور آخر نماز میں جو قرأت اور دعائیں پڑھی جاتی ہیں وہ کیا کم نصیحت خیز ہیں مگر بہت کم لوگ اس کو سمجھتے ہوں گے تو کیا ان کے لیے یہی ترکیب اختیار کرنی پڑے گی کہ مقامی زبان سے ترجمہ کر کے نماز پڑھیں حالانکہ یہ غلط ہوگا۔

بنابریں چوں کہ خطبہ عہد رسالت سے لے کر آج تک مسلمانوں میں چونکہ عربی لغت میں ہی معمول چلا آرہا ہے، اس لیے خطبۂ جمعہ وعیدین عربی لغت میں ہی مسنون ہے، اور غیر عربی میں اگرچہ بمقتضائے مذہب ابوحنیفہؒ جائز ہوگا مگر کراہت سے خالی نہیں۔ کذا فی مجموع الفتاویٰ والدلائل فیها موجودة مفصلاً.

زوال کے بعد عید کی نماز پڑھنا

[۱۷۵] سوال: عیدالاضحیٰ کے روز عیدگاہ میں لوگ جمع ہو گئے تو کسی عالم نے کہا اب زوال ہو چکا ہے نماز عید درست نہیں، پٹیل نے کہا کہ میں فتویٰ دیتا ہوں کہ سب اوقات خدا کے ہیں اور امام کو حکم دیا، نماز عید پڑھی گئی تو مذکور مسئلہ میں شرعی حکم کیا تھا اور پٹیل کا حکم کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: زوال کے بعد عید کا وقت باقی نہیں رہتا ہے، اس لیے زوال کے بعد عید

کی نماز نہیں ہوتی اور پڑھی گئی تو کل قبل نصف النہار اعادہ کرنا ہوگا، مذکورہ واقعہ میں یہی حکم تھا کہ لوگوں سے کہتے کہ کل فلاں ٹائم پر نصف النہار سے قبل عید کی نماز کے لیے آنا، مذکور پٹیل گمراہ ہے جس کو توبہ واستغفار کرنا لازم ہے، حضرت کا ارشاد ہے کہ قرب قیامت میں علم کی کمی سے جاہل غلط فتوے دیں گے تو خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی ساتھ گمراہ کریں گے۔

ووقتها من طلوع الشمس قدر رمح أو رمحين الىٰ زوالها اى إلى ما قبل زوال الشمس، والغاية غير داخلة فى المغيا بقرينة ما مر: إن الصلوٰة الواجبة لم تجز عند قيامها، روى ان قوماً شهدوا برؤية الهلال بعد الزوال فأمر عليه السلام بالخروج الى المصلى من الغد ولو جاز الاداء بعد الز وال لما اخّره. مجمع الأنهر ج ١ /ص ٨٨، شامى ج ١ /ص ٧٨٣، عالمگيرى ج ١ /ص ١٥١، هدايه ج ١ /ص ١٥٥.

باب الجماعة

عورت یا دیگر محارم کے ساتھ گھر میں نماز باجماعت پڑھنا درست ہے

[۱۷٦] سوال: گھر میں کوئی شخص اپنی عورت کے ساتھ فرض نماز کی جماعت ادا کرے تو اس میں کسی قسم کا حرج ہے یا نہیں؟ نیز عورت کے ساتھ اپنی ماں اور بہن کو بھی گھر میں نماز فرض کی جماعت میں شریک کرے تو جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ گھر میں عورت، بہن و دیگر محرمات عورتوں کے ساتھ باجماعت فرض ادا کرنا بعض فقہاء نے مکروہ لکھا ہے، اور بعض کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے، ہر دو قولوں کے اجتماع سے یہ امر اخذ ہوسکتا ہے کہ احیاناً اگر کسی اتفاقیہ اور ضرورت سے پڑھی گئی تو بلا کراہت جائز ہے، اور اگر مسجد کی جماعت ترک کر کے گھر کی جماعت مذکور پر مداوت کرے یا اس قسم کے غیر مناسب امور عارض ہوں تو مکروہ ہوگا۔ إمامة الرجل للمرأة جائزة إذا نوى الإمام ولم يكن فی الخلوة، اما إذا كان الإمام فی الخلوة فإن كان الامام لهن أو لبعضهن محرما فإنه جائز ويكره، كذا فی النهاية ناقلاً عن شرح الطحاوی. (عالمگیری ج ۱/ص ۸۵) كما تكره إمامة الرجل لهن فی بيت ليس معهن رجل غيره ولا محرم منه كأخته وزوجته وأمته، اما إذا كان معهن واحد ممن ذكر أو أمهن فی المسجد لا يكره. البحر الرائق ج ۱/ص ۳۵۲، الدر المختار مع الشامی ج ۱/ص ۵۹۲۔

اپنی مسجد چھوڑ کر دوسری مسجد میں جماعت کے لیے جانا

[۱۷۷] سوال: اگر محلّہ کی مسجد میں نماز نہ ہوتی ہے تو دوسری مسجد میں جا کر نماز جماعت سے پڑھے یا نہ پڑھے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر محلّہ کی مسجد میں جماعت نہ ملے تو دوسری مسجد میں بغرض حصول جماعت جانا جائز؛ بلکہ موجب اجر ہے، اور اگر محلے کی مسجد میں جماعت بھی ہوتی ہو تو اس صورت میں علامہ شامی نے مشائخ کا اختلاف بتایا ہے، بعض مشائخ نے اپنی قریبی مسجد کے حق کو مقدم رکھا ہے اور اسی مسجد میں اگر مصلی نہ ملے تو تنہا اذان وا قامت سے نماز پڑھے، اور بعض مشائخ نے فضیلت جماعت کو ترجیح دیتے ہوئے دوسری مسجد میں جانا افضل کہا ہے، چوں کہ ایک خوبی قریبی مسجد کی حقوق کے بجا آوری میں ہے، اور دوسری خوبی حصول فضیلت جماعت میں ہے، اس لیے ہر دو فعل حسن ہے اور ان میں افضلیت کی ترجیح رائے مبتلا بہ پر چھوڑی جائے گی۔ ولو فاتته ندب طلبها فی مسجد آخر. آه. (الدرالمختار) وقال العلامة الشامی: فلا یجب علیه الطلب فی المساجد بلا خلاف بین أصحابنا؛ بل ان اتی مسجدا للجماعة آخرفحسن وان صلی فی مسجد الحی منفردا فحسن. (الی ان قال) قد یقال محله فیما اذا کان فی جماعة، ألا تری ان مسجد الحی اذا لم تقم فیه الجماعة وتقام فی غیره لایرتاب احد ان مسجد الجماعة افضل علی انهم اختلفو فی الافضل هل جماعة مسجد الحی او جماعة المسجد الجامع کما فی البحر، قلت: لکن فی الخانیة وان لم یکن لمسجد منزله مؤذن فانه یذهب الیه ویؤذن فیه و یصلی و ان کان واحدا لان لمسجد منزله حقا علیه فیؤدی حقه

مؤذن مسجد لایحضر مسجده احد قالوا هو یؤذن ویقیم ویصلی وحده وذلك احب من ان یصلی فی مسجد آخر۔واللّٰه اعلم شامی باب الإمامة.

امام سے قوم کا ناراض ہونا

[۱۷۸] سوال: جس امام سے مقتدی ناراض ہوایسےامام کے پیچھے نماز کیسی ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر امام میں ایسے امور ہوں جو شرع کے خلاف ہوں جس کی وجہ سے مقتدی ناراض ہو تو ایسے امام کو امامت کرنا مکروہ ہے، اور اگر امام شرع کے پابند ہوتے ہوئے بھی لوگ اس سے ناراض ہوں تو نماز بلا کراہت جائز ہے اور گناہ مقتدیوں کو ہوگا۔ ویکره للامام ان یؤم قوما وهم له کارهون بخصلة أو بسبب خصلة توجب الکراهة أولان فیهم من هو اولیٰ منهم بالامامة. (الیٰ ان قال) واما ان کانت کراهتهم لغیر سبب یقتضیها فلا تکره امامته؛ لان کراهتهم بغیر سبب؛ بل مجرد اتباع الهواء وهو فسق الیهم لا الیه۔آه.کبیری ۳۵۰ رجل ام قوما وهم له کارهون.

حنفی امام کو شافعی امام کے مختلف فیہ مقام پر اتباع کرنا

[۱۷۹] سوال: اگر حنفی مقتدی شافعی امام کے پیچھے اقتداء کرے تو جہاں حنفی کے نزدیک سجدہ نہیں اس جگہ متابعت کرے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چوں کہ سورۂ حج کے ثانی سجدہ میں ایک اجتہادی اختلاف ہے جو امام شافعی اور امام احمد بن حنبل مانتے ہیں اور امام صاحب نہیں مانتے ہیں، اور فقہ حنفی کا یہ جزئیہ ہے کہ جو فعل یقینی منسوخ نہ ہو اور محض اجتہادی اختلاف کی وجہ سے مختلف فیہ ہو تو ایسے افعال میں امام کی متابعت کرنا چاہیے؛ لہٰذا حنفی مقتدی کو شافعی امام کی اتباع کرنا چاہیے۔ ومتابعة الإمام یعنی

فی المجتهد فيه دون المقطوع بنسخه أو بعدم سنيته كقنوت فجر. آه. الدر المختار مع الشامی ج ۱/ص ۴۹۲. والله أعلم۔

قنوت فجر میں حنفی کو شافعی کا اتباع کرنا

[۱۸۰] سوال: اگر شافعی امام نے فجر کی نماز میں قنوت پڑھی تو حنفی مقتدی کو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ حنفی مقتدی کو ہاتھوں کو چھوڑ کر ساکت کھڑا رہنا چاہیے، جب امام قنوت سے فارغ ہو جائے تو باقی ارکان نماز میں اتباع کرے۔ ويأتي المأموم بقنوت الوتر ولو بشافعي يقنت بعد الركوع؛ لأنه مجتهد فيه، لا لفجر: لأنه منسوخ بل يقف ساكتا على الأظهر مرسلاً يديه. آه. الدرمختار مع الشامی ج ۱/ص ۷۰۰.

پتلون قمیص کے ساتھ امامت کرنا

[۱۸۱] سوال: کوئی شخص پتلون اور قمیص پہن کر امامت کر سکتا ہے یا نہیں؟ اگر پتلون قمیص کے ساتھ امامت کی تو نماز میں کچھ خلل آئے گا؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نماز کے لیے ستر عورت کے لیے پاک صاف کپڑے کی ضرورت ہے، پتلون، قمیص میں اگر یہ ضرورت پوری ہوتی ہو تو اس کے ساتھ امامت کرنے میں کوئی حرج نہیں؛ البتہ بعض ثیاب فسّاق کے شعار اور نشانی ہو جاتے ہیں تو پتلون اور قمیص اگر اس درجہ فسّاق کی نشانی اور شعار ہو گئی ہو کہ اس کے استعمال سے پہننے والے پر فسق کا شبہ کیا جا سکتا ہو تو اس عارضی شبہ کی وجہ سے ہر مسلمان خصوصاً امام کو ان کپڑوں سے احتراز لازم ہوگا اور ان میں نماز پڑھانا کراہت سے خالی نہ ہوگا۔ واللہ اعلم۔

کراہت امامت فاسق

[۱۸۲] سوال: ایک شخص سینما، ناٹک دیکھتا ہے، گانے والوں کو بلاتا ہے اس میں چندہ بھی دیتا ہے، ڈاڑھی منڈاتا ہے، نماز کا بھی پابند نہیں مگر اس کی مالی حالت اچھی ہے اس لیے اس کی لالچ کے لیے کوئی بولتا نہیں اور اس کے پیچھے تراویح پڑھتے ہیں تو ایسے حافظ کے پیچھے تراویح پڑھنی کیسی ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مندرجہ امور موجب فسق ہیں اور فاسق کی امامت مکروہ ہے، اگر دوسرا متقی متشرع حافظ نہ ملے تو کسی متشرع کے پیچھے چھوٹی سورتوں کے ساتھ تراویح پڑھنا اس حافظ کے ختم سے بہتر ہے، تاہم اگر اس کے پیچھے تراویح پڑھی گئی تو مع الکراہت جائز اور جماعت کا ثواب ملے گا۔ صلوا خلف كل بر وفاجر (الحديث) مجمع الأنهر ٥٥ وفي النهر عن المحيط: صلى خلف فاسق أو مبتدع نال فضل الجماعة. آه۔ الدرالمختار مع الشامي ج ١ / ص٥٨٧، عثمانيه ٥٢٥۔

تیس سال تک ایک فاسق کا امامت کرنا

[۱۸۳] سوال: ایک آدمی تیس سال سے ایک مسجد کا پیش امام ہے، جو فاجر، فاسق، رشوت خور ہے مگر لوگ اس کو شریعت کا پابند سمجھ کر اس کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔ اب نمازیوں کے آپس میں جھگڑے کی وجہ سے بعض کہتے ہیں کہ اس امام کے پیچھے نماز درست نہیں ہے۔ کیوں کہ یہ قرأت غلط پڑھتا ہے اور فاسق فاجر ہے، اور رشوت لیتا ہے اور صبح کی نماز نہیں پڑھتا ہے۔ تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے اور مذکورہ امام کے پیچھے نماز پڑھنی کیسی ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جو نمازیں پڑھی گئی ہیں وہ ہو چکی ہیں۔ اب اگر اس امام میں مندرجہ عیوب واقعی موجود ہوں تو چونکہ یہ سب امور موجب فسق ہیں اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے اس

لئے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے۔ اور قرأت کی غلطی اگر اس حد تک پہنچی ہو کہ اس کی وجہ سے معنیٰ میں غلطی پیدا ہوتی ہو تو نماز ہی درست نہیں۔ بہرحال موجودہ امور کی وجہ سے اور نیز قوم کا اس سے شرعی اور جائز ناراضگی کی وجہ سے اس کے پیچھے نماز اگرچہ ہوتی ہے مگر کراہت کے ساتھ ہوتی ہے، اس لئے مسلمانوں کو نماز جیسے اہم دینی معاملہ میں کسی کا لحاظ نہیں کرنا چاہئے اور اس کی جگہ کسی عالم متقی امام کو مقرر کرنا چاہئے۔ و یکرہ امامۃ عبد او اعرابی او فاسق آھ الدر المختار و الشامی ج ۱ /ص ۵۸٤ و یکرہ للامام ان یؤم قوما و هم له کارهون بخصلة توجب الکراهیة (کبیری ص ۳۵۰) صلوا خلف کل بر و فاجر (مجمع الانهر ج ۱ /ص ۵۵)

فاسقوں کے گھر دعوت کھا کر امامت کرنا

[۱۸۴] **سوال:** بنگال کے ایک مقام میں لوگ ہر قسم کے فسق و فجور میں پڑے ہیں اور پونے سولہ آنے آدمی سود کے لین دین رکھتے ہیں، ایک مولوی صاحب پند و نصیحت سے ان کو راہ راست پر لائے ہیں اور آئندہ کے لیے شریعت کی اطاعت اور پابند رہنے کا اقرار کر چکے ہیں، ایسے لوگوں کے گھر میں وہ عالم صاحب دعوت قبول کرتے ہیں تو ایسے امام کے پیچھے نماز کیسی ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مولوی صاحب کا ایک گمراہ جماعت کو صراط مستقیم کی طرف رہبری کرنا یقیناً امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے فریضہ کو بجالانا ہے جس کے لیے وہ قابل ستائش ہیں، اور اسی ہدایت کی امید پر اگر فاسقوں کی دعوت بھی قبول کرتے ہیں تو اس میں بھی کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ مدعوالیہ طعام یقینی حرام نہ ہو، رہا مطلقاً مسئلہ دعوت تو اس کے لیے یہ حکم ہے کہ جس کا غالب مال حلال ہو تو اس کی دعوت اور ہدیہ اس وقت تک قبول کر سکتے ہیں جب یہ یقین نہ ہو کہ مدعوالیہ

طعام حرام ہے، اوراگر غالب مال حرام ہوتو اس کی دعوت وہدیہ اس وقت تک قبول نہ کرنا چاہیے جب تک یہ یقین نہ ہو کہ مدعوالیہ طعام حلال ہے۔ آکل الربو وکاسب الحرام أهدى إليه أو أضافه وغالب ماله حرام لا يقبل و لا يأكله. آه. مفصّلاً (وقد نقلت العبارة الضرورية على صفحة ٤٦) عالمگیری ج ٥ / ص ٣٤٣۔

اسی تفصیل سے کراہت اور عدم کراہت دعوت پر کراہت وعدم کراہت امامت سمجھنا چاہیے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم ۔۔

امام الحی کی اجازت سے دوسرے کا امام ہونا، امام الحی کی موجودگی میں فاسق کی امامت اشد مکروہ ہے۔

[۱۸۵] سوال: ایک شخص پنج گانہ نماز پڑھتا اور ڈاڑھی بھی رکھتا ہے مگر ایسے شخص کے پاس نوکر ہے جو سود کا بیوپار بھی کرتا ہے تو ایسا شخص پیش امام کی موجودگی میں نماز پڑھا سکتا ہے کہ نہیں؟

دوسرا آدمی ہے جو ڈاڑھی منڈاتا ہے، انگریزی فیشن لباس اور بال بناتا ہے، باقاعدہ نمازی بھی نہیں ہے اور سود کا بیوپار بھی کرتا ہے تو یہ شخص امام کی موجودگی میں نماز اور خطبہ پڑھا سکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جب کہ شخص مذکور خود متشرع ہے تو صرف ایک غیر متشرع کے پاس ملازم رہنے سے مورد الزام نہیں ہے اور امام الحی کی اجازت سے بلا کراہت نماز پڑھا سکتا ہے۔

اور جو شخص مذکور معاصی کا مرتکب ہے وہ فاسق ہے اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے اور ایک متشرع امام الحی کی موجودگی میں یہ کراہت اور بھی شدید ہے۔ واعلم ان صاحب البيت ومثله إمام المسجد الراتب اولىٰ بالإمامة مطلقاً. الدرالمختار مع الشامی

ج ۱ /ص ۵۸۳، ویکره إمامة عبد وأعرابی وفاسق. درمختار مع الشامی ج ۱ /ص ۵۸٤، والتفصیل هناك.

تحقیق مسئلۂ امامت فاسق

[۱۸۶] سوال: ایک شخص زانی ہے، یالونڈہ باز ہے، یاسٹہ کھیلتا ہے، یاسینما دیکھتا ہے، یاچوری کرواتا ہےاور چوری کا مال فروخت کرتا ہےتو اس کی امامت کے متعلق کیا حکم ہے؟ اوراگراس شخص سے بہتر متقی شخص اسی کی تنخواہ پر ملتا ہوتو اس کو رکھنا چاہیے یا مندرجہ قبائح والے شخص کو بدستور امام رکھنا چاہیے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: مذکورہ افعال یقیناً ایسے افعال ہیں جوموجب فسق ہیں، اورفاسق کے پیچھے نماز باتفاق علماء مکروہ ہے، اور جب اس شخص سے بہتر متقی عالم امام آسانی سے میسر ہوسکتا ہےتو پھراس کے پیچھے نماز کی کراہت اور بھی شدید ہوگی؛ لہٰذا مسلمانوں پر فرض ہے کہ فوراً ایسے فاسق امام کونکال کر متقی، عالم، امام کومقرر کریں، نماز جو دین اور ایمان کا معاملہ ہے، اس میں نفسانیت یا ضدکو ہرگز دخل نہ دینا چاہیے، حضرت کا ارشاد ہے کہ امام لوگ خدا کی درگاہ میں تمہارے نمائندے ہیں؛ لہٰذا جوامام بناؤ تو یہ سوچو کہ وہ تمہاری طرف خدا کی درگاہ میں نمائندہ بننے کی قابلیت رکھتا ہے کہ نہیں؟

نیز امامت کے لیے وہی شخص زیادہ بہتر ہے جوعلم وتقویٰ کی وجہ سے لوگ اس پر اعتماد رکھتے ہوں؛ تاکہ اس کی وجہ سے نمازی زیادہ آئیں اور کثرت جماعت کا موجب ہو، نہ کہ ایسا مرتکب افعال شنیعہ امام بنایا جائے کہ اس کی بداعمالیوں کی وجہ سے لوگ اس سے متنفر ہوں، جس کی وجہ سے مسجد میں نمازی کم آئیں اور قلت جماعت کا باعث ہو، ہاں جب تک دوسرا متقی، پرہیز گار

نہ مل سکے تو انفرادی نماز سے اس کے پیچھے اقتدا درست اور بہتر ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم ۔۔

امامت امرد

[۱۸۷] سوال: ایک لڑکا پندرہ سولہ برس کا ہے؛ مگر بظاہر بارہ تیرہ برس کا دکھتا ہے، تو اس کے پیچھے فرض یا تراویح میں اقتداء کر سکتے ہیں کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ پندرہ سولہ برس کا لڑکا حکما بالغ ہے۔ (مجمع الانھر ج ۲/ص ۵۶۸) اور بالغ کے پیچھے ہر قسم کی نماز پڑھ سکتے ہیں؛ البتہ اَمْرَدْ مطلقاً یا امرد صبیح الوجہ کے پیچھے نماز پڑھنی مکروہ تنزیہی ہے، تو اگر دوسرا امام میسر ہو تو اس کے پیچھے پڑھنا افضل ہے ورنہ تو اسی امرد کے پیچھے بہرحال درست ہے۔ وکذا تکره خلف أمرد. الظاهر أنها تنزيهية ايضاً والظاهر أيضاً كما قال الرحمتي: إن المراد به صبيح الوجه لأنه محل الفتنة الى آخر، قال (شامی ج ۱/ص ۵۲۵)

امامت جاہل پیش عالم

[۱۸۸] سوال: ایک شخص محض ناظرہ کلام مجید پڑھ چکا ہے تو وہ کسی عالم کے آگے امامت کر سکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر شخص مذکور کو قرآن پاک کی اس قدر آیتیں یاد ہوں جس سے نماز درست ہوتی ہو تو نماز پڑھا سکتا ہے مگر افضل وہی عالم ہے بشرطیکہ ناظرہ والا شخص امام الحی نہ ہو ورنہ وہی امام الحی عالم سے اچھا ہے۔ واعلم ان صاحب البيت و مثله امام المسجد الراتب اولىٰ بالامامة مطلقا۔ ای و ان كان غيره من الحاضرين من هو اعلم و اقرأ منه۔ (در المختار مع الشامی ج ۱/ص ۵۸۳)

فرائض کے بعد دعا مانگنا بہتر ہے یا سنن کے بعد؟

[۱۸۹] سوال: جن فرائض کے بعد سنن مؤکدہ ہے ان کے پیچھے امام کو دعا مانگنا چاہئے کہ نہیں؟ نیز بعد سنن دعاء مانگ سکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ فرض کے بعد تو "اللهم انت السلام الخ" سے زائد دعا مانگنا مکروہ ہے؛ البتہ سنن کے بعد دعا مانگے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ ویکره تاخير السنة الا بقدر "اللهم انت السلام ومنك السلام تباركت يا ذالجلال والاكرام" واما ما ورد من الاحاديث فى الاذكار عقيب الصلوٰة فلا دلالة فيه على الاتيان بها قبل السنة؛ بل يحمل على الاتيان بها بعد السنة. آه. شامی ج ۱ /ص ۴۹۴.

مقتدی کے تشہد ختم کرنے سے قبل امام کا کھڑے ہو جانا

[۱۹۰] سوال: مسبوق قعدۂ اولی میں امام کے ساتھ شریک اور قبل اس کے کہ مسبوق تشہد ختم کرے، امام تیسری رکعت کے لیے کھڑا ہو گیا تو اب مقتدی تشہد پوری کر کے بعد میں امام کے ساتھ قیام میں جائے یا بلا تشہد ختم کئے امام کے ساتھ قیام کرے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ تشہد ختم کر کے پھر امام کے ساتھ قیام میں شامل ہو۔ كما لو قام الامام قبل ان يتم المقتدى التشهد، فانه يتمه ثم يقوم؛ لان الاتيان به لايفوت المتابعة بالكلية. شامی ج ۱ /ص ۴۳۹، فی واجبات الصلوٰة عند قول المصنف ومتابعة الإمام۔

عالم کا ترک جماعت پر امام کے جہل کا عذر کرنا

[۱۹۱] سوال: ایک شخص مسجد میں آکر تنہا نماز پڑھتا ہے، جب جماعت میں عدم شمول کی وجہ

دریافت کرتے ہیں تو جواب دیتا ہے کہ میں عالم ہوں اور امام جاہل ہے تو کیا جاہل امام کے پیچھے عالم کی نماز نہیں ہوتی ہے؟ اور مذکور شخص کا یہ فعل مستحسن ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مسجد کے مقرر امام میں اگر امامت کے موانعات میں سے کوئی عیب ہو اور بمقدار ما تجوز بہ الصلوٰۃ صاف قرأت پڑھ سکتا ہو تو محض اس وجہ سے کہ وہ عالم نہیں اس کے پیچھے اقتدا ترک نہیں کی جاسکتی ہے، خواہ اقتدا کرنے والا کتنا ہی فاضل ہو، عالم کی یہ شان ہرگز نہیں کہ مسجد میں حاضر تو ہوتا ہو مگر مندرجہ عذر کی وجہ سے ترک جماعت کرتا ہو، بالفرض اگر امام میں ایسا کوئی عیب بھی موجود ہو جس کی وجہ سے اقتدا میں کراہت آتی ہو تو اس کا علاج یہ ہے کہ دوسری مسجد میں جماعت سے نماز پڑھی جائے نہ کہ مسجد میں حاضر ہو مگر صورۃً تارک جماعت ہو کر انفرادی نماز ادا کی جائے۔واعلم ان صاحب البيت ومثله إمام المسجد الراتب أولىٰ بالإمامة من غيره مطلقاً.(در) أي وان كان غيره من الحاضرين من هو أعلم وأقرأ منه.آه. وقال تحت قول الدر: ويكره تنزيهاً إمامة عبد.آه.فيكره لهم التقدم ويكره الاقتداء بهم تنزيها فإن أمكن الصلوٰة خلف غيرهم فهو افضل وإلا فالاقتداء أولى من الإنفراد. شامی ج ١/ص٥٢٣ وتفصيله فی كبيری وقاضيخان.

دعائے ثانیہ کے منکر کو وہابی کہنا

[١٩٢] سوال: دعائے ثانیہ سے منکر امام کو وہابی وغیرہ القاب سے یاد کرنا درست ہے؟ اور امام کو قوم کی موافقت کرنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جب دعائے اول کا التزام ثابت نہیں تو ثانیہ کا التزام کس طرح ثابت

ہوگا؟ نفس دعا کا ثبوت اور اس کی فضیلت اور چیز ہے، اور جُہال کا ایک غیر لازم امر پر زور لگانا اور پھر از خود مفتی بن کر بیچارے علماء پر غلطی کے ارتکاب کا اور بد دینی کا فتویٰ لگانا بدترین مذہبی جرم اور گناہ ہے۔﴿وَلا تنابزوا بالالقاب﴾ (الآية) امام صاحب کو جب یہ امر معلوم ہو جائے کہ ایک غیر لازم چیز کو عوام دین کا جزء سمجھنے لگے ہیں تو اس پر فرض ہے کہ اس کے ازالہ کی سعی کرے، نہ کہ خود ان کی بدعت کو فروغ دینے کا باعث بنے۔ لأنه إذا تردد الحكم بين سنة وبدعة كان ترك السنة راجحاً على فعل البدعة. شامی ج ۱/ص ۶۷۱ مکروہات الصلوٰة.

صغیر اور کبیر کا معاً تراویح پڑھانا اور آپ ﷺ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی امامت سے استدلال

[۱۹۳] سوال: یہاں کے پیش امام رخصت پر گئے اور ایک نابالغ حافظ کو نائب چھوڑ گئے، اب تراویح پڑھانے کی یہ ترکیب کی کہ ایک بالغ آدمی امام کی جگہ مصلّے پر کھڑا ہو جس کے پیچھے لوگوں نے اقتدا کی اور تکبیر افتتاح وغیرہ تکبیرات معہ "سبحانك اللهم" بھی بالغ پڑھتا ہے، اس بالغ امام کے پہلو پر بائیں جانب وہی نابالغ حافظ کھڑا کیا جاتا ہے جو امام کے "سبحانك اللهم" سے فراغت کے بعد الحمد شریف معہ سورتیں پڑھتا ہے اور جب رکوع کا وقت آتا ہے تو وہی بالغ امام تکبیر کہتا ہے غرض قرآت کے علاوہ باقی تمام امور میں بالغ امام رہتا ہے تو اس طرح نماز ہوگی کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ غالباً یہ ترکیب صحیحین کی اس حدیث سے لی گئی ہے جس میں آنحضرت ﷺ نے آخری نماز پڑھائی ہے، اور آپ ﷺ کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بائیں طرف بٹھلایا گیا تھا،

اور لوگ ابو بکر رضی اللہ عنہ کی اقتدا کئے ہوئے تھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کی نماز پر اقتدا کئے ہوئے تھے، مگر افسوس ظاہری حدیث پر عمل کیا گیا اور تحقیق نہ کی، چنانچہ تمام شراح حدیث مثل نووی وغیرہ متفق ہیں کہ اس نماز میں آنحضرت ﷺ امام تھے اور ابو بکر رضی اللہ عنہ صرف آپ ﷺ کے پست آواز کی وجہ سے لوگوں کو تکبیر سناتے تھے، چنانچہ مسلم کی دوسری روایت میں اس کی تصریح موجود ہے، اور بعض روایتوں میں یہ تطبیق بھی موجود ہے کہ پیر کے روز سے قبل جو نماز پڑھی گئی ہے اس میں صرف آنحضرت ﷺ ہی امام تھے، اور پیر کے دن صبح کی نماز میں آپ ﷺ مقتدی تھے اور صرف ابو بکر رضی اللہ عنہ ہی امام تھے؛ بہر حال ایسی کوئی نماز نہیں پڑھی گئی ہے کہ جو بیک وقت دو شخص امامت کرتے ہوں خواہ بیک وقت دو امام ہوں یا ایک امام دوسرے امام کا امام ہو اور لوگ دوسرے امام کے پیچھے اقتدا کئے ہوئے ہوں جیسا کہ ظاہری حدیث اور موجودہ مسئلہ میں ظاہر کیا گیا ہے، کیوں کہ نہ بیک وقت دو امام ہو سکتے ہیں اور نہ کسی مقتدی کے پیچھے اقتدا ہو سکتی ہے، اب موجودہ مسئلہ میں نماز کا عدم جواز ظاہر ہے، وہ یہ ہے کہ اگر اصل امام بالغ تھا تو اس کی نماز ایک رکن سے خالی ہے یعنی اس نے قرأت نہ پڑھی؛ بلکہ غیر نے قرأت پڑھی، اور اگر امام نابالغ تھا اور بالغ صرف ابو بکر رضی اللہ عنہ کی طرح لوگوں تک تکبیروں کی آواز پہنچاتا تھا تو نابالغ کے پیچھے بالغین کی اقتدا ہوئی جو بنا بر قول صحیح کے یہ بھی صحیح نہیں؛ بہر حال مذکورہ ترکیب سے جو نماز پڑھی گئی ہے اس میں کسی کی بھی نماز نہ ہوئی۔ وتفرض القراءة فی رکعتي الفرض مطلقاً. الدرالمختار والشامی ج ۱/ص ٦٤٤، ولا یصح اقتداء البالغ بغیر البالغ فی الفرض وغیره وهو الصحیح. کبیری ٤٧٧، بأنه لا تعارض فاللتی کان فیها اماما صلوٰة الظهر یوم السبت أوالاحد واللتی کان فیها مأموماً الصبح من یوم الاثنین وهی آخر صلوٰة صلاها رسول الله ﷺ کذا ذکره الشیخ کمال الدین بن همام.

کبیری ٤٨٠، وفی روایة لهما یسمع أبوبکر ﷺالناس التکبیر. مشکوة ٩٤، ای یصنعون مثل ما یصنع، لا نه ﷺکان قاعداً وأبوبکر ﷺکان بجنبه قائماً، لا ان أبابکر ﷺ کان إمام القوم والنبی ﷺ کان إمامه؛ إذ الا قتداء بالمأموم لایجوز. آھ. (مرقات) لکن الصحیح الصواب ان النبی ﷺ کان هوالامام. (الی الآخر مفصلاً) (نووی علی مسلم ج ١ / ص ١٧٧)

افعال صلوٰۃ میں متابعت امام کا طریقہ

[۱۹۴] سوال: کیا یہ صحیح ہے کہ متابعت امام فرض میں فرض اور واجبات میں واجب اور سنن میں سنت ہے؛ نیز اگر قیام میں رکوع کو جانے کے وقت امام سے پہلے کوئی ہاتھ چھوڑے تو اس میں امام کی مخالفت لازم آئیگی یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ امام کی متابعت کے متعلق شامی نے نہر وغیرہ کتابوں سے یہی قول نقل کیا ہے کہ متابعت امام کے ساتھ فرائض میں فرض اور واجبات میں واجب اور سنن میں سنت ہے؛ مگر چوں کہ اکثر کتابوں میں امام کی متابعت واجب لکھتے ہیں؛ اس لیے اس میں اس اختلاف کی تطبیق کے لیے ایک بہتر طریقہ لکھا ہے، وہ یہ کہ متابعت کی تین قسم ہیں:

(۱): متابعت امام ہر ہر فعل میں ایک ساتھ۔ (۲): متابعت امام متصل بہ فعل امام بلا تراخی وتأخر۔ (۳) متابعت امام بعد فعل امام بالتراخی۔

اور اگر مقتدی امام کے فعل سے تقدیم کرلے مگر ٹھہر کر امام کے ساتھ اس فعل میں شرکت کرلے تو اس کو قسم اول سے شمار کیا ہے، ان اقسام کے بعد لکھتے ہیں کہ امام کی متابعت بمعنی مطلق مشارکت جو ان تینوں اقسام کو شامل ہو فرض ہے، اور متابعت بمعنی قسم اول ودوم فرائض میں واجب

ہے،اور سنن میں سنت ہے،اور یہی بہتر تطبیق ہے۔

اس تفصیل سے امام سے پہلے ہاتھ چھوڑنے کا جواب بھی نکلا کہ چوں کہ قیام کی حالت میں ہاتھوں کو باندھنا مسنون تھا۔جیسے کہ رکوع فرض تھا،اور جس طرح امام سے قبل رکوع کو جانا اور رکوع میں امام کے ساتھ مشارکت کرنا مشارکت قسم اول سے واجب تھا،اسی طرح امام سے پہلے ہاتھوں کو چھوڑنا اور پھر امام کے ہاتھ چھوڑنے کے ساتھ مشارکت کرنا متابعت فی السنن قسم اول سے ہوگا،اور نماز میں کسی قسم کا خلل نہیں آئے گا،سوائے اس کے کہ امام سے صورۃً تقدیم کی وجہ سے خلاف اولیٰ ہوگا۔و الحاصل أن المتابعة في ذاتها ثلاثة أنواع: مقارنة لفعل الإمام مثل أن يقارن احرامه لاحرامه وركوعه لركوعه وسلامه لسلامه، ويدخل فيها لو ركع قبل إمامه ودام حتى أدرك إمامه فيه.

ومتابعة لابتداء فعل إمامه مع المشاركة فى باقيه ومتراخية عنه. فمطلق المتابعة الشامل لهذه الانواع الثلاثة يكون فرضاً فى الفرض وواجباً فى الواجب وسنة فى السنة عند عدم المعارض أو لزوم المخالفة.(الى ان قال) والمتابعة المقيدة بعدم التاخير والتراخى الشاملة للمقارنة والمعاقبة لاتكون فرضاً بل تكون واجبةً فى الواجب وسنة فى السنة عند عدم المعارض.آه.شامى ج ١ /ص ٤٤١ .مبحث واجبات الصلوٰة.

باب الجنائز

ساقط شدہ حمل کو غسل دینا

[۱۹۵] سوال: ماہ دو ماہ کا حمل ساقط ہو جائے تو غسل دینا چاہیے یا نہیں اور کتنے مہینے کا حمل ہونے سے غسل دے کر دفن کرنا چاہیے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جو بچہ کہ زندہ پیدا ہو کر فوراً مر گیا ہو تو وہ ہر طرح سے زندوں میں شامل ہو کر مر گیا ہے اس لیے اس کا نام رکھنا اور غسل اور تکفین تدفین میں پورے طور سے تمام امور شرعیہ کو ملحوظ رکھنا پڑے گا۔

دوم وہ بچہ جو مردہ پیدا ہو مگر خلقت انسانی اس میں ظاہر ہو چکی تھی تو بمذہب مختار اس کا بھی نام رکھا جائے گا اور غسل اور تکفین تدفین اس کے لیے بھی لازم ہے صرف اس پر نماز نہ پڑھی جائے گی، اور غسل کفن وغیرہ میں تمام مسنون امور کی رعایت کی چنداں ضرورت نہیں۔

سوم وہ سقط اور ناتمام بچہ جو ابھی تک اس میں انسانی خلقت کا ظہور نہ ہوا تھا اس کے غسل میں خلاف ہے، مگر اولیٰ اور افضل یہ ہے کہ بلا رعایت امور مسنونہ ظاہری نجاست دور کرنے کے لیے اس پر پانی ڈال دیا جائے اور کسی خرقہ میں لپیٹ کر دفن کیا جائے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔۔

ومن ولد فمات يغسل ويصلى عليه إن استهل وإلا غسل وسمى عند الثاني وهو الأصح فيفتى به على خلاف ظاهر الرواية اكراما لبني آدم كما في ملتقى البحار، وفي النهر عن الظهيرية: وإذا استبان بعض خلقه غسل وحشر وهو المختار وأدرج في خرقة ودفن ولم يصل عليه. آه. الدرالمختار مع

الشامی ج ۱ /ص ۹۲۷ وقریبا منه عبارة الهداية ج ۱ /ص ۱٤۰۔

مرد اور عورت کا کفن کیسا ہونا چاہئے؟

[۱۹۶] سوال: ہمارے گاؤں میں مرد کو سفید اور عورت کو تھوڑا سفید اور تھوڑا رنگین کفن دیا جاتا ہے، لہذا خلاصہ ہو کہ کون سا کفن جائز و کون سا ناجائز ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ کفن کے بابت یہ عام حکم ہے کہ جو کپڑا انسان حیات میں شرعاً استعمال کر سکتا ہے اس میں کفنانا بھی درست ہے اور جو کپڑا حیات میں شرعاً استعمال نہیں کر سکتا ہے اس میں کفن دینا بھی جائز نہیں۔ چونکہ ریشم اور رنگین کپڑا مثل مزعفر و معصفر عورت حیات میں استعمال کر سکتی ہے تو اس میں کفنائی جا سکتی ہے اور مرد استعمال نہیں کر سکتا ہے تو اس کو ان میں کفنایا جانا بھی جائز نہیں۔ بہرحال بہتر یہ ہے کہ دونوں کے کفن سفید ہی کپڑے سے ہوں۔ و لا بأس في الكفن ببرود و كتان و في النساء بحرير و مزعفر و معصفر لجوازه بكل ما يجوز لبسه حال الحيوٰة و احبه البياض او ما كان يصلى فيه۔ (الدر المختار مع الشامی ج ۱ /ص ۹۰٤ جنائز)

عورتوں کو رنگین کفن دینا

[۱۹۷] سوال: ہمارے گاؤں میں مرد کو سفید اور عورت کو رنگین کفن اور بعض عورتوں کو تھوڑا سفید اور تھوڑا رنگین کفن دیا جاتا ہے لہذا خلاصہ ہو کہ کونسا کفن جائز اور کونسا ناجائز ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ کفن کی بابت یہ عام حکم ہے کہ جو کپڑا انسان حین حیات میں شرعاً استعمال کر سکتا ہے اس کا استعمال کفن میں بھی کر سکتا ہے۔ اس قاعدے سے حیات میں مرد ریشم اور معصفر و مزعفر کپڑا نہیں پہن سکتا ہے تو اس میں کفن بھی جائز نہیں اور عورت حیات ان کپڑوں کو استعمال کر

سکتی ہے تو ان ہی کپڑوں میں تکفین بھی ہو سکتی ہے۔ مگر بہتر ہے کہ ہر دو میتوں کی تکفین میں سفید کپڑا استعمال کیا جائے۔ ولا بأس فی الکفن ببرود وکتان وفی النساء بحریر ومزعفر و معصفر لجوازہ بکل مایجوز لبسه حال الحیاۃ ، وأحبه البیاض أو ما کان یصلی فیه. الدرالمختار مع الشامی جنائز ج ۱ /ص ۹۰٤ فقط واللہ سبحانه تعالیٰ اعلم۔

کفن پر صندل ڈالنا

[۱۹۸] سوال: کفن کے اوپر صندل ڈالنے میں آتا ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: کتب فقہ میں "ویجمر الأکفان" تحریر ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ کفن کو خوشبو کی دھونی دی جائے، یہ نہیں آتا ہے کہ خوشبو ڈالی جائے۔

دوم یہ کہ صندل یا اس قسم کی چیز جس میں رنگ ہو کفن میں ڈالنے سے کفن کو رنگ لگے گا جو مردوں کے لیے رنگین مزعفر وغیرہ کفن کی ممانعت آئی ہے؛ لہٰذا اگر اس سے احتراز کیا جائے اور صرف خوشبو کی دھونی پر اکتفاء کیا جائے تو بہتر ہوگا۔

جنازے پر پھولوں کی چادر چڑھانا

[۱۹۹] سوال: جنازے کے اوپر پھول کی چادر کسی جگہ ایک روپیہ اور کسی جگہ دو روپیہ ڈالنے میں آتا ہے تو یہ کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: جنازے پر پھولوں کی چادر چڑھانا شریعت میں ثابت نہیں اس لیے بدعت ہی ہے، بدعت اور فضول خرچی کے علاوہ اس میں ایک قباحت یہ بھی ہے کہ چوں کہ یہ چادر شرعی تکفین، تدفین کے مصارف میں شامل نہیں اس لیے میت کے مال میں سے بلا اجازت ورثہ

اس پر صرف کرنا جائز نہیں، اور اجازت کے لیے سب کا عاقل بالغ اور موقع پر حاضر ہونا ضروری ہے مگر یہ امور ہر موقع پر میسر نہیں ہوتے، اور اگر کوئی اپنے ذاتی پیسہ سے خرید کر لائے تو اس میں اسراف اور فضول خرچی کے علاوہ یہ خرابی ہے کہ عوام اس کو باعث ثواب اور شرعی فعل سمجھتے ہیں اور ایک غیر شرعی امر کو شرعی اور باعث اجر سمجھنا سخت گناہ ہے اس لیے اگر ذاتی پیسہ ہی خرچ کرنا ہو تو بجائے پھول کے اس کے پیسے ہی محتاجوں کو دیدیویں اور اس کا ثواب میت کو بخشے تو اس طریقے سے میت کو ثواب مل جائے گا اور خرچ کرنے والا بدعات اور شبہات میں وقوع سے بچ جائے گا اور میت سے محبت اور سلوک کرنا بھی ٹھکانے لگ جائے گا۔ وفقني الله وإياكم لما يرضاه.

میت یا زندہ کے غسل کے پانی میں بیری کے پتے ڈالنا

[۲۰۰] **سوال:** میت کے غسل میں پانی کے اندر بیری کے پتے ڈالتے ہیں اس کا کوئی ثبوت ہے کہ نہیں؟ اور کیوں ڈالتے ہیں؟ اور کیا زندہ کے غسل میں بھی ڈال سکتے ہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: بیری کے پتے میت کے غسل کے پانی میں ڈالنا آنحضرت ﷺ کے ارشاد سے ثابت ہے؛ اس لیے مسنون ہے، اس کے علاوہ طبی رو سے بھی تحقیق کی گئی ہے تو اس سے نہانے میں بہت سے فوائد پائے گئے ہیں، مثلاً: بدن کو صاف کرنا، زخموں کو مندمل کرنا، بالوں کو مضبوط کرنا، حشرات کو بھگانا، پٹھوں کو مضبوط کرنا، میت کو آفات سے بچانا وغیرہ؛ اس لیے میت کے علاوہ زندہ بھی اپنے غسل میں استعمال کریں تو بہتر ہے۔

ویغسل بماء وسدر أو حرض إن وجد وإلا فالقراح. مجمع الأنهر ج۱/ص۹۱ فقال رسول الله ﷺ: "إغسلوها بماء وسدر" مشکوة ج۱/ص۱۴۳. وفی التذکرة السدر شجر معروف و ثمره هو أنبق وسیحق

ورقه بلحم الجراح ويقلع الاوساخ وينقى البشرة وينعمها ويشد الشعر ومن خواصه: أنه يطرد الهوام، ويشد العصب ويمنع الميت من البلاء. (شامی ج ۱/ص ۸۹۵ جنائز)

عورت کے کفن کے کپڑے کی ترتیب میں اختلاف

[۲۰۱] سوال: عورت کے کفن میں جو "خرقة تربط بها ثديها" مذکور ہے جس کو ہندی میں "سینہ بند" کہتے ہیں، اس کے پہنانے کے متعلق ہمارے یہاں اختلاف پیدا ہو گیا ہے، اس لیے عورت کی ترتیب کفن میں جو مشروع اور راجح قول ہو تحریر کیجئے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ عورت اور مرد کی ترتیب کفن تو یکساں ہے یعنی اوّل قمیص پھر ازار پھر لفافہ پہنایا جاتا ہے، اب عورت کے لیے چوں کہ دو کپڑے زائد دیئے جاتے ہیں یعنی سر بند اور سینہ بند، تو سر بند تو بلا اختلاف قمیص پہنانے کے بعد پہنایا جاتا ہے، اب صرف سینہ بند رہا تو واقعی یہی چیز باعث اختلاف بھی ہے، اس واسطے صاحب شامی نے مختلف اقوال نقل کر کے اختلاف کی طرف اشارہ کر کے تأمل پر بحث ختم کی ہے، صاحب برہنہ اور جوہرہ نیرہ میں علاّمہ خجندی کا جو قول درج ہے اوّل سے معلوم ہوتا ہے کہ سینہ بند قمیص اور ازار کے اوپر اور لفافہ کے نیچے پہنایا جاتا ہے ان کے سوا باقی کسی کا قول اس کے مطابق نظر سے نہیں گذرا؛ بلکہ تقریباً تمام کتب فقہ میں اتفاقاً یہی موجود ہے کہ "ثم يربط الخرقة على ثديها فوق الأكفان كيلا تنتشر عليها أكفانها. كبيرى ٥٣٤، شامى ج ١/ص ٩٠٣، فتح ج ٢/ص ٨٠، برهنه ٣٥٦، جوهره نيره ج ٢/ص ١٠٦، شرح نقايه ٢٤٨، رسائل اركان ١٥٥، عالمگيرى ج ١/ص ١٠٣، شرح ملتقى الأبحر ومجمع الانهر ج ١/ص ٩٢، بخارى شريف ج ١/ص ١٦٨.

مندرجہ کتابوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ سینہ بند لفافہ کے اوپر یعنی تمام کپڑوں کے بعد اخیر میں پہنایا جاتا ہے اور یہی قول راجح ہے؛ تاکہ عورت کی لاش کے لیے زیادہ ستر بھی رہے اور کفن کے کھل جانے کا اندیشہ بھی نہ ہو، اور بعض ملکوں میں جو سب سے نیچے پہناتے ہیں وہ شاید آپ ﷺ کی صاحبزادی کی روش سے استدلال کرتے ہوں جو آں حضرت ﷺ نے تبرکاً جسم کے متصل پہنانے کا حکم دیا تھا، یا شاید سینہ بند کو جو حین حیات میں عورتیں پہنتی ہیں ان پر قیاس کیا گیا ہو؛ بہرحال نفس جواز میں کلام نہیں، کلام افضیلت میں ہے، میرے نزدیک افضل یہ ہے کہ سب کے آخر میں پہنایا جائے یا بقول برہنہ وجندی "فوق الإزار تحت اللفافة. واللّٰہ أعلم.

کافر کے جنازہ کے ساتھ کفار کے قبرستان جانا

[۲۰۲] سوال: یہاں رنگون میں کافر کے جنازے کے ساتھ باجا گاجا بجایا جاتا ہے، اور بعض مسلمان ان کی تدفین یا جلانے کے مقام تک ساتھ جاتے ہیں تو کیا کفار کے جنازے اور تدفین میں شرکت جائز ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ کفار کی تدفین یا جنازے میں بلا اشد ضرورت شرکت جائز نہیں۔ کذا فی فتاوی عبد الحی مستدلا بقوله تعالیٰ ﴿ولا تصل علی احد منهم مات ابدا ولا تقم علی قبره﴾ وقال القاضی البیضاوی: ولا تقف عند قبره للدفن أو الزیارة۔ آھ.

احرام کی چادر زمزم سے تر کر کے کفن کے لیے رکھنا

[۲۰۳] سوال: حاجی لوگ احرام کی چادر زمزم سے تر کر کے کفن کے لیے رکھتے ہیں کیا شرعاً یہ

جائز ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ آبِ زمزم کو اکفان وغیرہ میں استعمال کرنا قرون اولیٰ میں اس کی مثال نظر سے نہیں گذری اور نہ کہیں احادیث میں تصریح دیکھی؛ البتہ احرام کی چادروں کو کفن کے لیے استعمال کرنا مستحب معلوم ہوتا ہے کیوں کہ فقہاء نے سفید کپڑا نیز وہ کپڑا جس میں میت بزمانۂ حیات نماز پڑھتا تھا کفنانا مستحب لکھا ہے اور چوں کہ احرام کی چادروں میں اس نے نمازیں پڑھی ہوں گی اور اس کے ساتھ فریضۂ حج بھی ادا کر چکا ہے تو اس کے کفن بنانے میں برکت کی امید کی جاتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

وقال أبوبكر رضي الله عنه إن الحي احوج إلى الجديد من الميت واستحب بعض الكبراء أن يكفن في ثيابه اللتي كان يصلي فيها۔ شرح شرعة الاسلام ٥٦١ واحبه البياض أو ماكان يصلى فيها۔آھ۔(درمختار مع الشامی ج ١ /ص ٩٠٤)

بعد تدفین خون نکلنا/ نفاس کی حالت میں موت کا شہادت ہونا

[۲۰۴] **سوال:** میری عورت نفاس کی حالت میں بچہ کے تولد کے پانچویں روز چھ گھنٹہ زبان بندرہ کر گزر گئی، اس نے مہر معاف نہیں کیا، لہٰذا وہ کس طرح ادا کیا جائے؟ اور مرحومہ کو مرنے کے بعد بھی خون نکلتا تھا تو غسل وکفن کے وقت کس طرح کرنا چاہیے؟ اور اس خون میں مرنا کیسی موت کہلاتی ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اس کا مہر معہ دیگر ترکہ کے شرعی طور سے ورثہ میں تقسیم کیا جائے جن میں سے ایک خود شوہر بھی ہوگا۔

ایسی ضرورت کے وقت جہاں سے خون وغیرہ نجاسات نکلنے کا احتمال ہو اس میں روئی رکھی جائے، تاہم غسل اور تکفین کے بعد اگر خون نکلے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ ولا بأس بجعل القطن على وجهه وفي مخارقه كدبر وقبل و أذن وفم. درمختار مع الشامی ج ۱ /ص ۸۹۷ إذا تنجس الكفن بنجاسة الميت لا يضر دفعاً للحرج۔

متعدد جنازے جمع ہوں تو نماز کس طرح پڑھنا چاہیے؟

[۲۰۵] سوال: ایک مرد، ایک عورت، ایک لڑکا سب ساتھ گذر گئے، اب جنازے کی نماز کس کی پہلے پڑھنی چاہیے اور اخیر میں کس کی اور ایک ہی جگہ پر پڑھنی چاہیے یا مختلف جگہ پر؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ بہتر تو یہ ہے کہ ہر ایک کی نماز الگ پڑھی جائے اور ترتیب میں یہ لحاظ رکھا جائے کہ جس کا جنازہ پہلے حاضر ہوا ہو اس کو پہلے اور اسی ترتیب سے دوم، سوم کو، اور اگر ایک ساتھ سب مل کر حاضر ہوئے تو تقدیم وتاخیر میں الافضل فالافضل کی ترتیب ملحوظ رکھی جائے، یعنی پہلے بالغ مرد کی نماز پڑھی جائے، اس کو ہٹا کر اسی جگہ یا دوسری جگہ میں نابالغ لڑکے کی نماز اور پھر عورت کی نماز پڑھائی جائے۔ وإذا اجتمع الجنائز فافراد الصلوٰة على كل واحد اولیٰ من الجمع، وتقديم الافضل أفضل. الدرالمختار. وقيده فى الإمداد بقوله إن لم يكن سبق اى وإلا يصلى على الأسبق ولو مفضولا وسيأتى بيان الترتيب. اور اگر سب جنازوں کو امام اپنے سامنے قبلے کی طرف اس ترتیب سے رکھے جس ترتیب سے حالت حیات میں اس کے پیچھے نماز پڑھنے میں قرب وبعد کی حالت ہوتی، اور پھر سب پر ایک ہی نماز بالغ مرد کی نماز جنازے کی طرح پڑھائی تو بھی جائز ہے۔ وإن جمع جعلها صفا واحدا مما يلى القبلة بحيث يكون صدر كل مما يلى الإمام ليقوم

بحذاء صدر الكل وراعى الترتيب المعهود خلفه حالة الحياة فيقرب منه الأفضل فالأفضل: الرجل مما يليه، فالصبى، فالخنثى، فالبالغة، فالمراهقة. آھ. الدر المختار مع الشامی جنائز ج ۱ / ص ۹۱۹ والله سبحانه تعالىٰ اعلم۔

خودکشی کرنے والے کی میت سے مسلمانوں کا سا برتاؤ کرنا

[۲۰۶] سوال: جو شخص خودکشی کرے اور اس کو غسل، کفن دے کر جنازے کی نماز پڑھ کر مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کیا جائے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: خودکشی گناہ کبیرہ ہے اور گناہ کبیرہ کا مرتکب فاسق ہے نہ کافر، اس واسطے ائمۂ اربعہ میں سے کوئی بھی مرتکب کبیرہ کو کافر نہیں کہتے ہیں اور نہ کفار کے احکام اس پر جاری کرتے ہیں۔ مسلم شریف ج ۱/ص ۳۱۴ میں اس حدیث کے تحت میں ہے کہ "أتى النبى ﷺ برجل قتل نفسه بمشاقص فلم يصل عليه" الحديث۔ نوویؒ لکھتے ہیں کہ: قال القاضى: مذهب العلماء كافة الصلوٰة على كل مسلم ومحدود ومرجوم وقاتل نفسه وولد الزنا۔ آھ. (مسلم: ج ۱ / ص ۳۱٤) لہٰذا شخص مذکور کی میت سے مسلمانوں کی میت کے مطابق معاملہ کیا جائے گا۔

متعدد جنائز پر کیفیت نماز

[۲۰۷] سوال: متعدد جنائز جن میں بچے، مرد وعورت ہر قسم کی میت جمع ہو جائیں تو نماز جنازہ کس طرح پڑھی جائے اجتماعاً یا انفراداً؟

الجواب: وباللہ التوفیق: انفراداً ہر ایک کی علیحدہ نماز جنازہ پڑھنی زیادہ بہتر ہے اور ترتیب میں جو جنازہ سب سے اول حاضر ہوا ہو اس کی نماز پڑھنی چاہیے اور اجتماعا حاضر ہوئے ہوں تو الافضل

فالافضل کومقدم کریں، تاہم اگر اجتماعاً سب پر ایک ہی نماز پڑھی جائے تو بھی درست ہے، اور ترتیب وضع جنائز میں اسی ترتیب کوملحوظ رکھے جس ترتیب سے حین حیات میں صفوف صلوٰۃ میں مقرر ہے یعنی امام سے متصل قبلہ رخ بالغ مرد کا جنازہ رکھا جائے اس کے آگے قبلہ کی طرف نابالغ بچے کے اور اس کے آگے اخیر میں قبلہ کی طرف عورت کے جنازے کو اس طور پر رکھے کہ امام سب کے سینے کے برابر کھڑا رہے۔(**الدر المختار مع الشامی ج ۱/ص۹۱۸، ۹۱۹ وقد نقلت العبارۃ فی صفحۃ ۲۰**)

مسجد کے صحن میں نماز جنازہ پڑھنا

[۲۰۸] **سوال:** ایک قصبہ کی مسجد ہے جس میں پنج وقتہ فرض نماز باجماعت اور جمعہ وعیدین کی نماز ہوتی رہتی ہے، اُس مسجد کے صحن پر ہی چھت لگی ہوئی ہے اور مسجد کے حرم اور صحن کے درمیان صرف لوہے کی جالی لگی ہوئی ہے، ایسی مسجد میں یا اس کے صحن میں نماز جنازہ درست ہے یا نہیں؟ معتبر کتابوں سے جواب دیدیجئے۔

الجواب: وباللہ التوفیق: مسجد ایسے مکان کا نام ہے جس کو کسی مسلمان نے عبادت نماز کے لیے وقف کر دیا ہو اور اپنی ملک سے جدا کر کے اللہ تعالیٰ کی ملک میں اس غرض کے لیے دیدے کہ اس میں اللہ تعالی کی عبادت فرض نماز ادا کی جائے، اس کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ اس پر چھت یا عمارت کھڑی کی گئی ہو یا نہیں؟

اب مسئولہ صورت میں اگر واقف وبانی نے یہ تصریح نہ کی ہو کہ جماعت خانہ پنج وقتہ فرائض کے لیے ہے اور صحن صرف نمازِ جنازہ یا دیگر ضروریات کے لیے ہے؛ بلکہ مطلقاً کل مکان مسجد کی نیت سے وقف کر چکا ہو تو وہ صحن مسجد میں شامل ہو کر مسجد ہی کے حکم میں رہے گا اور چوں کہ

مسجد میں جنازہ رکھ کرنمازِ جنازہ پڑھانا مکروہ ہے؛ لہٰذا مذکورہ صحن میں بھی اسی طرح نمازِ جنازہ مکروہ ہوگی۔ (امدادالفتاوی ج۵/ص۴۷۵ میں مفصلاً موجود ہے)

إعلم: أنه لا يشترط فی تحقق كونه مسجدا البناء لما فی الخانية لو كان له ساحة لا بناء فيها أمرقومه بالصلوٰة فيهابجماعة، قالوا: ان أمرهم بالصلوٰة ابداً أو أمرهم بالصلوٰة فيها بالجماعة ولم يذكر الأبد لأنه أراد بها الأبد ثم مات لا يكون ميراثاً منه۔ آه. طحطاوی علی الدر المختار ج٢/ص٥٣٦، وتكره فی مسجد جماعة إن كان الميت فيه، وإن كان خارجه اختلف المشائخ۔آه. مجمع الأنهر شرح ملتقی الأبحر ج١/ص٩٤)

صحن مسجد میں جنازہ کی نماز

[۲۰۹] سوال: ایک مسجد کا صحن ہے جس میں عموماً سنتیں پڑھی جاتی ہیں اور گرمیوں میں جماعت بھی ہوتی ہے تو اس میں نمازِ جنازہ درست ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ یہ صحن مسجد کے حکم میں ہے جس میں نماز جنازہ مکروہ ہے۔ طحاوی ج۲/ص۵۳۶. وقد مرت هذه المسئلة.

مسلم وغیر مسلم کا ایک دوسرے کی میت کی تکفین میں شرکت کرنا

[۲۱۰] سوال: ہمارے شہر...... افریقہ میں یہ رواج ہے کہ مسلمانوں اور دیگر اقوام و مذاہب والوں میں دنیوی تجارتی وغیرہ تعلقات کی وجہ سے دوسرے مذاہب والے مثل نصاریٰ وغیرہ کے مسلمانوں کے جنازے کے ساتھ قبرستان جاتے ہیں اور دفنِ میت کے بعد ہمارے ساتھ چلے آتے ہیں اور ہم مسلمان ان کی میت کے ساتھ جاتے ہیں اور جب وہ میت کے دفنانے یا جلانے

سے فارغ ہوجاتے ہیں تو ان کے ساتھ چلے آتے ہیں، تو کیا شرعاً کفار کے جنازے میں اس قسم کی شرکت جائز ہے یا نہیں؟ یہ شرکت تجارتی تعلقات کی وجہ سے ہوتی ہے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مذکورہ رواج دنیاوی اور تجارتی تعلقات کی بنا پر ہے جس میں غیر ادیان والوں سے دنیاوی معاملات اور تعلقات میں رواداری اور ہمدردی برتی جاتی ہے اور اس قسم کے تعلقات اور مواسات سے شرع میں ممانعت نہیں آئی، چنانچہ آیت کریمہ کے اشارے سے بھی یہی نکلتا ہے:﴿لا ینهاكم الله عن الذين لم يقاتلوكم﴾ (الآية) فتاوی کاملیہ ۲۶۶ میں واقعات سے نقل کرتے ہوئے تصریح آئی: والعبارة فی تلك الصفحة تحت قوله "يجوز عيادة الذمی والفاسق" ويجوز قبول ضيافة الكتابی، دعاه نصرانی إلى ضيافته وليس بينها صداقة ولا مخالطة غير ما بينهما من التجارة حل له الذهاب؛ لأن فيه ضرب من البر. آه.

وفی الفتاوی الخيرية أول باب الجنائز: (وسئل) فی مسلم تولى غسل ميت نصرانی و تكفينه و دفنه فهل يلزمه بذلك إثم أو تعزير أو لا؟

(اجاب): حيث لم يراع فی ذلك ما يراعى فی غسل المسلم وتكفينه ودفنه، لا يلزمه فيه إثم ولا تعزير؛ لكن إن كان له أقارب من النصارى فالأولى أن يتركه لهم ومع هذا لو لم يترك فقد باشر خلاف الأولى ولو لم يرتكب محظورا لا يعاقب عليه. خيريه ۱۳.

مندرجۂ بالا اقوال سے معلوم ہوا کہ جب کفار کی میت میں بلا شرعی آداب کی پابندی کے غسل اور تکفین وتدفین کی مباشرت ہی ممنوع نہیں تو محض اس کی تکفین وتدفین میں حاضری بطریق اولیٰ ممنوع نہ ہوگی، اور وہ بھی دنیاوی تجارتی تعلقات کے ماتحت تو یہ بلاشبہ جائز ہے۔ "الأشباه

والنظائر" کا یہ مسلم کلیہ ہے کہ "الضرورة تبيح المحظورات"۔

اس کے بعد فتاوی عبدالحی صاحب باب الجنائز میں کافر، روافض کے متعلق منع نظر سے گذرا؛ مگر میں مسئولہ صورت کو ضرورۃً جائز مانتا ہوں اور منع کو بے ضرورت پر حمل کرتا ہوں۔ ﴿لعل الله يحدث بعد ذلك امراً﴾ فقط محمود حسن غفرلہ۔

سنن ونوافل سے نماز جنازہ مقدم کرنا

[۲۱۱] سوال: عشا کی جماعت تیار تھی کہ جنازہ آیا، فرض نماز پڑھنے کے بعد جب لوگ سنن ونوافل کے لیے کھڑے ہوئے تو ایک صاحب بولے کہ نماز جنازہ فرض ہے اور فرض کو سنن ونوافل پر مقدم کرنا چاہیے، چنانچہ اس کے قول پر عمل ہوا اور نماز جنازہ پہلے ادا کی گئی؛ مگر ایک دوسرا صاحب اس کے خلاف کہتا ہے اور موجودہ صورت میں جنازے کی تقدیم سنن وغیرہ سے خلاف شرع کہتا ہے تو شرعاً کونسا حکم صحیح ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جس صاحب نے سنن وغیرہ سے پہلے نمازِ جنازہ کی ادائیگی کی رائے دی ہے وہ حق بجانب ہے، جنازے کے متعلق یہی حکم ہے کہ جب حاضر ہو تو بلا اشد ضرورت کے اس میں تاخیر نہ کی جائے، نماز عیدین یا جمعہ میں بعض مصلحتوں کی بنا پر نماز جنازہ مؤخر کر سکتے ہیں مگر سنن ونوافل وغیرہ سے بہرحال مقدم ہی پڑھنا چاہیے۔

وتقدم صلوٰتها (العيد) على صلوٰة الجنازة إذا اجتمعا لأنه واجب عيناً والجنازة كفاية، وتقدم صلوٰة الجنازة على الخطبة (أي خطبة العيد) وعلى سنة المغرب وغيرها كسنة الظهر والجمعة والعشاء. (درمختار مع الشامی ج ۱/ص ۸۶۵ أوائل العيدين)

کفن میں آب زمزم کا استعمال/متبرک اشیاء سے برکت حاصل کرنا

[۲۱۲] سوال: زمزم کے پانی سے تر کیا ہوا کپڑا کفن میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: یہ سوال متعدد مرتبہ آیا ہے اور کچھ مختلف تفسیر کے ساتھ جوابات دئے گئے ہیں؛ مگر اب روح البیان کو دیکھا جس سے قلبی اطمینان حاصل ہوا کہ اس قسم کی چیزوں کو تبرکاً میت کے کفن میں استعمال کر سکتے ہیں اور میت کو فائدہ کی امید کی جاتی ہے۔ ومن هذا القبيل ماء زمزم والكفن المبلول به۔ آه. (تفسير روح البيان ج۳/ص۴۷۹ تحت قوله تعالى ﴿ولا تصل على احد منهم مات ابدا﴾ (پ۱۱)

احرام کا کپڑا برائے کفن رکھنا

[۲۱۳] سوال: احرام کے کپڑے زمزم میں بھگو کر یا بلا بھگوئے ہوئے لا کر اپنے کفن کے لیے رکھنا کیسا ہے؟ یا خود پہنے یا کسی مسکین کو دیدے، اس کے متعلق شرعی کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: اگر صرف احرام کے کپڑوں کو تبرکاً کفن کے لیے استعمال کریں تو کوئی مضائقہ نہیں؛ بلکہ بعض وجوہ سے مستحب ہوگا کما قدمنا، اور خود پہننے اور فقیر کو دینے کے جواز میں شک ہی نہیں۔

تفسیر روح البیان پ۱۱ آیت ﴿ولا تصل على احد منهم مات ابدا﴾ کے تحت میں اس کی مفصل بحث موجود ہے جس سے آبِ زمزم کا کفن میں استعمال کرنا جائز لکھا ہے اور اسی پر عام مسلمانوں کا عمل ہے، اس لیے تبرکاً احرام کا کپڑا کفن کے لیے بھی جائز ہے، اور آبِ زمزم سے تر کیا ہوا کپڑا بھی کفن میں استعمال کرنا درست ہے۔

جنازہ کے سامنے مرثیہ اور اشعار جہراً پڑھتے ہوئے جانا

[۲۱۴] سوال: جنازے کے آگے مُلّا وغیرہ سے مرثیہ پڑھوایا جاتا ہے اور نماز کی جگہ بند رکھی جاتی ہے تو شرعاً اس طرح مرثیہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جنازے میں زور سے قرأت آیات یا اور ذکر اذکار کی ممانعت آئی ہے تو مرثیہ کے اشعار اور وہ بھی جنازے کے آگے آگے چل کر پڑھنا تو بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا۔ کما کره رفع صوت بذكر أو قرأة . فتح. وفيه عن الظهيرية فإن أراد أن يذكر اللّٰه تعالىٰ يذكره فى نفسه لقوله تعالىٰ ﴿انه لا يحب المعتدين﴾ اى الجاهرين بالدعاء، وعن ابراهيم انه كان يكره أن يقول الرجل وهو يمشى منها استغفروا له غفراللّٰه لكم. آه. قلت: إذا كان فى الدعاء والذكر فما ظنك بالغناء الحادث فى هذا الزمان. شامى ج ١ /ص ٩٣٢. ويكره رفع الصوت فيها بالذكر وقرأة القرآن وذكر فى فتاوى العطرن كراهة تحريم. (كبيرى ٥٤٦)

قبرستان میں نماز جنازہ پڑھنا

[۲۱۵] سوال: کیا فرماتے ہیں علماء شرع شریف اس مسئلہ میں کہ کوناوڑے میں ایک قبرستان ہے، اس قبرستان میں بڑھ کا ایک درخت ہے، اس بڑھ کے پاس نماز جنازہ پڑھی جاتی ہے، بڑھ کے درخت کے سامنے قبریں ہیں، امام صاحب اس بڑھ کی طرف کھڑے ہوکر نماز پڑھاتے ہیں، تو اس صورت میں نماز جنازہ ادا کرنا حرام ہے یا مکروہ تنزیہی یا تحریمی؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ قبرستان میں اگر ایسی جگہ مہیا کی گئی ہو جہاں قبریں اور نجاست نہ ہو تو ایسی جگہ نماز پڑھنے کی ممانعت نہیں ہے، رہیں سامنے کی قبریں، تو اگرچہ بلاسترہ وحامل قبلہ کی

طرف قبروں کی موجودگی سے مطلق نماز یعنی رکوع اور سجدہ والی نماز میں کراہت آتی؛ مگر یہاں صلوٰۃ مطلقہ نہیں ہے بلکہ صلوٰۃ جنازہ ہے اور اس پر بھی امام کے سترے سے قوم کے سترے کے لیے کفایت ہوگئی، لہٰذا مذکورہ مقام میں اگر قبریں اور نجاست نہیں ہے تو صلوٰۃ جنازہ بلا کراہت جائز ہے۔ ولا بأس بالصلوٰة فيها إذا كان فيها موضع أعد للصلوٰة وليس فيه قبر ولا نجاسة كذا في الخانية ولا قبلته إلى قبر. (حليه) دروشامی ج ١ /ص٣٩٤ (قبيل الاذان) وكذا في الكبيري (كا نفوري) ٣٥٠، قال عليه السلام: أيعجز أحدكم إذا صلى في الصحراء أن يكون أمامه مثل مؤخرة الرحل. هدايه ج ١ /ص١١٨ (وأيضاً فيه) سترة الإمام للقوم. آه. وكذا في الدر المختار مع الشامي ج ١ /ص٦٦٧ وخلاصه ج ١ /ص٦٠ وهذا إذا لم يكن بين يدي المصلي وهذا الموضع حائل. آه.

فاتحۂ میت بعد نماز جنازہ

[۲۱٦] سوال: جنازے کی نماز کے بعد یا میت کو دفن کرنے کے بعد فاتحہ پڑھنا کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نفس فاتحہ وایصال ثواب تو بہر حال جائز ہے اور غیر شرعی قیود سے مقید کرنا بہر حال ناجائز ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بعد تدفین فاصلۂ معین سے فاتحہ پڑھنا

[۲۱۷] سوال: میت کو دفنانے کے بعد قبرستان سے دور جا کر فاتحہ پڑھنے میں آتا ہے تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ میت کے دفنانے کے بعد اس کے سرہانے فاتحۃ الکتاب اور فاتحۂ سورۃ

البقرہ پڑھنے کا استحباب آیا ہے، اس کے علاوہ کسی معین مقام میں فاتحہ خوانی کا ثبوت نہیں۔

ویستحب قراء ۃ فاتحة الکتاب عند رأس المیت وقرأة فاتحة البقرة ای من قوله تعالیٰ ﴿الم۔ ذلك الكتٰب-إلى- مفلحون﴾ شرح شرعة الاسلام ٥٦٦۔

لہٰذا مذکورہ فاتحہ باعتبار تعین مقام بدعت ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

تدفین کے بعد قبر پر اذان دینا

[۲۱۸] سوال: میت کو دفن کرنے کے بعد قبر پر اذان دی جاتی ہے یہ شرعاً کیسا ہے؟ براہ کرم مع حوالہ جواب دیجئے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ یہ فعل بدعت قبیحہ ہے۔کیونکہ قرون اولیٰ میں اس کا کوئی پختہ ثبوت نہیں ملتا ہے اور اگر اس فعل کو لوگ خواہ بہ طور ثواب کرنے لگیں مگر بعد میں لوگ اس کو ایک امر شرعی اور مسنون خیال کرنے لگ جائیں گے اور ایک غیر ثابت امر کو شریعت کا جزء بنانا یقیناً بڑا جرم ہے، اس لئے اس کا تدارک اور منع کرنا ابھی سے لازم ہے، ورنہ رواج پانے کے بعد تدارک غیر ممکن ہو جائے گا اور خوف ہے کہ اس زیادتی فی الدین کے وبال میں وہ لوگ شریک نہ ہو جائیں جو اظہار حق سے روز اول میں سکوت اختیار کر چکے تھے۔ اللھم اهد قومی فانهم لا یعلمون۔ (تنبیه) و فی الاقتصار علی ما ذکر من الوارد اشارة الی انه لا یسن الاذان عند ادخال المیت فی قبره کما هو المعتاد الآن و قد صرح ابن حجر فی فتاویه بانه بدعة و قال و من ظن انه سنة قیاسا علی ندبها للمولود الحاقا لخاتمة الامر بابتدائه فلم یصب۔ و قد صرح بعض علمائنا و غیرهم بکراهیة المصافحة المعتادة عقیب الصلوات مع ان المصافحة سنة و ما ذالك الا لکونها

لم تؤثر فی خصوص هذا الموضع فالمواظبة علیها فیه توهم العموم انها سنة۔
(شامی ج ۱ / ص ۹۳۵)

بعد تدفین میت کے مکان پر فاتحہ پڑھنا

[۲۱۹] سوال: میت دفن کرنے کے بعد میت کے مکان پر جا کر فاتحہ پڑھنے میں آتا ہے اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: میت کے مکان پر فاتحہ خوانی کے لیے جانے کا ثبوت شرعاً نہیں ہے، تعزیت کرنا البتہ آیا ہے مگر وہ انفرادی طور سے دو چار جملوں میں ادا ہو سکتی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ مرحوم کو جوار رحمت میں جگہ دے اور آپ تمام پسماندوں کو صبر جمیل اور موجودہ مصیبت کا دینی اور دنیاوی اجر عطا فرمائے۔

فی زمانا میت کے مکان پر اجتماع چوں کہ ایک دستور اور رواج ہو گیا ہے جس کو حقیقی تعزیت سے کچھ بھی تعلق نہیں؛ بلکہ بجائے اس کے کہ میت کے رشتہ داروں سے ہمدردی اور کسی نہ کسی صورت سے ان کی مصیبت اور غم میں کمی کی کوشش کی جائے الٹا ان پر اپنے آنے کا احسان اور اپنی نشست و دیگر لوازم کا اور فضول مصارف اور اخراجات کا زیر بار بنایا جاتا ہے؛ لہٰذا یقیناً یہ فعل بدعت اور مندرجہ قبائح کے ارتکاب کے باعث سخت مکروہ اور واجب الترک ہے۔ ویکره الجلوس علی باب الدار وما یصنع فی بلاد العجم من فرش البسط والقیام علی قوارع الطریق من أقبح القبائح كذا فی الظهيرية عالمگیری ج ۱ / ص ۱۶۷ فقط واللہ سبحانه تعالیٰ اعلم۔

نماز جنازہ میں تذکیر وتانیث میں غلطی کرنا

[۲۲۰] سوال: امام نے جنازہ کو مرد سمجھ کر نماز پڑھائی اور بعد میں معلوم ہوا کہ میت عورت تھی تو نماز ہوئی کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جب کہ جنازہ حاضر ہو اور دل میں یہ نیت کرلے کہ اس حاضر جنازہ پر نماز جنازہ پڑھتا ہوں تو نماز ہو جاتی ہے اور تذکیر وتانیث کے تعیین کی کوئی ضرورت نہیں ہے؛ مگر باوجود تعیین کے عدم ضروری ہونے کے پھر بھی تعیین کی گئی اور تعیین میں غلطی ہوگئی تو نماز نہیں ہوگی، اس لیے دوبارہ پڑھنی چاہیے۔ و إن اشتبه عليه الميت ذكوراً أو أنثى يقول: نويت أن اصلى مع الإمام على من يصلى عليه الامام. وافاد فى الاشباه بحثاً أنه لونوى الميت الذكر فبان أنه انثى أوعكسه لم يجز. آه. (الدرالمختار) و(قال العلامة الشامى تحته نا قلا عن الهداية) به ظهر ان الصيغة التى ذكرها المصنفؒ غير لازمة فى نيتها؛بل يكفى مجرد نية فى قلبه ارادة صلوٰة الجنازة كما قد مناه عن الحلية، وأنه لايلزمه تعين الميت أنه ذكر أو أنثى خلافا لما مر عن جامع الفتاوى. آه. (الدرالمختار مع الشامى ٤٤٠)

آغا خانی شیعہ کا سنی مسلک کے جنازے میں شرکت کرنا، میت کے ساتھ دم کردہ ڈھیلے رکھنا

[۲۲۱] سوال: آغا خانی شیعہ مسلمانوں کے جنازے میں شرکت کرتے ہیں، جنازے کو کندھے دیتے ہیں، قبر میں میت کے ساتھ مسلمان مٹی دم کرکے رکھتے ہیں تو آغا خانی شیعہ بھی نہ معلوم کیا پڑھ کر مٹی دم کرکے مٹی مسلمانوں کو دے کر وہ مٹی قبر میں رکھتے ہیں، تو کیا آغا خانی شیعہ شرعاً سنی

مسلمان کے جنازے کو کندھے دے سکتا ہے؟ اس کی دم کی ہوئی مٹی قبر میں رکھ سکتے ہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ آغا خوانی شیعہ کا سنی جنازے کو محض کندھا دینے کی ممانعت کی تصریح نہیں آئی ہے، رہا مٹی پر سورتیں پڑھ کر میت کے ساتھ رکھنے کا ثبوت تو خود سنیوں کے نزدیک بھی نہیں ہے؛ بلکہ جو کچھ اس بارے میں مروی ہے وہ یہ کہ میت کی روح کو بطور ایصال ثواب آیتیں اور ادعیہ ماثورہ پڑھ کر اس کی روح کو بخش دیں، ڈھیلوں اور مٹی کو پھونک مار کر میت کے ساتھ دفن کرنا کسی معتبر اور صحیح طریقہ سے مروی نہیں ہے، لہٰذا خود سنیوں کو اس بدعت کو ترک کر کے جو کچھ وہ پڑھیں اس کا ثواب میت کی روح کو بخش دیں، اس طرح کرنے سے خود بھی شریعت کی اتباع کر کے بدعت سے بچیں گے اور آغا خوانی کو بھی اس کا موقع نہ دیں، مٹی دم کر کے قبر میں رکھنے کا ثبوت طحطاوی علی مراقی الفلاح میں ہے۔

تدفین کے بعد میت کے گھر فاتحہ خوانی کی رسم

[۲۲۲] **سوال:** افریقہ میں کوئی مرجاتا ہے تو یہاں ہندوستان میں اہل میت بازار یا دروازہ پر پلاٹ، کرسی وفرش کرتے ہیں اور لوگ فاتحہ کے لیے آتے ہیں اور دروازہ پر بیٹھتے ہیں تو کیا ایسا کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اہل میت میں سے اگر کوئی اپنے گھر میں یا مسجد میں بیٹھے اور لوگ محض اس کے پاس تعزیت کے لیے آتے ہوں اور اس کے پاس آکر اس کو تسلی دیوے اور مصیبت کے اجر کی دعا دیوے تو یہ تعزیت انفرادی طریقہ سے تین روز تک جائز ہے؛ مگر فاتحہ کا اجتماع اور وہ بھی محض ایک رسم کے طور پر، پھر اہل میت پر فرش کے انتظام کا بار ڈالنا اور دروازہ پر اس اجتماع کا انتظام کرنا بدعت اور برا فعل ہے جس کا ترک لازم ہے۔ ولا بأس لأهل المصيبة أن

يجلسوا فى البيت أوفى المسجد ثلاثة أيام والناس يأتونهم ويعزونهم، ويكره الجلوس على باب الدار وما يصنع فى بلاد العجم من فرش البسط والقيام على قوارع الطريق من أقبح القبائح.كذا فى الظهيرية (عالمگيری ج ۱ / ص ۱۶۱)

جنازہ کی نماز قبرستان میں پڑھنا

[۲۲۳] سوال: جنازے کی نماز قبرستان سے کتنے فاصلے پر ہونی چاہیے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ قبرستان سے فاصلے کی تعیین شریعت میں نہیں آئی ہے؛ بلکہ خود قبرستان میں اگر قبروں کے علاوہ خالی جگہ ہوتو اس میں بھی جنازہ پڑھ سکتے ہیں۔

نماز جنازہ میں فرض وسنت کیا ہیں؟

[۲۲۴] سوال: نماز جنازہ میں کتنے فرض، واجب، سنت ہیں؟ اور کس کس جگہ ہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ شرائط چھ ہیں، اور ارکان دو اور سنتیں تین اور واجبات کا ذکر مشائخ نے نہیں کیا ہے۔

شرائط: میت کا مسلمان ہونا، میت کا پاک ہونا، میت کا حاضر ہونا، میت کا زمین پر رکھا ہوا ہونا، نمازیوں کے سامنے ہونا اور قبلہ کی طرف ہونا۔

وشرطها ستة: اسلام الميت، وطهارته، وحضوره، ووضعه، وكونه هو أو اكثره أمام المصلى، كونه للقبلة۔

ارکان: دو ہیں: تکبرات اربعہ اور قیام۔ وركنها شيئان: التكبيرات الأربع، والقيام.

سنتیں تین ہیں: تحمید وثناء اور درود اور دعا۔

وسنتها ثلا ثة: التحميد والثناء والدعاء فيها، قال العلامة الشامي: فعلم أن المراد بهما واحد على ما يأتي بيانه، فكان عليه أن يذكر الثالث الصلوٰة على النبي عليه الصلوٰة والسلام. (شامی ج ۱/ص ۹۰۹ جنائز)

عورتیں نماز جنازہ پڑھ سکتی ہیں؟

[۲۲۵] سوال: عورتوں کو نماز جنازہ پڑھنی کیسی ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ عورتیں اگر نماز جنازہ پڑھیں تو جائز ہے؛ مگرچوں کہ متأخرین علماء نے فساد وفتنہ کی وجہ سے عورتوں کو مردوں کی جماعتوں میں شرکت کو مطلقاً مکروہ لکھا ہے، اس لیے جماعت جنازہ میں بھی ان کی شرکت مکروہ ہوگی۔ كما لو أمت مرأة؛ ولو أمة لسقوط فرضها بواحد. الدرالمختار مع الشامی ج ۱/ص ۹۰۷ ويكره جماعة النساء في غير صلوة الجنازة. (الدرمختار مع الشامی ج ۱/ص ۵۹۰) ويكره حضورهن الجماعة ولو لجمعة أو عيد أو وعظ ولو عجوزاً ليلاً على المذهب المفتى به لفساد الزمان. آه. (الدرالمختار، والتفصيل فی الشامی ج ۱/ص ۵۹۱)

قبرستان میں خالی جگہ کو نماز جنازہ کے لئے مقرر کرنا

[۲۲۶] سوال: ہمارے گاؤں کے قبرستان کے ایک کونے میں قبروں سے خالی جگہ موجود ہے، جن کے متعلق سو برس والے بوڑھے بھی قبروں کی موجودگی سے لاعلم ہیں، اس مقام پر گاؤں والے نمازِ جنازہ پڑھنے کی جگہ مقرر کرنا چاہتے ہیں تو اس میں شرعا کوئی ممانعت تو نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جب کہ اس جگہ قبریں نہیں ہے اور مقام پاک وصاف ہے تو اس میں نماز جنازہ پڑھنے کی کوئی ممانعت نہیں۔ ولا بأس بالصلوٰة فيها إذا كان فيها موضع أعد

للصلوٰة وليس فيه قبر ولا نجاسة كذا في الخانية ولا قبلته إلى قبر. (حليه) (درو شامی ج ۱ / ص ۳۹٤)

اور جب کہ مندرجہ شرائط سے فرض نماز درست ہے تو نماز جنازہ کے جواب میں شک ہی نہیں۔ واللہ سبحانہ اعلم

میت کو قبر میں اتارنے والوں کا قوی اور صالح ہونا اور رات کو جماع کرنے والے کو قبر میں اترنے سے ممانعت اور اس کا جواب

[۲۲۷] سوال: قبر میں میت کو دفن کرنے اترنے کے لیے کون زیادہ افضل ہے؟ ایک صاحب فرماتے ہیں کہ بخاری شریف میں ایک حدیث ہے کہ جس نے رات کو بیوی سے صحبت کی ہو وہ قبر میں نہ اترے یہ کہاں تک صحیح ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مرد کو قبر میں اتارنے کے لیے تو کوئی بھی نیک صالح اور باقوت لوگ ہوں تو ان کا اترنا بہتر ہے، اور عورت کے لیے ذو رحم محرم یا مطلق ذو رحم یا شوہر اجنبی لوگوں سے بہتر ہے، اور اگر ذو رحم محرم یا شوہر موجود نہ ہو تو پھر حاضرین میں سے جو متقی اور صالح ہوں ان کو اترنا افضل ہے، رہی وہ حدیث جو بیان کی گئی ہے تو اس قسم کی حدیث تو نہ بخاری میں موجود ہے اور نہ اور کسی کتاب میں؛ البتہ بخاری وغیرہ میں آیا ہے کہ حضرت ﷺ کی صاحبزادی ام کلثوم کا جنازہ جب قبر پر حاضر کیا گیا تو آنحضرت ﷺ بہت غمگین معلوم ہو رہے تھے اور فرمایا کہ یہاں کوئی ایسا ہے جس نے آج رات عورت سے صحبت نہ کی ہو تو ابو طلحہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ میں نے رات کو صحبت نہیں کی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو قبر میں اتر جا، اس حدیث کے ماتحت شارحین نے یہ بیان کیا ہے کہ یہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جو متوفی کا زوج تھے وہ احق بالتدفین تھے مگر چوں کہ ام کلثوم

رضی اللہ عنہا کی مرض نے طوالت اختیار کی تھی اور شب سے قدرے سکون معلوم ہوا تھا تو حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے بعض کنیز سے صحبت کی جس پر آپ ﷺ کو جب خبر ہوئی تو آپ ﷺ ناراض ہوئے، اور تدفین دوسرے کو تفویض کرنے کی وجہ یہ بتائی کہ جس نے رات کو عورت سے صحبت نہ کی ہو وہ اترے، چنانچہ حضرت طلحہ رضی اللہ عنہ سے بھی ایک رشتہ ہونے سے حکم دیا کہ تُو اُتر، اس حدیث میں شارحین نے جہاں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی طرف سے معذرت کا بیان کیا ہے وہاں اصلی وجہ بھی بیان کی ہے، وہ یہ ہے کہ دراصل حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور خود آنحضرت ﷺ کو قبر میں اترنے سے کوئی اور مانع درپیش تھا اور نہ آپ ﷺ خود بھی نہ اترے، اس کے بعد محدث دہلویؒ نے لمعات میں یہ اشارہ کیا ہے کہ اس حدیث سے تو یہ نہیں نکلتا ہے کہ جورات کو صحبت کرے وہ میت کی قبر میں نہ اترے، ہاں ایک امر کی ترجیح ضرور نکلی ہے کہ اگر ذوی الرحم یا شوہر جو کہ قبر میں اتر سکتے ہیں ان میں سے وہ زیادہ افضل ہوگا جو رات کو عورت سے ہمبستر نہ ہوا ہو، تاہم یہ دلیل افضلیت کی ہوگی نہ کہ جواز وعدم جواز کی۔ ویستحب أن یکونوا اقویاء، امناء، صلحاء، کذا فی التاتارخانیة. وذوالرحم محرم اولیٰ بادخال المرأة من غیرهم کذا فی الجوهرة النیرة، وکذا ذوالرحم غیر المحرم اولیٰ من الأجنبی فإن لم یکن فلا بأس للأجانب بوضعها کذا فی البحر الرائق. عالمگیری ج ۱ /ص۱۶۶.

قال رسول الله ﷺ: "هل فیکم من أحد لم یقارف اللیلة". فقال ابو طلحة رضی اللہ عنہ: أنا، فقال ﷺ: انزل فی قبرها. رواه البخاری. مشکوة ۱۴۹ (والعذر للعثمان) طوالة المرض وعدم فهم شدة الحال، وفی شرح الشیخ لا یشکل هذا علی أن المحارم والزوج اولی من مصلحی الأجانب، قال النووی: لاحتمال أنه ﷺ وعثمان رضی اللہ عنہ کان لهما عذر منعهما بنزول القبر، نعم یوخذ منه

أنـه لـو كـان ثـمـه واحدهم بعيد العهد من الاقتراف فهو اولىٰ. انتهى. ما ذكره الشيخ الدهلوى حاشيه مشكوة ١٤٩۔

قبر میں عہد نامہ رکھنا

[۲۲۸] سوال: قبر میں میت کے ساتھ لکھا ہوا عہد نامہ رکھنا ہمارے یہاں دستور ہے اس کے متعلق شرعی اعتبار سے اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ کفن پر خالی بلا سیاہی لکھنے میں بعض علماء نے جائز ہونے کا قول کیا ہے؛ مگر لکھے ہوئے عہد نامہ کا قبر میں رکھنے کا کسی نے جواز کا قول نہیں کیا ہے، اس لیے اسماء الٰہی کو نجاست سے بچانے کی غرض سے اس فعل کا ترک واجب ہے۔ (شامی ج۱/ص۹۴۶ آخر باب الجنائز۔)

پرانی قبر میں مردہ کو دفن کرنا

[۲۲۹] سوال: کہنہ اور پرانی قبروں میں نئی لاشیں دفن کر سکتے ہیں کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جب تک پرانی لاشیں بوسیدہ ہو کر مٹی نہ ہو جائیں اس وقت تک اس جگہ نئی لاشیں دفن کرنا نہ چاہیے، اور اس کے بعد دفن کر سکتے ہیں، اور بضرورت شدیدہ اس جگہ اگر نئی لاش کی تدفین کی ضرورت لاحق ہو اور پہلی لاش کی ہڈی اب تک مٹی نہیں ہوئی ہو تب بھی تدفین جائز ہے؛ مگر اس صورت میں اول لاش کی ہڈی احترام اور حفاظت سے علیحدہ کر کے دونوں کے درمیان مٹی کا آڑ رکھنا چاہیے؛ تا کہ دونوں کی ہڈی آپس میں نہ ملیں، اور ایک دوسرے سے جدا رہیں۔ ولا يحفر قبر لدفن آخر مالم يبل الأول فلم يبق له عظم إلا عند الضرورة؛ بأن لم يوجد فحٍ تجمع عظام الأول ويجعل بينها وبين الاول حاجز من تراب.كبيرى ٥٥٩ كانفورى، وقال فى البحر ناقلاً عن التبيين:

ولوبلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیره فی قبره وزرعه والبناء علیه.
(البحر الرائق ج ۲/ص ۹۴، عالمگیری ج ۱/ص ۱۶۷،الدرالمختار مع الشامی ج ۱/ص ۸۴۰،۴۴۶،۸۳۵)

پرانے قبرستان کونماز جنازہ کے لیے مصلیٰ بنانا

[۲۳۰] سوال: گاؤں میں ایک جگہ ہے جہاں آج سے پچیس سال قبل قبرستان تھا؛مگراس وقت وہاں میدان ہے،قبروں کی کوئی نشانی نظرنہیں آتی،اس مقام پرنماز جنازہ کے لیے مصلی بنانے کا ارادہ ہےتو کیاشرعاایسےمقام پرنماز جنازہ کے لیے مصلی بنانادرست ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ہاں درست ہے کیوں کہ ایسامقام جہاں مردوں کی ہڈی بوسیدہ ہوگئیں اورقبروں کانشان نہیں ہے وہاں دوسرے کودفن بھی کرسکتے ہیں اورزراعت اورتعمیر کےکاموں میں استعمال کرسکتے ہیں-ولا بأس بالصلوٰة فیها (المقبرة) إذا کان فیها موضع أعد للصلوٰة ولیس فیه قبر ولانجاسة. الدر المختار مع الشامی ج ۱/ص ۳۹۴، وفی التبیین: ولو بلی المیت وصار تراباً جاز دفن غیره فی قبره و زرعه والبناء علیه. البحر الرائق ج ۲/ص ۱۹۵.

شوہرکاعورت کودیکھنا،تکفین وتدفین کرنا

[۲۳۱] سوال: شوہراپنی عورت کی میت کوغسل دےسکتاہے کہ نہیں؟عورت کی میت کودیکھ یاہاتھ سے چھوسکتاہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛سوائےامام ابوحنیفہؒ کے باقی ہرسہ ائمہ کےنزدیک شوہرکے لیے مسئولہ تمام امورجائزہیں،جن کی دلیل حضرت علی رضی اللہ عنہ کاحضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کوغسل دیناہے،مگر

امام صاحبؒ کے نزدیک غسل دینا یا ہاتھ سے بیوی کی لاش کو چھونا دونوں منع ہیں؛ البتہ دیکھنا جائز ہے۔ويمنع زوجها من غسلها ومسها لا من النظر اليها على الأصح. (منية)
وقال الائمة الثلٰثة: يجوز؛ لأن عليا رضي الله عنه غسل فاطمة رضى الله عنها.
(الدرالمختار مع الشامی ج۱/ص۸۹۷)

شوہر اپنی بیوی کو جنازہ میں رکھ سکتا ہے اور قبر میں بھی اتار سکتا ہے۔

[۲۳۲] سوال: شوہر اپنی عورت کی لاش کو جنازہ میں رکھ سکتا ہے کہ نہیں؟ اسی طرح جنازہ کو کندھا دے سکتا ہے کہ نہیں اور قبر میں رکھ سکتا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جب کہ یہ معلوم ہے کہ شوہر اپنی عورت کو بعد مرنے کے دیکھ سکتا ہے، صرف بلا حائل اس کے بدن کو چھو نہیں سکتا ہے تو ظاہر ہے کہ کپڑے کے اوپر سے لاش کو چڑھا بھی سکتا ہے اور اتار سکتا ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ اگر عورت کا محرم یا محض ذی رحم میسر ہو تو قبر میں اس کا اتارنا افضل ہے۔و ذوالرحم المحرم أولى بادخال المرأة القبر وكذا الرحم غير المحرم أولى من الأجنبى، فإن لم يكن فلا بأ س للأجانب وضعها. البحر الرائق ج۲/ص۱۹۳، يكره للناس أن يمنعوا حمل الجنازة المرأ ة لزوجها مع أبيها أو أخيها ويد خل الزوج فى القبر مع محرمها استحساناً وهو الصحيح وعليه الفتوى. (خلاصة البيان ج۱/ص۲۲۵)

قبرستان میں کھانا

[۲۳۳] سوال: قبرستان میں کھانا کھانا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جائز ہے مگر کراہت سے خالی نہیں؛ کیوں کہ زیارت القبور میں فعل

مسنون اور معہود کے سوا باقی افعال مکروہ ہیں، اور فعل مسنون یہ ہے کہ قبروں سے نصیحت اور عبرت حاصل کر کے اپنی موت کو یاد کیا جائے اور مُردوں کو دعا کی جائے اور مندرجہ افعال ان میں سے نہیں ہیں۔ ویکره النوم عند القبر وقضاء الحاجة بلى أو لا وكل ما لم يعهد فى السنة والمعهود ليس منها إلا زيارتها والدعاء عندها قائماً۔ آھ۔عالمگیری ج۱/ص۱۶۶ وكبيرى ٥٦٠ كذا فى البحر

عورتوں کا قبرستان میں جانا

[۲۳۴] سوال: عورتیں قبرستان میں جاسکتی ہیں کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ عورتوں کے قبرستان کے جانے میں مشائخ نے اختلاف کیا ہے، بعض جائز کہتے ہیں اور بعض مکروہ لکھتے ہیں؛ مگر حق یہ ہے کہ اگر عورتیں جوان ہوں، جن کے قبرستان جانے میں فتنہ کا خوف ہو یا قبرستان میں غیر شرعی جزع، فزع اور بکاء کرتی ہوں تو جانا مکروہ ہے، اور اگر مندرجہ ہر دو مانع نہ ہوں تو شرعی طریقہ پر زیارت کی اجازت ہے۔ وقيل: تحرم عليهن، والأصح ان الرخصة ثابتة لهن. (بحر) وقال خير الرملي: إن كان ذلك لتجديد الحزن والبكاء والند ب على ماجرت به عادتهن فلا تجوز، وعليه حمل حديث "لعن الله زائرات القبور" وإن كان للاعتبار والترحم من غير بكاء، والتبرك بزيارة قبور الصالحين فلا بأس إذا كن عجائز، ويكره إذا كن شواب۔ آھ۔ شامی ج۱/ص۹٤۲ جنائز.

قبروں پر رنگ روغن کرنا

[۲۳۵] سوال: ایک شخص اپنے بزرگوں کی قبروں کو تیل، رنگ، روغن کرتا ہے، تو اس کے متعلق حدیث شریف کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛قبروں کو چونہ،رنگ،روغن وغیرہ سے پختہ کرنااورفضول خرچی سے رنگ، روغن کی زینت دیناشرعاممنوع ہے۔ویکرہ بناؤہ بالجص والآجر والخشب لقوله عليه السلام: "صفق الرياح وقطر الامطار على قبر المؤمن كفارة لذنوبه".آھ. مجمع الأنهر ٩٥، وشامی ج ١/ص٩٣٧۔

قبر کی پختگی و بلندی کا حکم

[٢٣٦] سوال:مُردے کی یاد کے لیےقبر کو چاروں طرف سےایک فٹ اونچی باندھنا شریعت محمدی میں کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛قبر کو پختہ بنانایاچونہ لگانا منع ہے،اوراگرقبر کی نشانی باقی رکھنامقصود ہوجس کوعام گذرگاہ بنانے سے روکنااور گاہے بگاہےاس کے پاس آکر فاتحہ ودیگرآیات کی تلاوت کرنا مقصود ہو یا تاکہ آئندہ اپنے رشتہ داروں اوراحباب کواس کے پاس دفن کرنے کی تعیین مقصود ہوتو بقدرایک بالشت یاایک فٹ کچی اونچی بناسکتے ہیں۔فتحمل الكراهة على الزيادة الفاحشة وعدمها على قيده المبلغة له مقدار شبرا و مافوقه قليلا، شامی تحت قوله وتكره الزيادة عليه جنائز ج ١/ص٨٣٨.

سماع الموتی

[٢٣٧] سوال: مرنے کے بعد جب تک میت مکان میں رہتا ہےاس وقت تک اس کے پیچھے جو کچھ کاروائی ہوتی ہےاس کومیت جانتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛مردوں کا سماع اور جاننا ثابت ہے؛مگر ہر حالت میں ہرایک کاروائی کوسننا یاجاننااس کی تصریح اور ثبوت نہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ضرورۃً قبرستان پر راستہ بنانا

[۲۳۸] سوال: ایک گاؤں میں قبرستان اس طور سے واقع ہے کہ جنازے کو لے جانے کے وقت قبرستان پر گذرنا پڑتا ہے اور ان کی بے حرمتی ہوتی ہے، راستے میں پرانی قبریں ہیں جن کی معمولی نشانی باقی ہے، ان قبروں کو برابر کر کے ان پر راستہ بنادیا جائے تو کچھ حرج ہے؟ اور قبروں کو برابر کرنے کی کچھ میعاد مقرر ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر مسئولہ راستے میں قبروں کی موجودگی یقینی ہے اور میت کو لے جانے کے لیے ایسا راستہ ممکن ہو جس میں قبریں نہ ہوں تو اس صورت میں قبروں کو راستہ بنانا یا ان پر گذرنا مکروہ ہے، اور اگر قبروں پر سے گذرنے کے علاوہ راستہ ممکن نہ ہو تو ضرورۃً ان پر گذرنا یا راستہ بنانا درست ہوگا مگر چلنے والوں کو مناسب یہ ہے کہ گذرتے وقت ذکر و تسبیح جاری رکھیں تاکہ ابعد عن احتمال الکراہۃ ہو۔

نصف شعبان والی رات میں قبرستان میں جانا

[۲۳۹] سوال: شعبان کی پندرھویں تاریخ کو بعد عشا قبرستان میں فاتحہ کے لیے جانا چاہیے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ قبرستان میں فاتحہ کے لیے جانا تو ضروری نہیں؛ البتہ ترمذی اور ابن ماجہ کی ایک روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ کا رات کو جنت البقیع میں تشریف لے جانا ثابت ہے، بنا بریں اگر اموات کو فاتحہ وغیرہ ادعیہ پہنچانے اور اپنی موت کو یاد کرنے کی غرض سے جائے تو مستحسن ہوگا۔

(مشکوۃ مبحث قیام رمضان مبدیہ ج۵/ص۲۹۷)

مسجد قبرستان میں نماز جنازہ کا جواز

[۲۴۰] سوال: قبرستان میں ایک مسجد ہے جو پہلے کبھی کبھی اس میں نماز باجماعت پڑھی جاتی تھی؛

مگر عرصہ سے اس میں کوئی نماز نہیں پڑھتے ہیں، اب اس میں نمازِ جنازہ ادا کرنے کا ارادہ ہوا ہے تو کیا اس میں نمازِ جنازہ کی ادائیگی درست ہوگی یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: اگر یہ تحقیق ہو جائے کہ یہ مسجد واقف نے نماز پنجگانہ کے لیے وقف کی ہے تو چوں کہ مسجد ہمیشہ مسجد ہی رہتی ہے خواہ اس میں کوئی نماز پڑھے یا نہیں تو اس بنا پر اس میں نماز جنازہ مکروہ ہوگی، اور اگر یہ معلوم نہ ہو تو محل وقوع کے قرینہ سے یہ اندازہ کیا جائے گا کہ یہ مسجد قبرستان میں نماز جنازہ کے لیے بنائی گئی ہوگی جس میں نماز جنازہ پڑھنی درست ہے، اور موجودہ حالت میں جب کہ اس میں کوئی نماز نہیں پڑھتا ہے تو اس خیال کی اور بھی تائید ہوتی ہے؛ نیز فقہاء جہاں یہ مسئلہ ذکر کرتے ہیں وہاں لفظ "**ویکره فی مسجد جماعة**" ذکر کیا جاتا ہے، اور کہیں "**مسجد جامعٍ ومسجد محلة**" کا ذکر آتا ہے جس سے یہ اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے کہ مذکور مسجد نہ مسجد جامع ہے اور نہ مسجد جماعۃ ہے اور نہ مسجد محلّہ، اس لیے نماز جنازہ کی ادائیگی کے متعلق اس میں ممانعت نہیں تاہم احتیاطاً اگر مسجد کے قبلہ کی طرف اتنی گنجائش نکالی جائے کہ جس میں جنازہ مع امام اور مقتدیوں کی گنجائش رہے اور باقی لوگ مسجد میں کھڑے ہو کر نماز ادا کریں تو بہتر ہوگا۔ وكرهت في مسجد جماعة اى المسجد الجامع ومسجد المحلة. قهستاني. شامي ج ١ /ص ٨٢٧، وتكره في مسجد جماعة ان كان الميت فيه وان كان خارجه اختلف المشائخ لكن في الإصلاح ولو كانت الجنازة والامام وبعض القوم خارج المسجد وباقي القوم في المسجد كما هو المعهود في جوامعنا لا يكره باتفاق اصحابنا، وإنما الاختلاف لو كانت الجنازة وحدها خارج المسجد والامام والقوم في المسجد وكلام المصنف يدل على هذا. تدبر. مجمع الأنهر ج ١ /ص ٩٤.

حاملہ میت کے پیٹ کو چیرنا

[۲۴۱] سوال: اگر حاملہ کے ایام زائیدگی کامل ہو چکے ہوں اور مر جائے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر پیٹ میں بچے کی حرکت سے اس کا یقین ہو کہ بچہ زندہ ہے تو لاش کے بائیں طرف پیڑو میں شگاف کر کے بچے کو نکالا جائے اور اگر کچھ حرکت وغیرہ زندگی کے آثار معلوم نہ ہوں تو غالب یہ کہ بچہ مر گیا ہوگا اس لیے پیٹ کو چاک نہ کرنا چاہیے؛ بلکہ معمولی لاش کی طرح دفن کرنا چاہیے۔ حامل ماتت وولدها حي يضطرب شق بطنها من الأيسر ويخرج ولدها. درمختار مع الشامی ج ۱/ص ۸۴۰، اسعدیہ ج ۱/ص ۱۴۔

تجہیز و تکفین اور نماز جنازہ کے فریضہ کی ادائیگی میں ایک شخص کا کافی ہونا/ کافر سے علاوہ نماز جنازہ کے دیگر امور میں مدد لینا

[۲۴۲] سوال: دو مسلم ایک نصرانی موٹر میں سفر کر رہے تھے اور ایسے جنگل اور بیابان میں گئے کہ پہاڑ اور ندی کے علاوہ نزدیک نہ آبادی تھی اور نہ کوئی راہ گزر تھا، کہ اتنے میں ایک مسلم کا انتقال ہو گیا، چوں کہ ان کا یہ پہلا سفر تھا واقفیت نہ تھی، اس لیے انہوں نے میت کے ساتھ پتھر باندھ کر ندی میں ڈال دیا تو اس کو شرعاً کیا کرنا تھا اور کیا وہ گنہگار ہوا کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نماز جنازہ، تکفین، تدفین فرض کفایہ ہے اور یہ فرض ایک شخص ہی ادا کر سکتا ہے، اور جب یہاں دوسرا کوئی نہ تھا صرف ایک مسلم، نصرانی تھا تو مندرجہ فرض مسلم پر فرض عین ہو گیا تھا پھر نماز کے علاوہ تکفین، تدفین کی اعانت ضرورۃً غیر مسلم سے بھی ممکن تھی؛ مگر زندہ مسلم نے یہ سب فرض ترک کر کے ایک مسلم بھائی کو بلا نماز جنازہ و بلا تکفین و تدفین بے حرمتی سے ندی میں ڈال دیا جس کی وجہ سے وہ سخت گنہگار ہوا، اب سوائے اس کے کہ اللہ عزوجل کے جناب میں عجز کے

ساتھ صدق دل سے توبہ واستغفار طلب کرے اور مرحوم کے لیے دعا کرتا رہے اور کوئی چارہ نہیں۔

و الصلوٰة عليه فرض كفاية كدفنه وغسله و تجهيزه، فانها فرض كفاية. الدر المختار مع الشامی ج ١ /ص ٨١١، فيغسل الكافر المسلم للضرورة. (شامی ج ١ /ص ١٣٣) والصلوٰة على الجنازة فرض كفاية إذا قام به البعض واحداً كان أو جماعة سقط عن الباقين، و إذا ترك الكل اثموا. (عالمگیری ج ١ /ص ١٦٢)

غائبانہ اور متعدد نماز جنازہ کا حکم

[۲۴۳] سوال: ایک میت پر متعدد نماز جنازہ جائز ہے کہ نہیں؟ کیوں کہ شیخ الہند اور مرحوم محمد علی وغیرہ کی نماز جنازہ متعدد بار متعدد مقامات پر ادا کی گئی۔

الجواب: وباللہ التوفیق: امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک نہ غائب پر نماز درست ہے اور نہ ایک مرتبہ سے زائد نماز جنازہ درست ہے، اور نہ نوافل نماز جنازہ کی مشروعیت کہیں ثابت ہے، اگر یہ بات ممکن ہوتی تو آنحضرت ﷺ کا جسم اطہر چوں کہ یقیناً بلاتفسیر یسیر الآن کما کان موجود ہے، مگر ایک نماز کے بعد آج تک نہ کسی غائب نے یہ نماز ادا کی اور نہ کسی حاضر نے، صرف نجاشی پر آپ ﷺ کا نماز جنازہ غائبانہ پڑھانا ثابت ہے، اور شہداء احد کے لیے متعدد بار نماز جنازہ احادیث سے ثابت ہے: مگر جمہور نے نجاشی کی نماز جنازہ کو آنحضرت ﷺ کی خصوصیات پر حمل کیا ہے، اور احد کے شہداء وغیرہ پر جو نماز جنازہ کا ثبوت ملتا ہے اس کا جمہور نے یہ جواب دیا ہے کہ یہاں صلوٰۃ بمعنی دعا کے ہے اور ایک میت کو متعدد بار دعا دے سکتے ہیں یا یہ بھی آپ ﷺ ہی کی خصوصیت تھی۔

و لا يصلى على ميت إلا مرة واحدة، والنفل بصلوٰة الجنازة غير

مشروع، كذا فى الايضاح. عالمگيرى ج ١ /ص١٦٣، و كذا فى مجمع الانهر٩٣، ٩٤. وزاد فى الفتح و غيره شرطاً ثالثاً فى الميت وهو وضعه أمام المصلى فلا تجوز على غائب و لا على حاضر محمول على دابة و غيرها.(ثم قال) و أما صلوٰته ﷺ على النجاشى فاما لانه رفع له عليه الصلوٰة والسلام سريره حتى رآه بحضرته فتكون صلوٰة من خلفه على ميت يراه الإمام.آه.و اما ان يكون مخصوصاً بالنجاشى.آه.و اجاب فى البدائع بثالث: و هو:أنها الدعاء لا للصلوٰة المخصوصة.آه.البحر الرائق ج ٢ /ص١٧٩.

جمعہ کی فضیلت موت کے ساتھ ہے یا تدفین کے ساتھ؟

[۲۴۴] **سوال:** سنتے ہیں کہ جمعہ کے روز جو میت ہوتا ہے اس سے سوال فی القبر نہ ہوگا، تو اگر کوئی شخص جمعہ کے روز مر جائے مگر ہفتہ کی رات یا دن میں دفن کیا جائے اس کو مندرجہ فضیلت جمعہ حاصل ہوگی کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اس میت کو جمعہ کی فضیلت حاصل ہوگی؛ کیونکہ فضیلت پانے کے لیے جمعہ کی رات یا دن میں مرنا ہی علت قرار دی گئی ہے نہ کہ دفن کرنے کو، باقی قبر میں سوال کے متعلق بعض روایات ایسی آئی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ اس سوال سے بعض افراد مستثنیٰ ہیں، مثلاً: شہید اور وہ شخص جس نے جمعہ کی رات یا دن کو انتقال کیا ہو اور انبیاء کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین؛ مگر دسری طرف سوال قبر کے متعلق اس قسم کے عام الفاظ آتے ہیں جن کو دیکھتے ہوئے خیال ہوتا ہے کہ اس سوال سے کوئی بھی مستثنیٰ نہیں، اور جو دلائل استثناء کے پائے جاتے ہیں ان کا یہ مفہوم ہوسکتا ہے کہ دوسروں کی نسبت ان سے سہولت کے ساتھ سوال و جواب ہوگا یا یہ کہ اللہ

تبارک وتعالی کی طرف سے جوابِ باصواب کا الہام کیا جائے گا جس طرح کہ بچوں کو الہام کیا جائے گا اور جو آیت کریمہ میں بھی اس کا اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ ﴿یثبت اللہ الذین آمنوا بالقول الثابت فی الحیوۃ الدنیا والآخرۃ﴾ بہرحال مذکورہ افراد کے سوال فی القبر کے متعلق اختلاف ہے، ان میں صرف انبیاء علیہم السلام کے متعلق راجح قول عدم سوال کا پایا گیا ہے مگر دوسروں کے متعلق ترجیح نظر سے نہیں گذری، اس لیے جمعہ میں جو شخص مرجاتا ہے اس کے متعلق اجمالاً اس قدر یقین رکھنا چاہیے کہ دوسروں کی نسبت عذاب القبر اور سوال وجواب میں تخفیف اور سہولت ہوگی، اوراس سے زائد تفصیل میں نہ پڑنا چاہیے۔ و فی الا جداث عن توحید ربی سبیلی کل شخص بالسوال (امالی) وقد وردت احادیث باستثناء عدة فلا یسئلون: منهم: الشهید والمرابط یوما ولیلةً فی سبیل الله ومن مات یوم الجمعة أو لیلتها. شرح أمالی لعلی قاری ۳۷، وکذا یفهم من الشامی ج ۱/ص ۸۵۳،السوال فیما یستقر فیه المیت(الی ان قال) وهو لکل ذ ی روح حتی الصبی. والله تعالی یلهمه. فتاوی بزازیة بر عالمگیریة ج ٤/ص ۸۰، واما الانبیاء علیهم السلام فالأصح أنهم لا یسئلون کما جزم به النسفی فی البحر.آه.شرح امالی لعلی قاری۳۷، وقد فصل علی القاری هذه المسئلة فی شرح الفقه الاکبر وقال فی نظم کلامه ما نصه.

وقال القرنوی: ان کان عاصیا یکون له عذاب القبر وضغطة القبر لکن ینقطع عنه عذاب القبر یوم الجمعة ولیلة الجمعة ولا یعودالعذاب الی یوم القیامة، وإن مات یوم الجمعة أو لیلة الجمعة یکون له العذاب ساعة واحدة وضغطة القبر ثم ینقطع عنه العذاب ولا یعود إلی یوم القیامة.انتهی. فلا یخفی أن المعتبر فی

العقائد الأدلة اليقينية وأحاديث الآحاد ولو ثبتت انما تكون ظنية اللهم الا اذا تعدد طرقه بحيث صار متواترا معنوياً فحينئذ قد يكون قطعياً، نعم ثبت فی الجملة ان من مات يوم الجمعة أو ليلة الجمعة يرفع العذاب عنه إلاأنه لا يعود إليه إلى يوم القيامة فلا أعرف له أصلا آه والتفصيل فی شرح الفقه الاكبر لعلی القاری مطبوعه مصر۸۹ الی ۹۳. واللّٰہ سبحانه تعالیٰ اعلم۔

جنازہ کے ساتھ جہراً تلاوت اوراذکار پڑھنا

[۲۴۵] سوال: جنازہ کے ساتھ جہراً قراءۃ القرآن یادیگر جہری اذکار کیسے ہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ تلاوت یادیگر ہر قسم کے اذکار جہراً منع ہےاورآہستہ پڑھنے کی اجازت ہے۔كما كره فيهارفع الصوت بذكر أو قرأة.فتح۔ الدرالمختار والتفصیل فی الشامی ج ۱ /ص ۸۳۵، على متبعی الجنازة الصمت ويكره لهم رفع الصوت بالذكر والقرأة.

نمازِ جنازہ میں ہاتھوں کا نہ باندھنا

[۲۴۶] سوال: نماز جنازہ میں بجائے ہاتھوں کے باندھنے کے اگر ارسال کیا جائے یعنی ہاتھوں کو سیدھا لٹکائے چھوڑے تو نماز ہوگی کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نماز تو ہوگی مگر کراہت کے ساتھ؛ کیوں کہ ہر قیام کہ جس میں مقرر ذکر مسنون ہواس میں ہاتھ باندھنا مسنون ہے،اورخلاف سنت جوفعل ہووہ مکروہ ہوتا ہے۔وهو (ای الوضع) سنة قيام له قرار فيه ذكر مسنون فتضع حالة الثناء وفی القنوت وتكبيرات الجنازة. الدرالمختا ر والشامی ج ۱ /ص ۴۵۵۔

مردہ پیدا ہونے والے بچہ کی تدفین کا حکم اور اس کے محشور ہونے کا مسئلہ

[۲۴۷] سوال: جو بچے کہ مردہ پیدا ہوتے ہیں ان کے نام رکھنے اور تکفین، تدفین، نماز جنازہ وغیرہ دوسرے مردوں کی طرح ہونا چاہیے یا نہیں؟ اور قیامت کے دن وہ قبروں سے زندہ ہوکر اٹھیں گے اور محشور ہوں گے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مردہ بچے جو پیدا ہوجاتے ہیں ان میں اگر انسانی اعضا کی تکمیل اور تمیز ہو چکی ہو تو ان کی تدفین، تکفین میں تو ان تمام امور کی بجا آوری لازم نہیں جو دوسرے مردہ میں لازمی ہے تاہم چونکہ وہ انسان کے بچے ہیں اس لیے انسانی کرامت وشرافت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کا اسلامی نام رکھا جائے اور معمولی طور سے دھوکر کپڑے میں لپیٹا جائے اور بغیر نماز جنازہ دفن کیا جائے، رہا یہ کہ وہ قیامت میں دیگر اموات کی طرح محشور ہوگا کہ نہیں تو اگرچہ اس میں علماء کا اختلاف ہے؛ مگر صحیح یہ ہے کہ وہ بھی دیگر اموات کی طرح محشور ہوں گے؛ کیوں کہ ابن ماجہ میں (سقط) یعنی مردہ پیدا شدہ بچوں کے متعلق دو حدیثیں ایسی آئی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ والدین کی نجات کے متعلق حضرت باری عز مجدہ کی بارگاہ میں سفارش وشفاعت کریں گے اور ظاہر ہے کہ شفاعت زندہ ہوکر ہی کریں گے، اس کے ساتھ پروردگار عالم کا ان سے خطاب کہ (ایها السقط المراغم. آھ.) اس سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ سقط شفاعت اور خطاب کا اہل بنایا جائے گا جس سے ان کا محشور ہونا ثابت ہوتا ہے، اور صاحب الدر المختار وغیرہ کا بھی رجحان محشور ہونے کی طرف ہے جس کو وہ مختار کر کے لکھتے ہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

وإن لم يستهل غسل وسمى عند الثاني وهو الأصح فيفتى به على خلاف ظاهر الرواية اكراما لبني آدم (إلى أن قال) وفي النهر عن الظهيرية: وإذا استبان بعض خلقه غسل وحشر وهو المختار. آھ. الدرالمختار والتفصيل في الشامي ج ١ / ص ٨٣٠ في آخر الجنائز.

مسلم کے کافرہ سے زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے بچہ کے کفر کا حکم

[۲۴۸] سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اور مفتیان شرع اس مسئلہ میں کہ زید کہتا ہے کہ ولد الزنا من مسلم وکافرۃ ونصرانیۃ (جو ماں کافرہ اور باپ مسلمان دونوں کی پرورش میں ہو یا صرف مسلمان باپ کی پرورش میں ہو) اگر بچپن میں مرجائے تو اس کی تجہیز وتکفین وغیرہ مسلمانوں کی طرح کی جائے گی بالخصوص جب کہ اس بچہ کا نام بھی مسلمانوں کا سا ہو؛ نیز تمیز سے پہلے کسی اسلامی مدرسہ میں داخل کر دیا گیا ہو اور وہ وہیں مدرسہ میں فوت ہو جائے تو بھی اس کی تجہیز وتکفین مسلمانوں کی طرح کی جائے گی اور اس پر صرف در بارۂ تجہیز وتکفین حکم بالاسلام کیا جائے گا اور اس پر علامہ ابن عابدین کا وہ قول جو شامی (ج۲/ص ۵۴۸) میں تحریر ہے سند میں پیش کرتا ہے اور کہتا ہے کہ علامہ کے قول کو مستند قرار دیتے ہوئے وسعت کی گنجائش ہے بناءً علیہ وہ ولد مسلمان قرار دیا جائے گا اور اس کی تجہیز وتکفین وغیرہ مسلمانوں کی طرح کی جائے گی، برخلاف اس کے عمرو کہتا ہے کہ یہ شامی کی ذاتی رائے ہے جو تمام کتب فقہ اور حدیث کے معارض ہے اس لیے قابل حجت نہیں اور ایک شخصی رائے پر حدیث قطعی کے خلاف فتویٰ دینے کی گنجائش نہیں اور اپنے قول کی تائید میں حسب ذیل دلائل پیش کرتا ہے:

حدیث "الولد للفراش وللعاهر الحجر" نص قطعی کے ہوتے ہوئے قیاس کوئی چیز نہیں اور علامہ شامی نے جو دلیل پیش کی ہے کہ "كل مولود يولد على الفطرة" آھ یہ بھی زید کے قول کی تائید نہیں کرتی ہے کیونکہ فطرت کے معنی میں دو احتمال ہیں اسلام یا استعداد اسلام، والثانی اقرب لحديث ابی داؤد كل مولود يولد على الفطرة وفيه قالوا يا رسول افرأيت من يموت وهو صغير، قال: الله اعلم بما كانوا عاملين باب فى ذرارى المشركين ٢. فلو كان معنى الفطرة الاسلام لما توقف

صلعم فی حکمهم لأن الشئ إذا ثبت ثبت بلوازمه ومن لوازم الاسلام الحکم بدخول الجنة وفی مجمع البحار یرید أنه یولد علی نوع من الجبلة و الطمع المنتهی بقبول الدین آھ اوراگراقرب بھی نہ ہوتب بھی اذا جاء الا حتمال بطل الاستدلال۔ اور محتمل قطعی کا معارض بھی نہیں ہوسکتا ہے،شامی نے اپنی رائے میں جواس حکم میں مصالح لکھے ہیں اس کے مقابل جومفاسد مرتب ہوتے ہیں وہ نظرانداز کرتے رہتے ہیں حالانکہ دفعِ شرجلب منفعت سے بہتر ہوتا ہے،وہ مفاسد یہ ہیں کہ اگراس پرعمل کیا جائے تواس میں وہ زانی مسلم اپنے فعل قبیح کی قباحت کا احساس بھی نہ کرے گا اور نہ کافرہ کواسلام کی ترغیب دے گا اور نہ شرعی نکاح کی طرف میلان کوترجیح دے گا؛ بلکہ اولاد پیدا کرنے کا ایک ذریعہ تو شرعی نکاح سمجھے گا اورایک طریقہ یہ کہ بلا قید ملت ونکاح بھی جائز بچے پیدا کئے جاسکتے ہیں اوراس خیال میں مدت العمر زنا کا ارتکاب کرتا رہے گا اس ضرر کے دفعیہ کا یہی علاج ہے کہ بچے کی نسبت اس زانی سے کاٹ دی جائے کما قال علیه السلام: الولد للفراش وللعاهر الحجر (الحدیث)

عام فقہاء رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ ولدالزنا کی نسبت اس کی ماں کی طرف کی جائے گی اور بچہ اسلام اورکفر میں اپنی ماں کا تابع ہوگا۔

(۳) حضرت مولانا عبدالحی صاحب کے مجموع الفتاوی ج ۱ / ص ۳٦۸ باب التجهیز والتکفین میں مرقوم ہے:

(سوال) مسلمان اورکافرہ عورت سے یا کافر مرد اور مسلمان عورت سے بذریعۂ زنا لڑکا یا لڑکی پیدا ہوکر قبل بلوغ یا بعد بلوغ مرجائے توان کی تجہیز وتکفین کا کیا حکم ہے؟

جواب: بلوغ کے بعد اگر وہ ایمان لائے تو مسلمان کی طرح ان کی تجہیز وتکفین ہوگی ورنہ کفار کی طرح اور بلوغ کے پہلے وہ ماں کے تابع ہے؛ کیوں کہ ولدالزنا کا نسب زانیہ سے ثابت

ہوتا ہے نہ زانی سے،اور بحر وغیرہ میں ہے:هو تابع لأحد أبويه إلى البلوغ مالم يحدث إسلاماً و هو مميز وہ اپنی ماں باپ میں سے سن بلوغ تک ایک کا تابع رہے گا یہاں تک کہ سن تمیز تک پہنچ کر اسلام ظاہر کرے،پس جب تک وہ ایام تمیز میں اسلام نہ لائے گا تو ماں کا تابع ہوگا۔حرره عبد الحی۔

اب سوال یہ ہے کہ زید حق پر ہے یا عمرو؛ نیز اگر زید نے گنجائش تراش کر حکم بالاسلام کا فتویٰ دیا اور اس ولد کی تجہیز و تکفین و تدفین مسلمانوں کی طرح مسلمانوں کے قبرستان میں کردی تو اس کا کیا حکم ہے؟ اگر زید غلطی پر ہے تو آئندہ اس کو کیا رویہ اختیار کرنا چاہیے؟ نیز اگر عمرو نے مذکورہ بالا دلائل کی رو سے کفر کا فتویٰ دیا تو اس کا کیا حکم ہے؟ آثم تو نہیں ہے؟ تو جروا. مہتمم جامعہ ڈابھیل سورت۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اللهم ارنا الحق حقاً وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلاً وارزقنا اجتنابه۔

مذکورہ مسئلہ میں عمرو کا قول موافق حدیث اور مطابق اقوال فقہاء رحمھم اللہ تعالی ہے اور یہی قول واجب العمل ہے اور اس بارے میں جو تحریر مولانا عبدالحی صاحب مرحوم کے فتوٰی سے عمرو نے نقل کی ہے یہی تفصیل اسلام ولد الزنا میں مطابق نقل و عقل ہے اور جب کہ عمرو نے ایک مفتی بہ قول کی وجہ سے ولد الزنا کو اس کی ماں سے ملحق قرار دے کر کفر کا فتویٰ دیا ہے تو اس میں وہ ماجور تو ہوسکتا ہے مگر آثم نہیں ہوسکتا ہے،اور زید کا قول خلاف نص "الولد للفراش وللعاهر الحجر" اور خلاف اقوال فقہاء ہے اور شامی کا مندرجہ قول خود ان کی ذاتی رائے ہے، جو نصوص اور اقوال فقہاء کے مقابلہ میں قابل التفات بھی نہیں ہے،خصوصا جب کہ چلپیؒ کے آخری قول میں جو خود شامی نے نقل کیا ہے اس کی تردید موجود ہے؛ يعني والذي يقوى عندي أنه لا يحكم بإسلامه على مقتضى مذهبنا وإنما اثبتوا الأحكام المذكورة احتياطاً نظراً

لحقيقة الجزئية بينهما. آھ. اس قول میں عدم اعطاءزکوٰۃ اور عدم نکاح کے شبہ کا جواب بھی موجود ہے اور حکم بعدم اسلامہٖ کو مقتضی مذھبنا قرار دیا ہے، تعجب تو شامی کے قول سے ہے کہ عدم اعطاءزکوٰۃ اور عدم نکاح کی احتیاط پر احتیاط حکم اسلام کا کس طرح قیاس کرتے ہیں وہاں کی احتیاط تو ظاہر ہے کہ جزئیت مانع زکوٰۃ ونکاح تو ہوسکتا ہے مگر مانع کفر تو نہیں ہوسکتا ہے، خصوصا جب کہ جزئیہ بھی ایسا ہو کہ شارع نے اس کا اعتبار ہی نہ کیا ہو اور ولد ملاعنہ میں لاعن سے نسب کی نفی کر کے ماں سے ملحق کیا ہو، حالانکہ نسب کا معاملہ بچہ کے لیے اصح ہونے میں کچھ کم اہم نہ تھا اور قبل ازیں فراش صحیح بھی موجود تھا تو جہاں صحیح فراش بھی موجود ہو وہاں زانی باپ کی طرف نسبت کرنا احتیاط تو نہیں ہوسکتا ہے ہاں بے احتیاطی ضرور ہے، لہٰذا زید کا فتویٰ خلاف حدیث صحیح اور خلاف مذہب حنفی ہے جس کو اپنے قول سے رجوع کر کے صراط مستقیم اختیار کرنا چاہیے اور عمرو نے جو فتویٰ دیا ہے وہ حق اور واجب العمل ہے اور حق قول کے اظہار میں وہ ماجور ہے نہ کہ آثم۔

اس کے ساتھ سوال کا وہ حصہ جس میں وہ بچہ کسی اسلامی مدرسہ میں داخل کر دیا گیا ہو اور وہیں مر گیا ہو تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ سن تمیز میں اسلام قبول کر چکا تھا تو مسلمان سمجھا جائے گا جس کی تجہیز وتکفین مسلمانوں کی طرح کی جائے گی اور اگر سن تمیز میں اسلام قبول نہ کیا ہو یا قبل سن تمیز گذر گیا ہو تو مسلمانوں کی طرح تجہیز وتکفین تو نہ کی جاوے؛ البتہ صرف انسانی حرمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کپڑوں میں لپیٹ کر اسلامی قبرستان سے الگ جگہ گاڑ دیا جائے۔ ويغسل المسلم ويكفن ويدفن قريبه الكافر الاصلى عند الاحتياج من غير مراعاة السنة فيغسله غسل الثوب النجس ويلقه فى خرقة ويلقيه فى حفرة. (الدر المختار مع الشامى ج ۱/ص ۸۳۲)

میت کو قبر میں کروٹ دے کر لٹانا

[۲۴۹] سوال: میت کو قبر میں چت لٹانا چاہیے یا کروٹ پر؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ داہنے کروٹ پر قبلہ رخ کرکے۔ و یبقی کو نہ علی شقہ الأیمن. (الدر المختار) و یو ضع فی القبر علی جنبه الأیمن مستقبل القبلة. (خلاصه) عالمگیری ج ١/ ص١٦٦.

جنازہ کی نماز میں چوتھی تکبیر کے بعد ہاتھ چھوڑ دیوے یا سلام کے بعد چھوڑے؟

[٢٥٠] سوال: جنازے کی چوتھی تکبیر کہنے کے بعد سلام پھیرنے کے وقت ہاتھوں کو باندھے رکھنا چاہیے یا چھوڑ دینا چاہیے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چاروں تکبیروں میں سے پہلی تکبیر میں رفع الیدین کرنا باقی میں باندھنا آیا ہے، سلام کے وقت تصریح کہیں نظر سے نہیں گذری؛ مگر قاعدہ چاہتا ہے کہ سلام نماز کے مکملات اور ملحقات میں داخل ہے۔ کما قال علیه السلام: "وتحلیلها التسلیم" اس بنا پر سلام کے وقت بھی حسب سابق ہاتھوں کو باندھے رکھنا چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

لأن الوضع سنة قیام طویل فیه ذکر مسنون. شامی ج ١/ ص٧٨٢. بل یضع مصلی الجنازة بعد التکبیر الآخر عن تکبیراته ثم یسلم لم یرسل ثم یسلم وهو أنه لیس بعد التکبیر الاخیر ذکر مسنون فیسن فیه الارسال. (سعایه)

اگر عورت کو غسل دینے والی عورت میسر نہ ہو تو مرد کے غسل دینے کا طریقہ نیز مرد کو غسل دینے والا مرد میسر نہ ہو تو عورت کے غسل دینے کا طریقہ

[٢٥١] سوال: ایک مرد ایسی جگہ گذر جائے کہ جہاں غسل دینے والا مرد نہ ملے یا عورت گذر جائے جہاں غاسلہ میسر نہ ہو تو غسل کی کیا صورت کی جائے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر مرد ایسی جگہ گذر جائے کہ جہاں غسل دینے والا مرد نہ مل سکے تو اگر اس کی عورت ایسی موجود ہو جو موت کے وقت اس کے نکاح میں ہو تو وہ غسل دیوے، اور اگر وہ نہ ہو تو کسی کافر مرد کو غسل کی ترکیب سمجھا کر اس سے غسل دلاوے، اگر یہ بھی نہ ملے تو نابالغ لڑکی سے غسل دلا دیا جائے اگر غسل دے سکے، اور اگر یہ بھی میسر نہ ہو تو پھر تیمّم کرائے اور غسل نہ دیویں، تیمّم کے لیے اگر ذی محرم عورت ہو تو ہاتھ سے تیمّم دیوے اور اگر اجنبیہ ہو تو ہاتھ سے کپڑا لپیٹ کر تیمّم کرائے، اسی ترکیب سے اگر عورت گذر جائے تو اگر مسلمہ غاسلہ نہ ملے تو کافرہ سے ورنہ نابالغ لڑکے سے ورنہ تیمّم کرائے۔ صرف یہاں اتنا فرق ہے کہ عورت کو اس کا شوہر غسل نہیں دے سکتا ہے برخلاف شوہر کو عورت غسل دے سکتی ہے۔ ماتت بين رجال أو هو بين نساء، يممه المحرم فإن لم يكن فالأجنبي بخرقة. (الدرالمختار، وتفصيله في الشامي ج ۱/ص ۹۰۰،وحاشيه چلپی علی زيلعي على الكنز)

عورت، مردوں کے درمیان یا مرد، عورتوں کے درمیان فوت ہو جائے تو اس کے غسل کا طریقہ

[۲۵۲] **سوال**: اگر عورت ایسی جگہ فوت ہو جائے جہاں کوئی مسلم عورت غسل دینے والی نہ مل سکے یا مرد ایسی جگہ گزر جائے جہاں مسلم غسل دینے والا مرد نہ مل سکے تو ایسی حالت میں عورت اپنے شوہر کو اور شوہر اپنی عورت کو غسل دیکر دفن کریں یا بلا غسل دے کر دفن کریں یا اور کوئی صورت ممکن ہو تو لکھیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ایسی مجبوری میں عورت تو اپنے شوہر کو غسل دے سکتی ہے، مگر شوہر اپنی عورت کو نہ غسل دے سکتا ہے اور نہ ہاتھ سے چھو سکتا ہے، پس ایسی حالت میں اگر غیر مسلم یا غیر

مسلمہ میسر ہوتو اس کو غسل سکھلا کر ہم جنس سے غسل کرایا جائے، اور اگر وہ بھی میسر نہ ہوتو اور بچہ نابالغ جو شہوت سے باہر ہوتو اس کو غسل سکھلا کر غیر جنس کو بھی غسل دلا سکتے ہیں، اور اگر یہ بھی میسر نہ ہوتو غیر جنس بالغ سے تیمّم کرایا جائے، اس طور سے کہ ہاتھ سے کپڑا لپیٹے اور آنکھیں بند کر کے تیمّم کرائے؛ البتہ اگر مندرجہ مجبوری سے شوہر اپنی عورت کو تیمّم کراتا ہوتو آنکھیں بند کرنے کی ضرورت نہیں؛ کیوں کہ شوہر کو اپنی بیوی کی لاش کا دیکھنا منع نہیں ہے۔

تنبیہ: یہ مسئلہ بھی بالتبع یاد رکھنا چاہیے کہ مندرجہ مجبوری اس وقت لاحق ہوسکتی ہے کہ مرد یا عورت کی میت بالغ یا کم از کم حد شہوت میں ہو اور اگر اس قدر صغیر یا صغیرہ ہو جو حد شہوت میں داخل نہ ہوا ہوتو اس کو بہر حال غیر جنس کا غسل دینا جائز ہے۔ ماتت بين رجال أو هو بين نساء تيممه المحرم وإن لم يكن فالأجنبى بخرقة. (الدرالمختار) ثم اعلم ان هذا اذا لم يكن مع النساء رجل لا مسلم ولا كافر ولا صبية صغيرة فلومعهن كافر علمنه الغسل؛ لأن نظر الجنس أخف؛ وإن لم يوافق فى الدين، ولو معهن صبية لم تبلغ حد الشهوة واطاقت غسله علمنها غسله لأن حكم العورة غير ثابت فى حقها وكذا المرأة تموت بين رجال معهم امرأة كافرة أو صبى غير مشتهى كما بسطه فى البدائع. شامى ج ١/ص ٩٠٠، والبحر الرائق ج ٢/ص ١٧٥.

☆......☆......☆

کتاب الزکوٰۃ

زیور میں زکوٰۃ کا واجب ہونا

[۲۵۳] سوال: زید اپنے باپ کے ساتھ رہتا ہے اور کھانا پینا باپ ہی کے ساتھ ہے اور اپنے باپ کی دوکان میں کام کرتا ہے، زید کی عورت کو بھی زید کا باپ ہی کھلاتا ہے، اب سوال یہ ہے کہ زید کا باپ قرض میں ڈوبا ہوا ہے، اور زید کی بیوی کے پاس پندرہ سو روپے کا زیور ہے تو اب زید پر یا زید کی بیوی پر زکوٰۃ دینا واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ زید یا زید کی بیوی زید کے والد کے دین سے ماخوذ نہیں ہیں. لہٰذا ان میں سے مالک زیور کو اگر خود ذاتی طور پر ایسے امور درپیش نہ ہوں جو موجب سقوط زکوٰۃ ہوں. تو اس زیور میں زکوٰۃ واجب ہوگئی؟ ويجب في تِبرهما وحليهما سواء كان للنساء اولا، وقدر الحاجة أو فوقها، أو يمسكها للتجارة أو للنفقة أو للتجمل أو لم ينو شيئا. آه. (مجمع الانهر ج ۱ /ص ۱۰٤) والمسئلة ظاهرة.

مالدار سید پر زکوٰۃ کا واجب ہونا

[۲۵۴] سوال: سید کو زکوٰۃ دینا منع ہے تو کیا سید کو زکوٰۃ نکالنا بھی منع ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ارکان خمسہ ہر مسلم پر فرض ہے اس میں انساب کی تفریق نہیں ہے نص قرآنی ﴿وآتوا الزکوٰۃ﴾ مطلق ہے، سید اگر مالدار ہو تو وہ بھی اس حکم میں شامل ہے۔

سید کا سید کو زکوٰۃ دینا

[۲۵۵] سوال: سید اگر زکوٰۃ نکالے مگر بحکم قرآن قریب کو دینا چاہتا ہے جو وہ بھی سید ہے تو ایسا

کرنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛قریب سے اگر ذوی القربی یعنی بنی ہاشم مراد ہے تو ان کو تو زکوٰۃ ہی جائز نہیں،اور اگر رشتہ داروں سے سلوک کرنا مراد ہے تو اگر چہ اپنے غریب رشتہ داروں کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؛مگر بشرطیکہ ان رشتہ داروں سے نہ ہو جن کو زکوٰۃ دینا منع ہے،مثلاً:ماں،باپ،اولاد بھی رشتہ دار ہیں مگر ان کو زکوٰۃ دینا منع ہے،اسی طرح بنی ہاشم کو بھی زکوٰۃ دینا منع ہے،اس واسطے سید خواہ رشتہ دار ہو یا اجنبی ہو ان کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے ہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔وقول العینی: والهاشمی یجوز له دفع زکاته لمثله، صوابه لا یجوز. (مجمع الأنهر ج۱/ص۹۱)

سید کو سوائے زکوٰۃ دیگر صدقات دینا مگر زکوٰۃ وخمس

[۲۵۶] سوال: سید کو زکوٰۃ کے علاوہ دوسری کوئی چیز دے سکتے ہیں یا نہیں؟خمس کا حکم جو سید کے متعلق ہے اس میں آپ کی کیا رائے ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛سید کو زکوٰۃ وغیرہ واجب صدقات نہیں دے سکتے ہیں،اور نفلی صدقہ دینا درست ہے۔وفی النهایة نقلا عن العتابی: اما جواز نفل فبالاجماع. (عالمگیری ج۱/ص۱۸۹) آج کل خمس کا مصرف تین ہی رہ گئے: یتامیٰ،مساکین،ابن السبیل۔ذوالقربی کا حق حضور ﷺ کی وفات کے بعد ساقط ہو گیا ہے؛البتہ مندرجہ ہر سہ فرقوں میں اگر بنی ہاشم بھی داخل ہوں تو ان کو بھی دے سکتے ہیں؛ بلکہ دوسروں سے مقدم رکھے جائیں گے،غنی سید کا اس میں حق نہیں رہا ہے۔والخمس للیتامیٰ والمساکین وابن السبیل، ویقدم ذوی القربیٰ الفقراء ولا حق فیه لاغنیائهم. (مجمع الانهر ۳۱۲، عالمگیری ج۱/ص۱۹۰)

مال خبیث کل صدقۃً دینا

[۲۵۷] سوال: ایک شخص اپنی زندگی میں دغا اور چوری کر کر اور حرام کھا کر مالدار ہوا اور مر گیا، اور وہی مال و دولت اس کے لڑکوں کے ہاتھ آئی تو کیا اس دولت میں کبھی غیبی آفت آسکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر للہ دیوے تو کیا اس میں ثواب ملے گا یا ثواب نہیں ملے گا؟ تشفی بخش جواب دیں۔

الجواب: وباللہ التوفیق: غیبی آفت پڑنے کا علم تو اللہ کو ہے، رہا اس مال کے متعلق شرعی فیصلہ تو وہ یہ ہے کہ اگر تمام مال یا کوئی معین حصہ یقینی حرام ہو تو اس مال حرام کو اصلی مالکین پر واپس کیا جائے، اور اگر مالکین معلوم نہ ہوں تو ان کے نام سے للہ فقراء اور محتاجوں میں خیرات کریں جس کا ثواب اصلی مالکین کو ہوگا، اور اگر حلال اور حرام مال ایسا مخلوط ہو گیا ہو کہ حلال اور حرام کی کوئی تمیز نہ ہو سکے تو اس صورت میں استعمال کرنا اور اپنے تصرف میں لا کر اپنی ضروریات میں صرف کرنا جائز تو ہے؛ مگر تورع اور تقوی کی بنا پر کل مال یا کم از کم جتنے حصے کی حرمت کا شبہ ہو تو اس کو محتاجوں میں تصدق اور خیرات کرنا اولیٰ ہے، حرام اور غیر کے مال کا ثواب اصلی مالک کو ملے گا نہ کہ اس کو۔

واذا مات الرجل وكسبه خبيث فالاولیٰ لورثته ان يردوا المال الى اربابه، فان لم يعرفوا أربابه تصدقوا به. ((عالمگیری ج ٥ / ص ٣٤٩)

(وسئلت) عما اشتهر عن الحنفية انهم يقولون ان الحرام لا يتعلق بذمتين هل له اصل فى المذهب الحنفى؟

فالجواب: نعم! فيه اصل لكن ليس على اطلاقه بل فيه حق الجاهل الذى لا يعلم انه حرام فمن سرق شيئاً وانت لا تعلم انه سرقه واطعمك منه وسعك ان تأكل منه ولا اثم عليك، واما فى حق العالم بانه حرام فلا يظهر.

(ثم بعد نقل عدة اقوال المشائخ قال)والحاصل: انه ان علم ارباب الاموال وجب رده عليهم والا فان علم عين الحرام لا يحل له ويتصدق به بنية صاحبه، وان كان مالا مختلطا مجتمعا من الحرام ولايعلم اربابه ولا شيئامنه بعينه حل له حكما، والاحسن ديانة التنزه عنه.آه.والله اعلم. (الفتاوى الكاملية فى الحوادث الطرابلسية ٢٦٩ مصرى)

گذشتہ بارہ سال کی زکوٰۃ زیور سے دینے کی ترکیب ودین زکوٰۃ مانع زکوٰۃ ہونا

[۲۵۸] سوال: زید کا نکاح ۱۹۲۲ء میں ہوا جس میں زید کی ماں نے زید کی بیوی کے لیے پندرہ سو روپے کی مالیت کا زیور دیا تھا، ۱۹۳۲ء میں زید نے کچھ ذاتی ضروریات کے لیے ان میں سے پانچ سو روپئے کا زیور فروخت کیا، اب تقریباً ایک ہزار مالیت کا زیور موجود ہے، زید اس کو فروخت کرنا چاہتا ہے مگر روز اول سے آج تک اس کی زکوٰۃ نہیں دی ہے اب دینا چاہتا ہے اتنے عرصہ میں سونے کا بھاؤ بدلتا رہا مگر زید کو یہ یاد نہیں کہ کس سال میں کیا بھاؤ تھا تو اب زکوٰۃ دینے کی کیا صورت کی جائے اور زکوٰۃ کی کیا مقدار دی جائے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مذکورہ صورت میں یہ شخص جس تاریخ سے زیور کا مالک ہوگیا ہے اس تاریخ سے جب ایک سال تمام ہوجائے تو مجموعۂ زیور میں سے چالیسواں حصہ وزن سونا یا اس کی قیمت واجب الاداء ہوگی، اور دوسرے سال میں اس زیور سے سال سابق کی زکوٰۃ کے حصہ کو نکال کر باقی ماندہ سونے کے زیور وزن سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ لازم ہوگی، اسی طرح اگر اس تاریخ سے آج تک بارہ سال ہوئے ہوں تو ہر آئندہ سال سے پہلے سال کے حصۂ زکوٰۃ کو نکال کر باقی

سونے کے چالیسویں حصہ کو زکوٰۃ کا حصہ تصور کیا جائے اور آج تک ہر ایک سال کے علیحدہ علیحدہ چالیسویں حصوں کو جمع کر کے مجموعہ جو وزن ہوگا اسی وزن کا سونا زکوٰۃ کے دین کا تصور کیا جائے گا، اور جب کہ ہر سال کے سونے کا بھاؤ معلوم نہیں ہے تو آج ان بارہ حصوں کو ملا کر جو مجموعی وزن آئے اتنے وزن کا سونا یا اس کی قیمت زکوٰۃ میں ادا کر دے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ۔

فإذا كان عشرين مثقالا ففيها نصف مثقال. وفى تبر الذهب والفضة وحليهما او إنائهما الزكوٰة. آه. (هدايه ج ١ /ص ١٧٥) والمراد به دين له مطالب من جهة العباد حتى لا يمنع دين النذر والكفارة. ودين الزكوٰة مانع حال بقاء النصاب؛ لأنه ينقص به النصاب. وفى هامشه ناقلا عن الفتح: صورته له نصاب حال عليه الحولان ولم يزكه لا زكوٰة عليه فى الحول الثانى؛ لأن خمسة منه مشغول بدين الحول فلم يكن الفاضل نصاباً ولو كان له خمس وعشرون من الإبل لم يزكها فى الحولين كان عليه فى الحول الأول بنت مخاض وللحول الثانى أربع أشياه. انتهى. هدايه ج ١ /ص ١٦٦)

دین میں وجوب زکوٰۃ ودین زکوٰۃ کا مانع وجوب ہونا

[۲۵۹] سوال: ایک تاجر کا پچیس ہزار روپئے ادھار ہے اس میں تو بعض سرکاری قانون کے مطابق تین سال زائد مدت کے ہیں، اور کتنے لوگ کھا گئے ہیں جن سے ملنے کی کوئی امید نہیں ہے موجودہ تجارت میں بھی پانچ سات ہزار روپیہ ادھار ہے اور قرض بھی چار پانچ ہزار رہتا ہے، اب موجودہ تجارت کا جو ادھار پیسہ آتا ہے وہ قرض میں چلا جاتا ہے، ایسے شخص پر زکوٰۃ واجب ہے کہ نہیں اور اگر واجب ہے تو کس حساب سے ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: مال تجارت کا وہ دین جس کا وصول ممکن ہو اس پر زکوٰۃ لازم ہے، خواہ دین معجّل ہو یا مؤجل ہو، البتہ زکوٰۃ کی ادائیگی کم ازکم چالیس روپیوں کی وصولی پر بمقدار دین موصولہ واجب ہوتی ہے، اب مسئولہ صورت میں جب کہ دین مذکور میں قرض یعنی دین بھی ہے اور موصولہ جو کچھ رقم آتی ہے وہ دین میں جاتی ہے تو زکوٰۃ کا وجوب اس طرح ہوگا کہ کل دین میں سے کل قرض نکال کر باقی دین پر زکوٰۃ واجب ہوگی، اب حولان حول کے بعد بھی اپنا قرض ختم نہ ہوا تو اس سال کل باقی ماندہ قرض معہ مقدار زکوٰۃ سابق کے ملا کر کل دین سے کاٹ کر باقی جو دین رہا اس میں زکوٰۃ واجب سمجھنا چاہیے، اسی طرح جب تک ادائیگی قرض کا سلسلہ ختم نہ ہو اس وقت تک ہر سال باقی ماندہ قرض معہ زکوٰۃ سابق دین سے علیحدہ تصور کرتے ہوئے باقی دین میں زکوٰۃ کا حساب کرتا جائے اور جب قرض ختم ہو کر اپنے لیے وصولی کرنے لگے تو بمقدار موصولہ گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ دی جائے جیسے گذشتہ صفحہ میں تفصیل کی گئی۔

فلا تجب على مجنون ولا مديون مطالب من العباد فی قدر دينه ويزكی ما قبض من الدين عند قبضه فنحو بدل مال التجارة عند قبض أربعين. آه. (مجمع الأنهر ج ١ /ص ٩٨) ودين الزكوٰة مانع حال بقاء النصاب لأنه ينقص به النصاب وعلى هامشه ناقلا عن الفتح: صورته له نصاب حال عليه الحولان ولم يزكه لا زكوٰة عليه فی الحول الثانی؛ لأن خمسة منه مشغول بدين الحول فلم يكن الفاضل نصاباً ولو كان له خمس وعشرون من الإبل لم يزكها فی الحولين كان عليه فی الحول الأول بنت مخاض وللحول الثانی أربع أشياه. انتهی. هدايه ج ١ /ص ١٦٦)

کمپنی کے شیئر (حصہ) میں اصل ونفع ہر دو پر زکوٰۃ کا واجب ہونا

[۲۶۰] سوال: ایک شخص نے کسی کمپنی کا شیئر (حصہ) خریدا ہے جس کا سالانہ کم وبیش تین سو منافع آتا ہے تو اس میں اصل ومنافع ہر دو پر زکوٰۃ واجب ہوگی یا صرف اصل پر یا صرف منافع پر؟

الجواب: وباللہ التوفیق: اصل اور منافع ہر دو پر واجب ہوگی؛ کیونکہ کمپنی اور شرکت تجاریہ کا حصہ خریدنا، تجارت میں شرکت کرنا ہے، اور مال تجارت میں یہ حکم ہے کہ اختتام سال پر اصل منافع کی قیمت سے جو مجموعی رقم ہوتی ہے اس کا چالیسواں زکوٰۃ سمجھ کر دینا لازم ہوتا ہے۔ وتجب الزکوٰۃ فی عروض تجارة بلغت قیمتها نصابا من الذهب والفضة تقوم بما هو انفع للفقراء ایهما کان، و تضم قیمتها الی الذهب والفضة لیتم النصاب. (ثم قال) ویضم مستفا د من جنس نصاب الی النصاب فی حوله وحکمه، (الی ان قال) فمن ملك مائتی درهم وحال الحول و قد حصلت فی اثنائه مأة درهم یضمها إلیه و یزکی عن الکل. آه. (مجمع الأنهر ج ۱/ص ۱۰۵)

فاسق کے مال میں وجوب زکوٰۃ

[۲۶۱] سوال: ایک شخص کبھی کبھی نماز پڑھتا ہے مگر پابندی سے نہیں پڑھتا ہے، یہ شخص اگر زکوٰۃ صدقات دے تو جائز ہے کہ نہیں؟ اور ثواب واجر ملے گا کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نماز عبادتِ بدنی ہے اور زکوٰۃ وصدقات عبادتِ مالی، ان میں ایک دوسرے کے ساتھ جواز وعدمِ جواز کا کوئی تعلق نہیں، عبادتِ بدنی الگ مامور بہ ہے اور عبادتِ مالی الگ، غلطی سے ایک عبادت کے ترک سے دوسری کو ترک نہ کرنا چاہیے؛ کیوں کہ ہر ایک عبادت پر الگ الگ مواخذہ یا ثواب کا استحقاق مرتب ہوتا ہے، لہٰذا اس کو زکوٰۃ وصدقات دینا چاہیے اور اس

میں اجروثواب کی امید بھی رکھنی چاہیے۔ رجل رأى منكراً وهذا الرائى ممن يرتكب هذا المنكر يلزمه ان ينهى عنه؛ لان الواجب عليه ترك المنكر والنهى عنه، فبترك احدهما لايسقط عنه الآخر،كذا فى خزانة المفتيين. (عالمگيرى ج٥ /ص٣٥٣) ﴿والله لايضيع اجر المحسنين﴾ الآية.

مال وقف پر زکوٰۃ ہونا

[۲۶۲] سوال: واقف نے جب کہ کسی ملکیت کو وقف کیا خواہ وقف علی الاولاد ہو یا کسی قسم کا وقف، تو کیا اس ملکیت یا اس کی آمدنی پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جب کہ واقف نے مذکورہ ملکیت کو اپنی ملکیت سے جدا کر کے مع شرائط متولی کو سپرد کیا یا حکومت کے محکمے میں رجسٹر کیا تو اب وہ ملکیت بنا بر قول راجح اس کی ملکیت نہ رہی اور چوں کہ زکوٰۃ مالک نصاب پر آتی ہے اور یہ ملکیت اس کی ملکیت نہ رہی اس لیے اس پر اس وقف کی زکوٰۃ واجب نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مصرف صدقات میں متقی کا اولیٰ ہونا

[۲۶۳] سوال: گاؤں میں ایک شخص غریب ہے مگر دن بھر بیٹھا رہتا ہے اور گاؤں میں پھرا کرتا ہے کام نہیں کرتا ہے حالانکہ کام کرسکتا ہے تو کیا ایسے شخص کو کام کرنا فرض نہیں؟ اور اس کو زکوٰۃ یا صدقۂ فطر وغیرہ دینے سے ثواب ملے گا یا نہیں دینا چاہیے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ایک صحیح الاعضاء اور قادر الکسب آدمی پر (اپنی جان اور بال بچوں کی پرورش اور قضاء دیون کے لیے اور جن لوگوں کا نفقہ اس پر شرعاً لازم ہے) کسب حلال فرض ہے، اور فرض کا تارک فاسق ہے، فاسق پر صدقہ اور خیر خیرات کرنا جائز ہے مگر اولیٰ اور بہتر یہ ہے کہ

صدقات اور خیرات ایسے افراد کو دیئے جائیں جو شرعی مجبور اور پرہیز گار ہوں۔" ولا یأکل طعامك إلا تقی" (الحدیث) اور ہر مسلم کے لیے مناسب ہے کہ اپنے صدقات اور خیر خیرات کے لیے ان مساکین اور فقراء کو ملحوظ رکھیں جو خدا کی راہ میں لگے ہوئے ہیں اور اس آیت کریمہ کے مصداق ہیں۔﴿للفقراء الذین احصروا فی سبیل الله لا یستطیعون ضربا فی الارض﴾(الآیة) . یہاں فقراء سے وہ تمام لوگ مراد ہیں جو دینی مشغولیت کی وجہ سے دوسرا کوئی کام نہیں کرسکتے۔والکسب أنواع: فرض وهو الكسب بقدر الكفاية لنفسه وعياله وقضاء ديونه ونفقة من يجب عليه نفقته. (عالمگیری ج٥/ص٣٤٨)

مدیون کو زکوٰۃ دے کر پھر جبراً دین میں وصول کرنا

[٢٦٤] سوال: ایک شخص پر میرا روپیہ باقی ہے، اس شخص کو زکوٰۃ میں اس شرط پر دوں کہ زکوٰۃ کا روپیہ لے کر مجھے واپس میرے بقایا دین میں دیدے اس طرح دینے سے میری زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟ اگر وہ واپس نہ دیوے تو میں جبراً اس کے ہاتھ سے چھین لوں تو اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چوں کہ واپسی کی شرط لگانے سے نہ مدیون کامل طور سے مالک ہوگا اور نہ یہ دینا خالصاً لوجہ اللہ ہوگا، حالانکہ ان دونوں چیزوں کی زکوٰۃ کی ادائیگی میں ضرورت ہے۔هي تمليك جزء من المال المعين شرعاً من فقير مسلم غير هاشمي ولا مولاه مع قطع المنفعة عن المملك من كل وجه لله تعالى. (مجمع الانهر ٩٧، كذا فى كنز، والهدايه وغير ذلك)

اس لیے دینے کے وقت شرط نہ لگائے، اور خالصاً لوجہ اللہ تعالیٰ فقیر مدیون کو دیکر جب وہ مالک ہو جائے تو پھر اپنا دین طلب کرے اور اگر وہ نہ دیوے تو اس کے ہاتھ سے چھین لیں اور اگر

اس پر بھی قدرت نہ ہوتو قاضی کی اعانت سے وصول کرے، اس طرح کرنے سے اس کے ذمہ سے زکوٰۃ ادا ہوجائے گی اور مدیون دین سے چھوٹ جائے گا۔ سئلت عن من له دين على معسر، وعليه زكوٰة أراد أن يعطى زكاته للمديون ثم يأخذها عن دينه وخاف أن يمانعه فكيف يفعل؟

فالجواب ما فى الدرالمختار ما نصه: وحيلة الجواز: أن يعطى مديونه الفقير زكاته ثم يأخذها عن دينه ولو امتنع المديون مد يده واخذها لكونه ظفر بجنس حقه، فان مانعه رفعه الى القاضى. وتمامهافى الشامى.
(الفتاوى الكاملية فى الحوادث الطرابلسية ١٤ ناقلاً من الدرالمختار)

رمضان میں زکوٰۃ دینے کے لیے باڑہ بھرنا

[٢٦٥] سوال: کیا فرماتے ہیں علماء شرع اس مسئلہ میں کہ ملک گجرات میں سالہا سال سے ماہ رمضان میں باڑہ بھرنے کی رسم جاری ہے، جس میں ہر قسم کے انسان مستحق وغیر مستحق، توانا وناتواں، مسافر وغیر مسافر، حاجت مند وغیر حاجت مند مقررہ وقت پر آجاتے ہیں امراء میں ہر شخص حیثیت کے موافق مال نکالتا ہے اور وہی مال ان لوگوں کو تقسیم کیا جاتا ہے، کیا اس صورت میں زکوٰۃ ادا ہوجاتی ہے؟ چوں کہ مستحق وغیر مستحق میں امتیاز ممکن نہیں اس لیے کوئی دوسری صورت سے بھی محض حاجت مندوں کو دے دینے کی صورت نظر نہیں آتی، عندالشرع جو صورت ہو مطلع فرما کر مستحق اجر عظیم ہوں۔

الجواب: وباللہ التوفیق: شریعت میں زکوٰۃ دینے کے لیے ایسے باڑہ بھرنے کی ضرورت ثابت نہیں جس میں مستحق وغیر مستحق کا امتیاز ہی مشکل ہو؛ بلکہ اس کے علاوہ بھی زکوٰۃ دینے کے بہتر مصارف اور طریقے موجود ہیں، تاہم مسئولہ صورت میں چوں کہ باڑہ میں عموماً فقراء ومساکین ہی

جمع ہوتے ہیں تو ان کے ساتھ اگر ایسا شخص بھی کھڑا ہو جو دراصل مستحق اور مصرف زکوٰۃ نہ ہو مگر دینے والے کے خیال میں اس کا عدم مصرف ہونا بھی متحقق نہ ہو تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی۔ فقط۔ إذا شك وتحرى فوقع فى أكبر رايه أنه محل الصدقة فدفع إليه أو سئل منه فدفع أو رأى فى صف الفقراء فدفع فإن ظهر أنه محل الصدقة جاز بالإجماع، وكذا إن لم يظهر حاله عنده، واما إذا ظهر أنه غنى أو هاشمى أو كافر أو مولى الهاشمى أو الوالدان أو المولودون أو الزوج أو الزوجة فإنه يجوز وتسقط عنه الزكوٰة فى قول أبي حنيفة ومحمد رحمهما الله (ثم قال) وإذا دفعها ولم يخطر بباله أنه مصرف أم لا فهو على الجواز إلا إذا تبين أنه غير مصرف. آه. (عالمگیری ج ۱ / ص ۱۹۰)

کافر نوکر کا صدقۂ فطر دینا

[۲۶۶] سوال: گجرات میں بھیل قوم کے افراد مسلمانوں کے گھروں میں نوکری کرتے ہیں کھانا پینا وغیرہ سب مسلمانوں کے ذمہ ہوتا ہے اور وہ گھر کا آدمی تصور کیا جاتا ہے، تو کیا ان مسلمانوں پر ان کی طرف سے صدقۃ الفطر دینا لازم ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ بھیل قوم ایک مزدور اور اجیر کی حیثیت سے مسلمان رکھتے ہیں نہ کہ مملوک وغلام کی حیثیت سے، لہٰذا ان کی طرف سے صدقۃ الفطر دینا مسلمانوں پر لازم نہیں۔ ولا عن خادمه بإجارة أو اعارة. آه. (البحر الرائق ج ۲ / ص ۲۵۳)

مال زکوٰۃ سے خرید شدہ کتابیں غیر مستحق کو دینا

[۲۶۷] سوال: ایک جامع مسجد کا پیش امام زکوٰۃ نہیں لیتا ہے مگر زکوٰۃ کے پیسہ سے خریدی ہوئی

کتابیں لیتا ہے تو کیا اس طرح دینے والے اور لینے والے کے لیے جائز ہے؟ اور زکوٰۃ ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ بازار کی قیمت سے جتنی قیمت کی کتابیں مستحق کو بنیت زکوٰۃ دیدی جائیں تو اتنی مقدار کی زکوٰۃ ادا ہوگئی۔ وجاز دفع القيمة فی زکوٰة. (الدر المختار مع الشامی ج ۱/ص ۲۹، وخلاصة الفتاویٰ ج ۱/ص ۲۴۳) اب پیش امام مذکور اگر مستحقین زکوٰۃ میں سے ہے تو اس کو لینا جائز اور دینے والے نے اگر امام کو مستحق سمجھ کر زکوٰۃ دیدی تو اس کا دینا جائز اور زکوٰۃ ادا ہوگی ورنہ نہیں۔ لان للبدل حكم المبدل. فقط والله سبحانه تعالیٰ اعلم۔

مال زکوٰۃ سے ضروریات مسجد خریدنا

[۲۶۸] سوال: زکوٰۃ کے پیسہ سے مسجد کی ضروریات مثلاً چٹائی وغیرہ خریدنا درست ہے؟ اور اس کی زکوٰۃ ادا ہوگی؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چوں کہ زکوٰۃ میں تملیک ضروری ہے اور مسئولہ صورت میں مصرف کی تملیک متحقق نہ ہوئی، اس لیے زکوٰۃ ادا نہ ہوگی۔ ولا تدفع الزكوٰة لبناء مسجد؛ لأن التمليك شرط فيها ولم يوجد، وكذا بناء القناطر و اصلاح الطرقات وكرى الأنهار والحج والجهاد وكل مالا تمليك فيه. (مجمع الأنهر ج ۱/ص ۱۱۲)

مال زکوٰۃ پیسہ پیسہ یا نان خرید کر فقراء کو دینا

[۲۶۹] سوال: زکوۃ کے روپیہ میں سے ایک ایک آنہ یا نان تقسیم کرے تو زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ زکوٰۃ دینے میں مالک کو اختیار ہے کہ خواہ بعینہ زکوٰۃ کی رقم مصارف کو

دے یااس رقم کی کوئی چیز یاطعام بطور تملیک مستحقین میں تقسیم کرے۔ وجاز دفع القیمة فی زکوٰۃ وعشر. (الدر المختار مع الشامی ج ۲ /ص ۲۹) فلواطعم یتیما ناویا الزکوٰۃ لایجوزالا إذا دفع الیه المطعوم. (الدرالمختار مع الشامی ج ۲ /ص ۳)

زکوٰۃ کی رقم جمع کرکے غریبوں کے لیے مستقل آمدنی کی صورت نکالنا

[۲۷۰] سوال: ایک شخص تین چار ہزار روپۓ سالانہ زکوٰۃ نکالتا ہے اس میں سے ایک ہزار رمضان شریف میں غرباء کو دیتا ہے اور باقی روپۓ ایسی جگہ میں محفوظ رکھتا ہے جس سے غریبوں کے لیے مستقل آمدنی کی صورت ہو تو کیا اس طور سے زکوٰۃ ادا ہو جائے گی؟

الجواب: وباللہ التوفیق: زکوٰۃ کی ادائیگی میں یہ شرط ہے کہ مستحق زکوٰۃ کو بطور تملیک دیدی جائے، پس جس صورت میں کسی کو مالک نہ بنایا گیا ہو اس صورت میں زکوٰۃ ادا نہ ہوگی، مثلاً زکوٰۃ کے پیسے سے مسجد بنانا، پل بنانا، مسافر خانہ، مدرسہ وغیرہ بنانا، اس قاعدے سے وہ رقم جو بطور آمدنی کے مالک کے پاس ہے وہ اس وقت تک زکوٰۃ کے حکم میں داخل نہیں جب تک اس رقم کا کسی مستحق کو مالک نہ بنایا جائے، اس کے ساتھ یہ امر بھی قابل غور ہے کہ موجودہ زمانہ میں نہ سلطان الاسلام ہے اور نہ ایسا کوئی شرعی بیت المال موجود ہے جس سے غرباء کی ضروریات پوری ہوں، اس ضرورت کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہتر ہوگا کہ مذکورہ مال میں مستقل آمدنی پیدا کرنے کا حیلہ کیا جائے؛ تاکہ مالک کی زکوٰۃ ادا ہو جائے اور مسلمانوں کی ضروریات اور غرباء پروری کے لیے کوئی مناسب صورت بھی نکل آئے، اس کی ترکیب یہ کہ مذکورہ رقم ایک مناسب فقیر کو بطور تملیک بنیت زکوٰۃ دیدے اس کے بعد مذکورہ فقیر مسلمانوں کی ضروریات اور غربا کے لیے مستقل آمدنی والے جائز طریقے پر وقف کردے، اس ترکیب سے مالک کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی اور مذکورہ فقیر کو وقف کرنے کا ثواب ملتا رہے گا اور مسلمانوں کی ضروریات اور غرباء کے حوائج بھی پورے ہوتے رہیں گے۔

الزکوٰۃ تملیك جزء من المال شرعاً للفقیر. (مجمع الأنهر ج ۱/ص۹۷) ولا تدفع الزکوٰۃ لبناء المسجد؛ لأن التملیك شرط فیها ولم یوجد، وكذا بناء القناطیر واصلاح الطرقات وكری الأنهار والحج والجهاد وكل ما لا تملیك فیه، وإن أرید الصرف إلی هذه الوجوه صرف إلی الفقیر ثم یأمر بالصرف إلیها فیثاب المزكی والفقیر. (مجمع الأنهر ج ۱/ص ۱۱۲)

گاؤں کا مدرسہ چھوڑ کر باہر کے مدرسے میں مدد کرنا

[۲۷۱] سوال: اپنے گاؤں میں چھوٹا مدرسہ ہے جس میں کلام مجید اور دینیات کے مسائل سکھائے جاتے ہیں، مگر مالدار لوگ اس مدرسہ کو چھوڑ کر باہر بڑے مدارس میں زکوٰۃ وخیرات بھیجتے ہیں تو کیا یہ شرعاً جائز ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: نفس زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے تو یہ شرط ہے کہ مصرف شرعی میں دیوے خواہ کہیں بھی ہو؛ البتہ بہتری کے متعلق حکم یہ ہے کہ اگر اپنے قریہ کے مدرسے میں ضرورت اور حاجت ہو تو اپنے قریہ کے مدرسہ میں دینا بہتر ہے، اور اگر قریہ کے نسبت باہر کے مدارس میں ضرورت اور احتیاج زیادہ ہو اور خصوصا جب کہ باہر کی اعانت اسلام اور مسلمان کے لیے زیادہ فائدہ مند ہو تو ایسی حالت میں باہر کے مدارس کی اعانت کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

وكره نقلها إلی بلد آخر إلا إلی قریبه أو أحوج من أهل بلده.آه. (مجمع الأنهر۲۲٦، وكذا فی اكثر كتب الفقه)

مدارس میں زکوٰۃ دینا اور اس کا حیلہ

[۲۷۲] سوال: مدارس اسلامی اور یتیم خانوں میں زکوٰۃ دینی جائز ہے کہ نہیں؟ اور جب کہ مدارس

میں یتیم اور مالدار غریب سب کے بچے پڑھتے ہیں، اس طرح ملازمین ودیگر مصارف جو اکثر مصارف زکوٰۃ نہیں ہیں تو زکوٰۃ کو ان مصارف میں کس طرح صرف کر سکتے ہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ یہ سوال اور اس کا جواب چوں کہ فی زمانناایک اہم ترین مسئلہ ہے، اس لیے جواب سے پہلے بطور تمہید چند امور کو ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔

اول یہ کہ اس وقت جو کچھ اسلام اور مسلمانوں کا وجود نظر آتا ہے وہ محض اللہ جل جلالہ کی ایفائے عہد کہ ﴿انا نحن نزلنا الذکر وإنا له لحافظون﴾ سے اور ان ہی مدارس اسلامی کے بقاء سے ہے؛ ورنہ مخالفین اور غیر مسلموں کی طرف سے اسلام کو بیخ وبن سے اکھیڑنے کی ترکیبیں تو روز اول سے جاری تھیں مگر بدقسمتی سے دہریت اور نفسانیت سے خود مسلمان اس قدر اثر پذیر ہو گئے ہیں کہ علماء اور اصول اسلام کی تضحیک وتذلیل کو اپنی جدید تہذیب کا جزء لاینفک قرار دے چکے ہیں، دلائل کی ضرورت نہیں ہے، روس کی شیطانی حکومت نگاہوں کے سامنے موجود ہے، اس شیطانی حکومت نے دہریت کی تبلیغ سے انہی علماء اور مدارس اسلامی کو سدراہ پا کر بڑے بڑے مشائخ کو شہید کیا، مدارس اسلامی بند کر دیئے، دینی تعلیم کو جرم قرار دیا، بقیۃ السلف دوسرے ملکوں کے طرف ہجرت کر گئے، اس دہری حکومت نے جدید نسلوں کو جو اپنے طرز کی دہری تعلیم شروع کرائی تو اس میں علماء ومشائخ اور اصول شرع کی تضحیک وتذلیل جزء لاینفک قرار دیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بخارا اور اسی ترکستان میں جہاں آج سے چودہ برس قبل اسلامی تہذیب اور شرعی قوانین کا قابل رشک احترام کیا جاتا تھا، آج انہی مسلمانوں کی اولاد کے ہاتھوں سے جو اسلامی اصول اور علماء کی تضحیک اور تذلیل ہو رہی ہے وہ قابل بیان نہیں، غرض ابتداءِ اسلام سے آج تک کسی ملک میں اسلامی قوانین کی پامالی اور نفسانیت اور بہیمت کا مظاہرہ کبھی نہیں ہوا ہے جیسا کہ سرزمین روس اور ترکستان میں ہو رہا ہے، جس سے صاف عیاں ہوتا ہے کہ علماء اور مدارس اسلامی اسلام اور

مسلمانوں کے بقاء کے لیے روح رواں ہے جس کے بغیر مسلمان کا خالی جسم باقی رہ سکتا ہے، مگر بحیثیت مسلمان موجود نہیں رہ سکتا ہے۔

دوم امر یہ ہے کہ دنیائے اسلام میں عموماً اور ہندوستان میں خصوصاً مسلمانوں کے بیسیوں ایسے ضروری مصارف موجود ہیں کہ زکوٰۃ اور صدقات کے سوا مدارس اسلامی کے لیے ان کے ذمہ امداد واعانت کا بوجھ نہیں ڈالا جا سکتا ہے مگر بڑی دقت جو اس اعانت میں درپیش ہے وہ یہ ہے کہ قواعد فقہیہ کی رو سے کہ مدارس کے اکثر مصارف ایسے ہیں جن میں زکوٰۃ صرف نہیں کر سکتے ہیں، مثلاً فقہ کا عام کلیہ ہے کہ "هی تمليك جزء ماله لله تعالیٰ لمن هو مصرف شرعی" (ملخص من المجمع الأنهر) اب غور کرتے ہیں تو اطعام طلبہ اباحت ہے تملیک نہیں، مشاہرہ ملازمین اجرت ہے للہ نہیں، بتی، صفائی کے مصارف کتب ودیگر اشیاء ضروریہ کی خرید میں بھی تملیک نہیں اور للہ بھی نہیں، اور مہتمم یا متولی تو خود زکوٰۃ لیتا نہیں اور نہ زکوٰۃ دینے والے اس کو بطور تملیک دیتے ہیں؛ بلکہ بطور توکیل دیتے ہیں۔

اب مندرجۂ بالا ضرورتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے، اسلام اور مسلمانوں کی بقاء کے لیے مدارس اسلامی کا وجود نہایت ضروری ہے، اور مدارس اسلامی کا وجود بغیر زکوٰۃ وصدقات متصور نہیں، اور زکوٰۃ کے مقررہ مصارف مدارس کے مصارف سے خلاف ہے، اور ایسی مجبوریوں میں فقہاء نے ایک حیلہ کو تسلیم کیا ہے کہ جو مصارف زکوٰۃ نہیں وہاں اگر زکوٰۃ کو صرف کرنے کی ضرورت پڑے تو یہ حیلہ کیا جائے کہ اول مال زکوٰۃ کسی فقیر مصرف زکوٰۃ کو بطور تملیک دے دیوے اور جب وہ مالک ہو جائے تو اس سے یہ کہہ دیا جائے کہ اب یہ مال تو فلاں مصرف میں تصدق کر دے، اس طرح کرنے سے زکوٰۃ دینے والے کی زکوٰۃ ادا ہو جائے گی، اور فقیر کو اس کے تصدق کا ثواب مل جائیگا۔

اس تمہید کو ذہن نشین کرنے کے بعد اب صاف ظاہر ہوتا ہے کہ زکوٰۃ وصدقات مدارس

میں دینا جائز بلکہ افضل ہے۔

زکوٰۃ دینے والے مہتمم ومتولی کو مصارف میں صرف کرنے کے لیے وکیل مختار کردے، اور مہتمم اور متولی کو چاہیے کہ ہر ایک زکوٰۃ الگ الگ رکھتے ہوئے کسی مسکین مصرف زکوٰۃ کو بطور تملیک دے دیوے اور جب وہ مالک وقابض ہوجائے تو پھر وہ مسکین مدرسے کی کل ضروریات میں خرچ کرنے کے لیے وہ مال تصدق کردے اور خرچ کرنے کے کلی اختیارات مہتمم ومتولی کو سپرد کردے، اس طرح کرنے سے زکوٰۃ دینے والوں کی زکوٰۃ ہوجائے گی، اور مدارس اسلامی بھی قائم رہ سکیں گے اور قواعد فقہیہ کی موافقت بھی ہوگی۔ وقيد بالتمليك احتراز عن الإباحة ولهذا ذكر الولوالجی و غيره انه لو عال يتيما فجعل يكسوه ويطعمه وجعله .... ماله فا لكسوة تجوز لو جود ركنه و هو التمليك، والاطعام ان دفع الطعام اليه بيده يجوز ايضاً لهذه العلة وإلا لا. (بحر ج ۲ /ص ۲۰۱) هذا (اى التقيد بما دون المأتين) اذا كا ن الآخذ اخذ الاموال با مرالفقير فا ن اخذ بغير امره جازت زكوٰة الكل ويكون الآخذ وكيلا عن الدافعين فما اجتمع عند الآخذ يكون مال الدافعين فيجوز. آه. (خلاصة الفتا وٰى ج ۱ /ص ۲۴۳، والبحر الرائق ج ۲ /ص ۲۴۵) وتعتبر نية الموكل فى الزكوٰة دون الو كيل. (معراج الدراية) فلو د فع الزكوٰة إلى رجل وأمره أن يدفع إلى فقير فدفع ولم ينو عند الدفع جاز۔ (محيط) عالمگیری ج ۱ /ص ۱۷۱ نوى الزكوٰة بما يد فع لصبيان أقربائه أو لمن يأ تيه بالبشارة أو يأ تى بالباكورة أجزاه ولو نوى الزكوٰة بما يدفع المعلم الى الخليفة ولم يستاجره ان كان الخليفة بحال لو لم يدفعه يعلم الصبيان ايضا جاز وإلا فلا. وإذا دفع الزكوٰة إلى الفقير لا يتم

الدفع مالم يقبضها أو يقبضها للفقير من له ولاية عليه نحو الأب والوصى. (ولو اجنبيا. بحر) يقبضان للصبى والمجنون. آه. (خلاصه) (عالمگیری ج ١ /ص ١٩٠، والبزازية على العالمگیری ج ٤ /ص ٤٢) (مسئلة الضمان بالخلط) والحيلة فى الجواز فى هذه الاربعة: ان يتصدق بمقدار زكوته على فقير ثم يأمره بعد ذلك بالصرف إلى هذه الوجوه فيكون لصاحب الزكوٰة ثواب الزكوٰة، وللفقير ثواب هذه القرب. كذا فى المحيط. آه. (مجمع الأنهر ج ١ /ص ١١٢، بحر الرائق ج ٢ /ص ٢٤٣)

سید یتیم کے لیے زکوٰۃ کا جائز نہ ہونا

[۲۷۳] سوال: سیدوں کے چند یتیم بچے ہیں جن کا کوئی سرپرست نہیں ہے اور سوائے ایک مسکین والدہ کے جو وہ بھی سیدہ ہے دوسرا کوئی پرورش کرنے والا نہیں ہے، تو ان بچوں یا ان کی والدہ کو مال زکوٰۃ دینا جائز ہے کہ نہیں؟ سادات کے مسئلۂ زکوٰۃ کو محقق لکھئے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ سادات کو جوازِ زکوٰۃ میں ابوعصمہ کی ایک روایت ابوحنیفہؒ سے نقل کی جاتی ہے جو اکثر فتاویٰ میں موجود ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ سادات کو زکوٰۃ کی ممانعت آنحضرت ﷺ کے زمانہ تک محدود تھی آپ ﷺ کے بعد جب خمس کا حصہ ان سے کاٹا گیا جو کہ زکوٰۃ کے حرمان کے عوض میں تھا تو اب زکوٰۃ دینے کی اجازت ہوگی، اسی قول پر مفتی مدینہ شیخ اسعد نے اپنے فتاوی اسعدیہ میں فتوی بھی دیا ہے، اور مذکورہ روایت کو نقل کرنے کے بعد یہ الفاظ بڑھائے ہیں: (وقال الطحاوى وبالجواز ناخذ وهذا سند شيخنا كما ذكره صاحب اجابة السائلين ناقلا عن علامة المحقق زين بن نجيم الدين رحمه الله فتاوى

اسعدیه مصری ۱٦) مگر جب کہ یہ روایت ظاہر الروایت سے خلاف ہے اور حدیث صحیح سے خلاف ہے اور پھر درایت سے بھی خلاف ہے کیوں کہ زکوٰۃ کی ممانعت کی وجہ آنحضرت ﷺ نے یہ بیان کی کہ اہل بیت طاہر اور شریف ہیں اور زکوٰۃ ایک ناپاکی ہے جو اہل اطہار کی شان سے منافی ہے اس لیے اہل بیت کو زکوٰۃ جائز نہیں، اس علت کے سمجھنے کے بعد کون یہ فیصلہ کرسکتا ہے کہ خمس سے حرمان کے بعد چوں کہ اہل بیت سے طہارت رخصت ہوئی اس لیے اوساخ الناس والمال سادات کو جائز ہوا، اور بیت المال کے رخصت ہونے سے تو دوسرے مساکین کی بھی تو کوئی مقررہ صورت معاش کی نہیں اور بلا بیت المال وبلا اعانت زکوٰۃ مزے سے جیتے ہیں اور پروردگار نے اجل مسمی تک پہنچانے کی ہر ایک کے لیے بنا بروعدۂ صادقہ ﴿ومامن دابة فی الارض الا علی الله رزقها﴾ (الآية) کے کوئی نہ کوئی صورت رزق نکالی ہے تو جیسے دوسرے غرباء بلا اعانت بیت المال وزکوٰۃ مزے سے زندہ رہ سکتے ہیں تو بلا ضرورت سادات کے لیے شرعی حکم کس طرح توڑ سکتے ہیں؟ اس تمہید کے بعد اب اصل جواب دیا جاتا ہے کہ سادات یعنی آل علی وآل عباس وآل جعفر وآل عقیل وآل حارث بن عبد المطلب کو مطلقا زکوٰۃ دینا منع ہے اور ان کو لینا بھی منع ہے، اور ان کا چھوٹا بڑا، مذکر ومونث اس حکم میں برابر ہیں، ہاں اگر مسلمان ان پر رحم وکرم کرنا چاہیں تو صدقات واجبہ کے علاوہ نفلی صدقات یا اوقاف سے ان کی اعانت کرسکتے ہیں بشرطیکہ اوقاف ایسی قسم عام ہو کہ جن میں سادات کے مساکین وغرباء داخل ہوسکتے ہوں؛ بلکہ اس قسم تبرعات میں اہل بیت سے سلوک کرنا مقدم رکھیں۔ وبنی هاشم ومواليهم ای لا يجوز الدفع لهم لحديث البخاری "نحن اهل البيت لاتحل لنا الصدقة" والمراد بهم آل علی وآل عباس وآل جعفر وآل عقيل وآل حارث بن عبد المطلب. وقال المصنف فی الكافی هذا فی الواجبات كالزكوٰة والنذر والعشر والكفارات، واما

التطوع والوقف فيجوز الصرف إليهم .آه.(ثم قال) وقد سوى المصنف فى الكافى بين النفل والوقف (كما فى المحيط) وفى شرح الطحاوى وغيره ان الحل مقيد بما إذا سماهم، اما إذا لم يسمهم فلا، لأنها صدقة واجبة. ورده المحقق فى فتح القدير بان صدقة الوقف كالنفل لأنه تبرع بتصدقه بالوقف إذ لا ايقاف واجب وكأن منشأ الغلط وجوب دفعها على الناظر.آه. (البحر الرائق ج ۲/ص ۲٤٦،۲٤٧، مجمع الأنهر ج ۱/ص ۱۱۳، شامى ج ۲/ص ۹۰، امداد الفتاوىٰ ج ۱/ص ۱۷۰، فتاوى اسعديه ۱٦)

زکوٰۃ وصدقہ میں قیمت یا غیر جنس واجب دینا

[۲۷۴] سوال: صدقۃ الفطر میں بجائے گندم اگر گھی دینا ہوتو جائز ہے کہ نہیں؟ نیز گندم کے وزن کے برابر گھی دینا چاہیے کہ قیمت کے برابر؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ زکوٰۃ اور صدقۂ فطر میں مقدار مقرر یا اس کی قیمت یا اس قیمت کی کوئی دوسری چیز بھی دے سکتے ہیں، مگر افضل وہی چیز ہے جو فقیر کی ضرورت کے دفعیہ میں زیادہ اقرب اور مفید ہو، اگر مقررہ مقدار کے عوض دوسری چیز دینا ہوتو مقدار واجب کی قیمت کے مطابق دینا چاہیے، وزن میں خواہ برابر ہو یا کم وبیش ہو۔ ويجوز دفع القيمة فى الزكوٰة والكفّارات وصدقة الفطر.الخ. (البحر الرائق ج ۲/ص ۲۲۱، والشامى ج ۲/ص ۲۹)

وقف زمین میں وجوب زکوٰۃ

[۲۷۵] سوال: مسجد پر وقف شدہ زمین ہے تو کیا اس کے محاصل اور پیداوار میں عشر لازم ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛لازم ہے؛ کیونکہ عشر مؤنۃ الارض ہے اس کے لیے زمین کا وجود ہی سبب ہے،اس میں نہ اہلیت مالک ضروری ہے اور نہ زمین کا کسی کی ملکیت میں ہونا ضروری ہے۔ وکذا ملك الار ض لیس بشرط للوجو ب لوجو به فی الارض الموقوفة.آه. (عالمگیری ج ۱ / ص ۱۸۵)

کافر کو صدقۂ نافلہ دینے کا جواز

[۲۷٦] سوال: یہاں جانوروں میں ایک قسم کی بیماری آتی ہے جس میں لوگ چندہ کر کے اس کا بکرہ وغیرہ خرید کر گاؤں میں کھانا پکا کر بھیلوں اور نیچی قوم کے ہندوؤں کو کھلاتے ہیں تو کیا یہ جائز ہے؟اور صدقہ مسلمانوں کو کھلانا چاہیے کہ ہندوؤں کو؟اس کا جواب دیجئے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛نفلی صدقہ اور خیرات ہندو کو بھی دے سکتے ہیں مگر مسلمان کو دینا زیادہ بہتر ہے۔(عالمگیری ج۱/ص۱۸۸)

مگر موجودہ صورت میں یہ شبہ ہوتا ہے کہ یہ فعل فساد عقیدہ کا نتیجہ ہے جیسا ہندو چانداور سورج گرہن میں اس واقعہ کو ناپاک ہاتھ کی طرف نسبت کرتے ہوئے صدقہ ناپاک یعنی بھنگیوں کو دیتے ہیں،تو اگر یہاں بھی یہی عقیدہ کارفرما ہو تو ہر مسلمان کو اس عقیدے سے توبہ کرنا لازم،اور بھیلوں کو مذکورہ طریقہ پر کھانا کھلانا منع ہے،اور اگر یہ عقیدہ نہ ہو محض بھیلوں کو محتاج سمجھ کر انسانی ہمدردی کے طور سے کھلاتے ہوں تو پھر کوئی ممانعت تو نہیں مگر مسلمان اور خصوصا پرہیزگاروں کو کھلانا زیادہ بہتر ہے۔"لا تصاحب الا مؤمنا ولا یأكل طعامك إلاتقی. الحدیث. (مشكوة ٤٢٦) واما اهل الذمة فلا یجوز صرف الزكوٰة الیهم بالاتفاق، ویجوز صرف صدقة التطوع إلیهم بالاتفاق، واختلفوافی صدقة الفطروالنذر والكفارات

قال ابو حنیفة ومحمد رحمهما الله تعالی یجوز الاان فقراء المسلمین احب الینا، کذا فی شرح الطحاوی. (عالمگیری ج۱/ص۱۸۸) (مصارف الزکوٰۃ)

مالکِ زمین پر وجوب اضحیہ وفطرہ

[۲۷۷] سوال: ایک شخص کی زمین ہے جس سے کافی پیداوار ہوتی ہے، جس سے سال بھر کا خرچہ خوراک نکلتا ہے، تو اس پر صدقۃ الفطر اور اضحیہ واجب ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جس زمین کی پیداوار سال بھر کے نفقہ کے لیے کافی نہیں ہوتی ہے اس کے مالک کے فقر اور غناء میں امام محمد وابو یوسفؒ میں اختلاف ہے مگر جس زمین کی پیداوار سال بھر کے اخراجات کے لیے کافی ہو وہ شخص دونوں کے نزدیک حرمان صدقہ کا غنی ہے اور ایسے غنی پر صدقۃ الفطر اور اضحیہ واجب ہوتا ہے۔ ولو کانت له دور و حوانیت للغلة وهی لا تکفی عیاله فهو من الفقراء علی قول محمدؒ خلافاً لابی یوسف. (مجمع الانهر ج۱/ص۱۱۵)

وان اشتری عقاراً قیمته نصاب فمعتبر عند الزعفرانی وغیر معتبر عند الفضلی، إلا إذا کان دخله یکفی له ولعیاله سَنة وفضل عنه نصاب. (قهستانی ج۱/ص۲۱۱) ولو له عقار یستغله فقیل تلزم لو قیمته نصاب .... وقیل لو یدخل منه قوت سَنة تلزم وقیل قوت شهر فمتی فضل نصاب تلزمه. (شامی ج۱/ص۲۷۲) ویحل (السوال)لمن له دور وحوانیت تساوی نصابا وهو محتاج لغلتها لنفقته ونفقة عیاله علی خلاف فیه. (البحرالرائق ج۲/ص۲۴۴) ولو له عقار یستغلها قال الزعفرانی ان بلغت

قیمتها نصابا تلزم (الأضحية) وقال الدقاق ان حصل منها قوت سَنة ولا يعتبر قيمتها، وقال ان بلغت قوت شهر لزمت وان فضل منها نصاب لزمت الأضحية والفطر، وذكر الز عفرانی غلة المستغل ان كفاه وعياله. وكذا فی العالمگيرية ج٥ /ص٢٩٢.

کیا صغیرۂ منکوحہ کا فطرہ باپ پر واجب ہوگا؟

[٢٧٨] سوال: ایک لڑکی کا نکاح ہو چکا ہے مگر وہ باپ کے گھر رہتی ہے تو صدقۃ الفطر باپ دے گا کہ اس کا شوہر؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ شوہر پر صدقۃ الفطر بیوی کا واجب نہیں ہے، رہا باپ پر تو اگر لڑکی موجودہ مسئلہ میں فقیرہ نابالغہ ہے تو باپ پر واجب ہوگا ورنہ باپ پر بھی واجب نہیں ہے۔ ولو زوج طفلته الصالحة لخدمة الزوج فلا فطرة. اما عليها فلفقرها، واما على زوجها فلماسيأتى فى قوله ولا عن زوجته. واما على أبيها فلانه لايمونها وان ولى عليها. (وقال فى اول قوله)طفلته اى الفقيرة ان صدقة الغنية فى مالها تزوجت او لا. (شامی ج٢ /ص١٠١) وكذا فی قهستانی: ج١ /ص٢١١۔

باغ میں زکوٰۃ

[٢٧٩] سوال: ایک شخص نے باغ لگایا ہے جس میں تین چار سال کے بعد پھل لگے گا اور پھل اپنے کھانے میں صرف کرے گا تو اس پر زکوۃ لازم ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: مستغل میں زکوۃ نہیں اور چونکہ مذکور باغ کی پیداوار اپنے خرچ میں لانے کے ارادہ سے مقرر کیا ہے اس لیے زمین میں تو زکوۃ نہیں، ہاں اگر زمین عشری ہو تو پیداوار کا

دسواں حصہ زکوۃ دینا ہوگا۔ و یجب العشر عند ابی حنیفةؒ فی کل ما تخرجه الارض من الحنطة والشعیر. کذا فی فتا وی قاضیخا ن۔ ویحل السوا ل لمن له دور و حوانیت تساوی نصابا وهو محتاج لغلتها لنفقته ونفقة عیا له علی خلاف فیه. (بحر الرائق ج ٢ /ص ٢٤٤، والشامی ج ٥ /ص ٢٧٢) وأقول: هذا الاختلاف فی غناء وجوب الاضحیة والفطر لا فی غناء وجوب الزکوٰة. (مولف)

زکوٰۃ کی ادائیگی میں مال کے مکان کی جگہ کا اعتبار ہے۔

[٢٨٠] سوال: ایک تاجر وطن سے باہر تجارت کرتا ہے تو زکوٰۃ اپنے وطن میں ادا کرنا چاہیے یا جہاں تجارت کرتا ہو؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ زکوٰۃ اور اضحیہ میں مکان مال معتبر ہے اور فطرہ میں مکان دینے والے کا، اس بنا پر جہاں مال ہے وہاں اس کی زکوٰۃ دینا چاہیے۔ والمعتبر فی الزکوٰة مکان المال فی الروایات کلها وفی الصدقةالفطر مکان الرأس المخرج عنه فی الصحیح. (البحر الرائق ج ٢ /ص ٢٥٠، وعالمگیری ج ١ /ص ١٩٠)

اقرباء کو زکوٰۃ دینے کی افضلیت

[٢٨١] سوال: بہن، بھانجے، سالے، سالیاں وغیرہ ذوی الارحام کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ حالانکہ وہ بالغ ہیں۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مذکور لوگ اگر محتاج ہوں تو ان کو زکوٰۃ دینا جائز ہے؛ بلکہ افضل ہے۔ والافضل فی الزکوٰة والفطروالنذورالصرف أوّلا إلی الأخوة والأخوات ثم

إلى أولادهم ثم إلى الأعمام والعمات ثم إلى أولادهم ثم إلى الأخوال والخالات ثم إلى أولادهم ثم إلى ذوی الأرحام ثم إلى الجيران ثم إلى أهل حرفته ثم إلى أهل مصره أو قريته. كذا فی السراج الوهاج. (عالمگیری ج ۱/ص ۱۹۰)

جس کی بیوی مالدار ہو اسے زکوٰۃ دینا

[۲۸۲] سوال: ایک شخص فقیر ہے مگر اس کی بیوی مالدار ہے تو اس شخص کے لئے زکوٰۃ درست ہوگی؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ بیوی کا مال بیوی کا ہے اس لیے جب شوہر کا ذاتی مال نہیں؛ بلکہ فقیر ہے تو اس کو زکوٰۃ دینا درست ہے۔ (قرآن کریم پ ۱۰، سورۂ توبہ)

زیور پر ہر سال زکوٰۃ کا واجب ہونا/ زیور سے پچھلے سال کی زکوٰۃ کی رقم منہا کرنا

[۲۸۳] سوال: اگر کسی کے پاس زیور ہو تو ہر سال زکوٰۃ دینا لازم ہوگا کہ ایک سال دینے سے کفایت ہو سکتی ہے؟ نیز اگر کسی کے پاس زیور ہے اور کئی سال تک وہی زیور رہا دیگر مالیت میں کسی قسم کا اضافہ نہ ہوا تو اس پر بھی ہر سال زکوٰۃ لازم ہوگی؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جس طرح کہ نماز ہر وقت کے آنے پر دوبارہ لازم آتی ہے، اسی طرح ہر سال کے اختتام پر صاحب نصاب پر زکوٰۃ دینی لازم ہوجاتی ہے، باقی یہ عذر کرنا کہ زیور میں ہر سال زیادتی نہیں ہوتی؛ تاکہ ہر سال زکوٰۃ لازم ہو تو یہ عذر قبول نہیں؛ کیوں کہ سونا چاندی میں ہر سال کے زکوٰۃ دینے کے لیے زیادتی ہونا شرط نہیں؛ بلکہ نصاب کا ہونا شرط ہے، اب مذکورہ

مسئلہ میں اگر یہ شخص ہر سال کی زکوٰۃ دیتا چلا آیا ہے تو اسی طرح دیتا جائے، اور اگر کئی سال کی زکوٰۃ ذمہ پر باقی ہے اور اب دینا چاہتا ہے اور درمیان میں کوئی مالیت اس کے پاس نہ آئی اور نہ زیور میں کمی ہوئی تو اس کی ادائیگی زکوٰۃ کی ترکیب یہ ہے کہ زیور کو وزن کرلے اور مجموع وزن کا چالیسواں حصہ پہلے سال کی زکوٰۃ سمجھے، اب چوں کہ وہ اس حصہ زکوٰۃ کا مقروض ہے اس لیے دوسرے سال کے لیے جب زکوٰۃ نکالنا چاہے تو پہلے سال کی زکوٰۃ کی مقدار نکال کر باقی کا وزن حساب کرلیں اور اس کا جو چالیسواں آئے وہی حصہ دوسرے سال کی زکوٰۃ سمجھیں۔

اسی طرح ہر پہلے سال کی زکوٰۃ کو آئندہ سال کی زکوٰۃ کا حساب کرنے کے لیے زیور سے ساقط سمجھا کریں یہاں تک کہ یا تو زیور کا باقی حصہ مقدار نصاب سے گھٹ کر رہے یا موجودہ سال تک یہ سلسلہ پہنچے، اب سنین ماضیہ کے جتنے چالیسویں ہم نے گنائے تھے وہ حصے اب جمع کر لیں اور مجموعہ جو وزن ہو وہی گذشتہ سالوں کی زکوٰۃ ہے جس کا دینا لازم ہے اور آئندہ اگر مقدار نصاب کا زیور باقی رہے تو سالانہ اس کا چالیسواں زکوٰۃ سمجھ کر ادا کرتا رہے۔ (كذا في الهداية وحواشيها ج ١ /ص١٦٦، وقد نقلنا عبارتها فيما مر ٨٤)

قرض کی زکوٰۃ مقرض پر ہے نہ کہ مستقرض پر

[۲۸۴] سوال: ایک شخص نے دوسرے کو ایک ہزار روپۓ قرض دیئے تو اب ان میں زکوٰۃ کس پر واجب ہوگی؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جس نے روپۓ دیئے ہیں اسی پر زکوٰۃ واجب ہوگی کیوں کہ مالک وہی ہے۔ وتجب عنه قبض أربعين درهما من الدين القوى كقرض۔ (الدرالمختار مع الشامي ج ٢ /ص٤٨)

مالدار کے لڑکے یا شوہر یا باپ یا مالدار کی بیوی کو زکوٰۃ دینا

[۲۸۵] سوال: (۱) غنی کے لڑکے کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں کہ نہیں؟ (۲) غنی کی بیوی کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں کہ نہیں؟ (۳) غنیہ کے شوہر کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں کہ نہیں؟ (۴) غنی کے باپ کو زکوٰۃ دے سکتے ہیں کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ (۱) غنی کے نابالغ لڑکے کو مطلقاً زکوٰۃ نہیں دے سکتے ہیں، اور بالغ فقیر کو دے سکتے ہیں، غنی کو نہیں۔

(۲) غنی کی بیوی اگر ذاتی مال سے غنیہ ہو تو نہیں دے سکتے ورنہ دے سکتے ہیں۔ (۳) غنیہ کا شوہر اگر ذاتی ملکیت سے غنی ہو تو زکوٰۃ اس کو نہیں دے سکتے ہیں ورنہ دے سکتے ہیں۔

تنبیہ: میاں بیوی آپس میں ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے ہیں۔

(۴) غنی کا باپ اگر ذاتی مال سے غنی ہو تو اس کو دوسرا شخص زکوٰۃ نہیں دے سکتا ہے ورنہ دے سکتا ہے۔

تنبیہ: باپ بیٹا آپس میں ایک دوسرے کو زکوٰۃ نہیں دے سکتے ہیں۔

ولا إلى من بينهما ولاد أو زوجية۔ (الدرالمختار مع الشامی ج۲/ص۸۲) علة للجميع والمانع أن الطفل يعد غنيا بغنى أبيه بخلاف الكبير فا نه لا يعد غنيا بغنى أبيه ولا الأب بغنى أبيه ولا الزوجة بغنى زوجها ولا الطفل بغنى امه. عن البحر. (شامی ج۲/ص۹۰ وكذا فى العالمگيريه فى مصارف الزكوٰة ج۱/ص۱۸۹)

مدیون جو مال لے کر بھاگ گیا اس مال پر زکوٰۃ واجب ہوگی؟

[۲۸۶] سوال: ہمارا ایک شخص پر دین ہے مگر وہ یہاں سے بھاگ گیا ہے تو اس مال کی زکوٰۃ مجھ پر واجب ہوگی؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر اس کے مال کے حصول پر تجھے قدرت ہے تو اس کی زکوٰۃ تجھ پر واجب ہوگی ورنہ نہیں۔ ولو هرب غريمه وهو يقدر على طلبه أو التوكيل بذلك فعليه الزكوٰة، وإن لم يقدر فلا زكوٰة عليه، كذا فى محيط السرخسى۔ (عالمگیری ج ۱ / ص ۱۷۵)

مجنون اور صغیر مالدار پر فطرہ کا واجب ہونا

[۲۸۷] سوال: بچہ نابالغ یا مجنون اگر مالدار ہوں تو اس پر صدقۃ الفطر واجب ہے کہ نہیں؟ جب کہ اس کا باپ مر چکا ہو۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نابالغ بچہ اور مجنون اگر خود فقیر ہوں اور باپ مالدار ہو تو صدقۃ الفطر ان کے والد پر واجب ہے، اور خود مالدار ہوں تو خود ان پر واجب ہے جو ان کا باپ یا دیگر ولی یا وصی ان کے مال میں سے ادا کریں گے۔ وتجب الصدقة على الصبى والمجنون إذاكا ن لهما ما لعند أبي حنيفة وأبي يوسف. آه. قاضيخان. ثم اذا كان للولد الصيغر أو المجنون مال فإن الأب أو وصيه أو جدهما أو وصيه يخرج صدقة فطر أنفسهما أو رقيقهما من مالهما عند أبي حنيفة وأبي يوسف. (عالمگیری ج ۱ / ص ۱۹۲) عن نفسه وولده الصيغر الفقير لا عن زوجته وو لده الكبير وطفله الغنى بل تجب من مال الطفل عند الشيخين. آه. (مجمع الانهر ج ۱ / ص ۱۱۵)

کتاب الصوم

(رؤیت ھلال)

تحقیق مسئلہ خبر رویت بتار و ٹیلیفون

[۲۸۸] **سوال:** ہمارے شہر کی زمین نشیب میں واقع ہے جہاں عموماً رویتِ ہلال میں دقت ہوتی ہے اب کے رمضان میں دوسرے مقام سے استفسار رویت پر ہمارے معتمد شخص نے ہم کو ٹیلیفون پر خبر دی کہ یہاں رویت ہلال ہو چکا ہے اور شاہدین، عادلین کو ٹیلیفون پر طلب کر کے ٹیلیفون کے ذریعہ سے انہوں نے اپنی رویت کی شہادت ہم کو سنائی، ہمارا معتمد شخص روزمرہ تجارتی کاروبار میں ہم سے ٹیلیفون پر بات چیت کرتا ہے جس سے ہم کو اس کی آواز کی اچھی طرح شناخت ہوتی ہے، تو کیا اس قسم کی رویت قابل اعتبار ہے یا نہیں؟ اور اسی طرح ٹیلیفون پر رمضان اور عید کا ثبوت شرعاً ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اور یہ بھی اگرچہ آج تک رائج نہیں ہوا ہے مگر تجربہ ہو گیا ہے کہ ٹیلیفون والے کی تصویر بھی خبر کے ساتھ آتی ہے، تو کیا اگر خبر دینے والے کی فوٹو بھی ساتھ آئے تو پھر خبر ٹیلیفون شرعاً مقبول ہو جائے گی یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: ٹیلیفون کی حیثیت اگرچہ ٹیلیگراف سے مختلف ہے لیکن شہادت کے موقع پر دونوں کا حکم شرعاً ایک ہے، جس طرح کہ تار کے ذریعہ سے شہادت ادا نہیں کی جا سکتی اسی طرح ٹیلیفون بھی ادائے شہادت کے لیے مفید اور مقبول نہیں۔ قانونی عدالتیں بھی تار اور ٹیلیفون پر شہادت قبول نہیں کرتیں، اگر آئندہ فون پر بات کرنے والے کا فوٹو بھی سننے والے کے سامنے

آجائے جب بھی باب شہادت میں وہ ناقابل اعتبار رہے گا، تمام کاروبار کا اس پر مدار ہونا اور روزانہ لوگوں کا تجارتی اور نجی کاموں میں اس کو معتبر سمجھنا اس کے لیے کافی نہیں کہ شہادت میں بھی اس پر اعتبار کیا جائے، جیسے کہ حکومت ہند کے اہم سے اہم کام تار کے ذریعہ انجام پاتے ہیں، لیکن ایگزیکٹو (انتظامی) صیغہ میں تار پر بھروسہ کرنے کے باوجود جوڈیشل (عدالتی) صیغہ اس کو معتبر نہیں سمجھتا، ہاں جب کہ کثرت تار یا ٹیلفون کی وجہ سے کسی کو خبر کا یقین ہوجائے تو وہ شخصی طور پر عمل کے لیے کافی ہوسکتا ہے لیکن حکم کے لیے کافی نہیں؛ کیونکہ اس پر رویت ہلال یا افطار یا عید کا عام حکم نہیں دیا جاسکتا۔

(حبیب المرسلین نائب مفتی مدرسہ امینیہ دہلی۔ ٹیلفون کی خبر شرعا قابل اعتبار نہیں) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، دہلی۔

أقول وباللّٰہ التوفیق: مسئلہ ثبوت رویت بذریعہ تار یا ٹیلیفون ایک مشہور مسئلہ ہے اور علماء دین کے ہم عصر اور سابقین مفتیوں نے اس پر رائے زنی کی ہے مگر تقریباً سب کا متفقہ فیصلہ یہ ہے کہ یہ ہر دو خبریں شرعاً ثبوت رویت کی دلیل نہیں ہوسکتی ہیں، اور دلیل نہ ہونے کا اصلی باعث قرآن پاک اور احادیث نبویہ کی تصریحات ہیں، اور وہ یہ ہے کہ ثبوت رویت فعلاً وقولاً جو آنحضرت ﷺ سے مروی ہے وہ تین طریقوں سے ہے:

یعنی خود اہل شہر چاند دیکھیں یا بیرونی رویت پر قابل اعتماد شہادت دستیاب ہوسکے یا شعبان کے تیس یوم پورے ہوجائیں، اور یہ خبر اگر داخل ہوسکتی ہے تو بیرونی رویت کی شہادت میں داخل ہوگی؛ مگر اس کے لیے جو جو قیود اور شرائط فقہاء نے کتاب القاضی الی القاضی اور شہادت علی الشہادت میں مقرر فرمائے ہیں ان کے لحاظ سے نہ خبر تار قابل قبول ہوسکتی ہے اور نہ خبر ٹیلیفون؛ کیوں کہ تار اگر کتاب القاضی الی القاضی میں یا نقل شہادت میں داخل مان لیا جائے تو اس کے لیے

خط لانے والے یا شہادت نقل کرنے والے کی علمیت اور اہلیت کی ضرورت ہے، اور تار دینے والا اور لانے والا عموماً غیر مسلم ہوتا ہے پھر تار دینے کے محل سے تار پانے کی جگہ تک درمیان میں متعدد وسائل اور مراکز ایسے واقع ہوتے ہیں جس سے یہ شبہ پختہ ہو جاتا ہے کہ تار براہ راست بھیجنے والے کے مقام سے نہ آیا ہو؛ بلکہ درمیان میں سے کسی اور جگہ سے آیا ہو، پھر لانے والا عموماً غیر مسلم ہوتا ہے اور بتقدیر مسلم ہونے کے وہ خود بھی نہیں جانتا ہے کہ اس میں کیا لکھا ہے؛ غرض تار کی خبر میں کثرت سے ایسے احتمالات پیدا ہوتے ہیں جن کو دیکھتے ہوئے اس خبر پر یقین نہیں کیا جا سکتا ہے، اس لیے یہ خبر شرعاً ثبوت رویت کے لیے دلیل نہیں ہو سکتی ہے۔

اب مسئلہ ٹیلیفون یا ٹیلیفون کے ساتھ ارسال کنندہ کی فوٹو بھی سامنے آنا، تو یہ شہادت علی سماع الصوت میں داخل ہے یا رویت شبیہ میں داخل ہے جو شرعاً رویت نہیں ہے؛ کیوں کہ شہادت دینے کے لیے یہ شرط ہے کہ جس کی صوت اور اقرار پر شہادت دینا ہو تو صاحب صوت کی شخصیت کو دیکھتا ہو یا ایسی صورت پیدا ہو کہ صاحب صوت کے غیر کا احتمال باقی نہ رہے اور یہاں نہ شخصیت کو دیکھا جاتا ہے اور نہ غیر کا احتمال منتفی ہوتا ہے بلکہ غیر کا قوی احتمال موجود ہے، لہٰذا یہ بھی شرعاً ثبوت رویت ہلال کی دلیل نہیں ہو سکتی ہے؛ البتہ انفرادی طور سے اگر کثرت تار کہ انضمام قرائن کسی کو اس خبر پر یقین یا غلبۂ ظن پیدا ہو جائے تو اس کے حق میں رویت پر عمل ہوگا مگر اس سے عام ثبوت رویت کا حکم نہیں لگایا جا سکتا ہے۔

وذکر الخصاف رحمه الله تعالى: رجل فى بيت وحده دخل عليه رجل وراٰه ثم خرج وجلس على الباب وليس للبيت مالك غيره فسمع اقراره من الباب بلا رويته وجهه حل له ان يشهد بما اقر. (وفى العيون) رجل اخفى قوماً لرجل ثم سئله عن شئ فاقر وهم يسمعون كلامه ويرونه وهو لا يراهم

جازت شهادتهم، وان لم یروه وسمعوا کلامه لا یحل لهم الشهادة. آه.(لسان الحکام فی معرفة الاحکام ۳۷ مطبوعه اسکندریه مصر ۷/رجب ۱۲۹۹ھ، وکذا فی الفتا وی الکاملیه ۱۳۴، ۱۲۹) نا قلا عن معین الاحکا م والملتقط. وکذا فی الشامی ج۵/ص۷۲۵، عالمگیری ج۳/ص۴۵۲،۴۵۳.

تنبیہ: اس تحریر کے بعد فتاوی کاملیہ میں ایک فتویٰ نظر سے گذرا جس میں خبر ٹیلگراف کو رویت کی دلیل ٹھہرائی ہے، اس لیے مناسب معلوم ہوا کہ اس پر تبصرہ کیا جائے، مذکورہ فتاویٰ میں لکھا ہے کہ شام میں کسی سرحد سے ۱۲۸۱ھ میں تار کے ذریعہ سے خبر رویت آئی اور قاضی صاحب نے حواشی تنویر سے استشہاد لے کر رویت کو معتبر قرار دیا۔

(وہ عبارت یہ ہے): الظاهر انه یلزم اهل القریٰ بسماع المدافع او رویة القنادیل من المصر لانها علا مة ظاهرة تفید غلبة الظن ثبوته عند قاضی المصر و غلبة الظن حجة موجبة للعمل کما صرحوا به. الخ۔

یہ فتویٰ جب مشائخ شام کے سامنے آیا تو سب نے اس حکم کو باطل ٹھہرایا اور دلیل میں فقہاء کے مختلف دلائل اور تصریحات پیش کئے، اس کے بعد یہ فتویٰ معہ اعتراضات منکرین کے ہمارے شیخ علیش کے پاس پیش ہوا، تو آپ نے منکرین کے قول کو غلط ٹھہرایا اور قاضی کے فتویٰ کو صحیح تسلیم کیا اور دلیل میں مندرجہ ذیل عبارت لکھی۔

لأن سلاطین المسلمین وضعوا التلغراف لتبلیغ الاخبار من البلاد القریبة والبعیدة فی مدة یسیرة جداً واقاموا لاعماله اشخاصا مسلمین وانفقوا علی ذلك اموالا جسیمة واستغنوا به عن السعاة وارسال المکاتیب غالباً فصار قانونا معتبراً فی ذلك یخاطب به السلاطین بعضهم بعضا فی

مهمات الامور، وتبعهم الناس على ذلك. (كاملية ٢٨٩) فأقول: و بيده أزمة التحقيق.

مذکورہ فیصلہ اول تو قال اللہ وقال الرسول اور تصریحات مجتہدین اوران کے قوانین کے خلاف ہے، اوراسی واسطے مشائخ شام نے اس کو تسلیم نہیں کیا، اور بالفرض اگر سماع المدافع یا رویت القنادیل کے ماتحت خبر تار اور ٹلیفون کو بھی رویت کی ایک ظاہری دلیل مان بھی لیں تو بھی ان قیود اور شرائط کے ساتھ تسلیم کرنا پڑے گا جن کو خود قاضی اور شیخ فتویٰ کے دلیل میں ذکر فرما چکے ہیں، یعنی محکمہ تار سلطان الاسلام کا ہے، اوراس پر مقرر عمال اور ملازم بھی مسلمان ہیں، اور پھر اس کے معتبر ہونے کے لیے شرعی احتیاطیں بھی ملحوظ رکھی جاتی ہیں، اس لیے اس مخصوص حالت میں تار معتبر سمجھا گیا ہو تو اس سے لازم نہیں آتا ہے کہ جہاں ان احتیاطوں کا لحاظ نہیں ہے اور محکمہ تار یا ٹیلیفون اول سے لے کر آخر تک کفار اور غیر مسلموں کے ہاتھوں میں ہے وہاں بھی ان خبروں کو معتبر قرار دیں، لہٰذا بمجرد خبر تار یا ٹیلیفون رویت ہلال کا ثبوت شرعا جائز نہیں، جب تک شرعی گواہ نہ گزرے یا رویت کی خبر اس قدر عام اور مشہور نہ ہو جائے جس کے بعد عدم رویت کا احتمال باقی نہ رہے۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔ محمود حسن غفر اللہ لہ (مفتی جامعہ حسینیہ راندیر)

ٹیلیفون اور تار کی خبر سے چاند کا ثابت نہ ہونا

[۲۸۹] سوال: آج کل ہر چھوٹے بڑے شہر میں ٹیلیفون کا سلسلہ قائم ہے تو ٹیلیفون کے ذریعہ سے شرعاً چاند کا ثبوت ہوسکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: شریعت میں ثبوت چاند کے لیے مطلع صاف ہونے کی حالت میں جماعت کثیر کی رویت معتبر ہے، اور مطلع صاف نہ ہو تو رمضان کے لیے ایک متقی، پرہیزگار شخص کی

شہادت معتبر ہے، اور غیر رمضان میں دو آزاد پرہیزگار مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت معتبر ہے، اب اس شرعی فیصلہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے تار یا ٹیلیفون کی خبر نہ تو جماعت کثیر کی خبر میں داخل ہے اور نہ دو پرہیزگار مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت میں داخل ہے، لہٰذا یہ خبر کسی صورت سے بھی معتبر نہیں ہوسکتی ہے۔ ویثبت رمضان ای دخوله وابتدائه برؤية هلا له او بعدشعبان ثلاثين. (الى ان قال) واذا كان بالسماء علة قبل فى هلال رمضان خبرعدل، و فى هلال الفطر و ذى الحجة شهادة حرين أو حر وحرتين. (ثم قال) وإن لم يكن بالسماء علة فلا بد فى الكل من جمع عظيم يقع العلم بخبرهم.آه. (مجمع الانهر ١٢٠) والله سبحانه تعالىٰ اعلم۔ وعلمه اتم۔

سحری کی انتہاء کا وقت

[۲۹۰] سوال: سحری کا وقت رات کے کتنے حصے گذرنے کے بعد نہیں رہتا ہے؟ یا رات کے کتنے حصے تک سحری کرنا چاہیے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: سحری کی انتہاء صبح صادق کے طلوع پر ہوتی ہے جس کو نص قرآنی نے رات اور دن کے سیاہ اور سفید ڈوروں میں تمیز سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ﴿كلوا واشربوا حتى يتبين لكم الخيط الابيض من الخيط الاسود من الفجر﴾ (الآية)

صبح صادق وکاذب میں فرق

[۲۹۱] سوال: صبح اول اور صبح ثانی کس کو کہتے ہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: صبح اول یعنی صبح کاذب، صبح سے قریب افق شرقی سے ایک لکیر نکلتی ہے جو غرب کی جانب لانبی آسمان پر نظر آتی ہے اور تھوڑی دیر میں غائب ہوکر اندھیرا آجاتا ہے اور تھوڑی

دیر بعد افق شرقی پر دوبارہ جنوباً وشمالاً عرض پر ایک سفید لکیر پیدا ہو جاتی ہے اور وقتاً فوقتاً آسمان پر پھیلنے لگتی ہے یہی صبح صادق ہے اور صبح ثانی ہے اور پہلی صبح اول یا صبح کاذب ہے۔ وفی الا صل وقت الفجر حين طلوع الفجر المعترض فى الا فق الى طلوع الشمس، والفجر فجران يسمى الفجرالاول كاذباً وهو البياض الذى يبدو كذ نب السرطان ويعقبه ظلام ولا يخرج به وقت العشاء ولا يثبت به شيء من احكام النهار، والثانى هو البياض الذى ليستطير فى الا فق لا يزال حتى ينتشر سمى مستطيراً لذلك يثبت احكام النهار من حرمة الطعام والشراب للصائم. (خلاصة الفتاوى ج ١/ص٦٦)

رمضان یا عید کے چاند کی شہادت قاضی نے قبول نہ کی تو روزہ رکھے یا نہیں؟

[۲۹۲] سوال: ایک شخص رمضان شریف ۲۹/تاریخ کو چاند دیکھا اور اس نے جا کر شہر قاضی کو اطلاع دی، شہر قاضی نے اس کے قول وشہادت کا اعتبار نہ کیا تو وہ آدمی ۳۰/تاریخ کو روزہ رکھے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: جس شخص نے رمضان یا عید کا چاند دیکھا اور قاضی نے اس کی گواہی رد کر دی تو اس کو روزہ رکھنا چاہیے اور اگر روزہ نہ رکھا تو صرف قضا لازم آئے گی۔ ومن رأى هلال رمضان أو الفطر ورد قوله صام، فإن افطر قضى. فقط.

قضاء کے لیے سحری کرنا

[۲۹۳] سوال: قضائے رمضان کے لیے بھی ویسی سحری کرنا چاہیے جس طرح رمضان میں یا کس طرح؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ روزے کے لیے سحری کرنا ایک مستحب چیز ہے ضروری نہیں ہے، اور استحباب کی جو وجوہ بیان کی گئی ہیں اس میں تمام روزے برابر ہیں کسی خاص روزے کی تخصیص نہیں ہے۔تسحروا فان فی السحور برکة.(الحدیث)مشکوة١٧٥ . قال الشارحون: الامر للندب. التسحر مستحب ووقته آخر اللیل.آھ.(عالمگیری ج١/ص٢٠٠) والبرکة فی الحدیث الزیادة والنماء والزیادة فیها علی وجوه زیادة فی القوة علی اداء الصوم وزیادة فی اباحة الاکل والشرب وزیادة علی الاوقات اللتی یستجاب فیها الدعاء.آھ.(البحرالرائق ج٢/ص٢٩٢)

یوم الشک میں بعضوں کا روزہ رکھنا اور بعضوں کا نہ رکھنا

[٢٩٤] سوال: اب کے شعبان کی انتیسویں تاریخ کو ابر کی وجہ سے چاند نہیں دیکھا گیا، اس واسطے بعض لوگوں نے فرض بعضوں نے نفل روزہ رکھا اور بعضوں نے نہیں رکھا، دوپہر کو دوسرے گاؤں سے لوگ آئے اور انہوں نے کہا کہ ہمارے گاؤں میں چاند دیکھا گیا تھا اور لوگوں نے روزہ رکھ لیا ہے تو جنہوں نے فرض یا نفل نیت سے روزہ رکھا اور جنہوں نے بالکل روزہ نہیں رکھا اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جن لوگوں نے خواہ کسی نیت سے روزہ رکھ لیا ہے ان کا روزہ فرض روزہ رمضان سے معتبر سمجھا جائے گا اور جن لوگوں نے روزہ نہیں رکھا ہے ان پر آئندہ ایک روزہ کی قضا لازم آئے گی۔فقط وصح فی الکل عن رمضان إن ثبت ای ان ظهر أن ذلك الیوم من رمضان صح لوجود اصل النیة.آھ.(مجمع الانهر ج١/ص١١٩) رجل أصبح مفطراً فی اول یومٍ من رمضان واصبح الناس صائمین ان صام الناس

بـرويةالهـلال او بـعـدّ شـعبان ثلٰثين يوماًفهم محسنون والرجل مسىءٌ وعليه القضاء دون الكفارة. (خلاصةالفتاوى ج ١ /ص ٢٥٠)

صیام شعبان کا مستحب ہونا

[۲۹۵] سوال: شعبان میں روزے رکھنا کیسا ہے؟ اوراس کے لیے بھی رمضان کی طرح سحری کرنا چاہیے یا کس طرح کریں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: شعبان میں نفلی روزے رکھنا مستحب ہے، رسول کریم ﷺ اس مہینے میں بنسبت دوسرے مہینوں کے زیادہ روزے رکھتے تھے، رہی سحری تو وہ ایک مستحب امر ہے جس میں تمام روزے برابر ہیں۔ وعن عـائشة رضى الـلـه عـنها: ما رأيت رسول الله ﷺ استكمل صيام شهرقط الا رمضان، وما رأيته فى شهر أكثر منه صياما فى شعبان. متفق عليه (مختصراً) مشكوة١٧٨.

قضائے رمضان میں تسلسل واجب نہیں

[۲۹۶] سوال: عورتوں سے جو رمضان میں روزے قضا ہو جاتے ہیں؛ نیز مسافر یا مریض سے جو روزے قضا ہو جاتے ہیں ان کو متوالی پے در پے قضاء کرنا چاہیے یا جب موقع ملے تو ایک ایک علیحدہ علیحدہ بھی قضا کر سکتے ہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: متصل پے در پے قضا کر سکے تو بہتر ہے، ورنہ بلا اتصال بھی الگ الگ حسب موقع قضا ئکر سکتے ہیں۔ عن عبيدة بن الجراح انه سئل عن قضاء رمضان متفرقا، قال: ان الله لم يرخص لكم فى فطره وهو يريد ان يشق عليكم فى قضائه فاحص العدد أو ضع ماشئت.

وعن أبي هريرة ان إمرأة سئلته كيف تقضى شهر رمضان؟ فقال: صومی كيف شئت واحص العدة، فانما يريد الله بكم اليسر ولا يريد بكم العسر. (رسائل الأركان ٢١٩)

رمضان میں خوشبو وغیرہ سونگھنا

[۲۹۷] سوال: اکلٹیس اوئیل ایک انگلش دوا ہے جو خوشبودار ہے سردی زکام ہونے کی حالت میں رومال کپڑا وغیرہ میں لگا کر سونگھتے ہیں تو اس سے روزہ جاتا رہتا ہے یا نہیں؟ نیز اس کپڑے کے ساتھ نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر یہ دوا ناپاک چیز کی آمیزش سے خالی ہو تو اس کے ساتھ نماز پڑھنے میں کوئی ممانعت نہیں، رہا مسئلہ روزہ کا تو چوں کہ اس سونگھنے سے کوئی چیز پیٹ میں نہیں پہنچتی ہے، اس لیے یہ اِدِّہان کے حکم میں ہوگا جس سے روزہ فاسد نہیں ہوتا ہے۔ او ادهن او اكتحل وان وجد طعمه فى حلقه لان الداخل من المسام الغير النافذ لا ينافى كما لو اغتسل بالماء البارد ووجد برودته فى كبده۔ آه. (مجمع الانهر ج ١ / ص ١٢٤)

رمضان میں مریض کا دو وقتہ فدیہ کھانا کھلانا

[۲۹۸] سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ ایک شخص ایسا مریض ہے کہ روزے نہیں رکھ سکتا ہے تو وہ فدیہ میں مسکین کو ایک وقت کھلائے تو اس کا فدیہ ادا ہو جاتا ہے یا دو وقت کھلانا شرط ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ شخص مذکور اگر محض بیماری کی وجہ سے روزہ نہیں رکھ سکتا ہے تو وہ اپنی حیات

میں فدیہ نہیں دے سکتا ہے؛ بلکہ مرنے کے بعد وصیت اور مال کی موجودگی پر اس کا والی فدیہ دے گا، اور اگر مرض کے ساتھ شیخ فانی کے درجے تک پہنچا ہے تو وہ ایک روزے کے عوض یا تو بمقدار فطرہ ایک مسکین کو صدقہ دے یا دو وقت ایک مسکین کو پیٹ بھر کر کھانا کھلائے، ایک وقت کھلانے سے فدیہ ادا نہ ہوگا۔ الشيخ الفانی إذا عجز عن الصيام جاز له الاطعام فی حياته كل يوم نصف صاع من حنطة كما مر، ولا يجوز للمسافر والمريض والحامل والمرضع ذلك فی حياتهم فإن ماتوا يطعم عنهم إذا أوصوا بذلك من الثلث وعليهم أن يوصوا ويجوز الجمع والتفريق فی هذا الاطعام.آه. (خلاصة الفتاویٰ ج ١/ص ٢٦٦ مطبوعه كشوری) وان غداهم وعشاهم جاز قليلا ما اكلوا أو كثيراً. (هدايه ج٣/ص ٣٩٥)

مؤذن کا بحالت اعتکاف محلے سے قفاہِ لانا اور سحری کے لیے لوگوں کو اٹھانا

[٢٩٩] سوال: ایک مؤذن صاحب کو رمضان میں اعتکاف بیٹھنے کا خیال ہے، مگر اس کے ذمے اذان دینا سحری میں لوگوں کو جگانے کے لیے، صلوٰۃ پڑھنا اور گاؤں میں سے قفاہِ مانگ کر کھانا کھانا اور سحری کے لیے گھروں پر جا کر لوگوں کو جگانا بھی ہے تو یہ مؤذن اگر اعتکاف کی حالت میں مندرجہ فرائض ادا کرنا چاہے تو کر سکتا ہے یا اعتکاف ٹوٹ جائے گا مہربانی فرما کر جلد جواب دیجیے۔

الجواب: وباللہ التوفیق: مسجد میں رہ کر اذان وصلوٰۃ چوں کہ امر بالمعروف اور ذکر اللہ میں داخل ہے اس لیے وہ درست ہے، اس کے سوا چوں کہ معتکف کے لیے مسجد ہی میں کھانے پینے کی اجازت ہے اس لیے کھانے کے لیے باہر جانا خروج بلا حوائج ضروریہ متصور ہوگا، اس لیے اس سے اعتکاف ٹوٹ جائے گا اور اسی طرح اہل محلّہ کو جگانا بھی چوں کہ حوائج ضروریہ میں سے نہیں ہے اس

لیےاس سے بھی اعتکاف ٹوٹ جائے گا،اوراگرایسی مجبوری درپیش ہوکہ مسجد میں کھانا تیار کرنے کی صورت نہ ہوسکتی ہواور باہر سے لانے والامیسر نہ ہوسکےاوراس مجبوری سے صرف روٹی لانے کے لیے افطار یاسحری کے وقت جائے تو منع نہ ہوگا،اوراس کوحوائج ضروریہ میں تصور کیا جائے گامگر ضرورت سے زائدایک منٹ بھی توقف باہر کرے گاتواعتکاف باطل ہوجائے گا۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

وأكله وشربه ونومه ومبايعته فيه يعني يفعل المعتكف هذه الاشياء في المسجد فإن خرج لأجلها بطل اعتكافه؛ لأنه لا ضرورة إلى الخروج حيث جازت فيه. وفى الفتاوىٰ الظهيرية: وقيل يخرج بعد المغرب للأكل والشرب.آه. وينبغي حمله على ما إذا لم يجد من يأتي له به فحينئذ يكون من الحوائج الضرورية كالبول والغائط. (بحرالرائق ج٢/ص٣٠٣)

احتلام سے اعتکاف میں نقصان نہ آنا

[٣٠٠] سوال: کوساڑی کی مسجد میں ایک عالم متقی تنخواہ لےکرامامت کرتا ہےاورمسجد میں اعتکاف کرتا ہے چونکہ جوان ہےاس لئے مسجد میں احتلام بھی ہوجاتا ہے،اور یہ امام اپنا کھانا پینا سونا مسجد ہی میں رکھتا ہےتو یہ فعل اوراعتکاف جائز ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق:مسئولہ صورت میں امام مذکور جس طرح اعتکاف کرتا ہے،یہ جائزاور شرعی اعتکاف ہے۔معتکف کا کھانا پینا سونا مسجد ہی میں ہوتا ہے۔اوراحتلام سےاعتکاف میں کچھ نقصان نہیں آتا ہے۔و اما الاكل و الشرب و النوم يكون فى معتكفه آه (هدايه ص١٩١) و لو امنى بالتفكر و النظر لا يفسد اعتكافه كذا فى التبيين و كذا لو احتلم كذا فى فتح القدير (عالمگیری ٢١٣)

شیخ فانی کا ابتداء رمضان ہی میں پورے مہینہ کا فدیہ دے دینا

[۳۰۱] سوال: شیخ فانی سارے ماہ رمضان کا فدیہ پہلی تاریخ رمضان میں دے سکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ دے سکتا ہے مگر صحت کے لیے شرط ہے کہ آخر تک صیام پر قدرت نہ پائے۔ثم إن شاء اعطى الفدية فى اول رمضان بمرة وإن شاء اخرها إلى آخره. (عالمگیری ج۱/ص۲۰۷)

ڈاکٹر کے مشورہ سے روزہ افطار کرنے پر صرف قضا لازم ہوگی۔

[۳۰۲] سوال: رمضان میں ڈاکٹر افطار کا حکم دیتا ہے، کیوں کہ روزے سے مرض بڑھنے کا اندیشہ ہے تو افطار کی صورت میں محض قضا لازم ہوگی یا کفارہ؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ کافر ڈاکٹر کی رائے تو معتبر نہیں، ہاں اگر مسلم ڈاکٹر کو مذکورہ اندیشہ ہو اور وہ افطار کا حکم دے تو محض قضاء لازم ہوگی نہ کہ کفارہ۔ اومريض خاف الزيادة أو صحيح خاف المرض، وخادمة خافت الضعف بغلبة الظن بامارة أو تجربة أو باخبار طبيب حاذق مسلم.آه.الفطر وقضوا ما قدروا بلا فدية. (الدرالمختار)والتفصيل فى الشامى (ج۲/ص۱۵۹)

نماز، روزہ کی حالت میں رحم میں دوائی رکھنا

[۳۰۳] سوال: رحم کی بیماریوں میں لیڈس ڈاکٹر ربڑ وغیرہ کی چوڑی شرمگاہ میں رکھنے کی رائے دیتی ہے، اور اکثر اوقات انگریزی دواء بھی رکھواتی ہے تو اس کے ساتھ نماز اور روزہ کی ادائیگی میں کچھ خلل آتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نماز کے لیے پاک دوا کا استعمال مانع نہیں، انگریزی ادویہ میں اگر شراب یا اس قسم کی ناپاک چیز شامل نہ ہو تو اس کے ساتھ نماز ہو جاتی ہے، ہاں روزہ کی حالت میں دوا آمیز ربڑ یا خالی دواء رکھنا روزے کو توڑ دیتا ہے؛ کیونکہ تجربہ سے ثابت ہوا ہے کہ قبل و دبر میں دوا کا اثر اوپر پیٹ کے طرف چڑھتا ہے۔ والا قطار فی اقبال النساء قالوا ایضاً هو على هذا الخلاف. وقال بعضهم: بلا خلاف؛ لانه شبيهة بالحقنة، وقال فی المبسوط: وهوالأصح. آه. (ثم يفصل بعد وصول اثر الدواء إلى الداخل) وفی القبل ذكرت لنا من تضع مثل الحمصة لتسد بها فی الداخل تحرزاً عن الحبل انها لا تقدر على اخراجهاحتى تخرج هی بعد ايام مع الخارج. واللّٰه سبحانه أعلم. (فتح القدير ج ٢ / ص ٢٦٧) واما فی قبلها فمفسد اجماعاً كالحقنة. (الدرالمختار) وتفصيله فی الشامی ج ٢ / ص ١٥٥ مفسدات الصوم)

پورا رمضان بغیر نیت روزہ افطار کیا

[٣٠٤] سوال: ایک شخص بلا عذر و بلا نیت تمام رمضان کے روزے کھا گئے تو اب وہ کیا کرے کفارہ دے یا قضا کرے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ بلا نیت روزے کھانے پر کفارہ نہیں قضا کر لے۔ ومن أصبح غير ناو للصوم فأكل لا كفارة عليه آه. (هدايه ج ١ / ص ٢٠٦)

کتاب الحج

عورت کے لیے سفر حج میں وجود محرم شرط الوجوب ہے یا شرط الاداء ہے؟

[۳۰۵] سوال: ایک ضعیفہ عورت پر حج فرض ہوگیا ہے مگر شوہر یا کوئی ذی رحم محرم نہیں ہے جو اس کے ساتھ حج کو جائے اور محلّہ کے لوگ حج کو جاتے ہیں تو کیا یہ ضعیفہ ان کے ساتھ حج کو جا سکتی ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ عورت پر حج کی فرضیت کے شرائط میں ایک یہ بھی شرط ہے کہ اپنے آمد ورفت کے اخراجات کے ساتھ اپنے ساتھ شوہر یا محرم کے رفت وآمد کے مصارف کی بھی استطاعت رکھتی ہو، اس کے ساتھ وجود شوہر یا محرم کو بعض فقہاء نے شرط ادا قرار دیا ہے، اور بعض نے شرط وجوب؛ بہرحال حرہ عورت خواہ جوان ہو یا بوڑھی بلا محرم یا شوہر حج کو نہیں جا سکتی ہے، اب مندرجہ اختلاف کی وجہ سے بعض کہتے ہیں کہ چوں کہ جائز رفیق کا ہونا شرط وجوب ہے اور وہ موجود نہیں لہٰذا اس پر حج ہی فرض نہیں، مگر جو لوگ کہتے ہیں کہ وجود محرم شرط ادا ہے ان کے نزدیک حج فرض ہوگیا ہے اور یہ قول چوں کہ احتیاط پر مبنی ہے اس لیے اسی کو قابل عمل بنانا چاہیے۔

اب اس قول پر جب کہ نفس حج واجب ہوا تو عورت کو یا تو ایسی مناسب جگہ میں نکاح کرنا چاہیے جو اس کے ساتھ سفر حج پر جانے کے لیے تیار ہو یا وجود محرم کا انتظار کرنا چاہیے اور اگر آخر عمر تک مناسب رفیق سفر نہ پا سکی تو حج بدل کے لیے وصیت کرے اور یہی صحیح ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ومع زوج أو محرم لإمرأة حرة ولو عجوز في سفر وهل يلزمها

التزوج قولان۔ (درمختار) قوله قولان: مبنيان على أن وجود الزوج أو المحرم شرط وجوب أم شرط وجوب الأداء والذى اختاره فى الفتح أنه مع الصحة وامن الطريق شرط وجوب الأداء فيجب الإيصاء ان منع المرض أو خوف الطريق أو لم يوجد زوج ولا محرم. آھ. (شامی ج ۲/ص ۲۰۰؛حج، مجمع الانهر ج ۱/ص ۱۳۳، ۲۶۲، خلاصة ج ۱/ص ۲۱٤)

محرم کے سفرخرچ پر قدرت نہ ہونے سے عورت پر حج کا واجب نہ ہونا

[۳۰۶] سوال: (۱) ایک عورت کا شوہر مرگیا ہے وہ حج کو جانے کی استطاعت رکھتی ہے مگر محرم کے مصارف واخراجات کی مستطیع نہیں ہے، اب اس کے محلے کی عورتیں حج کو جاتی ہیں تو کیا یہ عورت ان کے ساتھ جاسکتی ہے یا نہیں؟ (۲) نیز مندرجہ مسئلہ میں اگر وہ عورت شافعی یا مالکی مفتی کے فیصلے کو اختیار کرے تو پھر جانا درست ہوگا کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: (۱) عورت کے لئے من جملہ دیگر شرائط کے حج کے لئے سفر میں وجود شوہر یا محرم کی ضرورت ہے، نیز ان کے مصارف کے لئے بھی استطاعت رکھتی ہو، گویا دو آدمی کی زادسفر کی استطاعت شرط ہے۔ اور مذکورہ عورت جب محرم کے مصارف ونفقہ پر قادر نہیں تو اس پر حج بھی فرض نہیں۔ اس لئے نفلی حج کے لئے بلا وجود رفیق شرعی سفر پر جانا سخت مذموم فعل ہے۔ ہاں اگر محارم میں سے اگر کوئی اپنے خرچے سے جانا چاہے تو اس کے ساتھ جاسکتی ہے۔ و زوج او محرم للمرأة ان كان بينها و بين مكة مسافة سفر و لا تحج بلا احدهما و شرط كون المحرم عاقلا بالغا و نفقة المحرم عليها اذا لم يرافقها الا بنفقتها۔ (مجمع الانهر ج ۱/ص ۱۳۳)

(۲) بلاضرورت شدیدہ غیر کے مذہب کو اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔ اور موجودہ حالت میں جب اس پر حج فرض نہیں ہے تو بہ طریق اولیٰ مذہب غیر کو اختیار نہ کرنا چاہئے۔ خصوصاً اس زمانۂ فساد میں اگر مالک یا شافعی کے مذہب پر وہ عورتوں کے ساتھ حج کو جائے تو اس میں جو فتنہ کا خوف ہے وہ اظہر من الشّمس اور دفع المضرۃ اولیٰ من جلب المنفعۃ کے خلاف ہے۔ ہاں اگر اس کو حج کو جانا ہی ہے تو اپنے مذہب کے مطابق بھی وہ حج کو جاسکتی ہے اس طرح کہ ایسے شخص سے نکاح کرلے جو اس کے ساتھ حج کو جانے پر آمادگی ظاہر کردے، بلکہ ایسی حالت میں بعض علماء نے وجوب نکاح کا قول کیا ہے اور میرے نزدیک یہ قول زیادہ قابل عمل ہے کیونکہ یہ ہر طرح احتیاط پر بنا ہے۔ و یجب التزوج علیها لتحج معه آھ (مجمع الانهر ج ۱ / ۱۳۳) و هل یلزمها التزوج قولان آھ (الدر المختار مع الشامی ج ۲ / ص ۲۰۰)

سود اور حرام پیسے سے حج کی ادائیگی

[۳۰۷] سوال: ایک شخص صرف سود ہی کے روپیوں سے حج کو جائے تو اس کا حج ادا ہو جائے گا؟ یا اگر سود کے اور حلال روپئے ملا کر حج کو جائے تو حج ادا ہوگا کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: حج فریضۂ الٰہی ہے جو حلال مال سے واجب ہوتا ہے اور حلال ہی سے ادا کرنا چاہیے، مگر تاہم اگر کسی نے سود کی رقم یا اس قسم کے حرام مال سے ادا کردیا تو نفس حج ادا ہو جائے گا مگر گناہ گار ہوگا۔ وإلى أنه لا یجب بالمال الحرام لکن لو حج به جاز: لأن المعاصی لا تمنع الطاعات فإذا اتی بها لا یقال أنها غیر مقبولة کما فی مکروهات صلوٰۃ الخزانة. آھ. (قهستانی، جامع الرموز ۲۳۲، ومجمع الانهر ۱۳۲، ناقلا عنه وبحر ج ۲ / ص ۳۰۹)

من سمع المنادی فلم یمنعه من اتباعه عذر .... لم تقبل منه الصلوٰۃ التي صلی. (ابوداؤد ۸۱، باب التشدید فی ترک الجماعة)ای قبولا کاملا (وان کانت مجزئة فی سقوط الفرض کالصلوٰۃ فی الدار المغصوبة تسقط الفرض ولا ثواب فیها، وکذا الحج بمال حرام۔) (بذل المجهود ج ۱ / ص ۳۱۲)

ناداری کی حالت میں حج کرنے سے غنی ہونے پر حج کا واجب نہ ہونا

[۳۰۸] سوال: ایک مالدار شخص اپنے خرچ سے کسی شخص کو اپنے ساتھ حج پڑھنے لے جائے تو اس شخص کا حج ادا ہوگا کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: حج کی فرضیت حریت، عقل، بلوغ سے ہوجاتی ہے مگر زادِراہ کی عدم استطاعت کے باعث ادا واجب نہیں ہوتی اور جب کہ وہی عاقل، حر، بالغ شخص کسی طور سے مکہ معظّمہ پہنچے تو اب استطاعت بھی ہوگئی اور اداء بھی واجب ہوگئی، لہٰذا صورت مسئولہ میں جب کہ اس نے مندرجہ بالا اہلیت کے ساتھ حج ادا کردیا تو اس کا حج ادا ہوگیا اور اگر وہ شخص حج کی ادائیگی کے وقت مسکین تھا اور آئندہ غنی اور مالدار ہوگیا تو بھی دوسرا حج اس پر واجب نہیں۔ ومن لم یجب علیه الحج لفقد الاستطاعة ووصل الی مكة (شرفها الله تعالیٰ) فقد افترض علیه الحج لوجدان الاستطاعة فان حج یقع فرضا ثم بعد ذلك لا یفترض مرة ثانیة وان وجد الاستطاعة۔ هذا فی الحر البالغ۔ (رسائل الارکان ۲۳۶ والمسئلة اتفاقیة عند الحنفیة۔

بغیر اجازت والدین حج کو جانا

[۳۰۹] سوال: ایک شخص فریضۂ حج کے لیے رفت وآمد کے مصارف واخراجات پر قادر ہے، مگر

باپ کی وجہ سے نہیں جاسکتا ہے اور رقم اس قدر زائد نہیں جو باپ کو بھی ہمراہ حج کو لے جائے تو اب سوال یہ ہے کہ اکیلا حج کو جائے یا ضرور باپ کو لے جائے یا اگر باپ کو چھوڑ کر جائے گا تو گناہ گار ہوگا کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر باپ اپنے نفقہ پر خود قادر ہے یا قادر نہیں مگر آنے جانے کے درمیانی عرصہ کے لیے یہ شخص اس کو نفقہ دے سکتا ہو تو اس صورت میں حج کو جاسکتا ہے، اور اگر باپ اپنے نفقہ پر خود قادر نہیں ہے اور لڑکے کے پاس زائد رقم نہیں جو اپنی غیر حاضری کے ایام کے لیے باپ کو دے کر جائے تو اس صورت میں جب تک باپ کے نفقہ کے لیے اطمینان نہ کریں حج کو نہ جائے۔

وقال محمد فى السير الكبير: إذا أراد الرجل أن يسافر إلى غير الجهاد لتجارة أو حج أو عمرة وكره ذلك أبواه فإن كان يخاف الضيعة عليهما بان كانا معسرين ونفقتهما عليه وماله لا يفى بالزاد والراحلة ونفقتهما فإنه لا يخرج بغير إذنهما. سواء كان سفرا يخاف على الولد الهلاك فيه كركوب السفينة فى البحر أو دخول البادية ماشيا فى البرد والحر الشديدين او لا يخاف على الولد الهلاك فيه (ثم بعد اسطر قال:) وإن كان لا يخاف الضيعة عليهما بان كانا موسرين أو لم تكن النفقة عليه إن كان سفراً لا يخاف على الولد الهلاك فيه كان له أن يخرج بغير إذنهما، وإن كان سفراً يخاف على الولد الهلاك فيه لا يخرج إلا بإذنهما كذا فى الذخيرة. (عالمگیری ج٥ /ص٣٦٥)

بعد حج ارتکاب معاصی

[٣١٠] سوال: انسان میں جھوٹ، دغا اور بداخلاقی اور بڑے بڑے گناہ کی عادتیں ہوتی ہے، ایسا

آدمی حج پڑھ کر آتا ہے تو بیشک وہ گناہ سے پاک اور فریضہ کا ادا کرنے والا شمار ہوتا ہے مگر پھر وہ ایسے افعال اور ایسے اعمال کا مرتکب ہوجاتا ہے اس کا کیا سبب ہے؟ تفصیل بحوالہ لکھیں۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ فریضہ حج کی ادائیگی سے بظاہر ارکان اسلام میں سے ایک رکن ادا ہوجاتا ہے مگر حج کا مبرور ہونا اور سارے گناہوں کا کفارہ ہوجانا خدا کی مشیت اور مرضی پر موقوف ہے، حج کی ادائیگی پر جزماً یہ حکم لگانا کہ حاجی سارے گناہوں سے پاک ہوا یہ غلط ہے، حج کرنے کے بعد دوبارہ معاصی کا ارتکاب کرنا نفس و ہوا کی اتباع سے ہے جیسے پہلے تھا، اس لیے خدا سے ہر وقت استغفار طلب کرنا اور توفیق چاہنا بہترین علاج ہے۔

عورت کا بلا شوہر حج کو جانا

[۳۱۱] سوال: ایک عورت جس کی عمر اس وقت ساٹھ برس ہے حج کا ارادہ رکھتی ہے، دولڑکے ہیں مگر وہ فی الحال حج کو نہیں جاسکتے، شوہر کے ساتھ عرصہ ہوا کہ خانگی جھگڑوں کی وجہ سے ناراضی پیدا ہوگئی ہے اور الگ رہتی ہے، اب اس عورت کا سمدھی حج کو جاتا ہے تو یہ عورت اس سمدھی کے ساتھ حج کو جاسکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر جاسکتی ہے تو شوہر کی رضاء لینے کی ضرورت ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ عورت کو حج فرض کی ادائیگی کے لیے جانے سے شوہر منع نہیں کرسکتا ہے مگر بلا شوہر یا ذی رحم محرم کے سفر حج پر نہیں جاسکتی ہے اور سمدھی (۱) چوں کہ ذی رحم محرم نہیں، لہٰذا اس کے ساتھ سفر حج پر نہیں جاسکتی ہے۔

وامن الطريق ومحرم أو زوج لامرأة فی سفر واطلق المرأة فشمل الشابة والعجوز لاطلاق النصوص، واشار بعدم اشتراط رضاء الزوج إلى أنه ليس له منعها عن حجة الاسلام إذا وجدت محرما لأن حقه لا يظهر فی

الفرائض. (البحر الرائق ج ۲ / ص ۳۱۵)

معذور کے لیے حج بدل

[۳۱۲] سوال: ایک بیوہ عورت جو بیماری کی وجہ سے چلنے پھرنے سے عاجز ہے، اس پر حج فرض ہو گیا ہے تو وہ اپنی طرف سے کسی کو حج پڑھنے کے لیے بھیجے تو اس کا فرض حج اداء ہو جائے گا یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ بیوہ مذکورہ اپنی جانب سے کسی مناسب آدمی کو بھیج سکتی ہے، اس کے بعد اگر اس کا موجودہ عجز موت تک قائم رہاں تو یہی حج اس کا فرض حج سمجھا جائے گا اور اگر بعد میں عجز جاتا رہا اور یہ خود حج جانے پر قادر ہو گئی تو یہ حج نفلی سمجھا جائے گا اور اس پر فرض حج کے لیے خود جانا پڑے گا۔ ویشترط فی صحة الحج عن الغیر موت المحجوج عنه اوالعجز الدائم الی الموت، فان استمر العجز الی الموت سقط الفرض عنه، ولو زال عجزه صار ما ادی تطوعا للآمر وعلیه الحج. آه. (مجمع الانهر ج ۱ / ص ۱۵۵)

جس نے اپنا فرض حج ادا نہ کیا ہو اس کا دوسرے کے لیے حج بدل کرنا

[۳۱۳] سوال: ایک شخص اپنے انتقال شدہ رشتہ دار کی طرف سے کسی کو حج بدل کے لیے بھیجنا چاہتا ہے جس نے اپنے لیے حج ادا نہیں کیا ہے تو ایسا شخص حج بدل ادا کر سکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جس شخص نے اپنا فرض حج ادا نہیں کیا ہے وہ حج بدل کے لیے جا سکتا ہے، مگر چوں کہ مشائخ فقہاء کے اقوال سے اس کا یہ فعل کراہت میں داخل ہے اس لیے بہتر یہ ہے کہ حج بدل کے لیے ایسا حر، عالم بافعال حج شخص مقرر کیا جائے جس نے اپنا فرض حج ادا کر لیا ہو۔ ثم المصنف لم یقید الحج عن الغیر بشیء لیفید أنه یجوز احجاج الصرورة وهو الذي لم یحج أولا عن نفسه لکنه مکروه کما صرحوا به، واختار فی فتح

القدير أنها كراهة تحريم للنهي الوارد في ذلك، وفي البدائع: يكره احجاج المرأة والعبد والصرورة، والأفضل احجاج الحر العالم بالمناسك الذي حج عن نفسه. آه. (البحر الرائق ج٣/ص٦٩، شامی ج٢/ص٣٣١)

بیمار کا حج بدل کرنا

[٣١٤] سوال: ایک شخص صاحب مال ہے مگر بیماری کے سبب خود حج کو جانے سے عاجز ہے تو کیا وہ حج بدل کے لیے کسی کو بھیج سکتا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: شخص مذکور سردست کسی مناسب آدمی سے حج بدل کرواسکتا ہے، مگر یہ حج بدل اس وقت اس کا فرض حج متصور ہوگا کہ موجودہ بیماری اور عجز سے ازالے کی امید نہ ہو یا اگر چہ ازالے کی امید ہو مگر یہ عجز موت تک قائم رہا، اور اگر موجودہ عجز اور بیماری کے ازالے کی امید ہو اور بعد میں عجز زائل بھی ہوا تو اس کا یہ حج بدل نفل ہوجائے گا اور فرض حج کے لیے خود جانا پڑے گا۔

بشرط دوام العجز إلى الموت، هذا اى اشتراط العجز إلى الموت إذا كان العجز كالحبس والمرض يرجى زواله اى يمكن، وإن لم يكن كذلك كالعمى والزمانة سقط الفرض بحج الغير عنه فلا اعادة مطلقاً سواء استمر به ذلك العذر ام لا. آه. (الدرالمختار مع الشامى ج٢/ص٣٢٧) وقد تكلم به فى الشامى لكن الراجح هذا. فقط والله سبحانه تعالىٰ اعلم۔

میت کے مال کے ثلث سے میت کی طرف سے حج کروانا

[٣١٥] سوال: ایک شخص نے موت سے قبل کچھ رقم حج کے لیے نکالی تھی مگر حج کو نہ جاسکا اور مر گیا، ورثہ نے سستی کی، اب تک حج ادا نہیں کرایا، اب یہ حالت ہے کہ اس کے بچے خود نفقہ کے محتاج ہیں

تو وہ رقم وہ اپنے تصرف میں لاسکتے ہیں یا حج کرانا ضروری ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جب کہ میت نے حج کے لیے وصیت کی اور ثلث مال سے حج بھی ممکن ہے تو اس کی وصیت واجب العمل ہوگئی ہے، اور ورثاء کو میت کے مال سے اپنا اپنا حق مل چکا ہے، میت کی وصیت کے مطابق اس مال سے حج کرانا ضروری ہے، اگر ورثہ اس پر عمل نہ کریں گے اور وہ رقم خود اپنے تصرف میں لاکر خرچ کریں گے تو گنہگار ہوں گے اور قیامت کے روز جواب دہ ہوں گے۔ ویحج عنه عن ثلث ماله سواء قيد الوصية بالثلث بان اوصى ان يحج عنه بثلث ماله او اطلق بان اوصى بان يحج. هكذا في البدائع، فان لم يبين مكانا يحج عنه من وطنه عند علما ئنا وهذا اذا كان ثلث ماله يكفي للحج من وطنه، فاما اذاكان لا يكفي لذلك فانه يحج عنه من حيث يمكن الاحجاج عنه بثلث ماله، كذا في المحيط. (عالمگیری ج ۱/ص ۲۵۸) ولو اوصى بان يحج عنه بمأة درهم فإنه يحج عنه من حيث يبلغ ولو كانت المأة لا تخرج من ثلث ماله فانه يحج عنه بقدر ثلث ماله من حيث يبلغ ولا تبطل الوصية. (عالمگیری ج ۱/ص ۲۶۰)

اندھے پر وجوب حج کی تحقیق

[۳۱۶] سوال: اندھا آدمی کس طرح حج ادا کرے؟ اور اس پر حج فرض ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر فرضیت حج سے قبل اندھا تھا تو اگر چہ امام صاحبؒ کے نزدیک اس پر حج فرض نہیں، مگر چوں کہ صاحبین کے نزدیک فرض ہے اس لیے اگر حج کو لے جانے کے لیے رہبر نہ ملے تو دوسرے سے حج کرانا بہتر ہوگا، اور اگر حج کی فرضیّت کے بعد اندھا ہوگیا ہو تو سب کے

نزدیک حج لازم ہوگیا ہے، اب اگر رہبر ملے تو بہتر ہوگا کہ خود حج کو جائے ورنہ دوسرے سے کرائے۔والاعمی اذا ملك الزاد والراحلة ان لم یجد قائداً لا یلزمه الحج بنفسه فی قولهم، وهل یجب الاحجاج بالمال فعند أبي حنیفةؒ لا یجب، وعندهما یجب. وإن وجد قائدا عند أبي حنیفة لا یجب بنفسه وعن صاحبیه فیه روایتان، كذا فی فتاویٰ قاضیخان. ولو ملك الزاد والراحلة وهو صحیح البدن ولم یحج حتی صار زمناً او مفلوجاً لزمه الاحجاج بالمال بلا خلاف، كذا فی المحیط. (عالمگیری ج ۱ / ص ۲۱۸)

ثلث مال میں حج کی وصیت نافذ ہوگی

[۳۱۷] سوال: ایک شخص نے حج کے لیے کچھ پیسے نکال کر رکھ دیئے مگر حج کو نہ جاسکا اور گزر گیا، وارثوں نے بھی حج کی رقم الگ رکھی؛ تاکہ حج کرائیں مگر اس میں دیر لگی اور اب مرحوم کی اولاد نفقہ کی محتاج ہوگئی تو وہ اس رقم کو اپنے خرچ میں لا سکتے ہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: ہرگز نہیں؛ کیوں کہ مرحوم کی وصیت ثلث مال میں واجب العمل ہے، ورثہ نے اپنا حق وصول کیا ہے، اور ثلث مال سے حج کرانا ضروری ہے، اگر میت کے گھر سے اس رقم پر حج کرایا جاسکتا ہو تو گھر سے حج کرایا جائے ورنہ جہاں سے اس رقم پر حج کرانا ممکن ہو اس سے حج کرایا جائے، وارث خواہ کتنا ہی مفلس ہو ان کو مرحوم کی وصیت کردہ رقم میں سے اپنے خرچ میں صرف کرنا ہرگز جائز نہیں۔ویحج عنه من ثلث ماله سواء قید الوصیة بالثلث بان اوصی ان یحج عنه بثلث ماله او اطلق بان اوصی بان یحج عنه، هكذا فی البدائع. (عالمگیری ج ۱ / ص ۲۵۸)

اندھے پر وجوب حج

[۳۱۸] سوال: اندھا آدمی مالدار ہے، اس پر حج فرض ہے کہ نہیں؟ اور اگر فرض ہے تو خود جائے یا کسی سے حج بدل کروالے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اندھا اگر فرضیت حج کے بعد اندھا ہو گیا ہے تو اس پر حج فرض ہو گیا ہے، اب اگر رہبر نہ ملے تو حج بدل کرائے، اور اگر رہبر ملے تو اگر چہ امام ابوحنیفہ کے قول کی بنا پر خود جانا فرض نہیں مگر صاحبین کے قول سے خود جانا ظاہر ہوتا ہے اس لیے بہتر ہوگا کہ اگر خود جانے میں دشواری نہ ہو تو خود جائے ورنہ حج بدل تو ضرور کرائے۔

اور اگر مالداری سے قبل اندھا تھا اس پر امام صاحب کے قول کی بنا پر تو حج فرض نہیں مگر صاحبین کے قول پر فرض ہے اس لیے احتیاطاً صاحبین کے قول پر عمل کر کے حج بدل کروائے۔ والاعمى اذا ملك الزاد والراحلة ان لم يجد قائداً لا يلزمه الحج بنفسه فى قولهم، وهل يجب الاحجاج بالمال فعند أبي‌حنيفةؒ لا يجب، وعندهما يجب. وإن وجد قائدا عند أبي‌حنيفة لا يجب بنفسه وعن صاحبيه فيه روايتان، كذا فى فتاوىٰ قاضيخان. ولو ملك الزاد والراحلة وهو صحيح البدن ولم يحج حتى صار زمناً او مفلوجاً لزمه الاحجاج بالمال بلا خلاف، كذا فى المحيط. (عالمگیری ج ۱ /ص ۲۱۸، شامی ج ۲ /ص ۱۹۴، مجمع الانہر ج ۱ /ص ۱۵۵)

احرام کی حالت میں پان بیڑی کا حکم

[۳۱۹] سوال: احرام کی حالت میں پان، بیڑی کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ پان کھانا یا بیڑی پینا احرام کے ممنوعات میں سے نہیں ہیں، اس لیے پان بیڑی استعمال کر سکتے ہیں۔

مدیون کا قبل ادائیگیٔ دین حج کرنا

[۳۲۰] **سوال:** ایک شخص دیوالیہ ہوگیا ہے جس پر لوگوں کے دین کے ایک ہزار پونڈ باقی ہیں مگر سرکاری قانون سے اب وہ مطالبہ نہیں کر سکتے ہیں، اس کے بعد اب اس کے پاس پانچ سو پونڈ جمع ہوگئے ہیں اور حج کو جانا چاہتا ہے تو حج کر سکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ قانون شرع میں کسی کا دیوالیہ اور مفلس ہونا اس کو لوگوں کے قرض اور دیون سے معاف نہیں بنا سکتا ہے؛ بلکہ مطالبہ میں تاخیر کا حکم دیا جاتا ہے اور جب اس کے پاس ادائیگی کی استطاعت ہوتی ہے تو دیون کی ادائیگی لازم ہوجاتی ہے۔ اس قاعدہ سے مذکورہ دیوالیہ شخص لوگوں کے دیون سے بری الذمہ نہیں ہوا ہے، اور جب اس کے پاس پانچ سو پونڈ جمع ہوگئے ہیں تو وہ قرض خواہوں اور اصحاب دیون کے حق میں مقیدرہ کر اس کی حاجت اصلی سے زائد نہیں؛ تاکہ اس پر حج فرض ہوجائے، اور قاعدہ یہ ہے کہ حقوق العباد کو حقوق اللہ پر مقدم رکھنا چاہیے، اس لیے موجودہ صورت میں وہ مدیون ہے، اور موجودہ رقم دین میں مستغرق ہے، بنابریں اس کو حج کے لیے نہیں جانا چاہیے؛ بلکہ سب سے اول حقوق العباد کی ادائیگی کا لحاظ رکھنا چاہیے کہ اس سے اس کا مواخذہ ہوگا اور نفلی حج کا مواخذہ نہ ہوگا، اور اگر ضرور حج کو جانا ہو تو اس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اصحاب دیون سے اجازت حاصل کرلے یا ان کو کسی قابل اعتماد شخص ضامن بنادے پھر حج کو جائے اس کے بغیر حج کو نہ جائے۔ فان ادعی الفقر حبسه مدة يغلب على ظنه انه لو كان له مال لا ظهره، وان لم يظهر له مال خلىٰ سبيله؛ لأن عسرته ثبتت عنده

فاستحق النظرة للميسرة للآية. (مجمع الانهر ج۲/ص۴۳۰) ويكره الخروج للغزو والحج لمديون إن لم يكن له مال يقضى به إلا أن يأذن الغريم فإن كان بالدين كفيل بإذنه لا يخرج الا باذنهما، وان بغير اذنه فبإذن الطالب وحده. (البحرالرائق ج۲/ص۳۰۹)

حاجی کا سفر حج میں تجارت کرنا

[۳۲۱] سوال: ایک شخص حج کو گیا مگر آتے جاتے وقت راستے میں تجارت بھی کرتا رہا تو یہ جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جائز ہے؛ کیوں کہ قرآن پاک نے بھی ایسی تجارت کی اجازت دی ہے۔ ولا بأس بالتجارة فى طريق الحج ذاهباً وجائياً. قالوا: وفيه نزل قوله تعالىٰ ﴿ليس عليكم جناح ان تبتغوا فضلا من ربكم﴾ (الآية). (بزازيه (كراهية) برعالمگيرى ج۶/ص۳۵۳)

عورت کا اپنے داماد کے ساتھ حج کرنا

[۳۲۲] سوال: ایک عورت کی بہن خدیجہ اپنے داماد کے ساتھ حج کو جاتی ہے، تو یہ بہن بھی اپنے بہن کے داماد کے ساتھ جاسکتی ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ خدیجہ اور اس کے داماد میں تو حرمت مؤبدہ موجود ہے تو اگر چہ وہ اپنے داماد کے ساتھ جاسکتی ہے، مگر خدیجہ کی بہن اور خدیجہ کے داماد کے درمیان حرمت مؤبدہ موجود نہیں اس لیے وہ نہیں جاسکتی ہے؛ بلکہ خود خدیجہ بھی اگر جوان ہو یا اس کا داماد قابل اعتبار، مامون شخص نہ ہو تو اس کو بھی نہ جانا چاہیے۔ وزوج او محرم بالغ عاقل لإمرأة حرة ولو عجوزاً فى

سفر. (در) والمحرم من لا یجوز له مناکحتها علی التابید بقرابة أو رضاع أو صهر. (شامی ج۲/ص۱۹۹، بحر ج۲/ص۳۱۵، عالمگیری ج۱/ص۲۱۹) لاتسافر بأخیها رضاعاً فی زماننا لغلبة الفساد. قلت: ویؤیده کراهیة الخلوة بها کالصهرة الشابة، فیبغی استثناء الصهرةا لشابة ایضاً لأن السفر کالخلوة. (شامی ج۲/ص۱۹۹) ان النسوة الثقات لا تکفی. (فی سفر) قیاسا علی المهاجرة والماسورة لأنه قیاس مع النص.اه. (بحر ج۲/ص۳۱۵) علی التابید. مخرج لأخت زوجته وعمتها وخالتها فإن حرمتها مقیدة بالنکاح.آه.(شامی علی بحر ج۲/ص۳۱۵، قهستانی ج۱/ص۲۳۳)

بوڑھی عورت کا نابالغ پوتے کے ساتھ حج کے لیے جانا، محرم نہ ملنے کی صورت میں وصیت کا واجب ہونا

[۳۲۳] سوال: ایک بوڑھی عورت ہے جس کے لڑکے سفر پر ہیں وہ تنہا اپنے نابالغ پوتے کے ساتھ حج کو جانا چاہتی ہے، تو شرعاً جاسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: نہیں جاسکتی، کیونکہ عورت کے لیے حج کے سفر میں شوہر یا عاقل بالغ محرم کی موجودگی شرط ہے، باقی یہ شرط شرط الوجوب ہے کہ شرط الاداء اس میں اختلاف ہے مگر فتح القدیر کی ترجیح یہ ہے کہ وجود محرم شرط الاداء ہے، بنابریں مذکورہ عورت کو چاہیے کہ حج کے لیے جتنی رقم کی ضرورت ہوتی ہے وہ الگ محفوظ رکھ چھوڑے اور زندگی میں اگر عاقل بالغ محرم یا شوہر کے ساتھ حج کو جانا میسر ہوا تو جائے، اور اگر موت تک یہ میسر نہ ہوا تو اس رقم سے حج کرانے کی وصیت کرے۔

و زوج أو محرم بالغ عاقل لإمرأة حرة ولو عجوزا فی سفر. آھ.

(الدر المختار) (وھل یجب علیھا التزوج قولان) قوله قولان: مبنیان علی أن وجود الزوج أو المحرم شرط وجوب أم شرط وجوب الأداء والذی اختاره فی الفتح أنه مع الصحة وامن الطریق شرط وجوب الأداء فیجب الإیصاء ان منع المرض أو خوف الطریق أو لم یوجد زوج ولا محرم. آھ (شامی ج ۲/ص ۲۰۰، مجمع الانھر ج ۱/ص ۱۳۳، خلاصة ج ۱/ص ۲۱٤)

بعد وجوب حج بغیر وصیت کے مر گیا

[۳۲۴] سوال: ایک شخص پر حج فرض تھا اس کی نیت میں بھی حج جانے کا خیال تھا مگر وہ نہ گیا اور بلا وصیت مر گیا تو اس کے مال میں سے حج کرنا لازم ہے کہ نہیں؟ اور اگر کوئی وارث اپنی طرف سے حج کرائے تو ہوگا کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: جب کہ مرحوم پر حج فرض تھا اور بلا وصیت گذر گیا تو گنہگار رہوا، اب وارثوں پر اس کی طرف سے حج کی ادائیگی لازم تو نہیں مگر جب کہ کوئی وارث اپنے مال سے بخوشی اس کے گھر سے اس کی طرف سے حج کرے یا کرائے تو امید ہے کہ اللہ اس کی طرف سے قبول کر دے گا۔ من علیه الحج اذامات قبل ادائه فان مات عن غیر وصیة یأثم بلا خلاف. وإن أحب الوارث أن یحج عنه حج وارجوا أن یجزئه ذلك إن شاء الله تعالیٰ کذا ذکر أبوحنیفةؒ. (عالمگیری ج ۱/ص ۲۵۸)

جس کے شوہر کا مکہ میں انتقال ہو جائے وہ اپنا حج کیسے ادا کرے؟

[۳۲۵] سوال: میاں بیوی حج کو گئے مکہ مکرمہ پہنچ کر حج سے قبل شوہر گزر گیا، تو اب عورت عدت کے ایام میں حج ادا کر سکتی ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ معتدہ کے لیے حکم ہے کہ بلاضرورت گھر سے نہ نکلے، اور فقہاء کی بعض عبارات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عدت بہر حال مانع حج ہے، اس قاعدے سے مذکورہ عورت کو اگر بعد عدت یہ حج مل سکے تو ثقہ قابل اعتبار عورتوں کے ہمراہ حج ادا کرے ورنہ آئندہ سال تک انتظار کرے، مگر شامی اور مناسک الحج وغیرہ کتابوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ عدت مانع حج اس وقت ہے کہ حج کے لیے عورت گھر سے نکلی نہ ہو یا نکلی ہو مگر موت شوہر اور مکہ میں مدت سفر کی مسافت ہو، اس قول کی بنا پر مذکورہ عورت کا عدت میں ہونا مکہ میں مانع حج نہ ہوگا؛ نیز ایک سال تک حج کے انتظار میں اجنبی لوگوں کے ساتھ رہنے میں حرج عظیم کے ساتھ، ایک دو دن میں ارکان حج کی تنہا ادائیگی میں فتنہ فساد کا اتنا اندیشہ نہیں جتنا ایک سال تک اجنبی لوگوں کے ساتھ تنہا رہنے میں ہے، اس لیے مذکورہ عورت کو بہر حال ثقہ قابل اعتبار عورتوں کے ساتھ حج ادا کرنا چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ قال فی الدر المختار فی شرائط حج المرأة: وزوج أو محرم لامرأة فی سفر وعدم عدة عليها مطلقا أية عدة كانت. آھ. وقال فی الدر المختار: والعبرة لوجوبها ای العدة المانعة من سفرها وقت خروج أهل بلدها وكذا سائر الشروط. (شامی ج۲/ص۲۰۰) و منها: عدم العدة فلو كانت معتدة عند خروج أهل بلدها لا يجب عليها. آھ. (مناسك الحج للعلامة رحمت الله السندی ۵۱،۳)

والعاشر: (من الموانع) العدة فلو اهلت بحجة الاسلام أو غيرها فطلقها الزوج فوجب عليها العدة صارت محصرة وإن كان لها محرم وكل من عرض له أحد هذه الوجوه بعد الاحرام قبل الوقوف بعرفة فهو محصر لغة. (مناسك الحج ۵۱)

زائدازضرورت زمین کے مالک پرحج کاواجب ہونا

[۳۲۶] سوال: ایک شخص کے پاس زمین وغیرہ تیس ہزارروپیہ کی ملکیت ہے مگرنقدروپیہ نہیں تو اس پرحج فرض ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: بظاہرتو فرض معلوم ہوتا ہے، کیونکہ جوشخص زمین یادیگرآلات حرفہ کا مالک ہواوروہ اس ملکیت میں سے ایک حصہ مصارف حج اور دیگرخرچ اخراجات کی ضرورت کے لیے فروخت کرے اوراس سے اس قدرملکیت باقی رہ سکے کہ جس سے وہ اپنا مقررہ پیشہ چلاکرروزی پیدا کرسکےتواس پرحج فرض ہوتا ہے، اوراگرمصارف حج کے لیے جوحصہ فروخت کرےتوباقی سے وہ اپنا پیشہ نہ چلاسکے یاباقی ماندہ سے روزی پوری نہ ہوسکےتواس پرحج فرض نہیں، موجودہ مسئلہ میں تیس ہزارملکیت سے اگرایک دوہزارروپیہ کی ملکیت فروخت کرکےحج اداکرلےتوظاہریہی ہے کہ باقی ماندہ سے وہ گذارہ کرسکتا ہے، اس لیےاس پرحج فرض ہوناچاہیے۔ قال فی العالمگیریة: وإن كان صاحب ضيعة إن كان له من الضياع ما لو باع مقدار ما يكفى الزاد والراحلة ذاهبا وجائيا ونفقة عياله و أولاده ويبقى له من الضيعة قدر ما يعيش بغلة الباقى يفترض عليه الحج وإلا فلا. (عالمگیری ج۲/ص۲۱۸، وكذا يفهم من الشامى ج۲/ص۱۹۶)

☆......☆......☆

کتاب النکاح

بحالات مختلفہ نکاح کا واجب، سنت، مستحب ہونا

[۳۲۷] سوال: زید کہتا ہے کہ نکاح کی تین قسم ہے: فرض اور سنت اور ناجائز۔ مالداروں پر نکاح فرض ہے اور متوسط الحال پر سنت ہے اور غریب کے لیے ناجائز ہے۔

عمرو کہتا ہے کہ نکاح کی فقط ایک ہی قسم ہے یعنی سنت ہے، دلیل یہ لاتا ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم غریب تھے مگر حضور ﷺ اور دیگر صحابہ ہمیشہ نکاح کی تاکید فرماتے؛ نیز بقول زید غریب کا نکاح جائز نہیں تو کیا اس کے بچے حرامی ہوں گے، لہٰذا مفصل جواب دیجیے کہ کس کا قول حق ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نہ زید کی تفصیل حق ہے اور نہ عمر کا انکار اور اعتراض بجا ہے، ﴿فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لاتعلمون﴾ فقہاء نے جو نکاح کی تین قسم کئے ہیں وہ اس تفصیل سے ہے کہ متوسط الحال شخص اور اعتدال کی حالت میں نکاح سنت ہے اور اسی حالت میں "النكاح من سنتي" (الحدیث) وارد ہے، اور اگر نان ونفقہ کی قدرت کے ساتھ قوت شہو یہ اس قدر غالب ہو کہ زنا میں واقع ہونے کا قوی احتمال ہو تو اس عارض سے نکاح واجب بلکہ فرض بھی ہو جائے گا، اور اگر اپنی ذات کے متعلق قوی ظن ہو کہ بصورت نکاح حقوق زوجیت اور شرعی احکام میں ظلم وتعدی کا مرتکب ہو جاؤں گا تو اس کے لیے اس عارض کی وجہ سے نکاح مکروہ بلکہ بعض خصوصیات سے حرام بھی ہوگا اس تقسیم کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ امر بھی واضح ہوا کہ چوں کہ نکاح فی نفسہ ایک جائز اور مسنون فعل ہے اور وجوب اور کراہت خارجی عوارض سے ہے؛ بنابریں جس صورت میں نکاح مکروہ یا حرام تھا تو اس صورت میں چوں کہ نفس نکاح کا جواز بلکہ مسنونیت اس عارضی کراہت

یا حرمت سے نفی نہیں ہوتی ہے، اس لیے اس نکاح سے اولاد صحیح لذاتہ نکاح سے پیدا ہیں اور حلالی ہوں گے نہ کہ حرامی، اس کی مثال یوں سمجھئے کہ اگر مغصوبہ زمین پر فرض نماز پڑھی جائے تو فرض ادا ہوجائے گا کیوں کہ وہ جمیع شرائط کی موجودگی میں اداء کی گئی ہے باوجود اس کے اس عارض کی وجہ سے اس کا یہ فعل سخت مذموم اور قبیح ہے۔ یجب عند التوقان ویکرہ عند خوف الجور ویسن موکداً حالة الاعتدال.آھ. والتفصیل فی (مجمع الانهر شرح ملتقى الابحر ج ١ /ص ١٥٩)

وهو واجب عند شد ة الاشتياق والشهوة بحيث يغلب على ظنه وقوعه فى الزنا، وحال الاعتدال سنة مؤكدة، ومكروه عند خوف الجور، وحرام عند تيقنه، ومباح إن خاف العجز عن مواجبه. والتفصيل مذكور فى البحر الرائق. عمدة الرعاية فى حل شرح الوقاية.

نکاح افضل ہے یا ترک نکاح؟

[٣٢٨] سوال: ایک آدمی مالدار ہے ہر قسم کے مال کا مالک ہے اور نکاح کا خیال بھی رہتا ہے مگر اب تک اس واسطے نکاح نہیں کرتا ہے کہ مرنے کے بعد اس کے بطن سے پیدا شدہ بچے میرے مال کے وارث ہوں گے، تو اس خیال سے نکاح نہ کرنا موجب گناہ ہوگا کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مسئولہ صورت میں دو امر قابل غور ہیں: ایک تو نکاح نہ کرنے کا گناہ۔ اور دوم میراث پانے کے خوف سے نکاح نہ کرنے کا گناہ۔ تو میراث کے خوف سے نکاح نہ کرنا تو ایک بیہودہ اور لغو خیال ہے کیوں کہ اول تو زندگی میں یہ مقرر کرنا دشوار ہے کہ کون کس سے وارث ہوگا؟ دوم عورت کے بچے اگر وارث ہوں گے تو وہ خود اس کے بھی بچے ہوں گے، اور بچوں کے سواء دوسرا

کون ایسا محبوب شخص ہوسکتا ہے جس کے وارث ہونے کو انسان پسند کرتا ہوگا، اس واسطے یہ خیال تو ایک بے ہودہ خیال ہے؛ البتہ یہ ایک سوال ہے کہ نکاح نہ کرنے پر انسان گنہگار ہوتا ہے کہ نہیں؟ تو اس کے لیے فقہاء نے نکاح کے کئی اقسام کیے ہیں:

ایک وہ آدمی جو حقوق زوجیت کی ادائیگی کا پورا بھروسہ رکھتا ہو اور اس کے ساتھ خواہش اس قدر قوی ہو کہ عدم نکاح کی صورت میں وقوع زنا کا اندیشہ یا یقین ہو تو اس کو نکاح واجب؛ بلکہ فرض ہے۔

اور اگر حقوق زوجیت کی بجا آوری کا بھروسہ ہو اور خواہش اعتدال کی حالت میں ہو جس سے وقوع زنا کا اندیشہ نہ ہو تو ایسی حالت میں نکاح سنّت ہے۔

اور اگر حقوق زوجیت کی بجا آوری میں اس کو بھروسہ نہ ہو اور خواہش بھی اعتدال یا عدم کی حالت میں ہو تو نکاح مکروہ ہے، پھر حقوق زوجین کی بجا آوری کے نقص اور اس میں کمی بیشی کے اختلاف کی وجہ سے کراہت میں بھی کمی بیشی ہوگی۔

اب مذکورہ شخص اگر نکاح کی وجوب اور سنّت والی صفت سے موصوف ہو تو عدم نکاح سے گنہگار ہوگا ورنہ نہیں۔

و يكون واجبا عند التوقان فإن تيقن الزنا إلا به ففرض. (نهاية) وهذا إن ملك المهر والنفقة وإلا فلا اثم بتركه. وزاد فى البحر شرطا آخر فيها. وهو: عدم خوف الجور اى الظلم۔اى مالا يمكنه الاحتراز عن الزنا الآبه، لأن ما لا يتوصّل الى ترك الحرام الاّ به يكون فرضا. (بحر) وسنّة مؤكدة فى الاصح فيأثم بتركه ويثاب إن نوى تحصينًا وولداً. حال الاعتدال اى القدرة على الوطء والمهر والنفقة ورجح فى النهر وجوبه للمواظبة عليه والانكار على من رغب عنه.

ومکروهاً لخوف الجور. (الدرالمختار والشامی ج ۲ /ص ۳۵۸)

بالغہ عورت کا بحضور شہود پوشیدہ طور سے کسی کو جان بخشنا

[۳۲۹] سوال: ایک عاقلہ، بالغہ، حرہ عورت بیوہ ہوگئی ہے وہ ایک مرد سے بخوشی نکاح کرنا چاہتی ہے مگر والدین، بھائی وغیرہ رضامند نہیں، تو اس نے والدین وغیرہ رشتہ داروں سے چوری چھپے دو شرعی گواہوں کے سامنے اپنی جان اس مرد کو بخش دی اور مرد نے دو گواہوں کے سامنے قبول کیا تو ایسی چوری پوشدہ طور سے جان بخشی سے نکاح درست ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر عورت حرہ، مکلفہ نے اپنی جان بنیت نکاح دو گواہوں کے سامنے مرد کو بخش دی ہے اور مرد نے شرعی گواہوں کے سامنے قبول کیا ہے تو نکاح درست ہوگیا ہے بشرطیکہ مرد اس عورت کا کفو ہو، اور گر مرد اس کا کفو نہیں یا کفو ہے مگر یہ جان بخشی بطور زنا ہے تو نکاح درست نہیں۔

(سئلتُ):عن من قالت لرجل تصدقت بنفسی علیك علی وجه النكاح، فقال:قبلت لمحضر من الشهود هل ینعقد النكاح بذلك؟

(فالجواب): نعم قال فی الخانیة: روی عن أبي حنیفةؒ أنه قال:كل ما یفید ملك الرقبة فی الأمة یفید ملك النكاح فی الحرة. اذا قالت المرأة لرجل عند الشهود: تصدقت بنفسی علیك أو وهبت نفسی منك علی وجه النكاح، فیقول الرجل:قبلت، یكون نكاحا.آه. (فتاوی كاملیه ۳۰ ناقلا عن الخانیة)

نفذ نكاح حرة مكلفة بلاولی، وله الاعتراض فی غیر الكفو.وروی الحسن عن الامام عدم جوازه، وبه اخذ كثیر من مشائخنا و علیه فتوی قاضیخان، وهذا

اصح واحوط والمختار للفتوی فی زماننا.ھ. (مجمع الانھر ج ۱ /ص ۱۶۷)
وفی المحیط: ولوطلب من امرأۃ زنا فقالت:وھبت نفسی منك بحضرۃ الشھود وقبل الزوج لایکون نکاحا؛لان ھذا تمکین من الزنا، ولیس بھبۃ حقیقۃ.آھ.(مجمع الانھر ج ۱ /ص ۱۶۰) واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بالغہ عورت کا غیر کفو میں اپنا نکاح خود کر لینا

[۳۳۰] سوال: ایک حرہ، عاقلہ، بالغہ عورت نے دو چار مسلمانوں کے روبرو اپنی ذات ایک شخص کو نکاح کے لیے بخش دی اور مرد نے اسی وقت قبول کی، مزید توکید کے لیے یہ بیان کاغذ پر لکھا گیا جس پر عورت نے بھی دستخط کر دیا، عورت اس کے بعد ماموں کے وہاں گئی جب اس کو خبر ہوئی تو اس نے عورت مذکور کو بند کر کے بہت مارا دھمکایا اور ایک شخص سے اس کی شادی ٹھہرائی، مگر پہلے شوہر کو جب خبر ہوئی تو اس نے دعویٰ کیا کہ یہ میری بیوی ہے، ثبوت میں تحریر پیش کی، اور وہ شادی رک گئی، مگر بعد میں معلوم ہوا کہ ماموں اب اس کی شادی تیسرے شخص کے ساتھ کرنا چاہتا ہے اور عورت کو اس تیسری جگہ شادی پر مجبور کرنا چاہتا ہے تو کیا پہلا جو نکاح ہو گیا وہ صحیح ہے کہ نہیں؟ اور عورت اس کی جائز بیوی ہے کہ نہیں؟ اور ماموں کا عورت مذکور کو تیسری جگہ شادی پر مجبور کرنا شرعاً درست ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛اگر مذکور ذات بخشی بطور نکاح دو چار مسلمانوں کے روبرو ہو گئی ہے اور مرد نے قبول کیا ہے تو نکاح کے لیے جو شرائط تھے وہ پائے گئے ہیں اس لیے مذکور نکاح جو میاں بیوی کی مرضی سے شرعی گواہوں کے سامنے بلفظ بخشش ہوا ہے وہ صحیح نکاح ہے، اور مذکورہ عورت اس مرد کی جائز بیوی ہے اور جب تک یہ نکاح قائم رہے گا اس وقت تک وہ دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی

ہے، ہاں عورت اگر غیر کفو میں اولیاء کی مرضی کے بغیر ذات بخشی سے نکاح کر چکی ہو تو بقول متأخرین علماء نکاح ہی درست نہ ہوگا۔ (مجمع الانہر ۱۶۰، ۱۶۷، کاملیہ ۳۰، وشامی ج ۲/ص ۴۰۸)

حاضرین کے سامنے صرف جان بخشش لکھ دینے سے نکاح نہیں ہوگا

[۳۳۱] سوال: ایک عورت نے دو گواہوں کی موجودگی میں مندرجہ ذیل تحریر پر دستخط کیا ہے، اور اس کے بعد ناکح سے خفیہ ملتی بھی رہی، اب اس کے والدین دوسری جگہ نکاح کرانا چاہتے ہیں، ناکح اول دعویٰ زوجیت کرتا ہے، عورت واقعہ سے منکرہ ہے، تو کیا وہ عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے؟ اور نکاح اول لغو ہے یا صحیح؟

تحریر کا مضمون یہ ہے: ''یہ تحریر میں عقل ہوشیاری اور خوشی سے لکھتی ہوں کہ میں فاطمہ بنت فقیر راوت خدا اور رسول کو حاضر ناظر رکھ کر میری ذات کو بخشش کرتی ہوں جو خدا کے گھر تک مجھے منظور ہے، میری خوشی ہوئی کہ یوسف محمد پٹیل کو اپنی ذات بخشش کروں، جس پر کہ دعویٰ چلے گا نہیں، اور جو کوئی مجھے روکے گا تو میدان حشر میں حساب لوں گی، میں اپنے معاملہ میں خود مختار ہوں جو شرعاً مجھے حاصل ہے، یہ تحریر تین بار میں نے منظور کی ہے، اس کے علاوہ دوسری جگہ اگر میرا نکاح کر دیا گیا تو وہ شرعاً درست نہ ہوگا، حسب ذیل دو گواہوں کے روبرو میں نے اس پر دستخط کیا ہے۔

فاطمہ بنت فقیر راوت (عورت) یوسف محمد (مرد) محمد موسیٰ جی (گواہ) (آدم یعقوب) گواہ۔

الجواب: وباللہ التوفیق: مذکورہ طریقہ میں نکاح نہیں ہوا ہے، اور عورت خود مختار ہے جہاں چاہے نکاح کر سکتی ہے؛ کیوں کہ عدم جواز کی سب سے بڑی وجہ یہ کہ حاضرین میں بلا تلفظ محض تحریر سے نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے، اور ہر دو جانب تلفظ ندارد۔

دوم یہ کہ مذکورہ تحریر میں کوئی لفظ نہیں جو جزماً زمانہ ماضی پر دلالت کرتا ہو بلکہ یا تو صیغۂ

حال ہے اور یا وعدۂ مستقبل اور اظہار ارادہ۔

سوم یہ کہ اگر اس میں اگر عورت کی طرف لفظ ماضی بھی مستعمل ہوتا تو بھی جب کہ مرد کی طرف قبول نہیں تو صرف ایجاب بلا قبول سے نکاح منعقد نہیں ہوتا ہے اور یہاں مرد کی طرف ایک لفظ بھی قبول پر دلالت کرنے والا نہیں ہے۔ وينعقد بالايجاب والقبول وضعا للماضى او احدهما للماضى والآخر لغيره ولا ينعقد بالتعاطى ولاينعقد بالكتابة من الحاضرين فلو كتب تزوجتك فكتبت قبلت لم ينعقد. هكذا فى النهر الفائق. (عالمگيرى ج ١ /ص ٢٧٠، ومجمع الانهر ج ١ /ص ١٥٩ لا بد من التلفظ ولومن احد الجانبين فان الكتابة بمجردة من الطرفين لا تكفى. (عمدة الرعايه ج ٢ /ص ٦)

نکاح میں منکوحہ یا اس کے باپ کے نام میں غلطی ہونا

[٣٣٢] سوال: اگر عورت کے نام میں یا اس کے باپ کے نام میں غلطی ہوجائے اور عورت مجلس نکاح میں موجود نہ ہو تو نکاح ہوگا یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جب کہ مجلس نکاح میں عورت خود موجود نہیں ہے تا کہ اشارے سے اس کی تعیین ہو سکے تو صحت نکاح اور تعین عورت کے لیے اس کے اور اس کے باپ دادا کے ناموں کی تعیین اور تصریح ضروری تھی، اور جب اس میں غلطی واقع ہوگئی تو نکاح صحیح نہیں ہوگا۔ غلط وكيلها بالنكاح فى اسم أبيها بغير حضورها لم يصح للجهالة، وكذا لو غلط فى اسم بنته إلا إذا كانت حاضرة أو اشار إليها فيصح.ا. (الدرالمختار مع الشامى ج ٢ /ص ٣٧٣،٣٧٤) وفى الفتاوى رجل قال لآخر زوجت بنتى

عـائشة مـنك و اسـمهـا فـاطـمة لا ينعقد النكاح إذا لم يشر إليها.آھ.(خلاصة الفتاویٰ ج ۲ /ص ۵)

اگر عورت کے دو نام ہوں تو نکاح میں مشہور نام کا ذکر کرنا

[۳۳۳] سوال: ایک عورت کے دو نام ہیں، ان میں نکاح کے وقت ایک نام جو عوام کہتے تھے وہ لکھا گیا، اصلی نام لکھا نہیں گیا تو اس صورت میں نکاح ہو گیا یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نکاح میں وہی نام لینے کی ضرورت ہے جس کے ساتھ وہ معروف ہو اور جس کی تصریح سے وہ ممتاز ہو سکے، موجودہ صورت میں جب کہ نکاح میں اسی مشہور نام کی تصریح پائی گئی تو نکاح جائز ہو گیا ہے۔ امرأة لها اسمـان: اسم سميت به فی الصغر، واسم سميـت بـه فـی الـكبـر، قـال: تـزوج بـالاسم الذی فی الكبر يعنی إذا صارت مـعـروفة بهـذه الاسـم؛ لأن الاسـم لـلتـعـريف والتـعـريف يـحـصـل بهـذا الاسم۔آھ.(خلاصة الفتاوی ج ۲ /ص ۵)

گونگے کا نکاح مقررہ اشاروں سے ہونا

[۳۳۴] سوال: گونگے کا نکاح کس طرح کیا جائے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ گونگے کا نکاح اس کے معروف اشاروں سے ہوتا ہے، لہٰذا انہی اشاروں سے اس کا نکاح کیا جائے۔وفـی الـفتح ينعقد النكاح من الأخرس إذا كانت له اشارة معلومة.آھ. (شامی ج ۲ /ص ۳۷۳)

وکیل کے ذریعہ غائب کا نکاح ہونا، نکاح میں مخطوبہ کا دیکھنا غیر ضروری ہے

[۳۳۵] سوال: ایک شخص مسمی بہ ابراہیم بالغ افریقہ میں ہے، اس نے لطیف بھائی کی لڑکی جو

یہاں ہے، دوسال کی تھی تب دیکھی تھی، اوراب وہ لڑکی آٹھ سال کی ہوگئی ہے، اور دوسال کی عمر کے بعد اس چھ سال کے درمیان اس نے دیکھی نہیں ہے، تاہم ابراہیم لطیف بھائی کی لڑکی کے ساتھ نکاح کرنے کو تیار ہے، اور دوسرے کو نکاح کے لیے اختیار دیتا ہے کہ میری جانب سے نکاح کرلو اور لطیف بھائی بھی اپنی لڑکی کو ابراہیم کے نکاح میں دینے کو تیار ہے۔ لطیف بھائی کی لڑکی یہاں ہندوستان میں ہے اور ابراہیم افریقہ میں ہے لیکن ابراہیم اور لطیف بھائی دو کی آپس میں محبت ہے اور ایک دوسرے کو اچھی طرح پہچانتے ہیں، اس صورت میں ابراہیم کا افریقہ میں ہوتے ہوئے نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ مفصل تحریر ہو تاکہ جاہل سمجھ سکے، یا کسی کی لڑکی کو ابراہیم نے نہ دیکھا ہو تو وہ لڑکی یا اس بالغ لڑکی کے والی نے یا اس بالغ لڑکی نے ابراہیم کو نہ دیکھا ہو اور خط سے محبت ہوگئی اور آپس میں راضی خوشی سے ابراہیم کا نکاح اس لڑکی سے ہوسکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: مخطوبہ کا دیکھنا نکاح سے قبل ضروری نہیں ہے؛ البتہ ایک مستحسن امر ہے، تاکہ آئندہ دوام اور حسن معاشرت میں معاون ہو، جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ایک صحابی کو "**فإن في اعين الانصار شئ**" والی حدیث میں ارشاد فرمایا تھا، تاہم نفس جواز نکاح کے لیے ایک دوسرے کو دیکھنا ضروری نہیں ہے؛ البتہ فقہاء نے غائبین کے نکاح میں اس قدر احتیاط کی شرط لگائی ہے کہ مرد اور عورت کے نام اور باپ دادا کے نام محلّہ اور قبیلہ کے نام کی تصریح کی جائے؛ تاکہ اشتباہ نہ رہے، اس لیے مسئولہ صورتوں میں ابراہیم نے جن عورتوں کے نکاح کے لیے کسی کو وکیل بنایا ہو وہ ان عورتوں کے ساتھ ابراہیم کا نکاح کرسکتا ہے، اور ابراہیم کا ان عورتوں کو نہ دیکھنا یا غائب اور فاصلہ سے رہنا جواز نکاح سے مانع نہیں اور جیسا ایک حاضر آدمی بوکالت صحیحہ کے کسی لڑکی سے نکاح کرسکتا ہے اسی طرح ایک غائب آدمی بوکالت صحیحہ کے نکاح کرسکتا ہے، جب کہ **ناکحین** کامل طور سے اسماء اور القاب وغیرہ سے ممتاز کئے جائیں۔ **ومنها أن يكون الزوج والزوجة**

معلومین، فلوتزوج بنته وله بنتان لا یصح إلا أن تکون احداهما متزوجة فینصرف إلی الفارغة، کذا فی النهر الفائق. (عالمگیری ج ۱ /ص ۲۷۱) وإذا ذکروا فی النکاح اسم رجل غائب وکنیة ابیه ولم یذکروا اسم ابیه ان کان الزوج حاضرا واشاروا إلیه جاز، وإن کان غائبا لایجوز مالم یذکر اسمه واسم أبیه واسم جده. قال: والاحوط والاحتیاط أن ینسب إلی المحلة ایضاً. خانیة. (عالمگیری ج ۱ /ص ۳۲٤)

اجتبیہ کولڑکی کہنا مانع نکاح نہیں

[۳۳۶] سوال: ایک مسلمان کی اپنے ایک یہودی دوست کی لڑکی سے ملاقات ہوئی اس وقت اس نے اس سے پوچھا کہ تو کس کی لڑکی ہے؟ تو اس لڑکی نے کہا کہ میں فلاں یہودی کی لڑکی ہوں تو مسلمان نے کہا کہ تو میرے دوست کی لڑکی ہے تو گویا میری لڑکی ہے، اب کچھ مدت کے بعد وہ مسلمان اس یہودی لڑکی سے شادی اور شریعت محمدی کے مطابق نکاح کرنا چاہتا ہے تو نکاح کرسکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: کوئی اجتبیہ لڑکی محض بیٹی اور لڑکی کہنے سے حرام نہیں ہوتی ہے چوں کہ وہ لڑکی شرعی محرمات میں داخل نہیں ہے اور ﴿واحل لکم ما وراء ذالکم ان تبتغوا﴾ (الآیة) میں داخل ہے، اس لیے شخص مذکور کو اس لڑکی سے نکاح کرنے کی شرعاً ممانعت نہیں ہے۔

مطلقہ کو بہن کہنا اور اس کے بعد اس سے نکاح کرنا

[۳۳۷] سوال: ایک شخص نے عورت کو طلاق دے کر تین سال تک گھر میں رکھا، لوگوں کے کہنے پر جواب دیتا تھا کہ یہ تو میری بہن کے برابر ہے، اب اس کے ساتھ نکاح کر چکا تو یہ نکاح درست

ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ طلاق ثلاثہ میں تو بلا شرعی حلالہ کے اس کے لیے دوبارہ نکاح درست نہیں اور مادون الثلاث طلاق دے چکا ہو تو نکاح درست ہے۔ (کما مر من قول مجمع الانہر ج ۱/ص ۳۱۳) رہا یہ کہ اس نے یہ کہا کہ یہ تو میری بہن کے برابر ہے تو یہ کہنا درست ہے کیوں کہ اجنبی عورت بلا نکاح حرمت میں بہن کی طرح ہے، تو اگر یہ لفظ کہا تو اس سے نہ وہ حرام ہوگی اور نہ ظہار لازم ہوگا کیوں کہ اجنبیہ سے ظہار معتبر ہی نہیں ہے۔ وھو تشبیہ المسلم زوجتہ. آھ. (در) مثل الامة وخرجت المملوكة والاجنبية إلا إذا اضافه إلى سبب الملك. (شامی ج ۲/ص ۷۹۰)

حاملہ ومعتدۃ الغیر سے نکاح کرنا

[۳۳۸] **سوال:** ایک شخص نے ایک مسلم عورت سے نکاح کیا، اور وہ اس طرح کہ مذکورہ عورت حاملہ تھی، اس کو جس روز بارہ بجے طلاق دی اسی روز شام کو سوا چھ بجے نکاح کرلیا، اس بات کی خبر نکاح پڑھنے والے کو تھی، شاہدین کو نکاح ختم ہونے کے بعد خبر ہوئی اس بات کو مدت دراز گذر چکی تاہم نکاح پڑھانے والے نے اور شاہدین نے اس کے متعلق کچھ خلاصہ کسی سے طلب نہیں کیا، تو اب یہ شخص پیش امام ہو تو اس کے پیچھے نماز ہوسکتی ہے یا نہیں؟ اور اگر وہ گنہگار ہیں تو اس کو کیا کرنا چاہیے جس سے وہ سبکدوش ہوسکے؟ اور فتویٰ ملنے کے بعد بھی اگر وہ لوگ اپنی ضد پر اڑے رہیں اور اس فتویٰ پر عمل نہ کریں تو ہم کو ان سے مذہبی اور سیاسی امور میں کس طرح برتاؤ کرنا چاہیے؟ ان سے ہر قسم کا معاملہ رکھنا جائز ہے؟ یا کس قسم کا معاملہ جائز ہے اور کس قسم کا ناجائز؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ معتدۃ الغیر اور صحیح النسب حمل والی حاملہ عورت سے نکاح شرعاً غیر معتبر

اور ناجائز ہے، مسئولہ صورت میں عدت اور حمل ہر دو وجہ سے نکاح غیر معتبر اور ناجائز ہے۔ ولا یصح نکاح حامل من سبی أو حامل یثبت حملها. (مجمع الانهر ج ۱ /ص ۱٦٦) ولا یجوز للرجل أن یتزوج زوجة غیره وکذلك المعتدة، کذا فی السراج الوهاج. (عالمگیری ج ۱ /ص ۲۸۰)

چوں کہ معتدة الغیر اور حاملۂ موصوفہ کا نکاح ایک ناجائز اور حرام فعل ہے، بنابریں ناکحین ودیگر معاونین ازروئے ارتکاب فعل حرام وازروئے قولہ تعالیٰ ﴿تعاونوا علی البر والتقویٰ ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾ (الآیة) کے گناہ عظیم کے مرتکب ہوئے، جس کا علاج اور کفارہ موجودہ فعل سے دست کشی اور ندامت وتوبہ اور خلوص قلب سے بارگاہ رب العزت میں استغفار ہے، ان میں جو شخص بعد علم حرمت کے اس فعل کو حلال سمجھ کر اس پر قائم رہے گا وہ بنا بر ہتک محارم اللہ والشرع اسلام سے خارج سمجھا جائے گا، اور جو شخص حرام سمجھے اور حرمت کا اعتقاد رکھتے ہوئے پھر بھی ایک حرام فعل پر اصرار اور مداومت کرتا ہے تو فاسق مسلمان کہلائے گا اور مناسب تعزیر کا مستوجب ہوگا، رہا امام تو اگر وہ اپنے فعل پر نادم ہو کر توبہ کر چکا ہے تو چوں کہ "التائب من الذنب کمن لا ذنب له" اس نے اپنی گردن سے گناہ کا بوجھ اتار لیا ہے، اس لیے اس کے پیچھے بلا کراہت نماز درست ہے، اور اگر وہ گناہ کرنے والوں کی حمایت اور اعانت سے دست کشی اختیار نہیں کرتا ہے اور اس پر اصرار کرتا ہے تو شرعاً وہ فاسق ہے، اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے، اس لیے جب تک دوسرا متقی امام میسر ہو اس کے پیچھے نماز نہ پڑھیں، باقی سیاسی اور مذہبی امور میں جس طرح دوسرے فاسقوں سے برتاؤ کرنا چاہیے اسی طرح ان سے رکھنا چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بلا تلفظ صرف نیت سے نکاح موقت نہیں ہوتا ہے

[۳۳۹] سوال: کسی عورت کے ساتھ ماہانہ چند روپئے دینے کے مقرر کر کے شادی کرے اور یہ شرط لگائے کہ جتنے مہینے میں تجھے روپئے دوں گا، اتنے مہینے تیرے ساتھ رہوں گا اور تو میرے نکاح میں رہے گی، یہ شرط لگاتے وقت دل میں یہ نیت تھی کہ چند مہینوں کے بعد طلاق دے دوں گا تو اس شرط سے نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اور یہ صحیح نکاح ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر بحضور شہود بظاہر ایک صحیح اور معتبر نکاح کی طرح نکاح کر چکا ہے تو یہ صحیح نکاح متصور ہوگا، محض دل میں طلاق دینے کی نیت رکھنا نکاح کے منافی نہیں بلکہ نکاح کے لیے مؤید ہے؛ کیوں کہ طلاق نکاح کے بعد ہی ہوتی ہے۔ وقيد بالموقت لانه لو تزوجها على أن يطلقها بعد شهر فإنه جائز لأن اشتراط القاطع يدل على انعقاده مؤبداً وبطل الشرط كما فى القنية، ولو تزوجها و فى نيته أن يقعد معها مدة نواها فالنكاح صحيح لأن التوقيت إنما يكون باللفظ. آه. (بحر الرائق ج ۳ / ص ۱۰۸)

باپ دادا کا نکاح کرانے کے بعد خیار بلوغ نہ ہونا

[۳۴۰] سوال: نابالغ لڑکی ہے مگر ہوشیار ہے اس کا باپ اس کو ایک شخص سے نکاح کراتا ہے مگر لڑکی ناراض ہے تو یہ نکاح درست ہے؟ اور بلوغ کے بعد لڑکی کو خیار بلوغ ہوگا کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نکاح درست ہے اور لڑکی کو خیار بلوغ نہیں ہے۔ وللولی إنكاح الصغير والصغيرة جبراً. (الدر المختار مع الشامی ج ۲ / ص ۴۱۷) ہاں اگر باپ یا دادا نے لڑکی کو ایسی جگہ دی ہو کہ جس میں لڑکی کے لیے ظاہراً نقصان ہو یعنی یا مہر میں غیر مناسب

کمی کی ہو یا شوہر لڑکی کا کفو نہ ہو، اور نکاح کرانے والا باپ یا دادا جنون یا فسق سے مشہور ہو اور یا لڑکی کو غیر مناسب جگہ میں رشوت لے کر دے دیا ہو تو یہ نکاح صحیح نہ ہوگا۔ حتی لو عرف من الاب سوء الاختیار لسفهه او لطمعه لا یجوز عقده اجماعاً. (شامی ج ۱/ص ۴۱۸)

باپ اور دادا کے نکاح کرانے میں بعد بلوغ خیار فسخ نہیں

[۳۴۱] سوال: حلیمہ کی عمر دو سال کی تھی تب اس کے باپ کا انتقال ہو گیا تھا، بعد میں حلیمہ کے دادا نے کریم کے لڑکے کے ساتھ حلیمہ کا نکاح کرا دیا، اب سوال یہ ہے کہ حلیمہ کو بالغ ہونے کے وقت خبر ملی کہ میرے دادا نے میرا نکاح پڑھایا ہے تو گاؤں کے لوگوں کے سامنے اپنا انکار اور ناراضگی ظاہر کی، تو حلیمہ کے اس انکار سے کیا نکاح باطل ہو جائے گا؟ یا کسی صورت سے یہ نکاح ٹوٹ سکتا ہے کہ نہیں؟ معتبر حدیث سے ثبوت دیا جائے تو بہت بہتر۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ حلیمہ کا نکاح عمر کے لڑکے سے چوں کہ اس کے دادا نے کرایا ہے اس لیے بعد بلوغ حلیمہ کو فسخ کا اختیار نہیں، اب تفریق بطریقۂ خیار البلوغ تو نہیں ہو سکتی ہے، اس کے سوا اگر کوئی اور صورت پیش آئے یا لڑکا خود طلاق دے دے یا جانبین خلع پر راضی ہو جائیں تو اس کے موافق تفریق کی صورت نکل سکتی ہے؛ ورنہ محض خیار بلوغ کی وجہ سے تفریق نہیں ہو سکتی ہے۔

وإن كان المزوج أباً أو جداً لزم العقد فليس خيار الفسخ بعد الافاقة لها وبعد البلوغ لهما. (مجمع الانہر ج ۱/ص ۱۶۸) اگر اب وجد نے دنیاوی لالچ یا سوء اختیار سے کیا ہو تو غیر کفو کی صورت میں قاضی فسخ کر سکتا ہے۔ (فتاویٰ خیریہ ۲۳)

بلوغ سے پہلے خیار بلوغ کا مطالبہ

[۳۴۲] سوال: وحیداور حنیفہ کا نکاح ان کے بچپن میں ان کے والدین نے کرایا ہے، اب حنیفہ بالغ ہوگئی مگر وحید ہنوز نابالغ ہے، حنیفہ کے والدین اس حالت سے مغموم اور پریشان ہیں اور چاہتے ہیں کہ وحید یا اس کے والد حنیفہ کو طلاق دیں؛ تا کہ ہم دوسری جگہ حنیفہ کی شادی کرائیں تو کیا موجودہ حالت میں وحید یا اس کے والد کی طلاق معتبر ہوسکتی ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: طلاق دینا شوہر ہی کا حق ہے، اور وہ بھی جب معتبر ہوتی ہے کہ شوہر عاقل بالغ ہو، لہٰذا سردست نہ وحید صغر کی حالت میں طلاق دے سکتا ہے اور نہ اس کا باپ طلاق کا مالک ہوسکتا ہے اور حنیفہ بدستور اس وقت تک وحید کی بیوی رہے گی جب تک وحید عقل اور بلوغ کی حالت میں طلاق نہ دے۔ ویقع طلاق كل زوج عاقل بالغ ولو مكرها أو سكران، ولا يقع طلاق صبي ولو مراهقا ومجنون ونائم وسيد على زوجة عبده لأنه ليس بزوج. آه. (مجمع الانهر ج ۱ / ص ۱۹۱)

بچپن کے نکاح میں خیار بلوغ ہونا

[۳۴۳] سوال: ایک لڑکی کی شادی چھوٹی عمر میں ہوئی ہے، جس وقت شادی ہوئی اس وقت لڑکی کی عمر تقریباً بارہ سال کی تھی، اور لڑکے کی عمر تقریبا سات سال تھی، فی الحال لڑکے کی عمر تقریبا بارہ اور لڑکی کی عمر تقریبا سترہ سال ہے اور لڑکی ایک مدت سے بالغ ہوگئی ہے اور لڑکا اب تک نابالغ ہے اور دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آٹھ/ ۸ سال کی عمر کا ہے اور لڑکی دیکھنے سے بیس سال کی عمر کی معلوم ہوتی ہے، اب سوال یہ ہے کہ اگر لڑکا اپنی خوشی سے اور اپنے تمام رشتہ داروں کی خوشی سے طلاق دے تو یہ طلاق شرعا واقع ہوگی کہ نہیں؟ اگر طلاق نہ دے سکے تو یہ نکاح جو بچپن میں ہوا ہے وہ صحیح

ہے یا نہیں؟ کیونکہ آج دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ لڑکے کو بالغ ہوتے ہوئے اور دس سال کی دیر لگے گی تو کیا لڑکی کی زندگی اس طرح برباد کی جائے گی اور نکاح درست رکھا جائے گا؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر نکاح بچپن میں لڑکی کے باپ یا دادا نے کرایا ہو تو لڑکی کی طرف سے فسخ نکاح کا حق ہی نہیں رہتا ہے، اور اگر باپ دادا کے علاوہ کسی اور ولی نے نکاح کرایا ہو تو جس مجلس میں وہ بالغ ہوئی تھی اور نکاح پر علم رکھتی تھی اسی مجلس میں اس کو فسخ نکاح کا حق تھا، اس کے بعد حق فسخ نہیں رہتا ہے۔

اور لڑکے کی طرف سے کسی کو اس کی بیوی کے طلاق کا حق نہیں اور نہ صغرسنی میں خود اس کی طلاق معتبر ہو سکتی ہے، اب تو بغیر بلوغ زوج تفریق کی کوئی صورت نہیں، اور بلوغ کے لیے اور دس برس کے انتظار کی ضرورت نہیں ہے؛ بلکہ تین برس کی دیر ہے؛ کیوں کہ جب لڑکا بارہ برس کا ہو چکا ہے تو پندرہ برس ختم ہونے پر اگر بلوغ کی نشانی ظاہر نہ بھی ہو جب بھی اس پر بلوغ کا حکم لگایا جائے گا، اور اس وقت چاہے وہ طلاق دے یا خلع کر دے تو ہو سکتا ہے۔

رہا یہ کہ لڑکی کی عمر برباد ہو جائے گی تو یہ ظلم شریعت نے نہیں کیا ہے؛ بلکہ لڑکی کے والیوں نے کیا ہے، اور جب والیوں نے لڑکی کو اس طرح مقید کر کے ظلم کیا تو شریعت بلا وجہ لڑکے کے حق میں دست اندازی کر کے کس طرح دوسرا ظلم اٹھائے؟

بچپن کا نکاح شرعی والی کرا سکتا ہے اور وہ معتبر نکاح سمجھا جاتا ہے۔ لا طلا ق الصبی والمجنون. کنز. ولا یقع طلا ق الصبی وان کا ن یعقل. آھ. (عالمگیری ج ۱ /ص ۳۵۳) یحکم ببلوغ الغلام بالاحتلام والانزال والاحبال، فإن لم یوجد شيء من ذلك فإذا تم له ثماني عشر سنة، و عندهما إذا تم خمس عشرة سنة فیهماْ وهو روایة عن الإمام وبه یفتی. آھ. (مجمع الانهر ج ۲ /ص ۵٦۸)

بالغ ہوتے ہی خیار فسخ کا ملنا نیز بغیر قضاء قاضی غیر مسلّم ہونا

[۳۴۴] سوال: ایک لڑکی کے چچانے صغرسنی میں اپنے لڑکے سے اس کا نکاح کرایا، لڑکی اب بالغ ہوگئی ہے اور شوہر کے گھر اب تک نہیں گئی ہے، بلوغ کے بعد یہ کہتی ہے کہ میں نادان تھی چچانے میرا نکاح کرایا، اب میں بالغ ہوں مجھے یہ نکاح منظور نہیں تو اس کو فسخ نکاح کا حق ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر لڑکی نے بالغ ہوتے ہی مذکور نکاح سے ناراضگی کا اظہار کر چکی ہو تو اب اس کو فسخ نکاح کا حق ہے مگر فسخ نکاح بغیر مسلم جج اور قاضی کے ممکن نہیں اس لیے عورت کسی مسلمان جج کی عدالت میں دعوی دائر کر کے مسلمان جج سے فسخ نکاح کا حکم حاصل کرلے، جب تک کہ قاضی یا مسلمان جج نے فسخ نکاح کا حکم نہ دیا ہو اس وقت تک دونوں میاں بیوی کے حکم میں رہیں گے اور اس درمیان دونوں میں سے جو مر جائے گا تو دوسرا وارث ہوگا۔

وان كان المزوجان غير الاب وا بيه لا يصح من غيركفو أو بغبن فاحش اصلا، وإن كان من كفو ومهر المثل صح ولهما خيار الفسخ بالبلوغ أو العلم بالنكاح بعده بشرط القضاء للفسخ فيتوارثان فى هذا النكاح قبل ثبوت فسخه. آه.(الدرالمختارمع الشامی ج٢/ص٤٢٠،فتاوى خيريه ج٢/ص٣٤)

غیر اب وجد کے انکاح میں خیار بلوغ ہونا اور حد بلوغ

[۳۴۵] سوال: آمنہ کا نکاح صغرسنی میں اس کے چچانے کرایا تو لڑکی اس نکاح کو کب فسخ کرسکتی ہے؟ لڑکی کتنی عمر میں بالغ ہوسکتی ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جس مجلس میں وہ بالغ ہوگی اسی مجلس میں اس کو اپنے نکاح کے فسخ کا

اختیار ہے بشرطیکہ اس سے قبل وہ نکاح سے واقف تھی، اور اگر اس کو اپنے نکاح کا علم نہیں ہوا تو بعد بلوغ جب اس کو علم بالنکاح ہو جائے اسی مجلس میں اس کو فسخ کا اختیار ہے، اس مجلس کے بعد نہیں، لڑکی کا بلوغ پندرہ برس کے اندر حیض آنے سے، احتلام اور حمل سے ہو سکتا ہے، اور پندرہ برس کے اندر اگر یہ امور ظاہر نہ ہو تو پندرہ برس پورے ہونے پر بلوغ کا حکم لگایا جائے گا۔ وخيار البلوغ فی حق البكر لا يمتد إلى آخر المجلس. (هدايه۲۹۸) و بلوغ الجارية: بالحيض والاحتلام والحمل، ثم قال فإن لم يوجد شيء من ذلك فعندهما إذا تم خمس عشرة سنة فيهما وهو رواية عن الامام وبه يفتى. (مجمع الانهر ج ۱/ص۵٦۸)

پچیس سالہ عورت کا خیار بلوغ کا دعویٰ کرنا

[۳۴٦] سوال: ایک صغیرہ پانچ سال کی تھی جب کہ اس کے چچا نے ایک شخص سے اس کا نکاح پڑھایا، اب لڑکی پچیس سال کی ہے مگر اب تک اس نے اپنے شوہر کا منہ نہیں دیکھا ہے اور نہ وہ دیکھنا چاہتی ہے کیوں کہ اس کو معلوم ہوا ہے کہ اس کا شوہر قمار باز اور شرابی ہے تو کیا از روئے شرع باوجود ناراضگی کے وہ اس نکاح کے قیام پر مجبور ہے یا اس کو فسخ کا حق ملے گا؟

الجواب: وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں چوں کہ ناکح غیر اب وجد ہے اس لیے اگر یہ نکاح غیر کفو شرعی میں ہوا تھا یا مہر میں غبن فاحش کیا گیا تھا وہ نکاح ہی درست نہیں تھا، اور اگر نکاح کفو میں مہر مثل سے ہوا تھا تو اس لڑکی کو فسخ نکاح کا اس وقت حق حاصل تھا جس مجلس میں وہ بالغ ہوئی تھی بشرطیکہ وہ عالم بالنکاح تھی، یا اس مجلس میں کہ بعد بلوغ اس میں نکاح کا علم ہو گیا تھا بصورت موجودہ اگر لڑکی اس مجلس میں اپنی ناراضی کا اظہار کر چکی تھی تو اب اس کو حق ہے کہ کسی شرعی قاضی

سے فسخ نکاح کا فیصلہ حاصل کرے۔

اور اگر اس مجلس میں اپنی ناراضگی کا اظہار نہیں کیا تھا تو اب اس کو فسخ نکاح کا حق خیار بلوغ کے ماتحت نہیں ہے۔ وإن كان المزوج غيرهما اى غير الاب وأبيه لا يصح النكاح من غير كفؤ أو بغبن فاحش اصلاً وإن كان من كفؤ وبمهر المثل صح ولكن لها خيار الفسخ ولو بعد الدخول بالبلوغ او العلم بالنكاح بعده. (من الدرالمختار) وقال العلامة الشامى تحت قول الدر بشرط القضاء للفسخ فإن اختيار الفسخ لا يثبت الفسخ إلا بشرط القضاء. آه. (الدرالمختار مع الشامى ٤١٩، ٤٢٠، ٤٢١، وكذا فى الهداية ج ٢ / ص ٢٩٧)

منکوحۃ الغیر سے نکاح کا باطل ہونا اور اس کا حکم

[۳۴۷] سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ بمقام ڈابھیل، ضلع سورت، تعلقہ نوساری میں ہندوستانی رنگریز حاجی محمد بخش اس کی قوم کے ایک شخص بنام عبدالجبار کی منکوحہ کو اپنے نکاح میں لایا ہے، اور سبب یہ بتایا کہ عبدالجبار کم ازکم تین سال سے دیوانہ ہوا ہے جو اس وقت نوساری کی جامع مسجد میں مقیم ہے، کسی سے گفتگو نہیں کرتا ہے، اور گم حالات میں پڑا رہتا ہے، ایسے شخص کی بیوی کو کیا اس کی حالت حیات میں یہ شخص حاجی محمد بخش اپنے نکاح میں لاسکتا ہے یا نہیں؟ دیگر اس کے نکاح پڑھانے والا شرعی ذمہ دار ہوتا ہے کوئی خاص گناہ اس پر عائد ہوگا یا نہیں؟ اسی طرح شاہدین اور وکیل پر کوئی شرعی جرم اور گرفت ہوگی یا نہیں؟ چوں کہ عبدالجبار کو پاکی ناپاکی کا خیال ہے، کوئی کھانے کو بلائے تو کھانے چلا جاتا ہے اور بیڑی پینے کی عادت ہے کوئی پیسہ دیتا ہے تو اس کی بیڑی خرید کر اپنے پاس رکھتا ہے اور اتفاقاً کسی غیر آدمی سے بیڑی مانگ کر پیتا

بھی ہے، اس کی بیوی کا حال اس کے سامنے کوئی کہتا ہے تو ہنستا ہے، زبان سے کچھ نہیں بولتا ہے، اکثر چپ گپ رہتا ہے، تو کیا ایسے شخص کی بیوی کو کوئی نکاح کر کے رکھ سکتا ہے؟ اور اس کی بیوی منکوحہ ہو سکتی ہے آیا اس کو زنا کاری کہہ سکتے ہیں یا نہیں؟ ایسے معاملات میں دخل دینے والا، نکاح پڑھانے والا اور گواہان اور وکیل پر کوئی شرعی حکم عائد ہوتا ہے یا نہیں؟ اس بابت پر مفصل جواب طلب ہے لہٰذا اس مسئلہ کو مکمل طور سے نام بنام مقام سے شائع کرانے کی ضرورت ہے اور خصوصاً اخبار ہمدرد میں شائع کرانے کی تجویز فرما کر عنداللہ ماجور فرمائیں، تاکہ اس مسئلہ کی عام طور سے آگہی ہو جائے۔

الجواب: وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں چوں کہ عبدالجبار حاضر موجود ہے اور سوال میں جن افعال کا ذکر ہے ان سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ مطبق یعنی مکمل طور سے مجنون نہیں ہے اور بصورت کامل مجنون کے شیخین کے قول کی بناء پر جو سارے متون میں مذکور ہے اس کی بیوی کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہے، اور بنا بر قول امام محمد کے جس کو عالمگیری باب العنین کے آخر میں مفتی بہ قرار دیا ہے، اگرچہ مجنون مطبق کی بیوی کو فسخ نکاح کا اختیار دیا گیا ہے مگر فسخ نکاح کا فیصلہ بغیر قضاء قاضی ممکن نہیں ہے جس کو تمام فقہاء نے لکھا ہے، اور موجودہ صورت میں نہ زوج اول کی طلاق کی تصریح ہے اور نہ فسخ قاضی کی تصریح، اس لیے حاجی محمد بخش کا یہ فعل اور شوہر اول کے غیر ثابت جنون کو علت تفریق سمجھ کر عبدالجبار کی منکوحہ سے نکاح کرنا سخت اور بدترین جرم ہے جو شدید عقوبت اور تعزیر کا مستحق ہے، اور یہ نکاح ہرگز جائز نہیں، عورت بدستور عبدالجبار کی منکوحہ ہے جب تک شرعی عدالت اور قاضی کے محکمہ سے عورت رجوع کر کے فسخ نکاح کا فیصلہ حاصل نہ کرے، قاضی وکیل اور شاہدین کو اگر یہ معلوم تھا کہ یہ منکوحۃ الغیر ہے تو وہ بھی اعانت علی المعصیت کی وجہ سے گنہگار ہوں گے جن سے ان کو اجتناب لازم تھا۔ لقولہ تعالیٰ ﴿تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی

الاثم والعدوان﴾ (الآیة) حاجی محمد بخش اوراس فعل میں اس کے تمام معاونین نے اگر یہ فعل لاعلمی سے بھی کیا ہوتو بھی فیصلہ شرعی معلوم ہونے کے بعد عورت کو اس کا مقررہ مہر دے کر علیحدہ کرنا اور اپنے افعال پر ندامت اور آئندہ کے لیے ایسے قبیح افعال کے ارتکاب سے توبہ اور خداوند جلّ وعلا کے درگاہ سے استغفار کرنا لازم ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

ولا يتخير احد الزوجين بعيب الآخر ولو فاحشا كجنون وجذام، ثم قال: وخالفه الائمة الثلث فى الخمسة لو بالزوج ولو قضى بالرد صح. فتح. اى لو قضى به حاكم يراه فافاد انه مما يسوغ فيه الاجتهاد. (الدرالمختار مع الشامى آخر مبحث العنين ج ٢ /ص ٩٢٤)

وقد كتبت على القواعد الفقهية فى مذهب الحنفية ان القاضى لو قضى برد احد الزوجين بعيب نفذ قضائه۔ (بحر ج ٤ /ص ١٢٧)

ومنكوحة الغير ومعتدته ومطلق الثلاث بعد التزوج كالمحرم (اى كنكاح المحارم) (عالمگيرى ج ٢ /ص ١٤٨)

وسئل فى رجل عقد على منكوحة الغير ووطيها عالمابكونها منكوحة الغير فما يلزمه؟

اجاب: يوجع بالضرب الشديد اشد ما يكون من التعزير سياسة، وعليه المهر لها، وعليها العدة، وهى باقية على عصمة زوجها الاول إذ النكاح الثانى باطل و الحال هذا.(فتاوى خيريه ٩٠) وكذا فى الفتاوى الكاملية فى حوادث الطرابلسية على مذهب ابى حنيفة نعمان٤٦)

باکرہ بالغہ کی مرضی کے بغیر نکاح ہونا

[۳۴۸] سوال: ایک لڑکی مسماۃ آمنہ بی بی کا نکاح اس کے چچانے پڑھوایا ہے، اس لڑکی کی عمر تقریباً چودہ سال کی ہے، اب سوال یہ ہے کہ چچانے جو یہ نکاح پڑھوایا ہے یہ صحیح ہے کہ نہیں؟ اگر نکاح صحیح ہوگیا تو اب اگر لڑکی ناراض ہو تو فسخ نکاح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ ناکح کی عمر گیارہ سال کی اور منکوحہ چودہ سال کی ہے، والی کی ولایت کا حق کتنی مدت تک ہوتا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مسئولہ صورت میں اگر بوقت نکاح لڑکی بالغ تھی تو نکاح کے لیے اس کی صریح یا دلالۃ رضامندی حاصل کرنے کی ضرورت تھی، اگر بغیر صریح یا دلالۃ رضامندی کی نکاح پڑھوایا گیا ہو تو یہ نکاح جائز نہیں۔ ولا يجوز للولي اجبار البكر البالغة على النكاح؛ لأنها حرة فلا يكون للغير عليها ولاية الاجبار. (هدايه ٢٩٤ نكاح) اور اگر رضامندی سے نکاح ہوگیا ہو یا بعد میں رضامندی حاصل ہوگئی ہو تو اب فسخ کا حق نہیں رہا، اور اگر نکاح کے وقت نابالغ تھی تو بلوغ پر اس کو فسخ نکاح کا حق رہے گا بشرطیکہ جس مجلس میں بالغ ہوئی اس وقت ناراضی ظاہر کردے یا اگر اس وقت عالمہ بالنکاح نہ تھی تو بعد بلوغ جس مجلس میں اس کو نکاح کا علم ہو اسی مجلس میں ناراضی ظاہر کردے، اس کے بعد اس کو فسخ کا حق نہیں رہے گا۔ و إن زوجها غير الأب والجد فلكل واحد منهما الخيار إذا بلغ إن شاء اقام على النكاح وإن شاء فسخ. (هدايه ٢٩٧) وخيار البلوغ فى حق البكر لا يمتد إلى آخر المجلس. آه. (هدايه٢٩٨)

ولی کی عام ولایت کے لیے کوئی مدت مقرر نہیں اور اجبار نکاح کی ولایت عقل و بلوغ تک ہے، چنانچہ عبارت بالا سے ظاہر ہے۔ ولا يجوز للولي اجبار البكر البالغة على النكاح۔

نکاح بلفظ ذات بخشیدن

[۳۴۹] سوال: ایک عورت نے دو شرعی گواہوں کے سامنے ایک مرد کو اپنی ذات بخشی اور مرد نے قبول کیا، اور چند سال اس کے پاس رہی، پھر دوسرے شخص سے نکاح کر چکی تو یہ نکاح ہوا یا عورت پہلے نکاح میں ہے شرعی فیصلہ کیا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مذکورہ صورت میں عورت کا پہلا نکاح درست اور ثانی باطل ہے، اور عورت بدستور پہلے نکاح میں ہے، اور شوہر ثانی سخت تعزیر کا مستحق ہے۔ (مجمع الانهر ج۲/ص۱٦٠، وكامليه ۳۰، وخيريه ۹۰، وقد مر تفصيله فی ۱۵)

نومسلم حاملہ سے نکاح کرنا

[۳۵۰] سوال: اگر نومسلمہ نے مسلمان ہوتے ہی ایک مسلمان مرد سے نکاح کیا اور حال یہ ہے کہ اس عورت کو پہلے سے پانچ چھ ماہ کا حمل بھی ہے تو ایسی حالت میں اس کا نکاح درست ہوا یا نہیں؟ اور اس حمل کا بچہ کس کا شمار کیا جائے گا؟ اور ناکح اور شاہدین اور وکیل وغیرہ کو کچھ حرج ہوگا کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مذکورہ عورت کا حمل اگر زنا سے ہے یعنی اسلام سے پہلے اس کا کوئی شوہر نہ تھا تو اب اگر چھ ماہ نکاح کے بعد بچہ پیدا ہوا تو نکاح بھی درست ہے اور بچہ بھی مسلم شوہر کا ہے، اور اگر نکاح سے چھ ماہ کے قبل بچہ پیدا ہوا تو نکاح ثابت ہے صرف وضع حمل تک وطی ناجائز ہے۔

وإذا تزوج رجل امرأة فجائت بولد لأقل من ستة اشهر منذ يوم تزوجها لم يثبت نسبه، وإن جائت به لستة اشهر فصاعداً يثبت نسبه منه اعترف به الزوج أو سكت لأن الفراش قائمة والمدة تامة (هدايه ج۲/ص۴۰۹) وصح نكاح حبلى من الزنا ولا توطى حتى تضع.آه.(مجمع الانهر۱۵٦)

اور اگر یہ حمل سابق نکاح سے ہے تو چوں کہ وہ حمل ثابت النسب ہے اور ثابت النسب حمل والی حاملہ عورت سے نکاح جائز نہیں، لہٰذا نکاح ثانی جائز نہیں اور بچہ پہلے شوہر کا بچہ ہے، اور ناکح و شاہدین و دیگر معاونین نے چوں کہ ایک حرام فعل میں اعانت کی ہے اس لیے بفحوائے ﴿وتعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان﴾ (الآية) کے گنہگار ہوگئے ہیں۔ ولا يصح نكاح حامل من سبى أو حامل يثبت نسب حملها. آه. (مجمع الانهر١٦٦)والله اعلم وعلمه اتم

نومسلم کا بعد طلاق نصاریٰ سے نکاح کرنا

[۳۵۱] سوال: ایک مسلم نے ایک غیر مسلمہ کو مسلمان کر کے نکاح میں لایا، جس سے بچے بھی ہوئے، پھر بلا قصور و بلا نفقہ دیئے ہوئے نکال دیا، اور عورت مذکور تنگدستی کی وجہ سے ایک نصاریٰ کے پاس رہنے لگی جس سے اولاد بھی ہوئی تو اس مسلم پر شرعاً کوئی گناہ وسزا ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مسلمان کیا اور پھر نکاح کیا، یہ ہر دو فعل تو جائز؛ بلکہ اسلام میں ایک غیر مسلم کو لانا باعث اجر ہے، باقی یہ کہ بلا قصور نکال دیا تو اگر اس کام پر اس کو کسی شرعی امر نے مجبور نہ کیا تھا تو خلاف اولیٰ اور مکروہ کام کیا، تاہم طلاق باوجود ابغض المباحات کے پھر بھی ایک مباح ہی فعل ہے، جس پر شریعت کی طرف سے کوئی سزا مقرر نہیں کی گئی ہے، اور بلا نفقہ نکال دیا تو یہ نفقہ اگر زمانۂ زوجیت یا عدت کے وقت کا تھا جو اس پر ضروری تھا اور شوہر نے نہ دیا تو یقیناً یہ ایک واجب امر سے کوتاہی کی ہے جس کا مواخذہ ہوگا؛ بشرطیکہ عورت ناشزہ نہ تھی اور یہ نفقہ دینے پر قادر بھی تھا، رہا یہ کہ عورت بعد میں نصاریٰ کے پاس رہنے لگی تو یہ اس عورت کا ذاتی فعل ہے جس پر عورت ماخوذ ہوگی نہ کہ مرد۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

پھوپی زاد بہن سے نکاح کرنا

[۳۵۲] سوال: ہمارے بیالیس گاؤں والوں کا سمجھنا ایسا ہے کہ حقیقی پھوپی کی لڑکی کے ساتھ نکاح درست نہیں؟ اور اس پر عمل کرتے ہیں اور کٹھور اور کھلور، بریاؤن، راندیر والوں کا اس کے خلاف پھوپھی کی لڑکی کے ساتھ نکاح کرتے ہیں، لہٰذا حقیقی پھوپھی کی لڑکی کے ساتھ نکاح کرسکتے ہیں یا نہیں؟ مفصل حوالے کے ساتھ جواب دیں، عین عنایت ہوگی۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ حقیقی پھوپھی کی لڑکی چوں کہ محرمات شرعیہ میں سے نہیں ہے، اور بفحوائے ﴿واحل لكم ما وراء ذالك ان تبتغو باموالكم﴾ (الآية) تحل بنات العمات والأعمام والخالات والاخوال. (فتح القدير ج ۲/ص ۳۵۷ فصل فی المحرمات) پھوپھی کی لڑکی بھی ماوراء المحرمات میں داخل ہے، لہٰذا جن حضرات کا عقیدہ اور عمل یہ ہے کہ حقیقی پھوپھی کی لڑکی کے ساتھ نکاح جائز ہے اور اس پر عامل ہیں وہی حضرات شریعت کے عامل ہیں، اور جن لوگوں کا عقیدہ اور فعل اس کے خلاف ہے وہ سخت غلطی پر ہیں، اور ایک حلال فعل کو نہ کرنا تو اس قدر قابل ملامت نہیں، جس قدر حلال کو حرام سمجھنا قابل ملامت ہے، کیوں کہ جو چیز حلال ہو اس کو حرمت کے عقیدے سے کفر لازم آتا ہے، اس لیے ان کو اس باطل عقیدہ سے فوراً توبہ کرنا لازم ہے۔ فقط۔

دو بہنوں کا نکاح میں جمع کرنا ناجائز ہونا

[۳۵۳] سوال: دو حقیقی بہنوں کے ساتھ ایک شخص نکاح کرسکتا ہے یا نہیں پہلی بہن کی موجودگی میں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ پہلی بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری بہن سے نکاح ہرگز

جائزنہیں۔﴿وان تجمعوا بین الاختین﴾ (الآیة) میں صراحۃ اجتماع اختین کی حرمت موجود ہے۔

عم الاب کوولایت صغائر ہونا

[۳۵۴] سوال: داؤداور یوسف دونابالغ بچے ہیں جواپنے مال میں تصرف نہیں کرسکتے ہیں،اس وقت ان کے قریبی رشتہ داروں میں عم الاب کے سوا دوسرا کوئی والی نہیں ہے تو کیا ازروئے شرع شریف ان کے تصرفات مالی اور نکاح کے متعلق اس عم الاب کی ولایت معتبر اور صحیح ہے یانہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ بصورت مذکورہ جب کہ داؤداور یوسف کے اولیاء میں سوائے عم الاب کے اور کوئی قریبی رشتہ دار موجودنہیں تو یہی عم الاب ان کا شرعی والی ہے جوشرعی طریقہ پر ان کے نکاح اور مالی معاملہ میں تصرف کرسکتا ہے۔الولی فی النکاح العصبة بنفسه وهو ما يتصل بالميت على ترتيب الأرث.آھ.(الدرالمختار) وقال العلامة الشامی مصرحاً على ذلك الترتيب: ثم ابن الأخ الشقيق ثم لأب ثم العم الشقيق ثم لأب ثم ابنه كذلك ثم عم الاب كذلك ثم ابنه كذلك۔ (شامی ج ۲ /ص ۴۲۸)

رضاعی بھائی کی اولاد سے نکاح کرنا

[۳۵۵] سوال: ایک عورت ایک شخص کودودھ پلاتی تھی اوراس عورت سے دوسری لڑکی دودھ پی چکی تھی،تو یہ دونوں آپس میں رضاعی بھائی بہن ہوگئے جن میں نکاح درست نہیں ہے،مگرخوداس کے خاوند سے پہلی بیوی کی دوسری لڑکی تھی تواس شخص کواس دوسری لڑکی سے نکاح جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ دودھ پینے والے لڑکے کو نہ اس عورت کی موجودہ وگذشتہ لڑکیوں سے نکاح جائز ہے اور نہ اس رضاعی باپ کی موجودہ وگذشتہ لڑکیوں سے نکاح جائز ہے؛ کیونکہ دودھ

دینے والی رضاعی ماں ہوگئی اوراس کا موجودہ شوہراس کا رضاعی باپ ہوگیا، اوردودھ پینے والے کے لیے رضاعی والدین اوران کی اولاد سے نکاح جائز نہیں۔

از جانب شیر دہ ہمہ خویش شوند　　وز جانب شیر خواہ زوجان وفروع

(جامع الرموز ۲۹۹)

ولاحل بين رضيعى ثدى وان اختلف زمانها، ولا بين رضيع وولد مرضعته وإن سفل، ولا حل بين رضيع و ولد زوج لبنها منه فهو اب للرضيع و ابنه اخ للرضيع و بنته أخت للرضيع وإن كان من امرأة أخرى و بنته اخت للرضيع وأبوه جده وأمه جدته وأخوه عم له واخته عمة له.آه۔ (١٨٨)

ولی اقرب کی موجودگی میں ابعد کا نکاح کرانا

[۳۵۶] سوال: احمد کی نابالغ لڑکی ہے جس کواحمد کا باپ یعنی لڑکی کا دادااحمد کی مرضی کے بغیر نکاح کرانا چاہتا ہے تو کیاباپ کی موجودگی میں اس کی مرضی کے بغیر دادا کونکاح صغائر کی ولایت کاحق پہنچتا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ولایت کاحق وراثت کے حق کی طرح اقرب کی موجودگی میں ابعد محجوب ہوتا ہے، لہٰذا موجودہ مسئلہ میں باپ کے ہوتے ہوئے دادا کوولایت کاحق نہیں ہے۔ والترتيب فى العصبات فى ولاية النكاح كالترتيب فى الإرث والأبعد محجوب بالأقرب. (انتهى) (هدايه ج٢/ص٢٩٦)

عصبہ کی غَیبت پر ماں کا نکاح صغائر کرانا

[۳۵۷] سوال: ایک صغیرہ کا نکاح اس کی ماں نے ایک شخص سے چارسال کی عمر میں کرادیا، اوریہ

شرط لگائی کہ صغیرہ کا خرچہ بھی دیتے رہنا اور میرے لڑکوں کو ملازم بھی رکھنا، آج چھ سال ہوئے اور صغیرہ کی عمر دس برس کی ہوگئی مگر اس شخص نے مندرجہ شرائط کی ہرگز پابندی نہیں کی، نکاح کے وقت صغیرہ کے والیوں میں سے یہ ماں اور ایک چچازاد بھائی تھا جو کچھ خانگی معاملات میں اس عورت سے ناراض تھا اور دوسرے گاؤں میں رہتا تھا، اور مذکورہ نکاح سے اس کو خبر بھی نہیں دی گئی تھی تو از روئے شرع یہ نکاح کیسا ہے؟ اور اب کیا کریں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: مذکورہ صغیرہ کا چچازاد بھائی جب کہ نزدیک گاؤں میں موجود تھا جس سے مشورہ اور اجازت لینے میں کچھ دشواری نہ تھی تو اس حالت میں صغیرہ کی ماں کا نکاح کرانا نافذ نہ ہوگا، اور چچازاد بھائی کی اجازت پر موقوف ہوگا، اور اگر پیغام دینے والا شخص صغیرہ کا کفو اور مفید ترین شخصیت تھی جو اگر یہ موقع ہاتھ سے ضائع ہوجاتا تو پھر ایسی مناسب جگہ صغیرہ کے لیے ملنی دشوار تھی، اور چچازاد بھائی مدت سفر کی مسافت پر غائب تھا یا کم از کم ایسا غائب تھا کہ پیغام دینے والا اس کی خبر اور اجازت حاصل کرنے تک انتظار نہیں کرتا تھا یا اس نے ماں کو نکاح کے اختیارات دے چکے تھے، یا نکاح کرانے کے لیے کہا گیا تھا مگر وہ اس صغیرہ کے نکاح سے قطعی انکاری تھا تو اس حالت میں ماں کا نکاح کرانا درست ہوگا مگر صغیرہ کو بعد بلوغ یہ اختیار رہے گا کہ مذکورہ شوہر سے نکاح قائم رکھے یا شرعی عدالت میں دعویٰ کر کے نکاح فسخ کرائے، باقی جو شرطیں نکاح میں مقرر کی گئی تھیں اس کی پابندی یا عدم پابندی سے نکاح میں کچھ فرق نہیں آتا ہے؛ البتہ نفقہ بوقت وجوب خود بخود واجب ہوگا خواہ شرط لگائے یا نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔۔

والولی هو العصبة وإن لم يوجد عصبة فللأم. آه.(مجمع الانهر ج ۱/ص۱۶۹) وللولی الابعد التزويج بغيبة الاقرب فلو زوج الابعد حال قيام الاقرب توقف على اجازته، مسافة القصر واختار فی الملتقى مالم ينتظر

الکفؤ الخاطب جوابه وعليه الفتوى. آه.(الدرالمختار) وللابعد التزويج بعض الاقرب اى بامتناعه عن التزويج اجماعاً.(خلاصة) (الدرالمختار مع الشامی ج ۲ /ص ۴۳۲)

وعدۂ نکاح کر کے دوسرا نکاح کرنا

[۳۵۸] سوال: ایک جوان لڑکی ایک شخص سے عہد کر چکی ہے کہ ہم یقیناً میاں بیوی رہیں گے، اوراس قسم کے پیار ومحبت کے خطوط بھی اب تک اس شخص کے پاس موجود ہیں جن میں لڑکی نے اپنی محبت اور دائمی ارتباط کے متعلق تسلی دی ہے، اب اس لڑکی کے والدین نے اس کا نکاح کسی اور شخص سے کرایا ہے اورلڑکی نے مجبوراً رضامندی ظاہر کی ہے تو یہ نکاح درست ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ درست ہے کیوں کہ پہلے شخص سے صرف ایک وعدہ کیا گیا تھا نہ کہ نکاح، اور چوں کہ آزادلڑکی تھی اس واسطے اگر چہ والدین کی خوشنودی یا اور وجہ سے موجودہ مرد سے شادی پر راضی ہوگئی ہے اس لیے نکاح درست ہے، جب تک یہ تحقیق نہ ہو کہ لڑکی بوقت نکاح ناراضی کا اظہار کر چکی تھی۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ۔

ولا يجبر ولى بالغة على النكاح ولو بكراً،فإذا استأذن الولى البكر البالغة فسكتت أو ضحكت بلا استهزاء أو بكت بلا صوت فهو إذن.آه.(مجمع الانهر ج ۱ /ص ۱۶۶)

قادیانی کولڑکی دینا

[۳۵۹] سوال: ایک شخص نے اپنی لڑکی ایک قادیانی کو دے دی ہے،لوگوں نے منع کیا کہ قادیانی سے سنی عورت کا نکاح جائز نہیں تو وہ نہیں مانتا ہے،شرعاً اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ قادیانی جماعت کوعلماء ہند نے بالاتفاق کافر؛ بلکہ مرتد ٹھہرایا ہے،اور کافر ومرتد سے کسی مسلمہ کا نکاح ہرگز درست نہیں ہے،لڑکی کواوراس کے باپ کواس فعل حرام سے توبہ کرنالازم ہے،اور مسلمانوں کو ہر جائز طریقہ استعمال کرتے ہوئے اگر وہ نہیں مانتے ہیں تو لڑکی کو قادیانی کے پنجے سے چھڑانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ولا يجوز للمرتد أن يتزوج مرتدة ولا مسلمة ولا كافرة اصلية، وكذا لا يجوز نكاح المرتدة مع أحد، كذا فى المبسوط۔ ولا يجوز تزوج المسلمة من مشرك ولا كتابى، كذا فى السراج الوهاج. (عالمگیری ج ۱ /ص ۲۸۲)

سادات کا بیوگان کا عقد ثانی نہ کرانا

[۳۶۰] سوال: یہاں سادات میں یہ رسم ہے کہ اس کی بیوی خواہ صغرسنی میں بیوہ ہو جائے تو نکاح ثانی نہیں کرتے ہیں تو یہ بجا ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ بالکل غلط ہے۔ مذکور سادات کولازم ہے کہ رسوم کی پابندی کی نسبت اپنے نانا علیہ السلام کی شریعت کی پابندی کو ترجیح دیں۔اور اسلام کے پاکیزہ قوانین جن کے ظاہری اور باطنی فوائد معلوم کر کے غیر مسلم افراد بھی عقد بیوگان پر عامل ہوگئے ہیں اپنا دستورالعمل بنائیں۔ یہ مسئلہ اس قدر روشن اور واضح ہے کہ دلائل کا محتاج نہیں۔

سادات کا غیر سادات میں لڑکی نہ دینا

[۳۶۱] سوال: سادات غیر سادات لڑکی سے شادی کرتے ہیں مگر اپنی لڑکی غیر سادات میں نہیں دیتے ہیں،اوران کا نیز دیگر عوام کا یہ خیال ہے کہ سید لڑکی کا نکاح ایک عام امتی سے جائز ہی نہیں تو یہ خیال کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ سادات غیر سادات کی لڑکی سے شادی کرنا اور اپنی لڑکیوں کو غیر سادات میں نہ دینا اگر اپنی شرافت اور کفو کی حفاظت کے خیال سے ہو تو بجا اور درست ہے۔ و الکفائة معتبرة من جانبه لا من جانبها آه فقريش بعضهم اكفاء بعض آه فليس فاسق كفواً لصالحة او فاسقة بنت صالح آه (الدر المختار و الشامی ج ۲ / ص ۴۳۶)

رہا سادات کا اور دیگر لوگوں کا یہ خیال کہ سید لڑکی کی شادی غیر سید سے جائز ہی نہیں تو یہ سخت غلطی ہے اور حلال کو حرام ٹھہرانا ہے اور ﴿و احل لكم ما وراء ذلكم﴾ الآیۃ سے خلاف ہے اور خود آنحضرت ﷺ کا اپنی دو صاحبزادیوں کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کرانا جو سید نہ تھے، اس باطل خیال کی تردید کے لئے کافی ہے۔ اللّٰهم اهد قومی فانهم لا يعلمون۔

عورت سے میاں بیوی کا تعلق رکھنے پر نکاح کا شبہ کرنا

[۳۶۲] **سوال:** ایک شخص نے عورت کو طلاق دی تو دوسرے شخص نے بلا عدت و بلا نکاح اس کو اپنے پاس رکھا، اور آپس میں میاں بیوی کی طرح رہنے لگے، اب کچھ عرصہ کے بعد عورت جانا چاہتی ہے اور مرد بھی اس کے جانے پر راضی ہے، لہٰذا وہ جانے کے لیے اجازت دے سکتا ہے کہ نہیں؟ اور نکاح ہوا کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ افسوس کہ مسلمانوں کی جہالت اس حد تک پہنچی کہ بلا نکاح اجنبیہ عورت کو اپنے پاس رکھ کر روسیاہی کرنے پر نکاح کا شبہ ہونے لگا، اس لیے سوال کی ضرورت پڑی کہ نکاح ہوا کہ نہیں؟ یا اللہ! تو ہماری حالت پر رحم فرما۔ مسلمانوں کو اب اس قدر ظاہر حرام کاری پر حلال کا شبہ ہونا اس امر کا مقتضی ہے کہ مسلمانوں کی موت پر مرثیہ پڑھا جائے پھر مسلمان دونوں آنکھوں سے

یہ حرام کاری دیکھ رہے ہیں مگران نالائقوں کی علیحدگی کی سعی نہیں کرتے ہیں؛ بلکہ اگر وہ خود علیحدگی چاہتے ہیں تو یہ استفسار پر ملتوی رکھتے ہیں:

بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بوالعجبیست

اب لازم ہے کہ شخص مذکور صحیح نکاح کر کے عورت کو بیوی بنائے ورنہ فوراً علیحدہ کرے اور گذشتہ معاصی سے صدق دل سے توبہ کرے۔﴿ولا تقربوا الزنا انه كان فاحشة﴾ (الآیة)

اپنی مزنیہ سے لڑکے کا نکاح کرنا

[۳۶۳] سوال: ایک شخص نے ایک لڑکی سے زنا کیا کچھ عرصہ گذرنے کے بعد اس لڑکی کا اپنے لڑکے سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو یہ جائز ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: نہیں؛ کیوں کہ زنا سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے اس لیے وہ مزنیہ اس کے لڑکے کے لیے بمنزلۂ ماں ہوگئی۔ والزنا يوجب حرمة المصاهرة حتى لو زنى بامرأة حرمت عليه أصولها وفروعها وحرمت المزنية على أصوله وفروعه۔آھ. (مجمع الانهر ج ۱ /ص ۱٦٤)

لڑکے کے زنا سے باپ کا گنہگار ہونا

[۳٦٤] سوال: ایک لڑکا بالغ ہوگیا باپ صاحب حیثیت ہے، مگر لڑکے کی شادی نہیں کرتا تو اگر لڑکے نے گناہ کیا تو باپ پر مواخذہ ہوگا کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: اگر باپ صاحب حیثیت ہے اور لڑکے کے نکاح کرانے کی استطاعت رکھتا ہے اور پھر بھی اپنی اولاد کی دینی ودنیاوی بہبودگی میں سعی نہیں کرتا ہے جن کی تادیب اور نیک سلوکی پر وہ مامور ہے تو اس صورت میں وہ مستلزم ملامت ہے اور اندیشہ ہے کہ لڑکے کی بدفعلی سے

باپ پر بھی مواخذہ ہوجائے مگر اس مواخذہ سے لڑکا یہ نہ سمجھے کہ اب مجھے جو کچھ کرنا ہے اس کا ذمہ دار باپ ہے؛ بلکہ اصل مواخذہ تو لڑکے کا ہے جو مباشرِ فعل ہے، اور باپ پر مواخذہ ہوگا تو ایک شر کے مدافعت پر قدرت رکھتے ہوئے اس کے انسداد کی طرف تساہل کرنے پر ہوگا۔ واللہ اعلم

ویزوجہ اذا ادرک حد البلوغ وان لم یزوجہ فاحدث حدثا فالاثم بینھما۔آھ۔شرح شرعۃ الاسلام ٤٥٤، وفی ذلک حدیثین اخرجھما البیھقی فی شعب الایمان، مشکوۃ ٢٧١۔

سوتیلی ماں سے زنا کرنے پر باپ کا نکاح ٹوٹ جانا

[٣٦٥] **سوال:** ایک شخص نے دوسری شادی کی اور کچھ عرصہ بعد افریقہ چلا گیا، گھر میں پہلی بیوی سے جوان لڑکا موجود تھا اس نے اس سوتیلی ماں سے ناجائز تعلقات رکھے اور یہاں تک نوبت پہنچی کہ وہ عورت اس لڑکے سے حاملہ ہوگئی چنانچہ اس نے حمل گرائی اور والدین کے پاس جاکر بیٹھی، اور لڑکا بھی افریقہ چلا گیا تو اب سوال یہ ہے کہ یہ عورت اپنے شوہر پر حرام ہوئی کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: مذکورہ عورت کا شوہر کے لڑکے سے شہوت رانی اور جماع کے ناشائستہ افعال کا ارتکاب کرنا تو یقیناً موجب تفریق اور مستلزم بطلان نکاح ہے، مگر یہ تفریق دو امر سے ہوگی پہلا یہ کہ اس فعل شنیع پر شرعی گواہوں سے ثبوت پایا جائے۔ دوم یہ کہ اگر گواہ شرعی نہ گذرے مگر لڑکے یا بیوی کے اقرار زنا یا دیگر شہوت رانی کے افعال کی تصدیق کرلے۔

خلاصہ یہ کہ لڑکے کا والد کی بیوی سے جماع یا شہوت سے تقبیل وغیرہ سبب تفریق نکاح ضرور ہے مگر اس سبب کی تحقیق کے لیے یا شرعی گواہوں کی ضرورت ہے یا شوہر کی تصدیق۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

والزنا يوجب حرمة المصاهره حتى لو زنى بامرا ة حرمت عليه اصولها وفروعها وحرمت المزنية على أصوله وفروعه.آه.(مجمع الانهر ج ١/ص ١٦٤) وفي امالى ابى يوسف امرأة قبلت ابن زوجها وقالت: كانت عن شهوة إن كذبها الزوج لا يفرق بينهما ولو صدقها انه عن شهوة وقعت الفرقة.آه.(خلاصة الفتاوى ج ٢/ص ١٠ فى المحرمات) رجل قبل امرأة أبيه بشهوة أو قبل الاب امرأة ابنه بشهوة وهى مكرهة وانكر الزوج أن يكون بشهوة فالقول قول الزوج وإن صدقه الزوج وقعت الفرقة.آه.(عالمگيرى ج ١/ص ٢٩٤)

داماد کا ساس سے اقرارِ زنا وانکار ساس کا حکم

[٣٦٦] سوال: (١) خالد کا قسمیہ اقرار ہے کہ میں نے ہندہ سے کنوارپن میں زنا کیا ہے اور ہندہ قسمیہ کہتی ہے کہ خالد جھوٹا ہے مجھ سے خالد نے کبھی بھی زنا نہیں کیا ہے، اور یہ ہندہ خالد کے خسر زید کی بیوی ہے تو ایسی حالت میں ہندہ پر کوئی شرعی حکم لگایا جا سکتا ہے؟

(٢): اگر یہ ثابت بھی ہو جائے کہ خالد نے ہندہ سے مباشرت کی ہے تو ایسی حالت میں خالد کے خسر زید کا نکاح ہندہ مزنیہ سے جائز ہو سکتا ہے یا نہیں؟

(٣): اگر خالد کا قول مباشرت ثابت نہ ہو تو شرع شریف میں خالد پر حد قذف آ سکتی ہے کہ نہیں؟

(٤): خالد کا مباشرت اگر ہندہ سے ثابت ہو جائے تو خالد کے خسر زید کا نکاح ہندہ سے فسخ ہوا کہ نہیں؟

(۵): زید نے ہندہ سے نکاح کرلیا ہے تو زید کی لڑکی کلثوم جو خالد کی زوجہ ہے اس کے اور خالد کے نکاح میں کوئی نقصان آسکتا ہے کہ نہیں؟

تمام جوابات بحوالہ کتب معتبرہ جلد عنایت کیجئے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ (۱): زنا سے منکر شخص پر چار عادل مردوں کی گواہی سے زنا ثابت ہوسکتا ہے ورنہ نہیں، مسئولہ صورت میں جب کہ ہندہ منکر ہے تو بلا قیام شہادت شرعی محض خالد کے اقرار سے نہ ہندہ زانیہ ہوسکتی ہے اور نہ کوئی دنیاوی حیثیت سے اس پر کوئی شرعی حکم لگا سکتے ہیں۔

ویثبت بشهادة اربعة رجال فی مجلس واحد. درمختار مع الشامی ج۳/ص۱۹۶۔

(۲): اگر یہ ثابت ہوجائے کہ خالد نے ہندہ سے زنا کیا ہے تو یہ زنا یا قبل نکاح زید کیا ہوگا یا بعد نکاح کے کیا ہوگا، دونوں صورتوں میں زید کا نکاح ہندہ سے جائز اور قائم رہے گا؛ کیوں کہ اگر قبل نکاح زنا ہوچکا ہو تو زید کا نکاح ہندہ سے ایک مزنیہ عورت سے نکاح ہے جو جائز ہے، اور اگر یہ فعل قبیح بعد نکاح ہوگیا ہو تو ایک منکوحہ عورت کا زنا کرنا ہوا جس سے نکاح میں کوئی نقصان نہیں آتا ہے۔

وصح نكاح حبلى من الزنا ولا توطأ حتى تضع، وكذا صح نكاح موطوئة سيدها او موطوئة زان بان رأى امرأة تزني فتزوجها جاز، وللزوج أن يطأها بغير استبراء، وما في شرح الوهبانية من انه لو زنت زوجته لايقربها حتى تحيض لاحتمال علوقها فضعيف، تامل. (مجمع الانهر ج۱/ص۱۶۵) لانه زنا والمزنی بها لاتحرم على زوجها. آه. (شامی ج۲/ص۴۰۳)

(۳):اگر ہندہ حرہ، عاقلہ، بالغہ،عفیفہ ہواور عدالت میں خالد پر اتہام کا دعویٰ کر کے حد قذف دعویٰ کا دائر کرے تو خالد پر حد قذف قائم ہوسکتا ہے۔قرآن کریم میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اتہام کے بارے میں جو سورۂ نور میں ﴿والذین یرمون المحصنات﴾ (الآیة) حکم آیا ہے اس کے مطابق یہاں بھی حد قذف قائم ہوسکتا ہے۔فمن قذف محصنا أو محصنة بصریح الزنا حد القاذف بطلب المقذوف.آھ.(مجمع الانهر ج ۱ /ص۲۹۲) بخلاف دعویٰ الزنا فإنه إذا لم یثبت یحد کما مر۔آھ. (الدرالمختار مع الشامی ج۳ /ص۲۵۷ تعزیر)

(۴): کا جواب (۲) میں بیان ہو چکا ہے کہ ساس اور داماد کے زنا سے خسر کے نکاح میں کوئی بھی نقصان نہیں آتا ہے۔

(۵):کلثوم جو کہ خالد کی زوجہ ہے یہ اگر ہندہ کے بطن سے ہے تو یقیناً جب خالد ہندہ سے زنا کا اقرار کرتا ہے تو کلثوم اور خالد میں ابدی حرمت ثابت ہوئی اوران کے درمیان کسی صورت سے نکاح جائز نہیں،اوراگر کلثوم ہندہ کے بطن سے نہیں بلکہ زید کی دوسری بیوی کے بطن سے ہے تو اس صورت میں کلثوم اور ہندہ ایک دوسرے سے اجنبی ہیں اس لیے خالد کا ہندہ سے زنا کرنے پر کلثوم کے ساتھ نکاح میں کوئی بھی نقصان نہیں آتا ہے۔ والزنا یوجب حرمة المصاهرة حتی لو زنی بامرأة حرمت علیه اصولها وفروعها.آھ. وکذا للمس بشهوة سواء کان عمدا او سهوا أو خطأ أو کرها.آھ.(مجمع الانهر ج ۱ /ص۱٦٤) واعلم ان حرمة المصاهرة تثبت بالاقرار وإن کان بطریق الهزل فی المختار ولا یصدقه فی تکذیب نفسه.آھ.(مجمع الانهر ج ۱ /ص۱٦٤) وحرم أیضاً بالصهریة أصل مزنیته وممسوسة وفروعهن.آھ.(الدرالمختار مع الشامی ج ۲ /ص۳۸٤)

جولڑکی زنا کے نتیجہ میں بہن بنی ہواس سے نکاح

[۳٦٧] سوال: ایک جوان کسی غیر مسلمہ سے اس کے اسلام لانے کے بعد نکاح کا ارادہ رکھتا ہے مگر اس نوجوان کا والد مانع ہے اور منع کرنے کی وجہ یہ بیان کرتا ہے کہ اس لڑکی کی ماں سے میں نے زنا کیا ہے اور یہ لڑکی اس زنا سے ہے لہٰذا یہ تیری بہن ہوگئی اور بہن سے نکاح جائز نہیں، تو اب دریافت طلب یہ ہے کہ کیا وہ اس دعویٰ سے بہن ہوکر ممنوع النکاح ہے یا نکاح کرسکتا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مذکورہ زانی کے قول کا اعتبار صرف ایک ہی صورت سے ہوسکتا ہے اور وہ یہ اس لڑکی کی ماں کنواری ہو اور اس نوجوان کے والد نے اس کے ساتھ زنا کر کے ایسی جگہ میں مقید کردیا ہو کہ وضع حمل تک یہ احتمال باقی نہ ہو کہ اس کے ساتھ دوسرے نے جائز یا ناجائز وطی کی ہوگی، اور اس صورت سے یہ لڑکی پیدا ہوئی ہو جس کے ساتھ زانی کا لڑکا شادی کرنا چاہتا ہے تو صرف اسی صورت سے وہ لڑکی اس نوجوان کی بحوائے اطلاق ﴿واخواتکم﴾ بہن تصور کی جائے گی اور نکاح ناجائز ہوگا، اور اگر یہ صورت نہ ہو بلکہ اس لڑکی کی ماں کسی کی منکوحہ تھی، یا زانی نے زنا کے بعد اس مزنیہ کو آزاد چھوڑ دیا تھا جس سے یہ احتمال باقی تھا کہ ہوسکتا ہے دوسرے نے جائز یا ناجائز نطفہ ڈالا ہو اور یہ لڑکی اس سے پیدا ہوگئی ہو تو اس صورت میں یہ لڑکی نوجوان کی بہن نہیں ہوسکتی ہے اور نکاح جائز تو ہے مگر تقویٰ اور ورع سے خلاف ہے۔ وحرم على المتزوج ذكراً كان أو انثى نكاح اصله و فرعه علا او نزل. وبنت اخيه واخته وبنتها ولو من زنا. (الدر المختار) قال العلامة الشامي: اى بان يزنى الزانى ببكر و يمسكها حتى تلد بنتاً. (بحر عن الفتح) قال الحانوتي: ولا يتصور كونها ابنته من الزنا الا بذلك اذ لا يعلم كون الولد منه الا بذلك. آه. اى لانه لو لم يمسكها

یحتمل ان غیره زنا بها لعدم الفراش النافی لذلك الاحتمال۔ قال ح قوله ولو من زنا تعميم بالنظر الى كل ما قبله ای لا فرق فی اصله او فرعه او اخته ان يكون من الزنا او لا۔ آھ۔(شا می ج ۲ /ص ۳۸۱ بطبع قديم ج ۲ /ص۴۲۸، وكذا فی الطحطاوی ج ۲ /ص۱۳) وقال الشامی فی آخر هذا القول: ومقتضاه ثبوت البنتية فيما يبنى على الاحتياط فلا يجوز لولده ان يتزوجها لانها اخته احتياطا. (شامی ج ۲ /ص ۳۸۲)

منکوحۃ الاب سے نکاح وزنا بسوتیلی ماں

[۳۶۸] سوال: ایک شخص نے نکاح ثانی کیا اور پہلی عورت سے ایک جوان لڑکا ہے جس نے اپنی نئی سوتیلی ماں سے زنا کیا تو کیا اس سے اس کے باپ کا نکاح باقی رہا یا ٹوٹ گیا؟ پھر جب باپ کو اس بدفعلی کا علم ہوا تو اس نے عورت کو طلاق دے کر علیحدہ کر دیا اور اس کے لڑکے نے دوسری جگہ لے جا کر اس کے ساتھ نکاح کیا تو یہ نکاح جائز ہوا کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: لڑکے نے جب باپ کی منکوحہ سے زنا کیا تو مزنیہ کا نکاح زانی کے باپ سے فاسد ہو گیا اور چوں کہ وہ باپ کی منکوحہ رہ چکی ہے اس لیے بیٹے کے لیے اس کے ساتھ نکاح جائز نہیں ہے۔ومن زنى بامرأة حرمت عليه أمها وإن علت، وابنتها وإن سفلت وكذا تحرم المزنى بها على آباء الزانی وأجداده وإن علوا وأبنائه وإن سفلوا كذا فی فتح القدير (فتاوی عالمگیری ج ۱ /ص ۲۷۴، ومجمع الانهر ج ۱ /ص ۱۶۴) و لا تنكحوا ما نكح اٰبائكم۔ (سورة النساء) رجل قبل امرأة أبيه بشهوة أو قبل الاب امرأة ابنه بشهوة وهی مكرهة وانكر الزوج أن يكون

بشهوة فالقول قول الزوج وإن صدقه الزوج وقعت الفرقة.آھ.(عالمگیری ج ۱/ص ۱۷۶)

سنی کا رافضی سے نکاح

[۳۶۹] سوال: ایک سنی حنفی عورت کا نکاح ایک رافضی کے ساتھ ہوا ہے جس میں قاضی اور گواہ سب حنفی تھے، تو کیا یہ نکاح جائز ہے؟ اور قاضی اور گواہوں پر گناہ ہوگا کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: رافضیوں کے مختلف فرقے اور مختلف اعتقادات ہیں، اس واسطے ان کے کفر اور عدم کفر کے متعلق مشائخ نے اختلاف کیا ہے، مگر سب کا خلاصہ جو ابن عابدین نے حاشیۂ الدر المختار اور البحر الرائق اور ایک مستقل رسالہ (**تنبيه الولاة والحكام على شاتم خير الانام أو أحد أصحابه الكرام**) **رسالہ الخامسة عشر من مجموع رسائل ابن عابدین ۳۱۴**) میں بیان کیا ہے۔

وہ یہ ہے کہ اگر رافضی کے اعتقادیات حد کفر کو پہنچے ہوں جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خدا یا نبی کا درجہ دینا یا جبرئیل علیہ السلام کی وحی میں غلطی کی طرف نسبت کرنا، یا ایسے اعتقادیات رکھنا جو یقینی اور قطعی نصوص کے خلاف ہوں تو ایسا شخص کافر ہوگا اور کافر کے ساتھ مناکحت جائز نہیں، اور اگر اس کے اعتقادیات مندرجہ کفریات تک نہ پہنچے ہوں تو دیگر اجتہادی غلطیوں کی وجہ سے ہم کسی اہل قبلہ پر کفر کا حکم نہیں لگاتے ہیں، اس لیے ان کے ساتھ مناکحت جائز ہوگی، مسئولہ مسئلہ میں اگر رافضی قسم اوّل سے ہے تو حنفی عورت کا نکاح اس کے ساتھ یقیناً ناجائز ہے، اور اس حرام فعل میں قاضی وغیرہ کی معاونت اور شرکت بھی یقیناً موجب فسق وگناہ ہوگی جس سے توبہ کرنا لازم ہے۔ ﴿ولا تعاونوا على الاثم والعدوان﴾ (الآية) اور اگر قسم دوم کا رافضی ہے تو نکاح جائز ہوگا، اس

کے ساتھ میرے نزدیک یہ قید ضروری ہے کہ چونکہ عورت محکوم اور عموماً شوہروں کے خیالات کی تابع رہتی ہیں برخلاف مردوں کے کہ وہ عورتوں کے خیالات سے کم اثر پذیر ہوتے ہیں اس لیے رافضی عورت کا نکاح سنی سے تو جائز قرار دیا جائے بشرطیکہ عورت قسم اول روافض سے نہ ہو، اور سنی عورت کو قسم اول رافضی سے تو نکاح ہی جائز نہیں اور قسم دوم رافضی کے ساتھ نکاح کی اس وقت اجازت دی جائے جب یہ اندیشہ نہ ہو کہ سنی عورت رافضی کے فاسد اعتقادیات اور خیالات سے اثر پذیر ہو جائے گی۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ وعلمہ اتم۔

محمود حسن غفرلہ، خادم: جامعہ حسینیہ راندیر سورت۔

وبهذا يظهر ان الرافضی إن كان ممن يعتقد الألوهية فی علی أو ان جبرئيل غلط فی الوحي أو كان ينكر صحبة الصديق أو يقذف السيدة الصديقة رضی الله عنها فهو كافر لمخالفته القواطع المعلومة من الدين بالضرورة بخلا ف ما اذا كان يفضل عليا أو يسب الصحا بة فانه مبتدع لا كافر كما اوضحته فی كتابی (شامی ج۲/ص۳۹۸) و قال صاحب الدرالمختارعلی حاشية تلك الصفحة: و فی النهر: تجوز مناكحة المعتزلی لأنا لا نكفر أحداً من أهل القبلة وإن وقع الزاما فی المباحث. آه. (الدرالمختار مع الشامی ج۲/ص۳۹۸)

شوہر کی غیبت میں زنا سے لڑکی کا پیدا ہونا/ اس پر ولایت نکاح

[۳۷۰] سوال: ایک مسلمان نے ہندو عورت کو مسلمان کر کے نکاح کیا اور کچھ عرصہ گذرنے کے بعد چلا گیا، عورت نے دوسرے آدمی کے ساتھ رہنا اختیار کیا، اور اس کے ساتھ بیس برس تک رہی جس کے ساتھ وہ زنا کرتی تھی اس سے بچے بھی پیدا ہو گئے، اب ان میں ایک لڑکی قریب البلوغ ہو گئی ہے جس کو ایک مناسب جگہ پر نکاح کی بات آئی ہے اب سوال یہ ہے کہ یہ لڑکی کس کی اعتبار

کی جائے گی؟ اور نکاح کرانے کا حق اس کی ماں کو ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چونکہ شوہر اول کے ساتھ جائز اور صحیح نکاح موجود ہے اور ثانی مرد اور جماعت والے سب جانتے ہیں ثانی مرد سے وہ بطور دانستہ زنا کرتی ہے، تو اس صورت میں وہ بچے اس وقت تک پہلے شوہر کے متصور ہوں گے جب تک کہ شوہر اول سے نفی نسب ثابت نہ ہو، اب اس شوہر کی تلاش کر کے اس کی اجازت سے ان بچیوں کا نکاح کرائے، اور اگر وہ لا پتہ ہے یا تین دن کی مسافت پر دور ہے اور اس سے اجازت پانے کے لیے پیغام دینے والے انتظار نہیں کرتے ہیں اور اس سے بہتر جگہ اور موقع پھر دشوار ہو تو بچی کی ماں کو حق ہے کہ جہاں مناسب سمجھے اپنی بچی کو نکاح میں دے دیوے مگر بعد بلوغ اس بچی کو اختیار ہوگا کہ اپنے شوہر کے ساتھ نکاح قائم رکھے یا فسخ کر دے۔ فقط۔

ومنكوحة الغير و معتدته ومطلق الثلث بعد التزوج كالمحرم (اى كنكاح المحارم) (عالمگيرى ج ٢ /ص ١٤٨)

وسئل الرملى عن مثل هذه الواقعة فاجاب: يوجع (الزوج الثانى) بالضرب الشديد اشد ما يكون من التعزير سياسة، وعليه المهر، وعليها العدة، وهى باقية على عصمة زوجها الاول إذ النكاح الثانى باطل. (فتاوى خيريه ٩٠، والكاملية ٤٦) وإن لم يكن عصبة فالولاية للام. (الدرالمختار) وللولى الابعد التزويج بغيبة الاقرب مسافة القصر واختار الملتقى مالم ينتظر الكفو الخاطب جوابه- آه. (الدرالمختار مع الشامى ج ٢ /ص ٢٨٢، ٢٨٦- الولد للفراش- (الحديث) (البحر الرائق ج ٤ /ص ١٥٥)

زانی کا مزنیہ سے حمل کی حالت میں نکاح

[۳۷۱] سوال: ایک مسلمان نے ہندو عورت کو مکان میں ڈال کر رکھا ہے، اور بغیر مسلمان کئے اور بغیر نکاح اس کے ساتھ زنا کرتا ہے جس سے وہ حاملہ ہوگئی ہے، اب وہ اس کو مسلمان کر کے نکاح کرتا ہے تو بلا وضع حمل کے نکاح اور وطی درست ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مذکورہ مزنیہ سے بعد اسلام زانی نکاح کرسکتا ہے اور قبل وضع وطی بھی کرسکتا ہے کیوں کہ وہ زرع غیر کو پانی نہیں پلاتا ہے۔ وصح نكاح حبلى من الزنا وإن حرم وطيها حتى تضع. (ثم قال) (فروع) لو نكحها الزاني حل له وطيها اتفاقا والولد له و لزمه النفقة آه (الدرمختار مع الشامی ج ۲/ص ۴۰۱، وقهستانی ۲۷۵)

حاملہ من الزنا سے نکاح کا جائز ہونا

[۳۷۲] سوال: بہشتی زیور میں لکھا ہے کہ حبلیٰ من الزنا سے نکاح درست ہے مگر صحبت وضع حمل تک درست نہیں، ہمارے یہاں ایک نکاح ایسا ہوا جس پر ایک شخص نے سخت اعتراض کیا اور کہا کہ اس نکاح کے قاضی اور گواہوں کا نکاح ٹوٹ گیا، تو کیا واقعی ان کے نکاح ٹوٹ گئے اگر ایسا ہے تو اب وہ کیا کریں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ بہشتی زیور کا مندرجہ فیصلہ عین شرعی فیصلہ ہے، اور اس فیصلہ کے ماتحت جو نکاح ہوا وہ درست اور صحیح نکاح ہے، اور ایک شرعی کام میں معاونت کرنے والوں کو اجر و ثواب کا مستحق تو ٹھہرا سکتے ہیں؛ مگر ایسا مجرم تو نہیں ٹھہرا سکتے ہیں کہ بیچاروں کے نکاحیں بھی قائم نہ رہیں۔ نعوذ باللہ۔ شخص مذکورہ شرعی مجرم ہے اس کو اپنے قول سے توبہ کرنا چاہیے۔ (والدليل في الجواب الآتی)

موطوءۃ الاب سے نکاح اوراس نکاح سے مہر کا واجب ہونا

[۳۷۳] سوال: ایک شخص نے نکاح ثانی کیا، لیکن پہلی بیوی کے لڑکے سے تعلقات ناجائز پیدا ہوگئے جو عرصہ تک دونوں حرام کاری کرتے رہے، شوہر کو علم ہونے پر اس کو سخت رنج ہوا اور بیوی کو طلاق دے کر گھر سے نکال دیا اور وہ دوسرے گاؤں میں چلی گئی تو اس کا لڑکا بھی وہاں پہنچا اور دونوں نے نکاح کیا اور میاں بیوی کی طرح رہنے لگے، اب وہ علیحدہ کرنا چاہتا ہے تو کیا یہ نکاح جائز ہے یا نہیں؟ اور اس پر مہر کی ادائیگی لازم ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: باپ کی منکوحہ سے نکاح حرام اور باطل ہے، اور لڑکے کے وطی سے باپ پر بھی اس کی بیوی حرام ہوگئی، اور لڑکے کا نکاح اگرچہ باطل تھا مگر جب وطی کر چکا ہے تو مہر مثل دینا لازم ہوگا جو مسمّٰی سے کم یا مسمّٰی کے برابر ہو، اور اگر مسمی سے مہر مثل زائد ہو تو مسمی دینا لازم ہوگا۔

والزنا يوجب حرمة المصاهرة حتى لو زنا بامرأة حرمت عليه اصولها وفروعها، وحرمت المزنية على اصوله وفروعه۔ (مجمع الانهر ج١/ص١٦٤) ﴿ولا تنكحوا ما نكح آبائكم﴾ (الآية) ولا يجب شيء بلا وطی فی عقد فاسد كالنكاح للمحارم المؤبدة. آه. وان خلا بها وإن وطأ وجب مهر المثل لا يزيد على المسمى۔ (مجمع الانهر ج١/ص١٧٨)

اعتراض برعبارت بہشتی زیور کہ حبلیٰ من الزنا سے زانی کا نکاح جائز ہے اور غیر کا ناجائز ہے مع جواب

[۳۷۴] سوال: احسن المسائل میں لکھا ہے کہ زنا سے حاملہ کا نکاح زانی سے درست ہے مگر غیر زانی سے درست نہیں، تو اس سے بہشتی زیور کے قول کی تکذیب ہوتی ہے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛احسن المسائل میں ہرگز یہ قول نہ ہوگا کہ حبلی من الزنا سے غیر زانی کا نکاح درست نہیں، اگر ایسا ہوتو غلط ہوگا، ہاں مندرجہ قول ابی یوسفؒ کا ہے اگر وہ قول نقل کیا ہوتو ہوسکتا ہے مگر یہ مفتیٰ بہ قول نہیں، اور مفتیٰ بہ یہ قول ہے کہ حبلی من الزنا سے زانی اور غیر زانی دونوں کا نکاح درست ہے،صرف وضع حمل سے قبل صحبت جائز نہیں۔وصح نكاح حبلى من الزنا عند الطرفين وعليه الفتوى، خلافا لابى يوسف، ولا توطأ ولا تجب النفقة حتى تضع۔آھ.و فيه اشعار بانه لو نكح الزانى فانه جائز بالاجماع۔آھ.(مجمع الانهر ج ١/ص ١٦٥)

دعاء بوقت جماع

[٣٧٥] سوال: جماع کے وقت جو دعاء پڑھی جاتی ہے وہ بھی لکھئے؟

الجواب: دعاء یہ ہے۔ اَللّٰهُمَّ جَنِّبْنَا الشَّيْطَانَ وَ جَنِّبِ الشَّيْطَانَ مَا رَزَقْتَنَا۔ (مسلم ج ١/ص ٤٦٣)

کافرہ سے زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا کافر کہلائیگا

[٣٧٦] سوال: ایک شخص نے ہندو عورت کو رکھا اس سے ایک بچہ ہوا اور مسلمان ہونے سے وہ عورت انکاری ہے، تو کیا یہ نکاح ہوا کہ نہیں؟ اور بچہ مسلمان ہے کہ نہیں؟ اور وہ کس کا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛مشرکہ کافرہ کے ساتھ مسلمان کا نکاح درست نہیں ہے۔﴿ولا تنكحوا المشركات حتى يؤمن﴾ (الآية) اور یہاں تو برائے نام بھی نکاح نہیں؛ بلکہ محض زنا کیا ہے، اور زنا کا بچہ ماں کا بچہ تصور ہوتا ہے نہ کہ زانی کا "الولد للفراش و للعاهر الحجر" (الحديث) اس واسطے بچہ اسلام اور کفر میں اپنی ماں کا تابع رہے گا، میرے نزدیک یہی قول حق

ہے اگرچہ شامی کا رجحان مسلم کی طرف ہے۔ (شامی ج ۲/ص ۴۴۲)

جواز عزل

[۳۷۷] سوال: احسن المسائل میں لکھا ہے کہ لونڈی سے صحبت کرنے میں اس کی مرضی کے بغیر بھی عزل کرسکتا ہے مگر منکوحہ سے بلا مرضی عزل درست نہیں، اور مشارق الانوار سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ﷺ نے لونڈی سے عزل کرنے کو منع کیا ہے تو اس میں تطبیق کیسی ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ لونڈی سے عزل کی ممانعت کہیں بھی نہیں آئی؛ البتہ ایک شخص حضرت ﷺ کے پاس آیا اور عرض کیا کہ میری ایک لونڈی ہے جس کے ساتھ میں صحبت کرنا چاہتا ہوں مگر اس کے ساتھ یہ بھی چاہتا ہوں کہ وہ حاملہ نہ ہو تو کیا میں اس کے ساتھ صحبت کرنے کے وقت اگر عزل کروں تو کوئی حرج تو نہ ہوگا؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اگر اس کی تقدیر میں حاملہ ہونا لکھا ہے تو تم عزل کرو یا نہیں وہ حاملہ ہو کر رہے گی، اور اگر اس کی تقدیر میں حاملہ ہونا نہیں ہے تو بغیر عزل کے بھی حاملہ نہ ہوگی، کیوں کہ ہر ایک پانی سے بچہ کی موجودگی ضروری نہیں ہے، چنانچہ بعد چند یوم باوجود عزل کرنے کے بھی وہ شخص حاضر ہوا اور عرض کیا کہ صاحب واقعی میرے عزل کرنے پر بھی لونڈی حاملہ ہو ہی گئی، تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تو پہلے ہی سے کہا تھا کہ وہ اپنے مقدر کو لائے گی اس لیے اس خیال کے لیے عزل ایک لغو چیز ہے۔

اس حدیث سے جہاں اس شخص کے خیال کی تردید کی بنا پر عزل سے ممانعت فرمائی، اس کے ضمن میں عزل کا جواز بھی ثابت ہوا کیوں کہ آپ ﷺ نے اس کے جواب میں یہ ارشاد نہ فرمایا کہ عزل مت کرو؛ بلکہ یہ فرمایا کہ عزل کرو یا نہیں بہر حال لونڈی اپنے مقدر کو لائے گی، اس سے صاف ظاہر ہوا کہ آپ ﷺ نے نفس عزل سے منع نہ فرمایا بلکہ اس کے خیال کی تردید فرمائی کہ ہر

ایک پانی سے علوق ضروری نہیں، اور عزل کے لیے حمل کا عدم لازم نہیں، اور جب کہ نفس عزل جائز ہوا تو لونڈی میں تو بہر حال جائز ہوا کیوں کہ وہ اپنے آقا پر اس کے بارے میں کوئی حق نہیں رکھتی ہے اور منکوحہ عورت چوں کہ اس امر میں شوہر پر حق رکھتی ہے، اس لیے اگر وہ اپنی حق تلفی چاہے تو عزل کر سکتا ہے ورنہ نہیں۔ ویعزل عن أمته بلا إذنها، لا عن زوجته إلا بإذن. آه. (مجمع الانہر ج ۲ /ص ٤ ٦١)

شادی میں مہر سے زائد دیئے جانے والے کپڑے کی مالک عرفاً عورت سمجھی جائے گی۔

[۳۷۸] سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس مسئلہ میں کہ زید نے اپنی منکوحہ کو طلاق دی، اور زید کی بی بی مطلقہ نے مہر اور ایام عدت کا نان ونفقہ کا شوہر سے مطالبہ کیا تو شوہر کی جانب سے ان کپڑوں کی واپسی کا مطالبہ کیا گیا جو شادی کے موقع پر بنوائے گئے تھے، اور یہ کہا گیا کے جب تک وہ کپڑے واپس نہ دے گی اس وقت تک مہر ونفقۂ عدت نہیں دیا جا سکتا ہے۔

حالانکہ یہ کپڑے یہاں کے رواج کے مطابق نکاح میں مہر کی طرح ضرور دیئے جاتے ہیں اور کوئی نکاح بغیر مہر اور ان کپڑوں یا ان کی قیمت کے تقرر کے نہیں ہوتا ہے، اور عورت جب گزر جاتی ہے تو اس کے دیگر ترکہ کے مانند یہ کپڑے بھی شرعی وارث پر شرعی طریقہ پر تقسیم کرتے ہیں، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ یہ کپڑے زید کی ملکیت تصور کئے جائیں یا اس کی مطلقہ بیوی کے، اور کیا زید پر ایام عدت میں نان ونفقہ واجب ہے کہ نہیں؟ اور کیا مطلقہ اگر مذکورہ کپڑے واپس نہ کرے تو زید کو حق پہنچتا ہے کہ مطلقہ بیوی کے مہر اور نفقۂ عدت روک لے کہ نہیں؟ اس کے متعلق جو شرعی فیصلہ ہو برائے آگاہی تحریر فرمائیے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛چوں کہ مذکورہ کپڑے یااس کی قیمت رواج کے مطابق نکاح میں مہر کی طرح شرط کر کے دیئے جاتے ہے،اورعورت کے گذر جانے پر وہ کپڑے مثل دیگر ترکہ کے ورثہ آپس میں شرعی طور سے تقسیم کرتے ہے،لہٰذاوہ کپڑے مہر کی طرح عورت کا حق اور ملکیت ہے،اور جب کہ زید نے عورت کوطلاق دی تو عورت ان کپڑوں اور مہر کے مطالبہ کے ساتھ ایام عدت کے نان ونفقہ کے مطالبہ کی بھی حقدار ہوگی،اورشوہر کی جانب سے کپڑوں کا مطالبہ کرنا اور بصورت عدم حوالگی مہر اور نفقۂ عدت روکنا صریح ظلم ہے اورعورت کے حق کوعورت ہی کے حق کے عوض روکنا ظلم وتعدی ہے اور﴿ولا تعتدوا ان الله لا يحب المعتدين﴾ (الآية) سے خلاف ورزی ہے اورشوہر پر موجودہ حادثہ میں مذکورہ کپڑوں اورمہر کے ساتھ نفقۂ عدت دینا لازم ہے۔ونظير ما فی الخانية ما هو معروف بين الناس فی زماننا من ان البكر لها اشياء زائدة على المهر، منها:ما يدفع قبل الدخول كدارهم للنقش وحمام وثوب يسمى لفافة الكتاب و اثواب اخر يرسلها الزوج ليدفعها اهل الزوجة الى القابلة و بلانة الحمام و نحوها.

و منها ما يدفع بعد الدخول كالازار والخف والمكعب واثواب الحمام، و هذه مالوفة معروفة بمنزلة المشروط عرفاً حتى لو اراد الزوج أن لا يدفع ذلك يشترط نفيه وقت العقد أو يسمى فی مقابلته دراهم معلومة يضمها الى المهر المسمى فی العقد، و قد سئل عنها فی الخيرية؟ فاجاب: بما حاصله ان المقرر فی الكتب من ان المعروف كالمشروط يوجب الحاق ما ذكرنا بالمشروط. (شامی ج۲ /ص۴۸۰، وكذا فی الفتاوی الخيرية المطبوعة فی آستانه ج۱ /ص۳۰ والتفصيل فی الشامی ج۱ /ص۴۹۵)وتجب النفقة

والسکنی والکسوۃ لمعتدۃ الطلاق ولورجعیا أو بائنا.آھ.(مجمع الانھر ج ۱ /ص ۲٤۰، والشامی ج ۲ /ص ۹۲۱) والمسئلۃ مشھورۃ فی کتب الفقہ۔

منگنی ٹوٹنے پر دی ہوئی چیزوں کا واپس لینا

[۳۷۹] سوال: ایک شخص نے اپنی لڑکی کی منگنی کرائی اور داماد سے دو ہزار کا زیور وغیرہ وصول کیا، اب لڑکی بیس بائیس سال کی ہوگئی مگر باپ نکاح نہیں کراتا ہے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟ اور داماد کو اپنی رقم کی واپسی کا حق ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ منگنی چوں کہ محض ایک وعدۂ نکاح ہوتا ہے نہ کہ نکاح، اس لیے لڑکی بالغہ پر اب باپ نکاح کا جبر نہیں کرسکتا ہے، ہاں اگر وہ راضی ہے اور باپ مانع ہے تو وہ گنہگار ہوگا، رہا رقم اور نقد کا معاملہ تو وہ داماد کا حق ہے اور جب کہ لڑکی نکاح سے منکر ہو یا باپ مانع ہو تو داماد کو حق ہے کہ اپنی رقم خسر سے طلب کرکے وصول کرے۔ خطب بنت رجل وبعث الیھا اشیاء ولم یزوجھا ابوھا، (ومثلہ ماذا ابت وھی کبیرۃ)فما بعث للمھر یسترد عینہ قائمۃ أو قیمتہ ھالکاً. (الدرالمختار مع الشامی ج ۲ /ص ۵۰۱)

باپ کے گھر سے لائی اشیاء کی مالک عورت ہے

[۳۸۰] سوال: باپ جو جہیز لڑکی کو دیتا ہے وہ کس کی ملکیت تصور کی جائے گی؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جہیز جو بطور تملیک لڑکی کو دیا جاتا ہے، وہ لڑکی کی ملکیت ہے اس میں نہ باپ کو واپسی کا حق ہے اور نہ شوہر یا اس کے ورثہ کو اس میں کوئی حق ہے۔جھز ابنتہ ثم مات فطلب بقیۃ الورثۃ القسمۃ فان کان الاب اشتری لھا فی صغرھا او فی کبرھا وسلم الیھا فی صحتہ فھو لھا خاصۃ. (شامی ج ۲ /ص ۵۰٤)

منکوحہ سے قبل بلوغ جماع کرنا

[۳۸۱] سوال: ایک لڑکی کی شادی چھوٹی عمر میں ہوئی، اور فی الحال اس کی عمر انیس برس کی ہے، اور اب تک بلوغت کی کچھ علامت ظاہر نہیں ہوئی ہے، تو کیا اس کے ساتھ اس کا شوہر ہمبستر ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اور وہ لڑکی کب بالغہ شمار کی جائے گی؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ لڑکی کا بلوغ حیض، احتلام، حمل سے ظاہر ہوجاتا ہے، اور اگر ان نشانیوں میں سے کوئی نشانی ظاہر نہ ہو تو پندرہ سال پورے ہونے پر بلوغ کا حکم لگایا جاتا ہے، صورت مسئلہ میں یہ لڑکی بہر حال شرعی احکام کے اعتبار سے بالغ ہوگئی ہے، رہا یہ کہ شوہر ہمبستر ہوسکتا ہے کہ نہیں تو یہ زوجین کی صلاحیت اور استعداد پر موقوف ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

و بلوغ الجارية: بالحيض والاحتلام والحمل، فإن لم يوجد شيء من ذلك فاذا تم له ثماني عشرة سنة عندهما إذا تم خمس عشرة سنة فيهما وهو رواية عن الامام وبه يفتي؛ لأن علامة البلوغ لا تتأخر عن هذه المدة غالباً. (ملخص من مجمع الانهر ج ۲/ ص۵۶۸) وغير ذلك من الكتب الحنفية.

ولیمہ کھانا

[۳۸۲] سوال: ایک شخص اپنی لڑکی کی شادی کے بعد خوشی سے کھلاتا ہے تو یہ کھانا کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ غیر شرعی امور کی آمیزش کے بغیر اپنی حلال کمائی سے برضا ورغبت کھانا کھلانے کے جواز میں کیا شک ہے؟

سوال: ایک شخص اپنے لڑکے کی شادی کے بعد خوشی سے کھلاتا ہے تو وہ کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ بلا آمیزش امور غیر شرعیہ نفس کھانا کھلانا جائز بلکہ امر مستحسن ہے۔

نشہ کی حالت میں صحبت کرنا

[۳۸۳] سوال: انسان دن میں شراب پی کر اپنی عورت سے ہم بستر ہوا اور اس سے اولاد پیدا ہوئی تو اس میں کچھ خرابی ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ شراب کے نشہ کی حالت میں تو عورت سے صحبت کرنے کی ممانعت کہیں بھی وارد نہیں ہوئی ہے، مگر صحبت کرنے کے آداب اور مستحبات میں یہ وارد ہیں جو مندرجہ ذیل ہیں:

کہ صحبت سے پہلے بسم اللہ اور کچھ دعائیں پڑھنا مستحب ہے، جس سے صحبت کے وقت شیاطین سے نجات ملتی ہے، اور اگر اس صحبت سے اولاد ہوگی تو اس کی اصلاح اور نیکی کی توقع کی جاتی ہے، اور چوں کہ نشہ کی حالت میں شرابی یقیناً یہ مستحبات بجا نہ لا سکے گا، اس لیے نشہ کی حالت میں صحبت مکروہ اور خلاف اولیٰ ہوگی۔ای للمجامعة سنن و آداب (الی ان قال) و منها: ان یتعوذ باللّٰه من الشیطان، فیقول: اللّٰهم جنبنا الشیطان و جنب الشیطان ما رزقتنا، فان قدر لهما ولد لم یضره الشیطان.آھ.(شرح شرعة الاسلام ۴۴۳) پر اس کی مفصل بحث موجود ہے۔

عورت کو ارتکاب معاصی پر تعزیر کرنا

[۳۸۴] سوال: زید کی بیوی زنا کرتی ہے تو اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر زید کی لاعلمی میں زنا کرتی ہے تو بفحوائے ﴿لا تزر وازرة وزر اخری﴾ (الآیة) زید مورد الزام نہیں ہے، اور اگر زید اس معصیت پر واقف ہو کر پھر بھی مناسب تہدید اور تعزیر نہیں دیتا ہے تو ایک امر منکر کے ازالہ پر قادر ہو کر اس کو زائل کر نیکی کوشش نہ کرنے سے گنہگار ہوگا، اور مناسب تعزیر دینے پر بھی وہ باز نہیں آتی ہو یا حقوق زوجیت میں خلل

واقع ہوتا ہوتو بہتر ہے کہ اس کوطلاق دیدیوے۔﴿الرجال قوامون على النساء﴾ (الآية) "من رأى منكم منكرا فليغيره بيده" آه. (الحديث) "كلكم راع وكلكم مسئول عن رعيته" الخ. (الحديث) و يعزر المولى عبده والزوج زوجته على تركها الزينة وغسل الجنابة وعلى الخروج من المنزل لو بغير حق. (الدرالمختار والشامى ج٣/ص٢٦٠) ولا يجب على الزوج تطليق الفاجرة إلا إذا خافا ان لا يقيما حدود الله، فلا بأس به أن يتفرقا. (الدرالمختار والشامى ٤٣٢ الحظر والاباحة)

متعدد عورتوں میں مرد کے ساتھ کونسی جنت میں جائے گی؟

[٣٨٥] سوال: ایک آدمی کی ایک عورت بچپن میں گذر گئی اب دوسری شادی کی ہے تو جنت میں اس کے ساتھ کونسی عورت رہے گی؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ پہلی عورت اور ہر وہ عورت اس کے ساتھ جنت میں رہ سکتی ہے جو اس کے نکاح میں رہ کر گزر گئی ہو یا گذرے گی، حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو بخشنا مگر طلاق پانے سے اس لیے گریز کرنا کہ حضرت کے نکاح میں رہ کر گذر جانے کی حالت میں قیامت کے روز حضرت کے ساتھ رہنا نصیب ہو، اس مسئلہ کی تائید کے لیے کافی ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔(فتاوی دارالعلوم ص۹۳ قدیم)

عورت کا شوہر کی نافرمانی کرنا

[٣٨٦] سوال: بیوی سے کچھ جھگڑا ہوا، اس کے بعد مرد کو جماع کرنے کی خواہش ہوئی مگر بیوی نے ضد کر کے جماع نہ کرنے دیا تو ایسی عورت کے لیے شرعا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ بغیر کسی مانع شرعی کے عورت کا اپنے شوہر کے جائز مطالبات میں اطاعت نہ کرنا اور ہمبستری سے انکار کرنا بدترین جرم اور گناہ ہے، احادیث نبویہ میں ایسی نافرمان عورتوں کی وعید میں کثرت سے اقوال وآثار موجود ہیں اور مرد کو مناسب تعزیر کا حق دیا گیا ہے۔

وله ضربها بترك الزينة إذا كان يريدها، وترك الاجابة وهى طاهرة والصلوٰة وشروطها. كذا فى فتح القدير. (عالمگيرى ج ٣ / ص ٣٤١)

وحق الزوج على الزوجة اكثر من هذا وتطيعه على كل مباح يأمرها به. (عالمگيرى ج ٣ / ص ٣٧٣)

وان لا تمنع نفسها إذا طالبها منها بالطاعة يعنى إذا طالب منها الاطاعة للقبلة او الوطى أو غيرهما من الحقوق الشرعية يجب عليها ان تطيعه. آه. (شرع شرعة الاسلام ٤٦١)

چار ماہ سے زیادہ عورت سے جدائی ظلم ہے

[٣٨٧] سوال: زید کہتا ہے کہ چھ مہینہ کے لیے اکیلا بغیر اہل وعیال آدمی سفر کو جا سکتا ہے اور بکر کہتا ہے کہ نہیں جا سکتا ہے ان میں صادق کون ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ بلا اہل وعیال چھ مہینہ کے سفر کی ممانعت تو کہیں نہیں آئی ہے؛ البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا اپنی بیٹی حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے یہ دریافت کرنا کہ عورت کس قدر عرصہ تک بلا شوہر صبر کر سکتی ہے، اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کا یہ جواب کہ چار مہینہ تک اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حکام کو یہ فرمان جاری کرنا کہ کوئی بیوی والا شخص چار ماہ سے زائد تک گھر سے باہر نہ ٹھہرایا جائے، اور نیز خداوند کریم نے بھی چار ماہ کی علیحدگی کو عورت پر ظلم ظاہر کرنے کے لیے ایلاء کی میعاد

کو چار ہی مہینے مقرر کیے ہیں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بلا شدید ضرورت چار ماہ سے زائد عورت سے علیحدہ رہنا عورت پر ظلم ہے جس سے اجتناب لازم ہے، اب اگر سفر بلا ضرورت ہو تو وہ بھی اس ظلم میں داخل ہو کر موجب گناہ ہوگا اور اگر سفر ایسا ہو کہ اس پر روانہ ہونا اس کے لیے ضروری ہو تو ضرورت کی وجہ سے چاہے زائد عرصہ گزر جائے قابل مواخذہ نہ ہوگا مگر تاہم احتیاط اس میں ہے کہ ایسے طویل سفر کے لیے باوجود ضرورت کے بھی اہل وعیال کی رضامندی اور اجازت حاصل کر کے جانا چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ویجب دیا نة احیانا ولا یبلغ مدة الایلاء إلا برضاها. (الدرالمختار)

قال العلامة الشامی: ویؤید ذلك أن عمر لما سمع فی اللیل امرأة تقول:

فلو لا اللّٰه تخشی عواقبه

لزحزح من هذا السر یر جوا نبه.

فسئل عنها فا ذا زوجها فی ا لجهاد. فسأل بنته حفصة کم تصبر المرأ ة عن الرجل؟ فقالت: اربعة اشهر. فامر امراء الاخباد ان لا یتخلف المتزوج عن اهله اکثر منها، ولو لم یکن فی هذه المدة زیادة مضارة بها لما شرع الله تعالیٰ، الفراق بالایلاء فیها. آھ. (شامی ج ۲/ ص ۵۴۸)

استفسار از پردۂ شرعی

[۳۸۸] سوال: شریعت میں پردے کا کیا حکم ہے؟ کیا عورت کو رات دن کسی وقت گھر سے باہر نہ نکلنا چاہیے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: شرعی پردہ سے یہ مطلب ہے کہ عورت بے حجاب کسی نامحرم کے سامنے نہ

جائے باقی حجاب اور نقاب کے ساتھ شرعی ضروریات کی ادائیگی کے لیے بہرحال باہر جانے کی اجازت ہے۔

خلاصہ یہ کہ جہاں خوف فتنہ نہ ہو وہاں آمدورفت کی ممانعت نہیں، اسی طرح وہ سفر بھی ذی رحم محرم کے ساتھ منع نہیں جس کی شرعاً ضرورت درپیش ہو مثلاً حج وغیرہ۔ ولا یمنعها من الخروج إلى الوالدين فى كل جمعة. (الدرالمختار مع الشامی ج ۲ /ص ۹۱٤) وتمنع المرأة الشابة من كشف الوجه بين الرجال لا لأنه عورة بل لخوف الفتنة. آھ. (الدرالمختار والشامی ج ۱ /ص ٤۲۲ شروط الصلوٰة)

بھاگی ہوئی عورت کو حرام کرنے کی ترکیب پوچھنا

[۳۸۹] سوال: میرے والد نے میری منگنی کے وقت میرے سسرال سے ایک سو ساڑھے ستائیس روپے مہر کے مقرر کئے ہیں؛ مگر نکاح کے وقت وہ لوگ ساڑھے پانچ سو روپے مہر پر مجھے مجبور کیا جو مجبوراً مجھے قبول کرنا پڑا، عورت کم عقل تھی، شادی کے بعد چھ سال تک میرے پاس رہی اس کے بعد چچا اور بھائی کے پاس چلی گئی، اور وہاں سے ایک نامحرم شخص کے پاس رہنے لگی جس کو وہ ماموں کہتی ہے یہ رہنا نہ مجھے پسند ہے اور نہ اس کے چچا اور بھائی کو، مگر وہ کسی کی بات نہیں مانتی، اب اس عورت سے ایک لڑکی ہے مگر اس کی کم عقلی اور ہماری مرضی پر نہ چلنے کی وجہ سے میں چاہتا ہوں کہ اس کو الگ کروں اور دوسری شادی کروں، مگر اس صورت میں وہ ساڑھے پانچ سو روپے مہر طلب کرے گی جو اس وقت میری استطاعت میں نہیں ہے، اور اگر یوں ہی چھوڑ دوں اور دوسری شادی کروں تو لوگ کہیں گے کہ ایک عورت بٹھلا رکھی ہے اور دوسری شادی کرتا ہے، اس مصیبت کے حل کے لیے میں نے یہ سوچا ہے کہ اس عورت کو ساڑھے ستائیس روپے اور ایک سو

والے مہر پر طلاق معلق کر کے دوسری شادی کروں، اگر اس سے بھی آپ کو کوئی شرعاً بہتر صورت میرے لیے معلوم ہو تو ازراہ عنایت بھیجد یئے (یہ اختصار ہے چار ورقی سوال کا)

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چوں کہ بوقت نکاح ساڑھے پانچ سو روپئے کا مہر طوعاً وکرھاً آپ نے قبول کیا ہے اور وطی بھی کر چکے ہو جس کے ثبوت کے لیے آپ کی لڑکی موجود ہے، اب تو طلاق دو یا نہیں ساڑھے پانچ سو روپئے عورت کے آپ کے ذمہ واجب ہو ہی گئے، باقی دوسری شادی کریں یا نہیں یہ ایک الگ مسئلہ ہے، آپ کے لیے دنیاوی بدنامی اور اخروی گناہ یہ کیا کم ہے کہ آپ کی بیوی ایک نامحرم کے پاس رہتی ہے اور آپ عملی حیثیت سے کوئی حرکت نہیں کرتے ہیں، نہ طلاق دیتے ہو اور نہ عدالت سے چارہ جوئی کرتے ہو، اور مہر کے مطالبہ کے خوف سے اس بے حیائی کو تسلیم کرتے ہوئے اس پر اور بے حیائی کی تعلیم ہم سے طلب کرتے ہو، تو ہم اس قدر واضح اور صریح فیصلہ کے ہوتے ہوئے اس کے سوا کچھ نہیں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اور آپ کی اہلیہ کو ہدایت اور عقل نصیب کرے۔ كما ان له أن يضربها على ترك الزينة إذا ارادها، والاجابة إلى فراشه إذا دعاها، والخروج بغير إذنه، وإن لم تنتنه عن تركها بالضرب يطلقها ولو لم يكن قادراً على مهرها. آه. (كبيرى) (وهذه المسئلة خاتمة مسائلها) والله يهدى لمن يشاء إلى صراط مستقيم۔

باپ کا بیٹی کو شوہر کے پاس جانے سے روکنا

[۳۹۰] **سوال:** زینب نامی عورت کی شادی ہوئی مدت تک میاں بیوی راضی خوشی سے رہے، اب زینب کے والد نے اپنی بیٹی کو گھر پر بلا کر روک لیا اور پیسوں کی لالچ سے اس کے شوہر کے پاس نہیں جانے دیتا ہے، زینب شوہر کے پاس جانے پر راضی ہے مگر والد کے ضد کو مجبوراً مانتی ہے، تو ازروئے

شرع شریف ایسے شخص کے لیے شریعت میں کیا حکم ہے جو دوسرے کی منکوحہ بیوی کو روک لے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ زینب کے والد نے اگر بلا کسی شرعی وجہ کے زینب کو اس کے شوہر سے روک دیا ہے تو خداوند تعالیٰ کے حکم ﴿ولا تعتدوا﴾ کی خلاف ورزی کرنے کے باعث گنہگار ہے۔

علامہ خیر الدین الرملی نے اپنے فتاوی خیریہ میں خلاصہ سے نقل کرتے ہوئے ایسے شخص کے لیے سخت تعزیر کا حکم لکھا ہے اور فرمایا ہے کہ ایسے ظالم شخص کے لیے عمر بھر قید کی سزا دی جائے۔

سئل فی رجل خدع امرأۃ زاعما انه قریبها وفرق بینها وبین زوجها فهل یجبر علی ردها ام لا؟

اجاب: یجبر علی ردها لبعلها. آه. (قال فی الخلاصة): من خدع امرأۃ غیره حتی فرق بینها وبین زوجها یحبس حتی یموت. آه. (فتاوی خیریه ج۲/ص۱۴۸ غصب، فتاوی الکاملیه ۲۱۱ غصب) الاشباه والنظائر قبیل کتاب الطلاق ۹۲.

عورت کے خلاف شرع چلنے پر مرد کا عتاب کرنا

[۳۹۱] سوال: ایک شخص شریعت کے مطابق چلتا ہے مگر اس کی عورت نماز پڑھتی نہیں، اور بے پردہ رہتی ہے اور حال یہ ہے کہ وہ شخص کہتا ہے کہ میں شریعت کے مطابق چل رہا ہوں تو کیا وہ شخص باوجود اس کے شریعت پر چلتا ہے یا محض دعویٰ ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: مردوں پر اپنی عورتوں کو حدود شرعیہ پر پابندی کے لیے تعلیم وتلقین اور بعض مناسب حالات کے ماتحت تعزیر بھی کر سکتے ہیں، جس طرح کہ آیت کریمہ ﴿الرجال قوامون علی النساء﴾ سے اشارۃً نکلتا ہے، اور حدیث مشہور "کلکم راع وکلکم مسئول عن

رعیتــــہ“ بھی اس مضمون کی طرف اشارہ کرتی ہے، اور کتب فقہ میں باب التعزیر کے تحت شامی وغیرہ میں تصریح موجود ہے کہ عورت کو حدود شرعیہ کی پابندی پر شوہر مناسب تعزیر دے سکتا ہے؛ تاہم باوجود اس تعلیم و تلقین اور مناسب تنبیہ کے اگر عورت حدود شرعیہ کی خلاف ورزی کرے گی تو بفحوائے ﴿ولا تزر وازرۃ وزر اخری﴾ (الآیۃ) اس کا شوہر شریعت کی خلاف ورزی کا نہ مرتکب ہے اور نہ مورد الزام۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

صغیرہ کا باپ کے ترکہ سے مہر مقبوض لینا

[۳۹۲] سوال: ایک شخص نے اپنی صغیرہ منکوحہ کو چودہ سو روپیہ نقد اور دو سو روپے کا فیس، مجموعہ سولہ سو روپے کی مالیت بخشش کی، بخشش کے وقت چوں کہ صغیرہ اپنے باپ کی تولیت میں تھی، اس لیے مذکورہ رقم شخص مذکور نے گواہوں کے روبرو منکوحہ کے باپ کو سپرد کی، اور مزید تاکید کے لیے قاضی کے دفتر میں بھی درج کیا، لڑکی کا والد وہ رقم اپنے مصرف میں خرچ کر کے کھا گیا اور لڑکی کی صغرسنی میں ہی مرگیا، اب لڑکی بالغہ ہوگئی، اور باپ کے ترکہ میں سے دعوی کرتی ہے تو کیا از روے شرع شریف اس لڑکی کو حق ہے کہ اپنے والد کے ترکہ میں سے قبل تقسیم میراث شوہر کی موہوبہ رقم وصول کرلے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چوں کہ لڑکی کے باپ نے بتولیت صحیح لڑکی کے ہبہ اور بخشش پر قبضہ کیا، تو وہ رقم لڑکی کی ملکیت ہوگی جو باپ کے پاس بطور امانت تھی، اور اس میں باپ کو کسی قسم کا تصرف جائز نہ تھا، اور جب اس نے ناجائز تصرّف کر کے مذکورہ رقم کو اپنی ضروریات میں صرف کیا تو وہ رقم امانت سے نکل کر دین ہوگئی۔

اور دین کا حکم یہ ہے کہ بعد موت قبل تقسیم میراث دائن وصول کرتا ہے، لہٰذا مرحوم کے

دیگر ورثاء اگر مذکورہ واقعہ کے متعلق اقرار کرتے ہوں تو یقیناً وہ لڑکی ترکہ میں سے اپنا دین وصول کرے گی، اور اگر وہ انکاری ہوں تو لڑکی کو عدالت میں مندرجہ سوال ثبوت پیش کر کے اپنا دین وصول کرنا چاہیے۔وهبة الاجنبی للطفل تتم بقبض الطفل لو كان عاقلا، وبقبض ابيه او جده اووصی احدهما.آه.(مجمع الانهر ج ٢ /ص ٥٢٦) وفی الاصل: اذا اقسمت الورثة الدار بينهم وشهدوا عليه ثم ادعت امرأة الميت مهرها اودينا آخر او غير المرأة ادعى دينا وأقام البينة يقبل ويثبت ولا يكون قسمتها ابطالا للدين.آه.(خلاصه الفتاوی ج ٤ /ص ٢١١)

مسئلہ مہر وعدت برائے مطلقہ غیر مدخول بہا ومسئلہ خلوت صحیحہ

[٣٩٣] سوال: ایک لڑکی کا نکاح صغرسنی میں بعمر تین سال ہوا ہے، اب میاں بیوی دونوں بالغ ہیں مگر بلوغ سے قبل اور بعد میں نہ وطی متحقق ہوئی ہے اور نہ خلوت صحیحہ ہوئی ہے، اور شوہر نے طلاق دیدی تو اس عورت کی عدت اور مہر کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مسئولہ مسئلہ میں جب کہ نہ وطی ہوئی ہے اور نہ خلوت صحیحہ ہوئی ہے تو مقررہ مہر کا نصف یعنی آدھا مہر لازم ہوگا، رہا عدت کا مسئلہ تو چوں کہ عدت ہر قسم کی خلوت پر لازم ہوتی ہے خواہ خلوت صحیحہ ہو یا نہیں۔

لہٰذا اگر میاں بیوی جب سے قابل جماع ہو گئے ہیں اس وقت سے طلاق تک اس عرصہ میں اگر تخلیہ میں آپس میں ملے ہوں تو عدت گزارنی پڑے گی، اور اگر اس عرصہ میں نہ خلوت صحیحہ اور نہ فاسدہ کوئی خلوت ہی نہیں ہوئی ہے تو عدت لازم نہیں۔ولا عدة فی الطلاق قبل الدخول لقوله تعالى﴿ فمالكم عليهن من عدة تعتدونها﴾ (الآية) (مجمع الانهر

ج ۱ /ص ۲۲۹) کذا فی الشامی ج ۲ /ص ۸۲٤.

ولزم نصف المسمٰی بالطلاق قبل الدخول وقبل الخلوة الصحیحة لقوله تعالٰی ﴿وان طلقتموهن من قبل ان تمسوهن﴾(الآیه) (مجمع الانهر ج ۱ /ص ۱۷۳) والعدة تجب بالخلوة ولو مع المانع احتیاطا۔ الا وجه علٰی هذا ان یخص الصغیر بغیر القادر. وفی البحر:والمذهب وجوب العدة مطلقا. (ملخص مجمع الانهر ج ۱ /ص ۱۷٦) ثلاثة اشهر ان وطئت فی الکل ولو حکما کالخلوة ولو فاسدا کما مر، ولو رضیعا تجب العدة لا المهر وقید الشامی قبل الدخول والتفصیل فی الشامی ج ۲ /ص ۸۲۹ عدة)

بعد نکاح عورت کا اجازتِ نکاح سے انکار کرنا

[۳۹۴] سوال: ایک عورت نے باپ اور دیگر رشتہ داروں کی موجودگی میں دو گواہوں کے سامنے زید کے ساتھ نکاح کرنے کی اجازت وکیل کو دیدی اور حسب دستور موجودہ مقامی شرفاء کے سامنے زید کا نکاح ہوگیا، اور عورت اور اس کا باپ بھی زید ہی کے گھر رہنے لگے، عورت شوہر کے زیورات و دیگر عروسی کپڑے پہن چکی اور مرد کے ساتھ ایک شب اور ایک دن رہی اور دوسرے دن شام کو حسب دستور میکے چلی گئی یا لے جائی گئی، کچھ دن کے بعد مرد نے بُلانا چاہا تو چند بدمعاش درمیان میں مانع ہوئے اور عورت کو زید کے گھر جانے نہیں دیا یہاں تک کہ جب زید تنگ آیا تو اس نے چند معززین کو تصفیہ کے لیے بھیجا تو انہوں نے جواب دیا کہ عورت کا نکاح نہیں ہوا ہے؛ کیونکہ نکاح اس کی اجازت کے بغیر ہوگیا ہے، حالانکہ اجازت کے گواہ موجود ہیں اور خود عورت برضا ورغبت شادی کے زیورات اور کپڑے پہن کر مرد کے گھر ایک رات اور ایک دن رہی، تو کیا اس صورت

میں وہ عورت زید کی بیوی ہے کہ نہیں؟ اور منع کرنے والوں کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: جب کہ باپ اور دیگر رشتہ داروں اور دو شرعی گواہوں کی موجودگی میں عورت نے زید کے ساتھ وکیل کو نکاح کی اجازت دی ہے، اور گواہ اب بھی موجود ہیں تو اس نکاح کی صحت میں کیا شک ہے؟ خصوصاً جب کہ عورت صراحۃ ودلالۃ رضا مندی کا اظہار کر کے شوہر کے زیورات اور کپڑے پہن چکی اور رات کو ہمبستری کے لیے شوہر کے گھر گئی، اور اس صورت میں اگر عورت اپنے نفس کو شوہر کی صحبت کے لیے برضا سپرد کر چکی ہو یا مرد نے اس کی رضا مندی کی حالت میں صحبت کر لی ہو تو یہ اور بھی اجازت کی پختہ اور قوی ہونے کی دلیل ہے، بہر حال موجودہ صورت میں وہ عورت زید کی جائز منکوحہ بیوی ہے اور منع کرنے والے بفحوائے اس آیت ﴿ولا تعتدوا ان الله لا يحب المعتدين﴾ وقوله تعالى ﴿تعاونوا على البر والتقوى ولا تعاونوا على الاثم والعدوان﴾ سخت گنہگار ہیں، اور یہ فعل سخت تعزیر کا مستوجب ہے اور ان کو اپنے فعل سے صدق دل سے توبہ کر کے مذکورہ عورت کو اپنے شوہر کے پاس بھیج دینا چاہیے۔ وقد مر تحقيقه فی صفحة ٦٤ وصفحة ١٤

فان استأذنها غير الاقرب فلا عبرة لسكوتها بل لابد من القول كالثيب او ما هو فی معناه من فعل يدل على الرضاء كطلب مهرها ونفقتها وتمكينها من الوطی ودخوله بها برضاها. (الدرالمختار والتفصيل فی الشامی ج ٢/ص ٤١٤)

رضاعی بہن کی حقیقی بہن سے نکاح

[۳۹۵] **سوال:** زید کی اولاد میں: فاطمہ، کلثوم، ولی میاں ہیں، اور خالد کی اولاد میں زینب، عبداللہ، عمر، بکر ہیں، فاطمہ نے عبداللہ کے ساتھ عبداللہ کی ماں کا دودھ پی لیا ہے، تو جانبین میں

حرمت رضاعت کا اثر کس کس پر پڑے گا؟ کیا فاطمہ کا نکاح عبداللہ یا اس کے بھائیوں سے ممکن ہے کہ نہیں؟ اسی طرح فاطمہ کے بھائی ولی میاں کا نکاح زینب سے ہوسکتا ہے یا نہیں؟ مفصل جواب لکھئے کیونکہ زید اور خالد آپس میں ایک دوسرے کی اولاد میں نکاح کا ارادہ رکھتے ہیں۔

الجواب: وباللہ التوفیق: فاطمہ تو عبداللہ کی بہن ہوگئی ہے، اور اسی طرح عبداللہ کی ماں نے اپنے یا پرائے جن لڑکوں کو دودھ پلایا ہے وہ سب فاطمہ کے بھائی ہوگئے اس لیے فاطمہ کا نکاح نہ تو عبداللہ سے ہوسکتا ہے اور نہ اس کی ماں کی اولاد سے ہوسکتا ہے، رہے فاطمہ کے بہن بھائی نسبی تو ان کو عبداللہ اور عبداللہ کے رشتہ داروں سے کچھ تعلق نہیں، اس لیے کلثوم کا نکاح عبداللہ اور اس کے بھائیوں سے ہوسکتا ہے، اور ولی میاں کا نکاح زینب سے ہوسکتا ہے۔ فيحرم به ما يحرم من النسب الا جدة ولده واخت ولده وعمة ولده وام اخيه او اخته. آه. ثم قال: ولا حل بين رضيعى ثدى وإن اختلف زمانهما ولا حل بين رضيع و ولد مرضعته وإن سفل. آه. (مجمع الانهر ج ۱ / ص ۱۸۸)

توکیل بالنکاح کے لیے شہادت ضروری نہیں

[۳۹۶] **سوال:** کیا عورت اگر کسی کو نکاح کا وکیل بنائے تو اس کے لیے بھی شہادت کی ضرورت ہے جیسا کہ ایجاب وقبول کے وقت ضروری ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: نفس توکیل کے لیے تو شہادت کی ضرورت نہیں؛ بلکہ بلا شہود بھی وکیل بنا سکتی ہے، ہاں آئندہ کے لیے اگر عورت توکیل سے انکار کرے تو اس کے لیے احتیاطاً توکیل پر بھی شہادت اگر قائم کی جائے تو بہتر ہوگا۔ اما الشهادة على التوكيل بالنكاح فليست بشرط لصحته كما قدمناه عن البحر وإنما فائدتها الاثبات عند جحود التوكيل. (شامی ج ۲ / ص ۳۷۳)

جوازنکاح کے لیے قاضیٔ شہر کا ہونا ضروری نہیں

[۳۹۷] سوال: کیا نکاح کی درستگی کے لیے یہ شرط ہے کہ قاضی ہی پڑھائے؟ یا مسجد کا امام یا دوسرا کوئی عالم پڑھا سکتا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نکاح کے انعقاد کے لیے جو فقہاء نے ارکان یا شرائط لکھے ہیں ان میں قاضی کی موجودگی یا اس کے دفتر میں اندراج کی تصریح نہیں آئی ہے؛ بلکہ ایسے دو مرد وعورت جن کے مابین موانعات نکاح نہ ہوں اگر وہ اصالۃً یا دلالۃً دو شرعی گواہوں کے سامنے نکاح ایجاب وقبول کرلیں تو یہی شرعی نکاح ہے جس کے لیے نہ قاضی کی ضرورت ہے اور نہ کسی امام وغیرہ کی موجودگی کی ضرورت ہے، قاضی کے دفتر میں اندراج کا جو رواج ہے یہ صرف اس لیے کیا جاتا ہے کہ آئندہ اگر نکاح یا مہر یا میراث وغیرہ کے متعلق میاں بیوی میں نزاع پیدا ہو تو آسانی سے رفع ہو۔ وينعقد اى يحصل و يتحقق النكاح بايجاب وقبول. (الى ان قال) وشرط لصحة النكاح سماع كل من العاقدين سواء كانا زوجين أو غيرهما لفظ الآخر وشرط ايضاً حضور شاهدين (الى آخره) (مجمع الانهر ج ۱/ص ۱۶۰)

ولی ابعد کا پڑھایا ہوا نکاح ولی اقرب کی رضامندی پر موقوف رہے گا

[۳۹۸] سوال: ولی اقرب کے ہوتے ہوئے ولی ابعد نے صغیرہ کا نکاح پڑھایا، بلوغ کے بعد لڑکی دو ماہ تک شوہر کے پاس رہی اور اب واپس باپ کے گھر جا کر نہیں آئی ہے، اور کہتی ہے کہ چوں کہ ولی اقرب کے بغیر نکاح درست نہ تھا اس لیے میرا نکاح ہی نہیں ہوا ہے، تو کیا اس کا یہ کہنا درست ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ولی اقرب کی اجازت پر نکاح موقوف تھا، اور جب تک اس نے دلالۃً یا

صراحۃً رضامندی کا اظہار نہیں کیا ہو اس وقت تک اس کو فسخ نکاح کا حق ہے بشرطیکہ عورت سے بچہ پیدا نہ ہوا ہو یا حاملہ نہ ہوئی ہو، اب دیکھنا چاہیے کہ ولی اقرب سے صراحۃ یا کنایۃ اگر رضامندی کا اظہار نہ ہوا ہو اور عورت حاملہ نہ ہوئی ہو تو عورت کا قول درست ہے ورنہ نہیں۔ (شامی: ج۲/ص۴۰۹) فرضی البعض کرضی الکل لو استووا فی الدرجة وإلا فللاقرب منهم حق الفسخ وإن لم یکن لها ولی فهو صحیح مطلقا وقبضه (ولی اقرب) المهرونحوه رضا لاسکوته مالم تلد. (وقال فی اول کلامه) ینبغی الحاق الحبل الظاهر. (الدرالمختار مع الشامی ج ۲ /ص ۴۰۹)

ناکح اور منکوحہ کا تعین اشارہ یا تسمیہ سے ضروری ہے۔

[۳۹۹] سوال: نکاح کے وقت قاضی کو ایجاب وقبول میں عورت اور مرد کے نام لینے کی ضرورت ہے یا بغیر نام لیے ہوئے بھی نکاح پڑھ سکتا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ عورت اور مرد اگر مجلس نکاح میں حاضر ہوں تو بغیر نام لینے کے محض اشارے سے بھی ناکح اور منکوحہ کی تعیین کر سکتا ہے، اور اگر مجلس نکاح سے غائب ہوں تو شہود کے سامنے نام لینے کے ساتھ ہر اس امتیازی تعریف کی ضرورت ہے جس سے ناکح اور منکوحہ اچھی طرح معلوم ہو جائیں اور التباس کا خطرہ باقی نہ رہے۔ ولابد من تمیز المنکوحة عند الشاهدین لتنتفی الجهالة فإن کانت حاضرة منتقبة کفی الاشارة إلیها والاحتیاط کشف وجهها وباقی التفصیل فی الشامی ج ۲ /ص ۳۶۷، ۳۷۴)

زوجۂ متعنت کا فسخ نکاح کا مطالبہ کرنا

[۴۰۰] سوال: ایک عورت کے شوہر نے دوسری ریاست میں جا کر شادی کر لی ہے اور پہلی عورت

کو نہ نفقہ دیتا ہے نہ طلاق دیتا ہے عورت نے عدالت میں نالش کی مگر اس ریاست میں یہاں کا قانون بھی نہیں چلتا ہے تو اب عورت شرعاً کیا کرے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ عورت کو ذاتی طور سے اور عدالت وقت کے ذریعہ سے شوہر کو طلاق یا خلع پر راضی کرنے کی سعی کرنی چاہیے اگر کوئی حیلہ نہ چلا تو کسی اسلامی ریاست کے محکمہ شرعیہ میں یا مقامی مسلم جج کی عدالت میں فسخ نکاح کا دعویٰ دائر کرنا چاہیے، بعد تحقیق اگر قاضی یا مسلم جج تفریق کے بغیر چارہ نہ دیکھے تو فسخ نکاح کا فیصلہ دے سکتا ہے اس کے بعد عورت عدت گذار کر دوسری جگہ نکاح کرسکتی ہے، یہ حکم مالکی مذہب کا ہے مگر بضرورت شدیدہ حنفی اس پر فتوی دے سکتا ہے اس کے متعلق مولوی اشرف علی صاحب نے علماء مالکی سے استصواب کر کے ایک مستقل کتاب لکھی جو "الحیلة الناجزة للحلیلة العاجزة" کے نام سے شائع ہوگئی ہے، نیز مصری اور دیگر اسلامی عدالتوں میں یہی فیصلہ نافذ ہے، چنانچہ الاحکام الشرعیۃ فی الاحوال الشخصیۃ کے آخری تین دفعات اسی کے متعلق ہیں۔(۱۲۰)

تحقیق مسئلہ عدت نومسلم

[۴۰۱] سوال: ایک ہندو عورت مسلمان ہوگئی ہے اور ایک مسلمان اس سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو کیا اس نومسلمہ پر عدت گذارنا لازم ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر مسلمان ہونے کی وقت وہ کسی کے نکاح میں تھی تو عدت لازم ہے ورنہ نہیں۔

(تنبیہ): یہ یاد رکھنا چاہیے کہ دار الاسلام میں جب احد الزوجین اسلام قبول کرتا ہے تو قاضی دوسرے کو اسلام پیش کرتا ہے اگر اس نے بھی اسلام قبول کیا تو دونوں حسب سابق میاں

بیوی رہتے ہیں، اور اگر اسلام سے انکار کردے تو پھر قاضی فسخ نکاح کا حکم کرتا ہے اور بعد حکم فسخ اگر حاملہ ہو تو وضع حمل تک نکاح نہ کرے، اور اگر حاملہ نہ ہو تو بلا عدت کسی مسلمان سے نکاح کرسکتی ہے، یہ امام صاحب کا قول ہے۔ اور صاحبین تین حیض سے عدت گذارنا ضروری خیال کرتے ہیں، اب ایسے ممالک جہاں کفار کی حکومت ہے اور قاضیٔ شرع موجود نہیں تاکہ دوسرے پر اسلام پیش کرے تو ایسے ممالک دارالحرب کے حکم میں ہیں، اور دارالحرب میں اگر عورت مسلمان ہوگی تو تین حیض یا غیر حائضہ تین ماہ تک انتظار کرے اگر اس عرصہ میں شوہر مسلمان نہ ہوا تو اب حکما شوہر سے جدا ہو جائے گی، اب بقول امام ابوحنیفہ فورا نکاح کرسکتی ہے اور بقول صاحبین عدت گذارنا لازم ہے، اس تفصیل کے بعد اب اصل مسئلہ میں یہ کہا جائے گا کہ چونکہ ہندوستان دارالحرب کے حکم میں ہے، اس لیے اگر عورت کسی کی منکوحہ نہ ہے تو بلا عدت کسی مسلمان سے نکاح کرسکتی ہے، اور اگر منکوحہ ہے تو تین حیض تفریق کے لیے اور تین حیض احتیاطاً عملاً بقول صاحبین عدت گذارے گی، گویا بعد اسلام چھ حیض یا چھ ماہ کے بعد وہ نکاح کرسکتی ہے اس سے قبل نہیں۔ نعم! ذکر فی الخانية: هناك الذى إذا ابان امرأته الذمية تزوجها مسلم اى ذمى من ساعته، ذكر بعض المشائخ انه يجوز نكاحها ولا يباح له وطئها حتى يستبرأها بحيضة فى قول ابى حنيفة، وقول صاحبيه نكاحها باطل حتى تعتد بثلا ث حيض. والتفصيل فى الدرالمختار والشامى ج ٢ /ص ٨٤٥)

ولو اسلم احد المجوسيين ثمه اى فى دارالحرب لم تبن حتى تحيض ثلا ثا او مضى ثلا ثة اشهر قبل اسلا م الآخر. (الدرالمختار) وقال الشامى بعد ما فصل الكلا م: اى ليست هذه المدة عدة لان غير المدخول بها داخلة تحت هذا الحكم، ولو كانت عدة لا ختص ذلك بالمدخول بها وهل تجب العدة

بعد مضی هذه المدة فإن كانت المرأة حربية فلا؛ لانه لا عدة على الحربية، وان كانت هى المسلمة فخرجت الينا فتمت الحيض هنا فكذلك عند ابى حنيفةؒ خلافا لهما؛ لان المهاجرة لا عدة عليها عنده خلافا لهما كما سيأتى بدائع وهداية. وجزم الطحاوى بوجوبها. قال فى البحر: وينبغى حمله على اختيار قولهما. انتهى. (شامى ج ٢ /ص٥٣٧)

عورت کا پورا مہر وصول کئے بغیر شوہر کے گھر آنے سے انکار کرنا

[۴۰۲] سوال: ایک عورت کا مہر ایک ہزار مقرر کیا گیا ہے، جس میں سے پانچسو وصول بھی کرچکی ہے اور کچھ عرصہ شوہر کے گھر رہ کر بچے بھی ہوئے ہیں، اب جا کر ماں کے گھر بیٹھی ہے اور کہتی ہے کہ باقی پانچ سو روپئے جب تک نہ دوگے تو میں نہ آؤں گی، تو اس کے متعلق شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر بوقت نکاح کل مہر کی ادائیگی کی معجّل شرط کی گئی تھی، تو عورت کے گھر آنے سے یا صحبت کرنے سے انکار کا حق حاصل ہے، اور اگر مہر معجّل کل نہیں بلکہ نصف یا ثلث مقرر کی گئی تھی یا بوقت نکاح معجّل ومؤجل کی تصریح نہیں کی گئی تھی؛ بلکہ مطلق چھوڑا تھا مگر مقامی عرف میں نصف یا ثلث مثلاً معجّل دیا کرتے ہیں تو اس مقرر یا دستوری معجّل حصہ کی وصولی کے لیے عورت کو حق ہے کہ شوہر کے گھر میں آنے سے یا صحبت سے انکار کرے، اور اس حصہ کی وصولیابی کے بعد انکار کا حق نہیں ہے، اگر انکار کرے گی تو ناشزہ متصور ہوگی۔

ولها النفقة بعد المنع اى المنع لاجل قبض المهر ويشمل المنع من الوطى وهى فى بيته وهو ظاهر، وكذا لو امتنعت من النقله الى بيته فلها النفقة كما يأتى فى بابها (لان التقصير جاء من قبله)(شامى ج ٢ /ص٥٥٥

بـاب الـمهـر) ولها منعه من الوطى لاخذ ما بين تعجيله او قد رما يعجل لمثلها عـرفـا؛ بـه يـفتى؛ لان المعروف كالمشروط، اى إن لم يبين تعجيله او تعجيل بـعـضـه.آھ. (الدرالمختار مع الشامى ج ٢ /ص ٤٩٣) ولو منعت نفسها للمهر اى الـذى تـعورف تقديمه؛ لانه منع بحق لتقصيره من جهته فلا تسقط النفقة بـه ولـوهـى فـى بيـت ابيها او لم يطالب الزوج بالنقلة به يفتى اذ لم تمتنع من النقلة بغير حق.آھ. (الدرالمختار شامى ج ٢ /ص ٩٩٨، باب النفقة)

جواز نکاح بممانی و چچانی

[۴۰۳] سوال: چچانی اور ممانی کے ساتھ نکاح جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جائز ہے، کیوں کہ یہ محرمات میں داخل نہیں، تو بمقتضائے ﴿**و احل لكم ما وراء ذلكم**﴾ (الآیة) ان سے نکاح حلال ہے۔

اس جواب کے بعد سائل نے ایک طویل مراسلہ بھیجا جس میں اپنے شبہ کے ساتھ اور کئی سوالات کئے جس کا خلاصہ یہ ہے:

(استفتاء مکرر): جناب مفتی صاحب دام ظلکم، گذارش عرض یہ ہے کہ قرآن مجید میں جو عماتکم آیا ہے اس سے پھوپھی مراد ہے کہ چچانی مراد ہے؟ جہاں تک میں نے تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ اس سے پھوپھیاں مراد ہیں، لہٰذا اس میں شک نہیں کہ چچانی سے نکاح جائز ہے مگر حرمت علیکم کہ ماتحت جو عماتکم آیا ہے اس کی تحقیق مطلوب ہے، گذارش ہے کہ چچا کو عربی میں عم بولتے ہیں، تو عم چچا برادرِ اب ہوا تو اس کی جمع کیا ہوگی؟ اور مع تانیث کیا ہوگی؟ اور جب پھوپھی کو عماتکم کہتے ہیں تو چچانی اور ممانی کو عربی میں کیا بولیں گے؟

مطلب وعماتکم من الاوجہ الثلاث:

(۲) مدارک میں ہے کہ "وعماتكم من الاوجه الثلثة" اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا شرائط نکاح مراد ہیں یا اور کچھ؟

تحقیق حرمت عمات وخالات

(۳) الدرالمختار میں ہے کہ: ويدخل عمة جده و جدته، وخالتهما الاشقاء و غيرهن، و اما عمة عمة امه وخالة خالة ابيه فحلال ،كبنت عمه و عمته وخاله وخالته لقوله تعالى ﴿و احل لكم ما و راء ذٰلكم﴾ اس عبارت میں اشقاء وغيرهن سے کیا معنی مراد ہے؟ "ويدخل عمة جده وجدته" کی تشریح کیجئے گا۔

تحقیق حدیث "لا ينكح الصغرى على الكبرىٰ"

(۴) دیگر یہ جو حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ "نہ نکاح کرے تمھارے اندر سے چھوٹا اپنے بڑے سے اور نہ بڑا اپنے چھوٹے سے" یہ حدیث ترمذی کی ہے تو اس کا بھی خلاصہ فرمائیے گا۔

(۵) اور چچانی اور ممانی سے بعد مضیٔ عدت ادباً نکاح مکروہ ہے، اس میں ائمہ میں سے یا مفسّرین ومحدّثین میں سے کسی نے اختلاف کیا ہو تو وہ بھی فرمایئے گا۔

عدت نومسلمہ ومرتدہ

(۶) ایک عورت کافرہ مرتدہ مسلمان ہوئی تو اس خوف سے کہ شاید پھر تبدیل مذہب نہ کرے اس لیے قاضی بلا مضیٔ عدت اس کا نکاح کسی مسلمان سے پڑھائے تو یہ درست ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: آپ کے موجودہ استفتاء سے معلوم ہوا کہ چچانی سے نکاح کے متعلق آپ کا پہلا سوال وعماتکم، اور لا تنکح الصغریٰ علی الکبریٰ، ولا الکبریٰ علی الصغریٰ میں غلط فہمی پر بنا تھا، بہرحال اتنا تو آپ نے تسلیم کیا کہ چچانی اور ممانی سے نکاح درست ہے، اب صرف لفظی تشریح مطلوب ہے اور اس کے ضمن میں دیگر چند سوالات کا اضافہ کیا ہے جن کا مختصر نمبروار جواب دیا جاتا ہے:

(۱) عم (چچا) اس کی جمع "اعمام" آتی ہے۔ "عمة" (پھوپھی) اس کی جمع "عمات" آتی ہے جو آپ کی مسئولہ آیت کریمہ میں ﴿عماتکم﴾ موجود ہے، یہی وہ "عمة" کی جمع "عمات" ہے جو ضمیر جمع مذکر مخاطب کی طرف مضاف کیا گیا ہے۔

باقی آپ نے جو عم یعنی چچا کی جمع تانیث طلب کی ہے تو عربی لفظ کی ایجاد تک اور غالباً اب تک بھی ایسا حادثہ نہیں گذرا تھا کہ جس میں یہ ثابت ہوا ہو کہ فلاں شخص کا بیٹھے بیٹھے مونث ہو گیا، اور پھر بہت سے ہو گئے تا کہ اس مونث چچا کے لیے کوئی لفظ وضع کرتے اور پھر جمع کی تجویز، اور اگر بالفرض چچا مونث ہو بھی جائے جیسے آج کل قرب قیامت کی نشانیوں میں مذکر کے مؤنث ہونے اور برعکس قلب ماہیت کی خبریں آتی ہیں تو پھر وہ چچا صاحب اچھی خاصی پھوپھی ہی تو ہوگی نہ کہ چچانی، دراصل آپ کو یہ شبہ ہوا کہ جب چچا محرم ٹھہرا تو چچا کی مؤنث چچانی ہوئی تو وہ بھی ذی محرم ہوگی اور پھر اس پر ماموں کی مؤنث ممانی قیاس کیا جائے حالانکہ یہ اردو کے الفاظ ہیں جن میں ایک خاص تعلق ازدواجی سے قرب تلفظی ملحوظ رکھا گیا ہے، یہ وہ چچانی وممانی نہیں ہے جو مذکر چچا و ماموں سے مؤنث بن گئے ہیں ان کے لیے عربی میں کوئی خاص لفظ نظر سے نہیں گذرا ہے، عام طور پر محاورے میں زوجۃ العم وزوجۃ الخال کہتے ہیں۔

(۲) من الأوجه الثلاثة آه تعلق نسبی کے ہر سہ شعبے مراد ہیں، یعنی: حقیقی، علاتی،

اخیافی ہر قسم کے عمات وخالات حرام ہیں۔

(۳) پھوپھی اور خالہ کی تین قسم ہوتی ہیں: ماں باپ شریک عمہ وخالہ اس کو حقیقی اور سگی عمہ وخالہ کہتے ہیں، جن کو عربی میں شقیقہ بھی کہتے ہیں جس کی جمع اشقاء آتی ہے، یہی وہ اشقاء عمات وخالات ہیں جو الدر المختار کی عبارت میں مذکور ہے۔

دوسری محض باپ شریک عمہ وخالہ اس کو عربی میں علاتی کہتے ہیں، اور تیسری محض ماں شریک عمہ وخالہ جس کو عربی میں عمہ وخالہ اخیافی کہتے ہیں اور غالبا اردو میں سوتیلی عمہ، خالہ کہتے ہیں یہی علاتی واخیافی عمہ وخالہ کو صاحب الدر المختار نے وغیرھن سے تعبیر کیا ہے، یعنی: وہ عمات وخالات جو حقیقی اور سگی نہیں ہیں؛ بلکہ علاتی ہیں یا اخیافی ہیں۔

ویدخل. آھ. سے مطلب یہ ہے کہ قرآن مجید میں ہر شخص کی ذاتی عمہ وخالہ کی حرمت کی تصریح تھی مگر چوں کہ علت دراصل اصول یا فروع کی حرمت تھی اس لیے علماء نے غیر مذکور صراحۃً کو مذکور صراحۃً میں داخل کرنے کی تصریح کی، یعنی جس طرح امہاتکم میں جدات داخل ہوتی ہیں، اسی طرح ذاتی عماتکم اور خالاتکم کے حکم میں دادی، دادا، نانی نانا، کے عمات اور خالات بھی داخل، باقی مذکور قول میں عمہٗ عمہٗ ام وخالہٗ خالہٗ اب کو خارج کیا تو اس کی تشریح شامی میں موجود ہے، اور عالمگیری کا قول اس مسئلہ میں غایت صراحت سے مذکور ہے وہ لکھتے ہیں: واما العمات فثلاث: لاب وام، وعمة لاب، وعمة لام. وكذا عمات ابيه وعمات اجداده وعمات امه وعمات جداته وان علون، واما عمة العمة فانّه ينظر إن كانت العمة القربى عمة لاب وام او لاب فعمة العمة حرام، وإن كانت القربى عمة لام فعمة العمة لا تحرم، واما الخالات فخالة لاب وام و خالة لاب وخالة لام، وخالات آبائه وامهاته، واما خالة الخالة فان كانت الخالة القربى خالة لاب وام فخالتها

تحرم علیه، و إن کانت القربی، خالة لاب فخالتها لا تحرم علیه، هکذا فی محیط السرخسی. (عالمگیری ج ۱ /ص ۲۷۱) وقریبا منه عبارة قاضیخان والشامی ج ۲ /ص ۳۸۲)

(۴): حدیث ترمذی وغیرہ میں لفظ علی موجود ہے نہ کہ مع تا کہ آپکا لکھا ہوا مطلب نکلتا، دور کیوں جائیں خود آنحضرت ﷺ نے خدیجۃ الکبریٰؓ اور حضرت عائشہؓ سے نکاح کیا ہے جن میں سے پہلی آپ سے بہت بڑی تھی اور پچھلی بہت ہی چھوٹی تھی، اور آج تک پوری امت میں بلانکیر یہی چلا آ رہا ہے، چوں کہ حدیث مذکور سے آپ کو شبہ ہوا ہے اس لیے اس حدیث کی تشریح آپ نے طلب کی ہے، لہٰذا پوری حدیث مع ترجمہ نقل کی جاتی ہے تا کہ رفع تردد ہو سکے۔

وعن ابی هریرة رضی الله عنه ان رسول الله ﷺ نهی ان تنکح المرأة علی عمتها أو العمة علی بنت اختها والمراة علی خالتها والخالة علی بنت اختها، لا تنکح الصغری علی الکبری ولا الکبری علی الصغری. (ترمذی وغیره)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے منع فرمایا اس سے کہ بھتیجی کا نکاح پھوپھی پر کیا جائے، یا پھوپھی کا نکاح بھتیجی پر کیا جائے، اور نہ نکاح کیا جائے بھانجی کا خالہ پر اور نہ خالہ کا بھانجی پر، اس مضمون کو مختصر اور جامع بنانے کے لیے آگے چل کر فرمایا کہ ان میں نہ چھوٹی کو بڑی پر نکاح میں لایا جائے اور نہ بڑی کو چھوٹی پر۔

خلاصہ یہ ہے کہ آیت کریمہ ﴿وان تجمعوا بین الاختین﴾ سے دو بہنوں کا ایک شخص سے نکاح میں اجتماع حرام ہوا تھا مگر یہ معلوم نہ تھا کہ یہ حرمت اجتماع صرف دو بہنوں ہی تک محدود ہوگی یا دیگر ذوی الارحام میں بھی پائی جائے گی تو آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد سے ثابت ہوا کہ یہ حکم بھتیجی اور پھوپھی میں بھی ہے، اور خالہ اور بھانجی میں بھی، خواہ چھوٹی اول نکاح میں تھی اور

بڑی کو اس پر لانا چاہے یا برعکس ہو، آیت کریمہ اور حدیث سے مجتہدین کرام نے یہ کلیہ نکالا کہ ''جن دو عورتوں میں ذی رحمیت کا ایسا تعلق ہو کہ اگر ان میں سے ایک مرد اور ایک عورت فرض کریں تو نکاح جائز نہ ہو تو ایسی عورتوں کو ایک شخص نکاح میں جمع نہیں کر سکتا ہے؛ بلکہ نکاح کے حکم اور لوازم میں بھی جمع نہیں کر سکتا ہے''، یعنی ایک کی عدت میں بھی دوسری سے نکاح نہیں کر سکتا ہے، اور ملک یمین سے وطی میں اجتماع نہیں کر سکتا ہے۔

(۵) ادب موافق شرع ہوتا ہے نہ کہ مخالف شرع، تحریم حلال اور استحلال حرام کو بے ادبی تو کہیں گے مگر ادب ہرگز نہیں کہہ سکتے، اور جب مذکور نکاح شرعاً جائز ہے تو پھر ادب سے ترک کے کیا معنی؟ مسلمانوں میں اس ادب کا قائل تو معلوم نہیں ہوا۔

(٦) کافرہ کے ساتھ لفظ مرتدہ بھی آپ نے ذکر کیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ خدانخواستہ مسلمہ سے کافرہ ہوگئی ہے تو اگر واقعہ یہ ہے تو بقول راجح اس کو اسلام پر اور سابق شوہر کے ساتھ نکاح پر مجبور کیا جاتا ہے، اور سابق شوہر سے تجدید نکاح کے لیے مضیٔ عدت شرط نہیں، اور اگر مثل دیگر لغزشات کے یہاں بھی لفظ مرتدہ سہوا لکھا گیا ہے مقصد محض ایک کافرہ کا اسلام لانا ہے تو چوں کہ ہندوستان دارالحرب کے حکم میں ہے، اور دارالحرب میں اگر عورت اسلام لاتی ہے تو تین حیض اور غیر حائضہ تین ماہ تک سابق شوہر کے نکاح میں تصور کی جاتی ہے، اس لیے مذکورہ عورت اگر کسی کی منکوحہ تھی تو تین حیض سے قبل تو نکاح ممکن ہی نہیں؛ کیوں کہ اس عرصہ میں وہ سابق شوہر کے نکاح میں تصور کی جاتی ہے، اور اس تین حیض گزارنے کے بعد بھی بقول صاحبین تین حیض اور بھی بطور استبراء گزارے گی، اور امام صاحب کے نزدیک یہی تین حیض کافی ہیں دیگر استبراء کی ضرورت نہیں۔

وتجبر على الاسلام وعلى تجديد النكاح. (الدرالمختار مع الشامی

ج ۲ /ص ۵۴۰) ولو اسلم احدهما ثمه فی دارالحرب لم تبن حتی تحیض ثلاثا أو تمضی ثلاثة اشهر قبل اسلام الآخر. (الدرالمختار) قال العلامة الشامی علی هذا القول:

ای لیست هذه المدة عدة لان غیر المدخول بها داخلة تحت هذا الحکم، ولو کانت عدة لاختص ذلك بالمدخول بها وهل تجب العدة بعد مضی هذه المدة فإن کانت المرأة حربیة فلا؛ لانه لا عدة علی الحربیة، وان کانت هی المسلمة فخرجت الینا فتمت الحیض هنا فکذلك عند ابی حنیفةؒ خلافا لهما؛ لان المهاجرة لا عدة علیها عنده خلافا لهما کما سیأتی بدائع وهدایة وجزم الطحاوی بوجوبها قال فی البحر: وینبغی حمله علی اختیار قولهما.انتهی (شامی ج ۲ /ص ۵۳۷)

چچا اور نانی میں ولایت کا حق چچا کو اور حضانت نانی کے لیے ہے۔

[۴۰۴] سوال: ایک بچہ یتیم رہ گیا ہے جس کا ایک چچا اور ایک نانی ہے تو حق ولایت کس کو ثابت ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ حق ولایت چچا کو ثابت ہے مگر حق حضانت نانی کو، یعنی اگر تخمینا بچہ سات برس کے اندر ہے تو پرورش اور نگہداشت نانی کرے گی اور باقی مال نکاح وغیرہ امور میں والی چچا رہے گا اور سات برس کے بعد بہرحال ولایت اور نگہداشت چچا کا حق ہے۔ الولی فی النکاح العصبة بنفسه آھ. (الدرالمختار ج ۱ /ص ۴۲۸) الأم أحق بحضانة ولدها ثم أمها وإن علت وقدر بتسع وسبع (ملخص مجمع الانهر ج ۱ /ص ۲۳۴)

وطی بحاملہ

[۴۰۵] سوال: حاملہ کے ساتھ کس وقت جماع درست ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ حیض، نفاس یا اس قسم شرعی موانع کے بغیر عورت سے صحبت کرنے کے لیے کوئی وقت مقرر نہیں اور نہ حمل مانع صحبت ہے؛ بلکہ وضع حمل سے قبل زوجین کی صلاحیت اور رغبت پر یہ معاملہ موقوف ہے۔

صغیرہ کا نو سال بعد بلوغ کی خبر دینا معتبر مانا جائے گا

[۴۰۶] سوال: لڑکی نو برس کے اوپر ہے اور کہتی ہے کہ میں بالغ ہوں، اس لیے میں اپنے نکاح میں خود مختار ہوں، مگر باپ کہتا ہے کہ تو نابالغ ہے، اور لڑکی کی مرضی کے بغیر نکاح کرائے تو یہ درست ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ لڑکی نو برس کے بعد بالغ ہوسکتی ہے، اور وہ اس مدت میں اپنی بلوغ کی خبر میں صادقہ ہے، لہٰذا اس کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح کرانا درست نہیں ہے۔ وكما لو زوجها أبوها مثلاً زاعما عدم بلوغها، فقالت: أنا بالغة، وقال الأب: بل هي صغيرة، فالقول لها إن ثبت سنها تسع. آه. (الدر المختار مع الشامی ج ۲/ص ۴۱۷)

نکاح حبلی من الزنا وبعد نکاح انکار نکاح

[۴۰۷] سوال: ایک عورت جو زنا سے حاملہ تھی اپنی خوشی سے ایک مرد سے اس طور پر نکاح کیا کہ دو مردوں کے سامنے ایک مقرر مہر پر اپنی جان بخشی اور مرد نے قبول کیا، اس کے بعد دونوں ساتھ

رہے، جب بچہ پیدا ہوا تو عورت باپ کے گھر چلی گئی، اور نکاح سے انکار کر چکی، تو کیا یہ نکاح درست ہوا کہ نہیں؟ اور اب شوہر کو کیا کرنا چاہیے؟ یہاں اس میں اختلاف پیدا ہوا ہے فیصلہ آپ پر رکا ہوا ہے۔

الجواب: وباللہ التوفیق: **اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ.** مذکورہ عورت اگر کسی کی بیوی نہ تھی اور زنا سے حاملہ تھی تو اس کا نکاح تو درست ہے مگر قبل وضع حمل صحبت درست نہیں۔ حرہ مکلفہ بلا اذن ولی اپنا نکاح خود کفو میں کر سکتی ہے، تملیک عین کے لیے جو الفاظ وضع ہیں مثل تملیک، ہبہ، صدقہ وغیرہ تو ان الفاظ سے نکاح منعقد ہوتا ہے، اب جب کہ مذکورہ عورت نے دو شرعی گواہوں کے سامنے بعوض مہر شرعی مذکور مرد کو نکاح کے ارادے سے اپنی جان بخشی اور مرد نے قبول کیا تو نکاح منعقد ہوا اور یہی صحیح نکاح ہے، مگر جب عورت بعد میں نکاح سے منکر ہوئی اور شوہر نکاح کا مدعی ہے تو اس کو شرعی عدالت میں اپنے دعوے کا ثبوت پہنچانا چاہیے۔ (کاملیہ ۳۰، مجمع الانھر ۱۶۵، ۱۶۷،) وقد نقلت تلک العبارات فیما قبل۔

ہم میاں بیوی ہیں کہنے سے نکاح نہیں ہوگا/حکم وطی نکاح فاسد

[۴۰۸] **سوال**: زید اور ہندہ کے بچپن میں ان کے والدین نے منگنی کے بارے میں تذکرہ کیا تھا مگر نکاح شرعی نہ ہوا تھا، اب وہ بڑے ہو گئے تو ہندہ اور زید لوگوں میں ہمیشہ یہ اظہار کیا کرتے تھے کہ ہم میاں بیوی ہیں اور آخر ایک دن ہندہ زید کے گھر جا کر دونوں میاں بیوی کی طرح رہنے لگے تو کیا صرف یہ کہنا کہ ہم میاں بیوی ہیں نکاح کے انعقاد کے لیے کافی ہے یا ان کو دوبارہ صحیح نکاح کرنا چاہیے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: صرف یہ کہنا کہ ہم میاں بیوی ہیں نکاح کے انعقاد کے لیے کافی نہیں،

لہٰذا اگر ان کو میاں بیوی بننا ہے تو نئے سرے سے نکاح کرنا چاہیے اور اس فاسد نکاح میں اگر وطی کر چکے ہوں تو مہر مثل دینا ہوگا اور عدت گذارنی ہوگی۔ وفی الفتاوی: رجل وامرأة أقرا بالنكاح بين يدى الشهود وقالا بالفارسية: مازن وشويم لا ينعقد النكاح وهو المختار. (خلاصة ج ٢ /ص ٤) وكذا مجمع الانهر ج ١ /ص ١٦٠ (تعتد) من وطئت بشبهة أو نكاح فاسد. (مجمع الانهر ج ١ /ص ٢٢٧) ولا يجب شيء بلا وطى فى عقد فاسد وان خلا بها، فان وطى وجب مهر المثل لا يزاد على المسمى وعليها العدة (مجمع الانهر ج ١ /ص ١٧٨)

مہر کامل وصول کرنے کے بعد عورت کا سفر سے انکار کرنا

[۴۰۹] سوال: زید اپنی بیوی کو پورا مہر دے چکا ہے، اب وہ ہندوستان سے عورت کو افریقہ لے جاتا ہے اور عورت چوں کہ شریف پردہ نشین بڑے گھرانے کی ہے، اس کو سفر میں رہنے سے دینی اور جسمانی تکلیف محسوس ہو رہی ہے، اس واسطے جانے سے انکار کرتی ہے مگر شوہر کو کسی نے یہ فتوی دیا ہے کہ عورت جب کہ پورا مہر وصول کر لیتی ہے تو پھر اس کو سفر سے انکار کا حق نہیں رہتا ہے تو کیا یہ صحیح ہے یا عورت کا انکار صحیح ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: بعض علماء نے یہ لکھا ہے کہ کل مہر کے وصول کرنے کے بعد شوہر کو حق ہے کہ عورت کو سفر پر لے جائے مگر آج کل کے فتنے اور خرابیوں کو دیکھ کر عورت کا انکار حق بجانب ہے، اور خواہ وہ کامل مہر بھی وصول کر چکی ہو مگر سفر میں اس کو تکلیف محسوس ہوتی ہو تو شوہر اس کو جبراً نہیں لے جا سکتا ہے۔ فاذا اوفاها ذلك فله نقلها حيث شاء ما دون السفر، وقيل له السفر بها فى ظاهر الرواية، والفتوى على الاول. وبه افتى الفقيه ابو الليث

لفساد الزمان واضرار الغرب لانها لا تأمن علی نفسها فی منزلها فكيف اذا خرجت؟ وقوله تعالى ﴿اسكنوهن من حيث سكنتم﴾ مقيد بعدم الاضرار كما دل عليه سياقه، فلا ينبغي ما قال المرغيناني: ان الاخذ بقوله تعالى اولى من الاخذ بقول الفقيه كما فی اكثر المعتبرات. (مجمع الانهر ج ۱/ص ۱۸۰)

نومسلمہ سے نکاح اوراس کی عدت کاحکم

[۴۱۰] سوال: ایک ہندوعورت مسلمان ہوئی توایک شخص نے دوسرے گاؤں لے جاکراس کے ساتھ نکاح کرکے وطی شروع کی اورقبل از نکاح بھی وطی کرتارہا تو کیا کافرشوہر کے نکاح سے بھی اس پرعدت گذارنی لازم تھی کہ نہیں؟ اگر لازم تھی توبقیاس آنکہ مزنیہ سے زانی کا نکاح بہرحال درست ہے، یہاں سے یہ قیاس نہیں کرسکتے ہیں کہ چوں کہ یہ زانی تھااس لیےاس کے لیےعدت گذارنالازم نہ تھی؟

الجواب: وباللہ التوفیق: مذکورہ عورت پرتین حیض محض تفریق نکاح کے لیےلازمی گذارنے تھے اوراس کے بعد بنابقول محتاط تین حیض عدت کے لیے گذارنے تھے جب کہیں وہ نکاح کرسکتی، موجودہ صورت میں جب کہ اسلام لانے کے بعد مستقل اس نے نکاح کیاتو گویامنکوحۃ الغیر سے نکاح کیاہے جویقیناً باطل ہے، زانی کے لیے بلامضیِ عدت جونکاح درست ہے وہ آزادعورت سے زنا کے متعلق حکم ہے، اورموجودہ مسئلہ میں عورت پرتین حیض تک انتظارکاحکم زنا کی وطی کے لیےنہیں؛ بلکہ پہلے شوہر سے نکاح فسخ ہونے کے لیے ہے، کیونکہ دارالحرب میں جہاں قاضی نہیں ہوتا ہے کہ زوج پراسلام پیش کرے تاکہ اس کا انکارطلاق کے قائم مقام سمجھا جاتا، تو فقہاء کی تصریحات کے بموجب بھی تین حیض قائم مقام فسخ قاضی تصور کیا گیا، چنانچہ اس تین حیض کے

عرصہ میں اگر شوہر مسلمان ہوجائے تو نومسلمہ اس کے سابق نکاح کے اعتبار سے منکوحہ ہی رہے گی تو معلوم ہوا کہ مذکورہ نکاح منکوحۃ الغیر سے ہوا ہے، اس لیے باطل ہے۔ کذا فی الشامی ج ۲/ص ۵۳۶۔ نقلت عبارتها فی ما سبق فانظره۔

منگنی نکاح نہیں وعدۂ نکاح ہے

[۴۱۱] سوال: ایک شخص نے اپنی بالغ لڑکی کی منگنی دوسرے چند آدمیوں کے سامنے کی ہے اور وہ توڑ کر دوسری جگہ شادی کراتا ہے تو یہ درست ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ منگنی جو آج کل عرف میں کی جاتی ہے اور وہ آئندہ نکاح کا ایک وعدہ ہوتا ہے نکاح نہیں ہوتا ہے، اور اس بنا پر شوہر والے آئندہ نکاح کے لوازمات کی تیاری شروع کرتے ہیں، اور چونکہ وعدۂ نکاح شرعی نکاح نہیں ہے، اس لیے اگر لڑکی کے والد کو بعد میں یہ معلوم ہوا ہو کہ لڑکی کے حق میں یہ جگہ نکاح کے لیے مناسب نہیں ہے اور اس سے بہتر جگہ میں نکاح کراتا ہو تو اس کو ایسا کرنا درست ہے، اس درمیان اگر نکاح کے لوازمات میں سے کچھ مالیت شوہر سے وصول کرلیا گیا ہو تو وہ شوہر کو واپس دینا چاہیے بشرطیکہ وہ مہر سے دیا گیا ہو، اور اگر بطور ہدیہ دیا گیا ہو اور شوہر واپسی کا دعویٰ کرتا ہو تو اگر وہ چیز بعینہ موجود ہو تو واپس دیدینا چاہیے اور اگر وہ ہلاک اور ضائع ہوگیا ہو تو اس کا مطالبہ نہیں۔ خطب بنت رجل وبعث اليها اشياء ولم يزوجها ابو ها، (ومثله ما اذا ابت وهى كبيرة)فما بعث للمهر يسترد عينه قائمة أو قيمته هالكاً. (الدرالمختار مع الشامی ج ۲/ص ۵۰۱) وكذا ما بعث هد ية و هو قا ئم دون ها لك ومستهلك. (الدر المختا ر مع الشامی ج ۲/ص ۵۰۱) وفى شرح الطحاوى: لو قال هل اعطيتها؟ فقال: اعطيت ان كان المجلس للو عد

فھو وعد و ان کا ن للعقد فنکاح.آھ. (شامی ج ۲ /ص ۳۶۳) والطبع الآخر ج ۳ /ص ۴۰۸) وکذا فی الدر المختار.

صغیرہ کا بذریعہ فضولی نکاح کا باطل ہونا

[۴۱۲] سوال: ایک لڑکی کے والدین نے اس کی منگنی ایک شخص سے کرائی تھی مگر لڑکی غریب تھی اس لیے دوسرے شخص نے اس کو اپنے ہاں نوکر رکھ لیا، اور کچھ دن بعد لڑکی پر دعوی کیا کہ اس کا میں نے اپنے سالے سے نکاح کرایا تھا، عدالت کے ذریعہ سے لڑکی اصلی والدین کو تو مل گئی، اب لڑکی کہتی ہے مجھے یہ خبر ہی نہیں کہ اس شخص نے میرا نکاح کسی سے کیا ہے؟ اور نہ میں اس شخص پر راضی ہوں، بلکہ میرا شوہر وہی ہے جس کے ساتھ میرے والدین نے منگنی کرائی ہے، اب اصلی منگنی والا شوہر اس لڑکی سے شادی کرنا چاہتا ہے جس کے ساتھ لڑکی بھی راضی ہے تو یہ نکاح شرعاً درست ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جب کہ لڑکی کے والدین نے موجودہ شوہر سے منگنی سے اپنی رضامندی ظاہر کی ہے اور لڑکی اول سے آخر تک اس پر راضی ہے، اور جس کے ہاں نوکر تھی وہ ایک فضولی شخص تھا جس کو لڑکی کی رضامندی کے بغیر نکاح کرانے کا حق نہیں تھا، اور اگر اس نے ایسا کیا بھی تو لڑکی اس فضولی کے نکاح کو پسند نہیں کرتی ہے اور سابق شخص جس سے منگنی ہوئی ہے اس کے ساتھ نکاح پر راضی ہے تو بلاشک یہ لڑکی اس منگنی شدہ جگہ میں شادی کرسکتی ہے۔ ولا یجبر ولی حرۃ بالغۃ، ووقف نکاح فضولی علی الاجازۃ. (قھستانی ج ۱ /ص ۲۷۰،۲۸۴) وکذا فی الشامی والھدایۃ وغیرہ.

لڑکی کا کسی کو وکیل بالنکاح بنانے کے لیے شہادت شرط نہیں بلکہ بہتر ہے

[۴۱۳] سوال: عام طور سے مشہور ہے کہ نکاح کے وقت لڑکی کی طرف جو شخص وکیل ہوتا ہے یا خود باپ لڑکی سے اجازت حاصل کرتا ہے تو اس پر گواہوں کی شہادت ضروری ہے؟ تو کیا شرعاً توکیل یا اجازت لینے کے لیے شہادت ضروری ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: باپ کا بیٹی بالغہ سے اجازت کا حصول بھی ایک قسم توکیل ہے، اور توکیل میں حضور شہود کی ضرورت نہیں ہے، ہاں بسا اوقات آئندہ لڑکی کے انکار کے خوف سے حصول اجازت پر شہود قائم کیے جاتے ہیں، اور اس خیال سے شہود کا قیام امر مستحسن ہوگا، جس طرح رجعت میں ہے مگر جواز نکاح کے لیے یہ شہود ضروری نہیں ہیں۔ ولا یشترط الاشهاد علی التوکیل. آھ. (البحر الرائق ج ۳/ص ۸۹) والاصل ان سکوت البکر للاستئمار وکالة وللعقد اجازة. (البحر الرائق ج ۳/ص ۱۱۱، ۱۱۷ و ج ۴/ص ۵۱)

حلالہ میں شوہر ثانی کا طلاق سے انکار کرنا

[۴۱۴] سوال: زید نے عورت کو طلاق دیدی اور دوبارہ گھر پر بلایا اور دوسرے گاؤں سے عمر اس کے گھر مہمان آیا، زید نے اس عورت کا نکاح عمر سے کرایا، رات کو عمر گھر میں رہا صبح طلاق دے کر اپنے گاؤں چلا گیا مگر لوگوں سے کہتا تھا کہ عورت کو میں نے طلاق نہیں دی اور وہ اب بھی میری عورت ہے، بایں ہمہ زید نے بعد عدت عمر عورت مذکور سے دوبارہ نکاح کرلیا تو اب زید کا نکاح درست ہے کہ نہیں؟ اور عورت کس کی ہے؟ صحیح فیصلۂ شرعی سے جواب دیجئے۔

الجواب: وباللہ التوفیق: مذکورہ عورت نے جب کہ طلاق سے عدت گزار کر عمر سے باقاعدہ صحیح

نکاح کر چکی ہے تو وہ عمر کی جائز بیوی ہے، اب عورت کی جانب سے طلاق کا دعوی ہے اور عمر طلاق سے منکر ہے اور بر بنا بحدیث مشہور "البینة علی المدعی و الیمین علی من انکر" عورت کی جانب سے ثبوت طلاق کے لیے گواہوں کی موجودگی اور بصورت عدم موجودگی عمر پر حلف عدم طلاق لازم ہے، لہٰذا مذکورہ مسئلہ میں عورت کی جانب سے اگر ثبوت طلاق پر گواہ گذر گئے تو وقوع طلاق کے اور عدت کے بعد جو زید نے دوبارہ نکاح کیا ہے وہ درست ہے اور عمر کا طلاق سے انکار لغو ہے، اور اگر عورت کی جانب سے ثبوت طلاق کے گواہ نہ ہو اور عمر وقوع طلاق سے منکر ہو تو عمر کو عدم طلاق کا حلف دیا جائے جب وہ حلف اٹھائے گا تو عورت بدستور اس کی بیوی رہے گی صرف بطور استبراء تین حیض تک عورت کے پاس نہ جائے، اور زید نے اگر صحبت کی ہے تو وہ سخت گنہگار ہے اور سخت تعزیر کا مستحق ہے اور وطی کی وجہ سے مقرر مہر یا مہر مثل دینا لازم ہے۔ کذا فی فتاوی قاضی خان فصل فی دعوی النکاح و العالمگیری ج ۲ / ص ۷۹، مجمع الانہر ج ۲ / ص ٤٧٦، فتاوی خیریہ ۹۰، والکاملیہ ٤٦، ٢١١۔

بیوی کی بہن کی لڑکی سے نکاح

[۴۱۵] سوال: ایک شخص کی عورت گزر گئی اب اپنے سالی کی لڑکی سے نکاح کرنا چاہتا ہے تو یہ درست ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ہاں! درست ہے کیونکہ سالی کی لڑکی سے اس کی کوئی محرمیت کا تعلق نہیں ہے؛ البتہ اس کی بیوی اس لڑکی کی خالہ ہوتی تھی اور خالہ اور بھانجی میں اجتماع فی النکاح درست نہ تھا مگر اب جب کہ اس کی بیوی گذر گئی ہے تو اب وہ ممانعت بھی نہ رہی اور بفحوائے ﴿واحل لکم ماوراء ذلك﴾ (الآیة) یہ شخص اس لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے۔

اولاد کا نکاح نہ کرانے سے والدین کا گنہگار ہونا

[۴۱۶] سوال: ایک شخص نے اپنے بڑے لڑکے کی شادی کرائی مگر چھوٹے کی شادی نہیں کرائی، حالانکہ وہ بالغ ہو گیا اور والد میں شادی کرانے کی استطاعت بھی موجود ہے مگر پھر بھی وہ اپنے فرض سے غفلت کرتا رہا تو اس حالت میں اگر لڑکے سے زنا صادر ہو جائے تو اس میں اس کے باپ کو بھی گناہ ہوگا کہ نہیں؟ نیز جب کہ والد ایسی حالت میں گزر جائے کہ لڑکے کے لیے کچھ مالیت نہ چھوڑی، اور لڑکے کی ماں کے پاس ذاتی ملکیت اتنی ہے کہ وہ لڑکے کی شادی کرا سکے مگر وہ بھی شادی نہ کرائے تو اس حالت میں اس کی ماں کو لڑکے کے زنا کی صورت میں گناہ ہوگا کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: لڑکا نکاح سے شرعاً عاجز ہو اور باپ شادی کرانیکی طاقت رکھتے ہوئے بھی غفلت کرے تو اس صورت میں اگر لڑکے سے زنا یا اس کے مقدمات کے متعلق کچھ زنا سر زد ہو جائے تو اس میں باپ پر بھی مواخذہ ہوگا، مگر اس سے لڑکا یہ نہ سمجھے کہ زنا کا گناہ باپ پر ہوگا تو وہ گناہ شروع کرے؛ بلکہ لڑکے کو فعل زنا کا گناہ پورا ہوگا، اور باپ پر ایک قباحت کے ازالہ کی استطاعت رکھتے ہوئے بھی غفلت کا گناہ ہوگا۔

رہا ماں پر گناہ کا سوال تو حدیث میں اگرچہ ماں پر گناہ کی تصریح موجود نہیں مگر باپ کی عدم موجودگی میں اولاد کی تادیب اور نگرانی کے اکثر حقوق چونکہ والدہ کو راجع ہوتے ہیں، اس لیے باپ کی عدم موجودگی میں جب لڑکا اپنے نکاح سے عاجز ہو اور ماں میں اس کے نکاح کرانیکی استطاعت موجود ہو تو اس کو نکاح کرانا چاہیے ورنہ تو لڑکے کے زنا میں واقع ہونے کی صورت میں ماں کو گناہ ہونے کا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ کذا فی شرعة الاسلام فی سنن النکاح، والمشکوۃ قبیل باب اعلان النکاح، وعن ابی سعید وابن عباس قالا: قال

رسول ﷺ: من ولد له ولد ذكر اوانثىٰ، فليحسن اسمه وادبه فاذا بلغ فليزوجه، فان بلغ وهو فقير ولم يزوجه اى الاب وهوقادر فاصاب الولد اثمامن الزنا ومقد ماته فانما اثمه على أبيه اى جزاء اثمه عليه لتقصيره. وهو محمول الزجر، وقال اليطبى: جزاء الاثم عليه حقيقة.آھ.(مرقات على مشكوة ج۳/ص۴۱۹) وكذا الحد يث المتصل به-والله أعلم.

ساردا ایکٹ ومسئلہ نکاح نابالغان

[۴۱۷] سوال: ساردا ایکٹ کیا ہے؟اوروہ مسلمانوں پربھی جاری ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ سارداابل(یاقانون منع نکاح نابالغان)سارے برطانوی ہندمیں نافذ ہے،جس کی زدمیں تمام برطانوی ہندی رعایاشریک ہیں،اس قانون کا خلاصہ یہ ہے کہ نابالغوں کا نکاح کرانا جرم ہے،اور چوں کہ اسلام نے ولی کویہ حق دیا ہے کہ وہ اپنے نابالغ بچوں کے نکاح کرائے،اوریہ قانون اس کے برخلاف ہے،اس لیے قانون مذکورکے اجراء کے وقت علماء نے اس کے خلاف زوردارآوازبلندکی مگراب تک گورنمنٹ کی طرف سے کسی صریح حکم میں مسلمانوں کواس قانون سے مستثنی کرنے کااعلان نہیں کیا ہے۔

کتاب الطلاق

طلاق کے لیے میعاد دریافت کرنا

[۴۱۸] سوال: ایک شخص کم از کم نکاح کے بعد کتنے دن گذارنے سے طلاق دے سکتا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ شریعت میں طلاق دینے کے لیے یہ میعاد مقرر نہیں ہے کہ کتنے دن کے بعد طلاق دی جائے بلکہ طلاق بلا ضرورت شرعی ہر وقت ابغض المباحات سے ہے اور بضرورت شرعی بطریق شرعی ہر وقت جائز ہے۔ واللہ اعلم

وعدۂ طلاق معلق کا عدم طلاق ہونا

[۴۱۹] سوال: ایک مرد کی عورت کو ہمیشہ ترکاری کا برتن چاٹنے کی عادت ہے اس کے مرد نے اس کو بلا کر کہا کہ آج کے بعد تجھے برتن چاٹتے جو دیکھوں گا تو تجھے اسی روز سے تین طلاق دے دوں گا، اس عورت نے اپنے خاوند کی دھمکی سے دس یا پندرہ روز برتن نہیں چاٹا اور پندرہ روز کے بعد اپنی عادت یاد آنے سے تنہائی میں ادھر ادھر دیکھتے برتن چاٹنا شروع کیا اتنے میں اس کا مرد آ گیا اور اس نے اس کو چاٹتی ہوئی دیکھ لیا تو تین طلاق ہوئی کہ نہیں؟ اور اس مرد نے اس عورت کو اسی وقت اپنے مکان سے نکال دی کہ تو میرے نکاح سے نکل گئی ہے اس مرد کے دو تین بچے ہونے کی وجہ سے اپنی عورت پھر نکاح میں لانا چاہتا ہے تو بغیر حلالہ کئے ازروئے شریعت نکاح میں لا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ بظاہر سوال سے تو وقوع طلاق کا شبہ نہیں ہو سکتا ہے کیوں کہ برتن چاٹتے

دیکھوں گا تو طلاق دے دوں گا، وعدہ اور دھمکی ہے بعد کے قول سے بھی دھمکی ہی معلوم ہوتی ہے، اور وعدہ اور دھمکی میں طلاق کا عزم اور وقوع مفقود ہے لہٰذا یہ قول تعلیق الطلاق میں داخل نہیں ہوسکتا ہے بلکہ تعلیق وعدہ ودھمکی ہے اس لیے اس قدر کہنے سے تو طلاق نہ ہوئی، اور بعد میں جو یہ لفظ کہا ہے کہ تو میرے نکاح سے نکل گئی ہے اس سے اگر مستقل اور جدید طلاق مراد اور قصد کی ہے تو اس صورت میں بائن طلاق واقع ہوگئی جو صرف عدت کے ایام یا بعد میں جب چاہیں تجدید نکاح کر کے بدستور میاں بیوی رہ سکتے ہیں اور اگر سابق تعلیق الوعدہ کو لاعلمی کے سبب سے طلاق سمجھ کر گھر سے نکلنے کے لیے کہہ دیا ہو اور مستقل جدید طلاق کی نیت نہ ہو تو طلاق نہ ہوئی اور وہ بدستور اس کی منکوحہ عورت ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ولو قال اردت طلاقك لا يقع. (خانيه بر عالمگيرى ج ١ / ص ٤٥٣)

والقياس ان لا يطلق لأن هذا مجرد وعد او يحتمله فصار كما لو قال طلقى نفسك فقالت انما اطلق نفسى. (هدايه ج ٢ / ص ٣٥٧)

اکراہ میں طلاق بالکتابت معتبر نہ ہونا

[۴۲۰] سوال: میں بریاؤ سے کھلوڑ گیا وہاں ایک ہندو کے مکان پر ٹھہرا ہوا تھا رات کو آٹھ بجے پہنچا ہوا تھا اس کے بعد تقریباً دو گھنٹہ گذرے ہوں گے کہ یکلخت وہاں تین چار شخص لاٹھیاں لے کر آئے اور مجھ کو رسی سے باندھ کر گھر لے گئے ان شخصوں میں سے ایک میرا خالہ زاد بھائی بھی تھا وہ مجھ کو گھر لے گیا اور دروازہ بند کر کے مجھ کو ستون کے ساتھ باندھ دیا اس کے بعد دو شخصوں نے میری تلاشی لی اور ایک شخص چاقو لے کر بیٹھا اور دوسرا لاٹھی لے کر بیٹھا اور کہنے لگا کہ تیری عورت کو طلاق لکھ دے میں نے انکار کیا اور کہا کہ کسی صورت سے طلاق نہیں لکھوں گا جس پر وہ مجھے کہنے لگے کہ

طلاق نہیں دے گا تو تجھے مار ڈالوں گا اِس وقت تیسرا کون ہے؟ اس طریقہ سے ظلم کر کے زبردستی مجھ سے طلاق لکھوائی میں نے محض جان بچانے کے لیے بادل ناخواستہ کیا اور جو الفاظ طلاق کے لکھوائے تھے وہ یہ ہیں: ''بموجب شریعت محمدی تم کو الگ کیا ہے اور جب تم دوسرے نکاح میں جاؤ تو میری کسی قسم کی ممانعت نہیں'' ایسا مضمون لکھوالیا ہے اس کے بعد وہ لوگ میری جان سے باز آئے جب رات کو بارہ بجے تھے غریب ہونے کی وجہ سے میں نے اس معاملہ کو طول نہ دیا بلکہ وہاں سے پھر بریاؤ آیا اور ایک رجسٹر کاغذ میرے سسر کے نام اور میری عورت کے نام اس مطلب کا بھیجا کہ آپ کے بھانجے نے مجھ پر ظلم کیا اور زبردستی ایک طلاق نامہ لکھوایا ہے وہ طلاق نامہ شرع محمدی کی رو سے غلط ہے اس قسم کی خبر میں نے لکھ بھیجی تھی اور رجسٹر کی رسید بھی میرے پاس موجود ہے، میرے خالہ زاد بھائی نے جو مجھ سے زبردستی ظلم کر کے طلاق نامہ لکھوایا تھا وہ طلاق نامہ اس نے دس پندرہ روز کے بعد رجسٹر کر کے میرے سسر پر کھلوڑ بھیجا مگر اس سے پیشتر میرا وہ خط جو میں نے اوپر لکھا تھا پہنچ گیا تھا اب میری عورت نے بذریعہ وکیل نوٹس بھیجی ہے جس میں لکھا ہوا ہے کہ میں الگ ہوگئی ہوں جب میری مرضی ہوگی تب دوسرے کے نکاح میں داخل ہوں گی، اس نوٹس کو پڑھ کر میں بہت غمگین ہوں کہ مالدار شرع محمدی چھوڑ کر غریبوں کو پریشان کرتے ہیں میں لاچار ہوں غریب ہوں میرا کوئی نہیں ہے لہٰذا زیادہ مضبوطی کے لیے شرع محمدی کے مطابق جواب دیں خدا آپ کو ثواب دارین عطا کرے۔ آمین۔

میری شادی ہونے کو تقریباً اٹھارہ سال ہوئے ہیں اس میں ایک لڑکی پیدا ہو کر انتقال کر چکی ہے میری عورت کھنبات میں رہتی ہے اور یہ دغا بازی کا کام کھلوڑ میں ہوا ہے۔

الجواب: وباللہ التوفیق: یہ الفاظ کہ ''تم کو الگ کیا، دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے'' بمعنی فارقتک بائن ابتغی الازواج کے ہیں جو قرینۂ موجودہ اور نیت سے طلاق بائن ہو جاتی ہے۔

اب اگر شخص مذکور نے طوعاً یا کرھاً یہ الفاظ منہ سے نکالے ہوں تو قرینۂ حالیہ کی وجہ سے عورت پر طلاق بائن واقع ہوگئی اور اگر منہ سے یہ الفاظ ادا نہیں کیئے ہوں تو محض ان الفاظ کے لکھنے سے جو کرھاً لکھوائے گئے ہیں طلاق واقع نہ ہوگی کیوں کہ کتابت اور تحریر بوقت ضرورت قائم مقام الفاظ ہوسکتی ہے مگر یہاں طلاق لکھنے کی کچھ ضرورت اور حاجت نہیں ہے بلکہ کرھاً لکھوانے سے معلوم ہوتا ہے کہ حاجت نہ لکھوانے کی ہے۔ ویقع طلاق کل زوج عاقل بالغ ولو مکرھاً کنز الدقائق وغیرہ وقال صاحب البحر تحت قوله ولو کرھاً ای ولو کان الزوج مکرھا علی انشاء الطلاق لفظا ثم قال بعد صفحة فی تقییده لفظا وقیدنا بکونه علی النطق لأنه لو اکره علی ان یکتب طلاق امرأته فکتب لا تطلق لان الکتابة اقیمت مقام العبارة باعتبار الحاجة ولا حاجة ھھنا کذا فی الخانیة وفی البزازیة اکره علی طلاق فکتب ان فلانة بنت فلان طالق لم یقع. آھ. بحر الرائق ج ۳/ص ۲۴۵،۲۴۶ وقریبا منه عبارة الخانیة علی العالمگیریة ج ۱/ص ۴۷۲ والعالمگیریة ج ۱/ص ۳۷۹۔

بعد مدت مرد کا طلاق کی خبر دینا

[۴۲۱] سوال: ایک شخص اپنی عورت کو طلاق دیتا ہے اور وہ اس طرح کہ ایک کاغذ میں تین مرتبہ طلاق کا لفظ لکھتا ہے اور وہ شخص منھ سے بھی بولتا ہے اور کاغذ لکھ کر ایک رشتہ دار کے ذریعہ سے وہ کاغذ عورت تک پہنچتا ہے، اس میں مہر کے متعلق لکھتا ہے کہ میرا جتنا زیور تیرے پاس ہے اس میں میری مہر وضع کرتا ہوں اور جو بچے وہ تجھے بخشش کرتا ہوں وہ شخص اب بھی اقرار کرتا ہے کہ میں نے طلاق دیدی ہے، اس بات کو ڈیڑھ سال سے زائد عرصہ ہو چکا ہے لہٰذا اس طرح از روئے شریعت

طلاق ہوئی کہ نہیں؟ اور مہر وضع ہوئی کہ نہیں؟ اور عورت اور کسی حق کا دعویٰ کر سکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ تین بار منہ سے تلفظ طلاق دینا اور پھر لکھ کر عورت کے پاس بھیجنا اور پھر اقرار بالطلاق کرنا یہ سب چیزیں موجب طلاق ہیں، اور طلاق یقیناً واقع ہوئی، صرف دریافت طلب یہ امر ہے کہ طلاق اور عدت وقوع کے وقت سے اعتبار کرنا چاہیے یا آج سے؟ جب کہ وقوع طلاق کا اقرار کرتا ہے، تو اس کے متعلق یہ فیصلہ ہے کہ آج سے قبل جب کہ اس نے طلاق کہہ کر عورت کے پاس لکھ کر بھیج دیا تھا اس وقت اس نے شرعی شہادت کی روبرا اپنی بیوی کی طلاق کا اظہار کیا تھا اور لوگوں میں یہ بات مشہور ہوگئی تھی کہ فلاں شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دیدی ہے یا نہیں، اگر آج سے قبل لوگوں میں اس کی طلاق مشہور ہو چکی تھی اور کم از کم دو شرعی گواہوں کے سامنے اس نے طلاق کا اظہار کیا تھا تو اسی وقت سے طلاق واقع ہوگی اور عدت بھی اسی وقت سے شمار ہوگی، اور اگر اس نے طلاق کے واقعہ کو چھپا رکھا تھا اور کم از کم دو شرعی گواہوں کے سامنے اس نے طلاق کا اظہار بھی نہیں کیا تھا، اور آج ڈیڑھ سال بعد لوگوں میں اقرار کرتا ہے کہ میں ڈیڑھ سال قبل زباناً وتحریراً طلاق دے چکا ہوں تو طلاق آج وقت اقرار سے معتبر ہوگی اور عدت بھی آج وقت اقرار سے شمار ہوگی، رہا مسئلہ وضع مہر بعوض زیور تو اگر شوہر کا زیور عورت کے مہر کی جنس ہو اور زیور مہر سے زائد یا مساوی ہو تو وضع ہو جائے گی ورنہ بحسابہ وضع ہوگی، اور اگر مہر زیور کی جنس میں سے نہ ہو تو یہ ایک مبادلہ مالیہ ہے جو جانبین کی مرضی پر موقوف ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

لو اقر بطلاقها منذ زمان ان كذبته، وجبت العدة من وقت الاقرار ولها النفقة والسكنى وان صدقته فكذلك غير انه لا نفقة ولا سكنى (ثم قال) وفى اول طلاق جواهر الفتاوى ابانها واقام معها فان اشتهر طلاقها فيما بين الناس تنقضي والا لا، كذا لو خالعها، فان أقر بين الناس أو اشهد على

ذلك تنقضی والا لا هو الصحیح، وكذا لوكتم طلاقها لم تنقص زجراً وحينئذ مبتدها من وقت الثبوت والظهور.آه. (در مختار ٨٤٠) قال العلامة الشامی تحت قوله "او اشهد على ذلك" اشارة الى ان الاشتهار لا بد ان يكون باقراره بين الناس لا بمجرد سماعهم من غيره، والى ان اقراره عند رجلين يكفى فلا يلزمه الاقرار عند الاكثر فان الشهادة اشتهار، كما قالوا فى النكاح۔ثم قال فى آخر قوله: والحاصل انه ان كتمه ثم اخبربه بعد مدة فالفتوى على انه لايصدق بل تجب العدة من وقت الاقرار سواء صدقته او كذبته، وان لم يكتمه بل اقر به من وقت وقوعه فان لم يشتهر بين الناس فكذلك، وان اشتهر بينهم تجب العدة من حين وقوعه وتنقضى ان كان زمانها مضى. (شامی ج ٢/ص ٨٤١)

مطلقہ ثلثہ کے حلالہ کے لیے حیلہ کرنا

[۴۲۲] سوال: ایک مرتبہ جس عورت کوطلاق دی ہواس سے دوبارہ نکاح کرنے کے لیے حلالہ کرنا درست ہے مگر حلالہ کر کے ہمبستر نہ ہو یا عمداً ہمبستر نہ ہونے دے تو کیا یہ حلالہ ہو جائے گا؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛"امرأة رفاعه" والی حدیث جوتقریباتمام صحاح میں موجود ہےاورمشہور کے درجے میں پہنچی ہے،اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ مطلقۂ ثلاثہ پہلے شوہر کے لیے اس وقت تک حلال نہیں جب تک بعدعدت زوج ثانی سے بنکاح صحیح وطی نہ کرلے،اورزوج ثانی کے طلاق کے بعدعدت نہ گزاردے،اس لیے مسئولہ صورت میں شوہرثانی کے وطی کئے بغیر وہ عورت پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہے،یہی حکم تمام کتب فقہ میں موجود ہے۔ ولا تحل حرة بعد الثلاث الا بعد وطی زوج آخر بنكاح صحيح ومضى عدته. (مجمع الانهر ٢١٣)

ایام عدت میں تجدید نکاح کرنا

[۴۲۳] سوال: ایک شخص اپنی مرضی سے ہندو مذہب چھوڑ کر مسلمان ہوا، اور تین سال کے بعد ایک عورت سے مطابق شریعت نکاح کیا، تین چار سال کے بعد جھگڑوں کی وجہ سے اپنی عورت کو پانچ دس آدمیوں کے سامنے ٹکٹ والے کاغذ پر طلاق لکھدی، اور تقریباً ایک ماہ کے بعد پانچ سات آدمیوں کے سامنے ایک مولوی صاحب کو بلا کر پھر نکاح پڑھوایا، نکاح پڑھانے والے مولوی صاحب اس معاملہ کو جانتے تھے مگر مقررہ فیس کی لالچ میں نکاح پڑھا دیا، لہٰذا حدیث شریف کے مطابق نکاح پڑھنے والے اور نکاح پڑھانے والے مولوی صاحب کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: اگر شخص مذکور تین طلاق دے چکا تھا تو بمقتضائے ﴿فان طلقها فلا تحل له من بعد حتىٰ تنكح زوجاً غيره﴾ (الآية) قبل عدت اور شرعی حلالہ کے یہ نکاح قطعاً ناجائز اور حرام فعل تھا، جس کا مرتکب اور معاون سخت گنہگار ہوگا اور مناسب تعزیر کے مستحق ہیں لقوله تعالى ﴿ولا تعاونوا على الا ثم والعدوان﴾ اور اگر تین طلاق نہیں؛ بلکہ کم دے چکا تھا تو چوں کہ مادون الثلاث طلاق میں طلاق دہندہ شخص عدت وما بعد العدۃ دونوں صورتوں میں تجدید نکاح کرسکتا ہے، اس لیے شخص مذکور کا عدت میں تجدید نکاح کرنا موافق شرع تھا، اور اس صورت میں اس پر اور مولوی صاحب پر شرعاً کچھ الزام نہیں ہے۔ وله ان يتزوج مبانته بما دون الثلث فى العدة وبعدها. آه. (مجمع الانهر ج ۱/ص ۲۱۳، رجعة)

اپنی مطلقہ سے عدت میں نکاح کرنا

[۴۲۴] سوال: اپنی مطلقہ سے ایک ماہ بعد نکاح کیا تو یہ نکاح درست ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: اگر طلاق ثلاثہ دے چکا تھا تو درست نہیں ورنہ درست ہے۔ وله أن

يتزوج مبانته بما دون الثلث في العدة وبعدها. (مجمع الانهر ج ۱ / ص ۲۱۳)
﴿فلا تحل له﴾ (الآية)

طلاق لکھتا ہوں یا منظور ہے، طلاق نہیں

[۴۲۵] سوال: آج میں اپنی راضی خوشی سے تم کو طلاق دینے آیا ہوں، گواہی کے لیے آج سامنے بیٹھے ہوئے صاحبوں کے سامنے لکھ دیتا ہوں کہ مجھے منظور ہے، اس طرح لکھ کر اس نے عورت کو طلاق دی، یہ طلاق ہوئی یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ طلاق دینے آیا ہوں، گواہوں کے سامنے لکھ دیتا ہوں، یہ الفاظ طلاق دینے کا وعدہ ہیں طلاق دینا نہیں، ''مجھے منظور ہے'' اول تو منظور کا مفعول ہی معلوم نہیں ہے، اور بالفرض اگر بقرینۂ حالیہ طلاق ہی مراد لیجائے تو یہ لفظ "اردت طلاقك، رضيت طلاقك، احببت طلاقك" کے ہم معنی ہیں جن میں طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، بہرحال اگر شخصِ مذکور نے مندرجہ الفاظ سے زائد نہ کچھ کہا اور نہ لکھا تو محض مندرجہ الفاظ کے کہنے یا لکھنے سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ ولو قال اردت طلاقك لا يقع. (خانيه بر عالمگيری ج ۱ / ص ۴۵۳)
والقياس ان لا تطلق لان هذا مجرد وعد او يحتمله فصار كما لو قال طلقی نفسك فقالت انا اطلق نفسی. (هدايه ۳۵۷) ولو قال هديت طلاقك او احببت طلاقك او رضيت طلاقك او اردت طلاقك لا تطلق و ان نوى. هكذا فی الخلاصة. (عالمگيری ج ۱ / ص ۳۵۹)

لفظ طلاق کے سہ بار تکرار سے تین طلاق ہونا

[۴۲۶] سوال: مرد نے غصے کی حالت میں بیوی سے کہا کہ تو روز لڑائی کرتی ہے تو تجھکو اس شخص

حاضر کے سامنے طلاق، طلاق، طلاق دی ہے، اب تو اپنے باپ کے مکان پر چلی جا، اب مرد غریب ہے پانچ بچے بھی ہے تو تجدید نکاح سے بیوی رہے گی یا حلالہ کی ضرورت ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مسئولہ صورت میں عورت تین طلاق سے مطلقہ ہوچکی لہٰذا عورت حرام ہو گئی بغیر حلالہ بیوی نہیں رہ سکتی ہے۔ ولو قال لها انت طالق طالق او انت طالق، انت طالق او قد طلقتك، قد طلقتك او انت طالق، قد طلقتك تقع ثنتان اذا كانت المرأة مدخولا بها. آه. واذا قال لامرأته: انت طالق و طالق و طالق ولم يعلقه بالشرط ان كانت مدخولا بها طلقت ثلاثا. آه. (عالمگیری ج ۱ / ص ۳۵۵)

متى كرر لفظ الطلاق بحرف الواو او بغير حرف الواو يتعدد الطلاق و ان عنى بالثانى الاول لم يصدق. آه. (عالمگیری ج ۱ / ص ۳۵۶)

ارادۂ طلاق ظاہر کرنے سے طلاق نہ ہونا

[۴۲۷] سوال: عورت زبان درازی کرتی ہے تو مرد تنگ آکر یہ کہے کہ کسی روز میں تم کو ایک دو تین کہدوں گا تو کیا اس قدر کہنے سے طلاق ہوئی؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چوں کہ مسئولہ صورت میں طلاق دینے کا وعدہ اور اظہار ارادہ کیا گیا ہے اس لیے محض تم کو ایک، دو، تین کہہ دوں گا سے طلاق واقع نہ ہوگی۔ ولو قال اردت طلاقك لا يقع. (خانيه بر عالمگيرى ج ۱ / ص ۴۵۳) وكذا فى (العالمگيرى ج ۱ / ص ۳۵۹ وكذا فى الهداية ج ۲ / ص ۳۵۷)

(نوٹ): وقد نقلت العبارات الثلثة فى صفحة ۳۸۹ من هذا الفتاوى۔

طلاق نامہ پر دستخط سے انکار

[۴۲۸] سوال: ایک شخص نے جماعت کے سامنے اپنی عورت کو طلاق نامہ لکھا ہے، طلاق نامہ ہر حیثیت سے مکمل ہے، اس واقعہ کو تین سال ہوئے ہیں، اب وہ شخص کہتا ہے کہ چوں کہ طلاق نامہ پر میری دستخط نہیں ہے اس لیے طلاق واقع نہیں ہوئی ہے، اور عورت دوسری جگہ نکاح پر آمادہ ہے تو کیا طلاق صحیح ہوئی ہے یا واقع نہیں ہوئی ہے؟ شرعی فیصلہ لکھئے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ دستخط نہ شرعاً ضروری ہے نہ معتبر، اب صورت مسئولہ میں اگر وہ شخص مذکورہ طلاق نامہ کے متعلق لکھنے یا لکھوانے کا اقرار کرتا ہے تو طلاق واقع ہو چکی ہے، اور عورت دوسری جگہ نکاح کر سکتی ہے، اور اگر مذکورہ شخص نہ طلاق نامہ کے لکھنے یا لکھوانے کا اقرار کرتا ہے اور نہ تصدیق کرتا ہے تو عورت کو حق ہے کہ کسی مسلمان جج کی عدالت میں مذکورہ طلاق نامہ کے متعلق ثبوت پہنچائے ورنہ مرد اپنے انکار پر حلف اٹھا کر صادق سمجھا جائے گا۔

وكذاكل كتاب لم يكتبه بخطه ولم يحله بنفسه لايقع الطلاق مالم يقرانه كتابه. (شامی ج ۲ /ص ۵۸۹) والتفصيل فيه، ويحلف الزوج ان ادعت الزوجة طلاقا بلا بينة لها عليه. (مجمع الانهر ج ۱ /ص ۴۷۶) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

سکران کا طلاق دینا وشافعی سے فتویٰ لینا / بضرورت مذہب غیر اختیار کرنا

[۴۲۹] سوال: زید سسرال میں بیوی کو بلانے گیا، جواب ملا کہ وہ اب نہیں آسکتی ہے کل آئے گی، زید چوں کہ نشہ میں تھا کہنے لگا کہ اس کو بھیجو نہیں تو اس کا راستہ کر دوں گا، گھر والوں نے کہا کہ تجھے جو کرنا ہو کرو، زید نے کہا کہ جب وہ آتی نہیں ہے تو اس کو طلاق، طلاق، طلاق اس طرح چار پانچ

دفعہ کہا اور چلا گیا، ہوش آنے پر لوگوں نے کہا کہ تو بیوی کو طلاق دے چکا ہے، زید نے کہا کہ میں تاڑی پیکر بے ہوش تھا مجھے طلاق دینے کی خبر نہیں ہے، تو کیا یہ طلاق واقع ہوئی یا نہیں؟ طلاق پر دو گواہ موجود ہیں، اور یہ عورت کسی صورت سے اس کی بیوی ہوسکتی ہے یا نہیں؟ ور کیا ائمہ اربعہ میں سے کسی اور امام کے قاضی یا مفتی سے فتوی لے سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چوں کہ شراب اور تاڑی ایک حرام چیز ہے اور حرام کے ارتکاب سے اگر چہ عقل ہی زائل ہوجائے تب بھی شریعت میں اس کی زجر وتوبیخ کے لیے اس کی طلاق معتبر سمجھی جاتی ہے، اور چوں کہ مذکورہ شخص نے تین بلکہ زائد مرتبہ طلاق دی ہے جس پر دو گواہ موجود ہیں، اس لیے عورت تین طلاق سے مطلقہ ہوگئی، اب عدت گذرنے کے بعد جب تک وہ عورت دوسرے شوہر سے بنکاح صحیح وطی نہ کرلے اور زوج ثانی کے طلاق سے عدت پوری نہ ہو اس وقت تک نہ اس اول مرد کے لیے وہ بیوی ہوسکتی ہے، اور نہ ان میں نکاح درست ہوسکتا ہے۔ ﴿فان طلقها فلا تحل له من بعد حتیٰ تنکح زوجاً غیره﴾ (الآية) ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل و لو تقديرا ليدخل السكران فانه فی حكم العاقل زجراً له. درمختار والشامی ج ۲ /ص ۵۷۹) و فی التاتارخانية: طلاق السكران واقع اذا اسكر من الخمر والنبيذ وهو مذهب اصحابنا. آھ. (شامی ۵۸۴) ویقع طلاق کل زوج عاقل بالغ ولومكرها او سكران. آھ. (مجمع الانهر ۱۹۱، هدایه ج ۲ /ص ۳۳۸)

رہا یہ سوال کہ مذکورہ شخص دوسرے امام کے پیرو کے پاس مرافعہ کرکے بلا تحلیل عدم طلاق کا فتویٰ حاصل کرسکتا ہے کہ نہیں؟

تو یہ مسئلہ بعینہٖ نظر سے نہیں گذرا ہے مگر قواعد کی رو سے جواب یہ ہے کہ اگر شخص مذکور کو

اپنے مذہب کا حکم مفتی نے سنایا اور اس کو اپنے مذہب کے موافق حکم ناموافق معلوم ہوا اس لیے شافعی مفتی سے اپنے موافق فتویٰ کے لیے مرافعہ کرنا چاہتا ہے تو یہ اس کا بدترین جرم ہے، اور شریعت کے احکام کو خواہش کے مطابق بنانا ہے اور الغاء تقلید پر مبنی ہے جو خلاف اجماع مسلمین ہے، اور اگر اس کو اپنے مذہب کا حکم معلوم نہیں بلکہ اولا شافعی مذہب والے مفتی سے رجوع کیا ہو اور اس نے اپنے مذہب کے مطابق عدم وقوع طلاق کا فیصلہ سنایا ہو تو چوں کہ مسائل اجتہادیہ میں دوسرے مذہب کے مفتی یا قاضی کا حکم نافذ سمجھا جاتا ہے اور یہ مسئلہ بھی اجتہادیہ ہے یہاں تک کہ ہمارے احناف میں سے بھی امام طحاوی اور امام زفر طلاق سکران کے عدم وقوع کے قائل ہیں اس لیے مذکورہ شخص کے لیے شافعی مفتی کے فتوی سے بلا حلالہ عورت مذکور حلال ہو جائے گی اور طلاق کالعدم تصور ہوگی، مگر یہ حیلہ جوئی مفتی کے لیے جائز نہیں، اور اگر شخص مذکور بذات خود کسی شافعی مفتی سے فتویٰ حاصل کرے تو اس میں دخل بھی نہ کرنا چاہیے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ وعلمہ اتم۔

ولم يوقع الشافعي طلاق السكران واختاره الطحاوي والكرخي. وفي التاتارخانية عن التفريد: والفتوى عليه. (الدرالمختار مع الشامي ج٢/ص٥٨٤) فاراد حلها بلا زوج يرفع الامر لشافعي. (الدرالمختار مع الشامي ج٢/ص٧٤٥) وكل شيء قضى به القاضي في الظاهر بتحريمه فهو في الباطن كذلك عند أبي حنيفة وكذا اذا قضى باحلال.آه.(هدايه ج٣/ص١٢٥)وإذا رفع إلى القاضي حكم حاكم امضاه إلا أن يخالف الكتاب والسنة والاجماع بأن يكون قولا بلا دليل، والأصل ان القضاء متى لاحق الفصل المجتهد فيه ينفذ ولا يرده غيره.آه.(هدايه ج٣/ص١٢٥) وإذا اختلف الفقهاء في مسئلة فقضى به قاض بقوله ثم جاء قاض آخر يرى غير

ذلك امضى القاضى القضاء الاول ويجب ان يعلم محل الاجتهاد فى الاقضية وفيها ايضا اصحابنا لم يعتبروا خلاف مالك والشافعى، وانما اعتبروا اقوال الجمهور، واعتبروا اقوال الصحابة الى آخره مفصلا. (خلاصة الفتاوى ج ٤ /ص ٢٥ قضاء) ينفذ قضاء شافعى المذهب على غائب. وكذا فيمن غاب عنها زوجها مدة طويلة فرفع الامر إلى نائب شافعى ففسخ النكاح، ليس للقاضى الحنفى نقضه ولا للمفتى ان يفتى بخلافه. آه. كذا افاد خير الدين الرملى فى (الفتاوى الخيرية ج ٢ /ص ٥)

شوہر کا بعد طلاق مطلق تعلیق کا دعویٰ کرنا

[۴۳۰] سوال: ایک شخص نے اپنی عورت کو تین طلاق بایں الفاظ دی: طلاق، طلاق، طلاق۔ اس کے بعد طلاق نامہ پر دستخط بھی کیا، اب کہتا ہے کہ میں نے مطلق طلاق نہیں دیا بلکہ معلق بالشرط دیا تھا اور شرط موجود نہیں ہوئی، اور اس پر جھوٹے گواہوں کو قائم کر کے مفتی سے عدم طلاق کا فتویٰ حاصل کیا تو اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟ اور جھوٹے گواہوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر واقعہ وہ ہے جو سائل لکھتا ہے کہ طلاق اور طلاق نامہ مطلق تھا اور بعد میں شرط کی قید لگائی گئی ہے تو طلاق واقع ہوگئی ہے، اور جھوٹے گواہ گناہ کبیرہ کے مرتکب ہوگئے ہیں جن کو توبہ کرنا چاہیے، تاہم جب مرد نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ میں طلاق معلق دے چکا تھا اور شرط موجود نہ ہوئی، اور اس پر گواہ موجود ہے اور عورت دعویٰ نہیں کرتی ہے تو مسلمانوں کو "ظنوا بالمومنين خيراً" کی بنا پر اس کی تصدیق کرنا چاہیے اور حقیقت حال خدا پر چھوڑنا چاہیے، اس مسئلہ میں اگرچہ بعضوں نے خلاف بھی لکھا ہے مگر اختلاف کی صورت میں بھی ظاہر المذہب

پر فتویٰ دیا جائے گا، خصوصاً جب کہ اس دعوی کا حق عورت کو ہے اور وہ ساکت ہے۔ ویقبل قوله ان ادعاه وانكرته فی ظاهرالمروی عن صاحب المذهب، وقيل لا يقبل الابينة وعليه الاعتماد والفتوى لغلبة الفساد. خانية. وقيل: ان عرف بالصلاح فالقول له. آه. (الدرالمختار) قال العلامة الشامی بعد مابين دلائل القولين تحت قوله وقيل لا تقبل، قال الخير الرملی اقول حيثما وقع خلاف وترجيح لكل من القولين فالواجب الرجوع الى ظاهر الرواية لان ما عداها ليس مذهبا لاصحابنا. آه. التفصيل فی الشامی ج ۲/ص ۷۰۳، والفتاوی الخيرية ۵۲ مطبوعه عثمانی)

طلاق بالکتابت کے متعلق تحقیق

[۴۳۱] سوال: ایک شخص نے دوسری شادی کے لیے ایک آدمی کی لڑکی کے لیے پیغام دیا، لڑکی کے والد نے شرط لگائی کہ تو پہلی عورت کو طلاق دیدے تو جب میں لڑکی دوں گا، شخص مذکور نے پہلی کو طلاق نامہ لکھا جو اپنے باپ کے گھر تھی اور نئے خسر کو وہ طلاق نامہ حوالہ کرتے ہوئے کہا کہ تم مختار ہو مگر پیسہ لیے بغیر طلاق نامہ نہ دینا، اس واقعہ کے بعد ایک سال ہوا جب نئے خسر نے پرانے خسر کو وہ طلاق نامہ دیا اور دو سو روپیہ وصول کیے، طلاق نامہ وصول کرنے کے دس روز بعد اس عورت نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا تو کیا عدت طلاق نامہ کے لکھنے کے وقت سے شمار ہوگی یا طلاق نامہ ملنے کے وقت سے؟ اور یہ نکاح درست ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: اگر طلاق نامہ کی عبارت میں مطلق طلاق دی گئی ہو کہ میں نے تجھے طلاق دیدی، اور خسر کو صرف خط کی حوالگی کے متعلق پیسہ وصول کرنے کی شرط لگائی گئی تھی تو طلاق

لکھنے کے وقت سے واقع ہوگی اور عدت بھی اسی وقت سے شمار ہوگی، اس لیے ثانی نکاح درست ہے، اور طلاق نامہ میں اگر طلاق معلق دیدی گئی ہو، مثلاً جب تجھے میرا یہ خط ملے تو طلاق ہے، یا جب تو پیسہ دیگی تو تجھے طلاق ہے، یا سرے سے طلاق کا وقوع ہی خسر کے اختیار میں دے دیا گیا تو ان صورتوں میں جس وقت خسر نے دوسو روپیہ وصول کر کے طلاق نامہ حوالہ کیا ہے اس وقت طلاق واقع ہوئی اور چونکہ عدت اسی وقت سے شمار ہوگی اس لیے ثانی نکاح جائز نہیں ہوا۔ وان كانت مرسومة يقع الطلاق نوى او لم ينو، ثم المرسوم لا تخلوا اما ان ارسل الطلاق بان كتب اما بعد: فانت طالق فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة، وان علق طلاقها بمجيء الكتاب بان كتب اما بعد: فاذا جاءك كتابي هذا فانت طالق، فما لم يجيء إليها الكتاب لايقع، كذا في (فتاوى قاضي خان عالمگیری ج ۱ / ص ۳۷۸) اما ان ارسل الطلا ق بان كتب اما بعد: فانت طالق فكما كتب هذا يقع الطلا ق وتلز مها العدة من وقت الكتابة وان علق طلاقها بمجيء الكتاب بان كتب اذاجاءك كتا بي فانت طا لق فجائها الكتاب فقرأته او لم تقرأ يقع الطلاق، كذا في الخلاصة. (شامی ج ۲ / ص ۵۸۹)

طلاق مغلظ پر صرف عورتوں کی شہادت

[۴۳۲] سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی کو دو مرتبہ فارقتی فارقتی کہا جس کا وہ اب بھی معترف ہے اور ایک شخص نے دو مرتبہ یہ لفظ ادا کرتے ہوئے سنا ہے، وہ بھی دو ہی مرتبہ کی گواہی دیتا ہے، مگر وہاں جو عورتیں بیٹھی تھیں وہ کہتی ہیں کہ دو سے زائد مرتبہ کہہ چکا ہے، تو اب وہ شخص بلا حلالہ عورت کو

بیوی بنا سکتا ہے یا حلالہ کی ضرورت ہوگی؟ عورت دعوی سے ساکت ہے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ موجودہ صورت میں مدعیہ عورت ہوسکتی ہے اور جب وہ دعوی تفریق نہیں کرتی ہے تو مرد کا قول دو مرتبہ کہنے کا مقبول ہے اور شہادت کی سرے سے ضرورت ہی نہیں کیونکہ دعوی ہی موجود نہیں، اور بالفرض اگر عورت مدعیہ بھی ہوتی تب بھی مسئلہ طلاق میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کی شہادت کی ضرورت تھی اور موجودہ صورت میں دو مرتبہ پر سب کا اتفاق ہے، اور دو سے زائد پر صرف عورتوں کی شہادت ہے، لہٰذا زائد ثابت نہ ہوسکی اور دو طلاق بائن سمجھی جائے گی، جس کے بعد میاں بیوی بتراضی طرفین تجدید نکاح سے حسب سابق میاں بیوی بن سکتے ہیں۔

وما سوى ذلك يقبل فيه شهادة رجلين أو رجل و امرأتين سواء كان الحق مالا أو غير مال مثل النكاح والطلاق.الخ. (هداية ج٣/ص١٣٨) وينبغي على ما هو المعتمد أن يكون (قبول قوله) بيمينه اذا انكرته الزوجة، اما اذا لم تنكره فلا يمين عليه اللهم الا اذا اتهمه القاضى الىٰ آخر ما قال مفصلاً (شامى ج٢/ص٧٠٣) وكذا فى الهداية فى بحث الاختلاف فى الشهادة والفتاوىٰ الخيرية فى دعوى الاستثناء(ج١/ص٥٢، بحرالرائق ج٧/ص٦٢)

پس مرگ مرد کے گھر سے طلاق نامہ ملنا

[۴۳۳] سوال: ایک شخص گزر گیا، ورثہ کو میت کی الماری میں سے طلاق نامہ ملا جو دس سال قبل کا لکھا ہوا تھا، جس پر دو گواہوں کے دستخط تھے اور ہر گواہ غائب تھے مگر ان گواہوں کے احباب نے یہ شناخت کیا کہ یہ دستخط یقیناً ان گواہوں کے دستخط ہیں، اس قدر واقعہ پر ورثہ نے عورت کو اطلاع دی کہ تیرے شوہر نے چوں کہ عرصہ سے تجھے طلاق دی ہے، اس لیے تو مہر لے اور ورثہ میں تجھے حق

نہ ملے گا چنانچہ وہ محروم الارث قرار دی گئی۔

اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ بلا اطلاع عورت شوہر کا طلاق دینا درست ہے؟ اور جب کہ موجودہ واقعہ طلاق کا علم نہ عورت کو ہے اور نہ اور کسی کو، محض ایک کاغذ میں طلاق کی تحریر پانے سے طلاق واقع ہوسکتی ہے؟ اور جب کہ گواہ موجود نہ تھے تو محض ان کے دستخط کی شناخت پر عورت مطلقہ ہوکر محروم الارث قرار دینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: شوہر کے طلاق دینے کے لیے عورت کا علم ضروری نہیں ہے، مگر موجودہ مسئلہ کی طرح ایسی صورت واقع ہو جہاں عورت کو وراثت سے محروم کرنے سے عورت کو ضرر ہو تو ایسی حالت میں شوہر یا اس کے ورثہ کو ثبوت طلاق کے لیے گواہ پیش کرنا ہوگا، بغیر ثبوت شرعی عورت محروم ارث نہیں ہوسکتی ہے، شہادت کے بارے میں فقہاء کی تصریح ہے کہ شہادت تخمین اور گمان سے نہیں دینا چاہیے بلکہ حادثہ کے کامل علم کے وقت دینا چاہیے۔ (کنز)

بنا بریں اگر عدالت میں گواہ یہ بیان دیوے کہ کاغذ پر دستخط ہمارے ہیں مگر واقعہ ہم کو یاد نہیں تو ایسی صورت میں ان کی گواہی مقبول نہ ہوگی جب تک حادثہ کا علم نہ ہوجائے، اب یہ ظاہر ہوگیا کہ گواہ اگر خود حاضر ہوجائیں اور دستخط کی معرفت کا اقرار کر بھی لیں مگر واقعہ یاد نہ رکھتے ہوں تو ان کی گواہی قبول نہیں تو جب کہ مسئولہ صورت میں گواہ خود غائب ہیں اور احباب نے ان کی دستخط کو شناخت کیا ہے تو محض اس اجنبی اشخاص کی شناخت سے کس طرح شہادت قبول ہوسکتی ہے، لہٰذا مذکورہ مسئلہ میں جب تک گواہ اصالۃ یا نیابۃ شرعی بیان اس حادثہ کا نہ دیں اس وقت تک عورت مطلقہ سمجھ کر محروم الارث قرار دینا یقیناً ظلم اور خلاف شرع ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

وما سوى ذلك يقبل فيه شهادة رجلين أو رجل و امرأتين سواء كان الحق مالا أو غير مال مثل النكاح والطلاق. الخ. (هداية ج ٣/ ص١٣٨،

وشامی ج ۲ /ص ۵۸۹) ولا یعمل شاهد وقاض وراو بالخط ان لم یتذاکروا ولا یشهد بمالم یعاینه.(کنز، بحر الرائق ج ۷ /ص ۷۲) اس قول کے بعد شرح الاشباہ والنظائر میں دیکھا کہ صاحبین کے نزدیک شاہد، قاضی، راوی کو اگر حادثہ یاد نہ رہے تو محض اپنے خط کی معرفت پر ان کی تحریر معتبر ہے، اور اس پر فتویٰ دیا ہے، مگر ہمارے موجودہ مسئلہ میں یہ صورت بھی جاری نہیں ہے کیونکہ یہاں شاہد بالکل غائب ہیں، اور اجنبی شخص ان کی دستخط کی معرفت کا ذمہ دار ہے اس لیے حرمان میراث کے لیے نہ اس کی ضرورت ہے اور نہ کوئی پختہ دلیل ہے۔ (الاشباہ والنظائر کتاب الشهادات والقضاء ۳۰۵) (عالمگیری ۴۵۶)

مطلقہ ثلاثہ کے لئے نفقہ وسکنیٰ واجب ہونا

[۴۳۴] سوال: ایک آدمی غصہ کی حالت میں عورت کو تین طلاق دے چکا ہے، عورت کا کوئی نہیں جو نان نفقہ دے، اس واسطے وہ شہر میں در بدر پھرتی ہے، اور مذکورہ زن وشوہر میں دس عدد اولاد بھی موجود ہیں، مرد کی عمر ۴۳ سال کی ہے اور عورت کی ۳۶ سال کی، اب عورت مرد سے عاجزی سے درخواست کرتی ہے کہ مجھے گھر میں ایک کونہ میں جگہ دو تا کہ آپ کے بچوں کی خبر گیری کرتی رہوں اور کھانا کھا کر ایک گوشۂ مکان میں پڑی رہوں گی، مرد چوں کہ غریب ہے اس لیے اس کے پاس مہر کے پیسے ہی نہیں اور چاہتا ہے کہ جب تک میں اس کی مہر جمع کر کے دینے پر قدرت پالوں اس وقت تک گھر میں ایک طرف رکھوں؛ تا کہ میرے بچوں کی خبر گیری رہے، وراس کے نفقہ کی بھی صورت ہو سکے تو کیا از روئے شرع شریف اس طرح وہ عورت رکھ سکتا ہے؟ نیز اس نے زبانی طلاق دی ہے اور طلاق نامہ اب دینا چاہتا ہے تو عدت طلاق سے شمار ہوگی یا لکھنے کے وقت سے؟ مذکورہ عورت سخت تکلیف میں ہے اس لیے جواب باصواب سے جلد سرفراز فرمائیں۔ از احمد آباد

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مذکورہ عورت مطلقہ ثلاث ہے، اور مطلقہ ثلاث جب تک بعد عدت دوسرے شوہر سے صحبت کر کے طلاق یا موت کی عدت نہ گزارے اس وقت تک پہلے شوہر سے نکاح نہیں کر سکتی ہے۔﴿فان طلقها فلا تحل له من بعد حتى تنكح زوجا غيره﴾ (بقرہ۲)

عدت وقوع طلاق کے وقت سے معتبر ہوگی نہ کہ لکھنے کے وقت سے۔

مذکورہ عورت کے لیے ایام عدت میں شوہر پر نفقہ اور رہنے کے لیے مکان دینا واجب ہے، مگر ان ایام میں میاں بیوی کے درمیان قابل اعتبار پردے کی ضرورت ہے؛ یہاں تک کہ اگر مکان کی تنگی کی وجہ سے پردے کے ساتھ دونوں کے رہنے کی گنجائش نہ ہو تو مرد کو ان ایام میں باہر رہنا چاہیے خصوصاً جب کہ فاسق ہو۔

مطلقہ بائنہ کو بچوں کی پرورش کے لئے گھر میں رکھنا

عدت کے بعد اگر بچوں کی پرورش کی ضرورت ہو اور مرد کبرسنی کی وجہ سے خوف فتنہ سے مامون ہو تو بشرطیکہ وہ مشہور فاسق نہ ہو وہ عورت کو مندرجہ ضرورت کے لحاظ سے مکان کے کسی علیحدہ حصہ میں پردے کے ساتھ رکھ سکتا ہے، بشرطیکہ مکان میں اس کی گنجائش بھی ہو، ورنہ نہیں۔

مہر کی ادائیگی تک اس پر عدت سے باہر نفقہ واجب نہیں اور اگر بطور صدقہ و نیک سلوک دیتا ہے تو اس میں ممانعت نہیں مگر خوف فتنہ کی صورت میں یہ بھی منع ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

وتعتدان اى معتد الطلاق والموت فى بيت وجبت فيه ولابد من سترة بينهما فى البائن لئلا يتخلى بالاجنبية، وان ضاق المنزل عليهما او كان الزوج فاسقا فخروجه أولى؛ لان مكثهاواجب لامكثه، ومفاده وجوب الحكم به. آه. وفى المجتبى: الأفضل الحيلولة بستر ولو فاسقا فبإمرأة.

وقـال: ولهما ان يسكنا بعد الثلث فى بيت واحد اذ لم يلتقيا التقاء الازواج ولم يكن فيه خوف فتنة.

وسـئل شيـخ الاسـلا م عـن زوجين افتر قا ولكل منهما ستون سنة وبيـنهـمـا اولا د تتـعـذر عليهما مفارقتهم فيسكنا ن فى بيتهم ولا يجتمعان فى فراش واحد ولا يلتقيان التقاء الازواج فهل لهما ذلك؟

قـال: نـعـم، واقـره الـمـصـنف. (الدرالمختار) وكأنه ارا د بنقل هذا تـخـصـيـص مـا نـقله من المجتبٰى بما اذ ا كا نت السكنى معها لحا جة كوجود الاولا د يـخشـى ضيـاعهم لو لا سكنوا معه او معها او كونها كبيرين لا يجد هو مـن يـعـولـه ولا هـى مـن يشتـرى لها او نحو ذلك، والظاهر: ان التقييد بكون سـنهما ستين سنة، وبوجود الاولا د مبنى على كونه كذلك فى حادثة السوال كما افاده.آه.(الشامى ج٢/ص٨٥٥)

ومبدأ العدة بعد الطلاق والموت على الفور وتنقضى وإن جهلت، فلو طـلـق امـرأتـه ثم انكره واقيمت عليه بينة وقضى القاضى بـالفرقة، فالعدة من وقت الطلاق.(الدرالمختار مع الشامى ج٢/ص٨٣٩) وتجب لمطلقة الرجعى والبـائـن، والـفـرقة بلا معصية كخيار عتق وبلوغ وتفريق بعدم كفاء ة النفقة والسـكـنـى والكسوة وإن طالت المدة لا تسقط النفقة المفروضة بمضى العدة على المختار. (بزازية)(در مختار مع الشامى ج٢/ص٩٢١)

طلاق نامہ بھیج دینا

[۴۳۵] سوال: ایک شخص نے پردیس سے ایک دوست کے پاس طلاق ثلاثہ کا طلاق نامہ بھیجا کہ اس کو میری بیوی کو جا کر سنا دو، اس شخص نے وہ طلاق نامہ اس کی بیوی کو سنا دیا جس سے وہ بہت روئی، پھر پانچ چھ یوم بعد طالق نے اس وکیل کے پاس تار بھیجا کہ میرے بچے ہیں اس کے خیال سے مجھے طلاق نہیں دینا ہے، آپ طلاق نامہ چھپا کر رکھو میری بیوی کو مت دو، پھر پانچ مہینے کے بعد وہ طالق خود ملک کو آیا اور عورت کو گھر پر بلا کر جماع کیا جس سے حمل ٹھہر گیا، اب اس کا یہ فعل شرعاً کیسا ہے؟ اور عورت کو طلاق ہوئی کہ نہیں؟ اور جو بچے ہوں گے وہ حرامی ہوں گے یا حلالی ہوں گے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ طلاق نامہ برضا وخوشی لکھنا اور وکیل کے ذریعہ سے عورت کو بھیجنا اور عورت کو ملنا یہ تمام امور صراحۃً اس کے وقوع طلاق کے دلائل ہیں، اور طلاق ثلاثہ واقع ہوگئی، اس کے بعد شوہر کا طلاق نامہ کے سنانے سے منع کرنے کا تار دینا طلاق سے رجوع کرنا ہے مگر چوں کہ طلاق سے رجوع جائز نہیں ہے، اس لیے اس کے تار کا کچھ اعتبار نہیں اور عورت بلا حلالہ اس شوہر کے لیے حرام ہے، اب شوہر کا بعد عرصہ گذرنے کے آکر اس عورت کو دوبارہ گھر پر بلا کر جماع کرنا محض زنا ہے اور زنا کے بچے حرامی ہوتے ہیں، اس لیے مسلمانوں کو ہر امکانی سعی سے اس شخص کو مذکورہ عورت سے علیحدگی پر مجبور کرنا چاہیے۔

نفی غیر المستبین لا یقع الطلاق وإن نوی، وإن کانت مستبینة لکنها غیر مرسومة ان نوی الطلاق یقع وإلا لا، فإن کانت مرسومة یقع الطلاق نوی او لم ینو، ثم المرسوم لا تخلوا اما ان ارسل الطلا ق بان کتب

اما بعد: فانت طالق فكما كتب هذا يقع الطلاق وتلزمها العدة من وقت الكتابة، وان علق طلا قها بمجيء الكتاب بان كتب اما بعد فاذا جائك كتابى هذا فانت طالق فجائها الكتاب فقرأته او لم تقرأ يقع الطلاق، كذا فى الخلاصة. (شامی ج ۲ / ص ۵۸۹، مبحث الطلاق بالكتابة، عالمگيری ج ۱ / ص ۳۰۰، شامی ج ۲ / ص ۸۳۰ مبحث الرجعة)

بیوی کو نہ بلانا اور طلاق بھی نہ دینا

[۴۳۶] سوال: ایک شخص نکاح ثانی کا ارادہ رکھتا ہے اور پہلی بیوی کو باپ کے گھر رکھ چھوڑا ہے نہ اس کو نان ونفقہ دیتا ہے نہ گھر پر بلاتا ہے، اور نہ طلاق دیتا ہے تو شریعت میں یہ جائز ہے اور اس کے لیے شریعت میں کیا گناہ ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ شخص مذکور صرف عورت کو ایذاء اور ستانے کی غرض سے یہ فعل کرتا ہے اور اس قسم کی ایذا رسانی سے قرآن کریم میں ممانعت آئی ہے۔ (سورہ بقرہ ۲/۶) اور نیز جب کہ بلا اشد ضرورت چار ماہ سے زائد عورت سے علیحدہ رہنا شرعاً ظلم مانا گیا ہے تو ہمیشہ کے لیے عورت کو علیحدہ رکھنے میں تو یقیناً ظلم عظیم ہوگا، اور ظالمین کے لیے جو قرآن کریم میں جابجا وعیدوں کا ذکر آیا ہے، ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے مذکورہ گناہ کو گناہ کبیرہ کہنے میں ذرہ بھی تامل نہیں ہوسکتا ہے۔ (شامی ج ۲/ص ۵۴۸ مبحث الایلاء)

اکراہ یا فریب سے لی ہوئی طلاق

[۴۳۷] سوال: ایک شخص نے دوسرے شخص کی بیوی سے سات سال سے ناجائز تعلقات رکھے اور پھر دھوکہ واکراہ سے اس کے شوہر سے طلاق دلوائی، اور پھر بھی عرصہ تک ناجائز تعلقات رکھتا رہا

اور پھراس عورت کے ساتھ نکاح کیا تو کیا یہ طلاق اور نکاح شرع میں معتبر ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ شوہر کا اپنی بیوی کو طلاق دینا جب کہ وہ عاقل بالغ تھا تو وہ طلاق یقیناً شرعاً معتبر طلاق ہے خواہ دھوکہ سے دیا ہو یا اکراہ سے، اور جب بعد عدت شوہر ثانی سے نکاح ہوا تو یہ بھی شرعاً معتبر نکاح ہے، رہا اس شخص کا قبل طلاق یا بعد طلاق وقبل نکاح اس عورت سے ناجائز تعلقات رکھنا تو یہ ایک علیحدہ شرعی جرم اور گناہ ہے جس کو طلاق اور نکاح کے صحت وعدم صحت میں کوئی دخل نہیں۔ ويقع طلاق كل زوج عاقل بالغ ولو مكرها أو سكران. (مجمع الانهر ج ١ /ص ١٩١) والمسئلة مذكورة فى سائر كتب الفقه.

تو میری ماں کی مانند ہے اور حرام ہے کہنا

[۴۳۸] سوال: ایک شخص نے اپنی بیوی سے کہا کہ تو مجھ پر میری ماں کے مانند ہے، اور حرام ہے تو اس پر طلاق پڑی یا نہیں یا کفارہ دینا ہوگا؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ لفظ حرام کئی معنوں کا احتمال رکھتا ہے اس لیے اس میں نیت کا اعتبار ہوتا ہے مگر یہاں چوں کہ لفظ ماں کی مانند ہی موجود ہے، اس لیے اگر طلاق کی نیت تھی تو طلاق بائن واقع ہو جائے گی ورنہ بہر حال ظہار سمجھا جائے گا، جس کا حکم یہ ہے کہ جب تک کفارہ نہ دے اس وقت تک عورت سے صحبت منع ہے، کفارۂ ظہار کی تفصیل قرآن پاک اور کتب فقہ میں بالتفصیل موجود ہے۔ وبأنت على حرام كأمى صح ما نوى من ظها راو طلاق، وتمنع ارادة الكرامة لزيادة لفظ التحريم، وان لم ينو ثبت الادنى وهوالظها ر فى الاصح. (الدرالمختا ر) قلت: وفى كافى الحاكم وإن اراد التحريم ولم ينو الطلاق فهو ظهار، والتفصيل فى الشامى ج ٢ /ص ٨٤٧، مجمع الانهر ج ١ /ص ٢٢٢)

غصہ کی حالت میں طلاق دینا

[۴۳۹] سوال: ایک شخص نے سخت غصہ کی حالت میں اپنی بیوی کو تین طلاق واقع کردی، اب وہ نادم ہو گیا ہے اور بعض ملاؤں نے ان کو کہا ہے کہ غصہ کی حالت میں طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، کیا واقعی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ طلاق عموماً غصہ ہی کی حالت میں دی جاتی ہے، تو اگر مُلا صاحب کے قول کو تسلیم کیا جائے تو پھر طلاق ہی واقع نہیں ہوگی، لہٰذا ملا صاحب کا قول مطلقاً غلط ہے، اور مذکورہ صورت میں طلاق واقع ہوگی۔

ہاں علامہ ابن قیم نے غصہ کی تین قسمیں بنا کر ایک قسم میں طلاق کے عدم وقوع پر جزم کیا ہے یعنی غصہ کی حالت اس قدر شدید ہو کہ عقل نہ رہے یا بے کار ہو کر جو کچھ کہتا ہو اس کو نہیں سمجھتا ہو، اس قول کی طرف صاحب شامی کا بھی رجحان معلوم ہوتا ہے، مگر بعد میں اس پر بھی شبہ ظاہر کیا ہے۔

میرے نزدیک بلا قیام قرائن مصدقہ عوام کو اس پر فتوی نہ دینا چاہیے کہ غصہ کی حالت اگر تیسرے درجہ میں پہنچے اور وہ مسلوب العقل یا مغلوب العقل ہو جائے تو اس کو معتوہ کے حکم میں یا مدہوش کے حکم میں داخل کر کے عدم وقوع طلاق کا حکم دیا جائے؛ کیوں کہ اس کا فیصلہ پانے کے بعد ہر شخص یہ حیلہ اور بہانہ تراشا کرے گا کہ غصہ سے میں کچھ سمجھ نہ سکا، میرے پاس متعدد حادثات میں سائلین یہی معذرت پیش کر کے چلے آتے ہیں مگر میں نے ان کے ظاہری قرائن سے یہی اندازہ کیا کہ یہ اب حیلہ تلاش کرنا چاہتا ہے، چنانچہ ان میں سے بعض نے مجھ سے اس قسم حیلہ بہانہ کے پہلو دریافت بھی کر لی ہے، اس لیے احتیاط کی ضرورت ہے۔ (والتفصیل فی الشامی ج ۲ / ص ۵۸۷)

مسئلہ عنین

[۴۴۰] **سوال:** میری عمر بائیس سال کی ہے اور تقریبا میری بیوی کی عمر بھی یہی ہے، ہمارے نکاح کو تقریبا دس سال ہو گئے ہیں، بعد بلوغت میری بیوی پانچ مرتبہ میرے مکان پر آئی اور ہر مرتبہ چھ سات مہینہ رہ کر گئی ہے، دو سال ہوئے کہ میں سخت بیمار ہوا تھا جس میں مجھے کچھ ہوش نہ رہا تھا مگر اب ایک سال سے میں خوب تندرست ہوں اور کسی بات کی شکایت باقی نہیں رہی ہے، اب پانچ چھ ماہ سے میری عورت مجھ پر عنین اور نامرد ہونے کی تہمت لگاتی ہے اور اس بہانہ سے طلاق مانگتی ہے تو کیا از روئے شرع شریف اس کا یہ دعویٰ صحیح ہوسکتا ہے؟ اور کیا اس کو یہ حق ہے کہ وہ میرا نکاح توڑ کر دوسرے سے نکاح کرلے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نکاح کے بعد سے اس وقت تک جس قدر عرصہ گذرا ہے ان میں اگر ایکبار بھی شخص مذکور وطی کر چکا ہو تو اب وہ عنین کے حکم میں داخل نہ ہوگا، اور عورت کو اب یہ حق نہیں ہے کہ شوہر پر نامرد ہونے کا دعوی کر کے فسخ نکاح کا مطالبہ کر سکے، اور اگر نکاح کے بعد سے آج تک نہ مرد نے وطی کی ہے اور نہ عورت مذکورہ سے اولاد ہوئی ہے، اور اس قدر طویل عرصہ تک عورت شرم وحیاء سے ساکت تھی، اور اب دعوی کرنا چاہتی ہے تو اس صورت میں عورت کو حق ہے کہ اپنا دعوی قاضی کی عدالت میں پیش کردے، اور قاضی کو حق ہے کہ شرعی طریقہ پر ثبوت عنین ہونے کی تحقیق کر کے میاں بیوی میں تفریق کردے۔

وجب بعد وصوله إليها مرة أو صار عنينا بعده اى بعد الوصول لا يفرق لحصول حقها بالوطء مرة، جاء ت امرأة المجبوب بولد بعد التفريق إلى سنتين ثبت نسبه والتفريق باق بحاله، ولو كان عنينا بطل التفريق بزوال

عـنتـه بثبوت نسبه. آهـ.(الدر المختار مع الشامی ج۲/ص۸۱۷) فإن وطی مرة فبها وإلا بانت بالتفریق من القاضی ان ابی طلاقها بطلبها. (الدرالمختار مع الشـامـی ج۲/ص۸۱۹) وهـو ای هـذا الخیار علی التراخی لا الفور، فلو وجدته عنینا او مجبوبا ولم تخاصم زمانا لم یبطل حقها، وکذا لو خاصمته ثم تـركـت مـدة فـلهـا الـمطـالبة ولـوضـاجعتـه تلك الایـام.خـانیة.(شـامـی ج۲/ص۸۲۰) وکذا فی (مجمع الانهر ج۱/ص۲۲۶)

اکثر مدت حمل دو سال ہے

[۴۴۱] سوال: فتاویٰ حسینیہ میں ۶۵۴ سوال وجواب پر یہاں سنگاپور میں اختلاف پیدا ہوگیا ہے، فتاویٰ مذکورہ میں لکھا ہے کہ ایک عورت جو نیک پرہیزگار ہے اس نے شوہر کے مرنے کے بعد ڈیڑھ سال پر بچہ دیا ہے اور عورت اب تک نکاح ثانی نہیں کرچکی ہے، تو کیا یہ بچہ مرحوم شوہر کا بچہ ہوگا اور اس کا وارث کیا حرامی تصور ہوگا؟

تو جواب دیا گیا ہے کہ وہ بچہ مرحوم شوہر کا ثابت النسب بچہ ہے، اور اس کا وارث ہے؛ کیوں کہ دو سال تک بچہ ثابت النسب ہوتا ہے۔ (کمالیہ)

اب ایک جماعت کہتی ہے کہ مدت حمل نو ماہ یا زیادہ سے زیادہ دس ماہ ہوسکتی ہے، لہٰذا صحیح جواب کیا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ فتاوی حسینیہ کا جواب یقیناً درست وصحیح ہے، اور کتب فقہ حنفی میں موجود ہے مسلمانوں کو لازم ہے کہ باوجود اپنی لاعلمی کے مسائل شرعیہ کو اپنے خیال فاسد کے مخالف سمجھ کر تکذیب نہ کریں، اور ﴿فـاسـئـلـوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون﴾ (الآیة) پر کاربند

رہیں، ہر چند مسئلۂ مذکورہ اپنی وضاحت کی وجہ سے محتاج حوالہ نہیں؛ تاہم برائے تشفی چند حوالجات درج ذیل ہیں۔

اقل مدة الحمل ستة اشهر، واكثرها سنتان، وغالبها تسعة اشهر، وعند الائمة الثلثة اربع سنين، وعن مالك وعباد خمس سنين، وعنه وربيعة سبع سنين، وعن الزهرى ست سنين، وتمسكوا فى ذلك بحكايات. منها: ما روى ان عبد العزيز الماجشونى ولدته امه لاربع سنين، وهذه عادة معروفة فى نساء ماجشون، انهن تلدن لاربع. (الى آخر ما اورد من الامثلة) ولنا: قول عائشة الصديقةؓ الولد لا يبقى فى البطن اكثر من سنتين ولو بظل مغزل.آه.(مجمع الانهر ج١ /ص٢٣٠)

ومن مات عنها زوجها يثبت نسب ولدها من المتوفى ان اتت به لاقل من سنتين.آه.(مجمع الانهر ج٢ /ص٢٣٢) واكثر مدة الحمل سنتان لخبر عائشةؓ. (الدر المختار ج٢ /ص٨٥٧) ويثبت نسب ولد معتدة الموت لاقل منها اى من سنتين من وقته اى الموت.آه. (الدر المختار والشامى ج٢ /ص٨٦٠) و لو مات عنها قبل الدخول او بعده ثم جاء ت بولد من وقت الوفات الى سنتين يثبت النسب منه، وان جاء ت به لاكثر من سنتين من وقت الوفات لا يثبت النسب هذا كله اذا لم تقر بانقضاء العدة. (عالمگيرى ج١ /ص٥٣٧) ويثبت نسب ولد المتوفى عنها زوجها ما بين الوفات وبين السنتين.آه.(هدايه ج٢ /ص٤١١ مجتبائى)

ولدالزنا کا نسب

[۴۴۲] سوال: ایک مسلمان نے ہندوعورت سے زنا کیا جس سے بچہ پیدا ہوا تو بچہ مسلمان کا تصور کیا جائے کہ ہندو؟ نیز وہ عورت اس مسلمان سے شادی کرنے کے لیے تیار ہے مگر مسلمان نہیں ہوتی ہے تو کیا نکاح ہوسکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: (۱) بچہ زانی سے ثابت النسب نہیں، اب اگر عورت کا جائز شوہر موجود ہو تو بچہ اس کا تصور کیا جائے گا، ورنہ وہ اپنی ماں کا بچہ ہے، اور جب تک وہ خود کسی مذہب کو اختیار کرنے کے قابل نہ ہو اس وقت تک ماں کے دین پر تصور کیا جائے گا۔

(۲) اور عورت جب تک اسلام قبول نہ کرے گی وہاں تک کسی مسلمان کا نکاح اس کے ساتھ جائز نہیں۔ الولد للفراش وللعا هر الحجر. (البحرالرائق ج ٤ /ص ١٥٥) ﴿ولا تنكحوا المشركات حتى يومن﴾ (الآية) وير ث ولد الذنا واللعان من جهة الام فقط، لأن نسبه من جهة الاب منقطع فلاير ث به، ومن جهة الأم ثابت. (البحرالرائق ج٨ /ص ٥٠٣)

نکاح کے چھ ماہ بعد پیدا ہونے والا بچہ ثابت النسب کہلائے گا

[۴۴۳] سوال: اسماعیل کاسو کے چار لڑکے تھے جن میں سے فی الحال ایک لڑکا جس کا نام فقیر ہے زندہ ہے، ان میں سے ایک لڑکا جس کا نام موسی اسماعیل کاسو ہے وہ اپنے وارثوں میں دو لڑکوں کی دو لڑکیاں چھوڑ کر مرگیا ہے، ان دو لڑکیوں میں سے ایک لڑکی اس کے ماں باپ کے نکاح کرنے سے چھ مہینہ اور دس دن بعد پیدا ہوئی، اس کی والدہ بھی کہتی رہی کہ لڑکی جائز اور اپنے باپ کے نطفہ سے ہے مگر گاؤں کے لوگ اس کو حرامی کہتے ہیں اور نکاح سے قبل کا علوق بتلاتے ہیں۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چوں کہ یہ لڑکی نکاح کے بعد اقل مدت حمل یعنی چھ مہینہ سے زائد پر پیدا ہوئی ہے اس لیے وہ اپنے باپ کی صحیح النسب اور حلالی اور جائز لڑکی ہے۔ وإن جائت به لستة اشهر فصاعداً يثبت نسبه منه، اعترف به الزوج او سكت: لان الفراش قائم والمدة تامة. (هدايه ج ٢ / ص ٤٠٩)

منکوحہ کا بچہ ثابت النسب ہے خواہ شوہر سفر پر ہو

[۴۴۴] سوال: ایک شخص افریقہ میں ہے اور اس کی عورت ملک میں ہے اب اس عورت کو ملک میں زنا سے بچہ پیدا ہو تو یہ لڑکا کس کا شمار کیا جائے گا، اور شریعت میں اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ شریعت میں زوجین کے درمیان بعد مسافت انقطاع نسب اولاد کی دلیل نہیں ہے، اور وہ بچہ بلا نفی اپنے جائز باپ سے نفی نہیں ہو سکتا ہے، اس لیے بفحوائے "الولد للفراش وللعاهر الحجر" (الحديث) وہ اپنے جائز باپ کا لڑکا سمجھا جائے گا۔ (بحر الرائق ج ٤ / ص ١٥٥)

مطلقہ ناشزہ کو نفقہ نہ دینا / معتدہ و منکوحہ کا ولد بلا لعان نفی نہ ہونا

[۴۴۵] سوال: ایک شخص سفر سے آکر اپنی عورت کو ساس کے گھر سے اپنے گھر لے جانے کے لیے گیا تو عورت نے آنے سے انکار کیا اور جب نہ آنے کی وجہ دریافت کی گئی تو ساس نے دو آدمیوں کو بلا کر اس شخص کو مارنے کی دھمکی دی اور دھکے دیکر گھر سے نکال دیا، اور وہ شخص اپنے گھر واپس چلا گیا اور چھ ماہ کے بعد اس کو معلوم ہوا کہ اس کی عورت کو حرام کا حمل ہے، اس لیے اس نے طلاق دیدی، اور جس طرح یہ عورت بدچلن ہے اسی طرح اس کی ماں، خالہ، نانی سب خاندان کی عورتیں ناشزہ اور بدچلن ہیں، اب حرام کا بچہ تولد ہو چکا ہے جس سے ساری بستی والوں کو علم ہے،

ایسی حالت میں وہ عورت عدت وغیرہ کا نفقہ طلب کرتی ہے حالانکہ اس سے قبل کئی سال ہوئے کہ نفقہ طلب نہیں کرتی تھی، از روئے شرع محمدی یہ عورت نفقہ طلب کرنے کا حق رکھتی ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ صحیح حدیث میں وارد ہے کہ "الولد للفراش وللعاهر الحجر" اس لیے مذکورہ شخص کے نکاح میں ہونے کی وجہ سے بچہ اسی کا ہے اس کو حرام کا بچہ نہیں کہا جا سکتا ہے؛ کیوں کہ نکاح صحیحہ کا بچہ بغیر لعان کے نفی نہیں ہوسکتا ہے، اور لعان کے لیے قیام نکاح شرط ہے اور موجودہ صورت میں وہ بائنہ ہوگئی، اس لیے نفی ولد کسی طرح نہیں ہوسکتا ہے۔ الفراش على اربعة مراتب: ضعيف: وهو فراش الأمة لا يثبت النسب فيه إلا بالدعوة۔ ومتوسط: وهو فراش أم ولد فإنه يثبت فيه بلا دعوة لكنه ينتفى بالنفى. وقوى: وهو فراش المنكوحة ومعتد ة الرجعى فانه لا ينتفى إلا باللعان. واقوى: وهو كفراش معتدة البائن فإن الولد لا ينتفى فيه اصلا لأن نفيه متوقف على اللعان، وشرط اللعان الزوجية. (شامی ج ۲ / ص ۸۶۷)

اب رہا نفقہ کے متعلق سوال، زمانۂ قیام نکاح میں تو نفقہ واجب تھا مگر جب کہ اس کے متعلق میاں بیوی کے درمیان کسی معین مقدار پر پہلے سے کوئی معاہدہ اور ٹھہراؤ موجود نہیں اور نہ کسی قاضی کا اس کے متعلق کوئی حکم موجود ہے، اس لیے ان ایام کے گزرنے کے ساتھ ساقط ہوگیا ہے، جس کے مطالبہ کا حق اب عورت کو نہیں۔ لا تصير النفقة دينا الا بالقضاء او الرضاء. (الدر المختار مع الشامی ج ۲ / ص ۹۰۶) اور عدت کا نفقہ اگر لازم بھی ہوتا مگر وضع حمل سے جب کہ اس کی عدت گذر چکی ہے تو بلا رضا و قضاء اس کے مطالبہ کا بھی حق نہ رہا، اور مسئولہ صورت میں تو ظاہر ہے کہ جب مرد گھر پر بلاتا ہے اور عورت بلا مانع شرعی کے انکار کرتی ہے تو ناشزہ ہے، اور ناشزہ عورت کا نفقہ شوہر پر واجب نہیں ہے۔ ولو هى فى بيت ابيها اذا لم

یطالبها الزوج بالنقلة به یفتی۔ (الدر المختار مع الشامی ج ۲ / ص ۸۸۹) لا خارجة من بیته بغیر حق وهی الناشزة حتی تعود. آه. (الدرالمختار مع الشامی ج ۲ /ص ۸۹۰)فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

زوجۃ العنین کی مخلصی بلاحکم قاضی نہ ہونا

[۴۴۶] سوال: کیافرماتے ہیں مفتیان شرع شریف مسئلہ ذیل میں کہ ایک شخص نے شادی کی اور اس کی عورت چھ برس تک اس کے پاس رہی مگراس عرصہ میں عورت کی صحبت پر قادر نہ ہوااور عورت کو جب یقیناً معلوم ہوا کہ مرد کامل عنین ہے تو باپ کے گھر چلی گئی ایک سال کے بعد شوہر کے رشتہ داروں نے عورت کو بلایا کہ اب تیرا شوہر علاج کر کے تندرست ہو گیا ہے، اور جب عورت شوہر کے پاس دوبارہ گئی تو معلوم ہوا کہ اس میں کسی قسم کا فرق نہیں آیا ہے اور بدستور عنین ہے، اب وہ عورت کسی اور سے نکاح کرنا چاہتی ہے تو کیا ازروئے شرع شریف وہ عورت دوسرے شوہر سے نکاح کرسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ شرع شریف کا فیصلہ اس بارے میں یہ ہے کہ جب عورت اپنے شوہر کو عنین پائے اور محکمہ شرعیہ میں فسخ نکاح کے لیے دعویٰ دائر کردیوے تو قاضی اس کے شوہر سے جواب کا مطالبہ کرے گا، اگر شوہر نے اپنے عنین ہونے کا اقرار کرلیا تو قاضی اس کو ایک سال علاج کی مہلت دے گا، اور اگر شوہر نے عورت کی تکذیب کرتے ہوئے کہا کہ میں نے تندرست انسان کی طرح اس سے جماع کرلیا ہے تو اس صورت میں ماہر عورتوں سے معائنہ کیا جائے گا اگر عورت باکرہ نکلی تو قاضی اس کے شوہر کو ایک سال شرعی مہلت دے گا اور اگر ثیبہ تھی یا ثیبہ نکلی تو مرد حلف اٹھائے گا اور عورت بدستور اس کی بیوی رہے گی، اور اگر اس نے حلف سے انکار کیا تو بھی ایک سال

علاج کے لیے مہلت دے گا یہ تو پہلے مرافعہ کی کیفیت ہے۔

اب اگر ایک سال کی میعاد ختم ہوئی اور عورت نے بدستور مرد کے قدرت جماع سے انکار کیا تو بعد معائنہ مذکورہ اگر ثیبہ تھی یا ثیبہ نکلی تو مرد اپنی قدرت جماع پر حلف اٹھا کر اپنے دعوے میں صادق سمجھا جائے گا اور عورت کو حق فسخ نہ ہوگا، اور اگر مرد نے اپنے عنین ہونے کا اعتراف کیا یا عورت باکرہ نکلی یا مرد نے حلف اٹھانے سے انکار کیا تو ان صورتوں میں عورت کو فسخ نکاح کا اختیار دیا جائے گا، یہی حکم ''مجمع الانھر ۲۲۵، ۲۲۶ میں اور تمام کتب فقہ میں موجود ہے، مگر فسخ نکاح کا اختیار دینا، یا ایک سال کا میعاد مقرر کرنا محکمہ شرعیہ میں مرافعہ کرنے کے بعد ہوسکتا ہے، اس لیے موجودہ صورت میں مندرجہ بالا فیصلہ حاصل کرنے کے لیے عورت کو چاہیے کہ کسی محکمۂ شرعیہ میں دعوی دائر کر دے، اس کے بغیر عورت مذکورہ کو فسخ نکاح کا ہرگز حق نہیں ہے۔ ابتداء التاجيل من وقت المخاصمة، كذا في المحيط. (شامی ج ۲ / ص ۸۲۰) لا يكون هذا التاجيل إلا عند قاضي مصر أو مدينة فإن اجلته المرأة أواجله غير قاضي لا يعتبر ذلك، كذا في قاضيخان. (عالمگیری ج ۱ / ص ۵۲۳)

اگر عنین منکر عنت ہے تو اس کا معائنہ جائز ہے

[۴۴۷] سوال: اگر عورت اپنے شوہر کے عنین ہونے کا دعوی کرے اور اس کی تصدیق کے لیے مرد کے معائنہ کرنے کی درخواست کرے تو ایسی صورت میں قاضی اس کے شوہر کے حال پر علم حاصل کرنے کے لیے معائنہ کرسکتا ہے یا صرف یہ معائنہ عورتوں کا ہی کیا جائے گا؟ مرد اس امتحان میں ہرگز نہیں آسکتا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ عنین کے احکام میں بصورت اختلاف زوجین عورت ہی کا معائنہ کیا جاتا

ہے اور عام کتب فقہ میں اس کے سوا مرد کا معائنہ نظر سے نہیں گزرا ہے، مگر عالمگیری کے ایک قول میں جو مجبوب کے متعلق اختلاف زوجین کے تحت میں مذکور ہے اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر عورت شوہر کے معائنہ کی درخواست کرے اور قاضی مرد کے معائنہ کو مناسب خیال کرے تو کسی مناسب شخص سے کپڑوں کے اوپر سے مساس کے ذریعے معلوم کرے، اور اگر کشف عورت کے بغیر معلوم نہ ہو سکے تو حسب ضرورت انکشاف عورت سے بھی معائنہ کرا سکتا ہے۔ فان قالت وجدته مجبوبا، فقال الزوج: ما انا بمجبوب، وقد وصلت إليها، فالقاضي يريه رجلا فان علم باللمس والجس من وراء الثوب من غيركشف عورة لا يكشف عورته، وان لم يمكن الا بالكشف والنظر امر غيره ان ينظر للضرورة. (عالمگیری ج ۱/ص ۵۲۵) لو اختلفا فی كونه مجبوبا فان كان لا يعرف باللمس من وراء الثياب امر القاضی امينا ان ينظر الی عورته. آه. (حاشيه شامی ج ۲/ص ۸۱۷) فإنه يمتحن بأن يوتی بطست فيه ماء بارد فيجلس فيه العنين فإن نقص ذكره وانزوی علم أنه لا عنة به، وإن لم ينزو علم أنه عنين۔ (اسعديه ج ۱/ص ۹۸)

شوہر کے جنون یا عجز نفقہ پر فسخ نکاح طلب کرنا

[۴۴۸] سوال: ایک شخص پانچ سال سے بالکل دیوانہ ہو گیا ہے، اب اس کی بیوی شوہر کی دیوانگی وفقر کی وجہ سے فاقہ گذار رہی ہے، رشتہ داروں میں بھی کوئی نان ونفقہ کی کفالت کے قابل نہیں ہے، اب بجز اس کے کہ عورت عصمت فروشی پر گذر کرے دوسری کوئی صورت نہیں، ایسی حالت میں وہ عورت علماء دین سے استفسار کرتی ہے کہ میرے لیے اس مصیبت سے مخلصی اور شوہر ثانی سے نکاح

کی کوئی صورت ہوسکتی ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛شوہر کے مجنون ہونے پر عورت کو فسخ نکاح کا حق نہیں ہے تاہم جب کہ شوہر مجنون ہے اور عورت کو نان ونفقہ کی سخت تنگی ہے اور فتنہ کا احتمال ہے، ایسی حالت میں بجز اس کے کہ عورت کسی شرعی عدالت میں دعویٰ دائر کرے اور شرعی دار القضاء سے فسخ نکاح کا فیصلہ حاصل کرے اور کوئی چارہ نہیں، فسخ کا حق سوائے قاضی شرع کے دوسرا کوئی نہیں دے سکتا ہے۔ (انگریزی عدالتوں کے وہ مسلمان جج جو اس قسم کے انفصال مقدمات کا مجاز رکھتا ہو وہی شرعی قاضی ہے)ولا يتخير احد الزوجين بعيب الآخر ولو فاحشا كجنون جذام. (ثم قال) و خالفه الائمة الثلثة فى الخمسة لو بالزوج ولو قضى بالرد صح. (فتح) اى لو قضى به الحاكم يراه فأفاد أنه مما يسوغ فيه الاجتهاد.ا. (الدرالمختار مع الشامى فى آخر مبحث العنين) وقد كتبت على القواعد فى مذهب الحنفية ان القا ضى لوقضى بر د احد الزوجين بعيب نفذ قضائه. (البحر الرائق ج ٤ /ص ١٢٧)

ناشزہ کے لیے نفقہ نہ ملنا

[۴۴۹] **سوال:** ایک عورت سات سال سے خاوند کے گھر نہیں جاتی ہے اور خاوند بھی نفقہ نہیں دیتا ہے، عورت کی بیوہ ماں ہے خاوند میں عورت کے رکھنے کی طاقت نہیں کیوں کہ وہ آوارہ موالی ہے اب اس سے کس طرح طلاق حاصل کریں شرعی فیصلہ کیا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛مذکورہ عورت اگر شوہر کی طلبی پر بھی اس کے گھر نہیں جاتی ہے تو وہ ناشزہ ہے جس کے لیے نفقہ شوہر کے گھر پر آنے کے بغیر نہیں مل سکتا ہے، اور چوں کہ شوہر کا عاجز عن النفقہ ہونے سے عورت کو فسخ نکاح کا حق نہیں ہوتا ہے، اس لیے شوہر کو طلاق کے لیے مجبور بھی نہیں

کر سکتے ہیں البتہ ایسی ضرورت درپیش آنے پر عورت کو یہ حق ہے کہ وہ مسلمان جج اور قاضی کی عدالت میں نفقہ کے لیے درخواست پیش کردے اور قاضی بعد تحقیق مناسب فیصلہ دیدے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ولو هی فی بیت ابیها اذا لم یطالب الزوج بالنقلة به یفتی. (الدرالمختار مع الشامی ج ۲ /ص ۸۸۹) لا خارجة من بیته بغیرحق وهی الناشزة حتی تعود. (الدرالمختارمع الشامی ج ۲ /ص ۸۹۰) ولا یفرق بعجزه عن النفقة و تومر بالاستدانة علیه. آه. (البحرالرائق ج ٤ /ص ۱۸٤)

حاملہ پر طلاق کا وقوع

[۴۵۰] سوال: ایک شخص نے عورت کو طلاق دیدی مگر عورت حاملہ تھی اب لوگ کہتے ہیں کہ یہ نہیں پڑی؛ کیونکہ حاملہ کو طلاق نہیں پڑتی تو یہ صحیح ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ طلاق میں حمل مانع نہیں ہے بلکہ منکوحہ کیسی حالت میں بھی ہو طلاق تو ضرور پڑ جاتی ہے اس لیے لوگوں کا کہنا کہ حاملہ کو طلاق نہیں پڑتی غلط ہے۔ والآیسة والصغیرة والحامل یطلقن للسنة عند کل شهر واحدة بالاتفاق. آه. (مجمع الانهر ج ۱ /ص ۱۹۰) اولات الاحمال آه. وطلاق الحامل یجوزعقب الجماع ....ویطلقها للسّنّة. (هدایه ۳۳٦)

شوہر کا بیوی سے کہنا ''تو میری ماں ہے تو میری بہن ہے''

[۴۵۱] سوال: ایک شخص نے بنیت طلاق عورت کو کہا کہ تو میری بہن ہے تو طلاق ہوگئی کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ کتب فقہ میں تو بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ حرف تشبیہ کی عدم موجودگی سے اگر چہ یہ لفظ مکروہ تو ہے مگر ظہار وغیرہ کے اعتبار سے لغو ہے، مگر البحر الرائق کی تصریح سے ثابت ہوتا ہے

کہ حرف تشبیہ کی ضرورت صرف ظہار کے لیے ہے، اب جب کہ یہ شبہ رفع ہوا تو "انت کامی" کو جب فقہاء نے کنایہ طلاق وظہار وکرامت بنایا ہے، اسی طرح "انت کاختی" یا محض "أختی" بھی کنایہ طلاق ہوسکتا ہے خصوصا ہمارے زمانہ میں یہ لفظ خاص طلاق ہی کے لیے عوام استعمال کرتے ہیں، پھر جب قرینہ اور نیت موجود ہے تو بلاشک طلاق واقع ہوگئی اور عورت بائنہ ہوجائے گی۔ فعلم انه لابد فی کونه ظهارا من التصریح باداة التشبیه شرعا ومثله یا بنتی یا اختی ونحوه. (البحرالرائق ج ٤ /ص ٩٨)

عورت کو کہا کہ تو میری ماں ہے

[۴۵۲] سوال: ایک شخص نے غصہ میں بیوی سے کہا کہ تو میری ماں ہے، یہاں سے چلی جا، تین دفعہ یہ کلمہ کہا، اب اس کو بیوی بنا کر رکھ سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ تو میری ماں ہے یہ لفظ حرف تشبیہ نہیں، اس لیے اگرچہ ایسا کہنا مکروہ ہے مگر طلاق یا ظہار نہیں بلکہ لغو کلام ہے، رہا یہاں سے چلی جا، بمعنی اخرجی ہے، جو طلاق کنایہ میں مستعمل ہوتا ہے، اور طلاق کنایہ میں نیت کا اعتبار رہے، اگر اس کی نیت میں طلاق تھی تو طلاق ہو جائے گی، اور چوں کہ تین دفعہ کہا ہے اس لیے تین پڑ جائے گی، جو بلا حلالہ اس شوہر کے لیے حرام ہے، اور اگر طلاق کی نیت نہ کی تھی تو کلام لغو سمجھا جائے گا اور عورت بدستور اس کی بیوی ہے۔ و ان لم ینو شیئاً اوحذف الکاف. (الدرالمختار) فعلم انه لابد فی کونه ظهاراً من التصریح باداة التشبیه شرعاً. (شامی ج ٢ /ص ٨٩٢) اغربی، اخرجی، اذهبی. الخ. (البحرالرائق ج ٣ /ص ٣٠٢) ولو قال لها اعتدی ثلاثا ونوی بالاولی طلاقا وبما بقی حیضاً صدق، وإن لم ینو بما بقی شیئا فهی

ثلاث. (کنز) (بحر ج ۳ / ص ۳۰۴)

فعل کے وجود میں آنے پر تعلیق طلاق تنجیز ہو جاتی ہے۔

[۴۵۳] سوال: ایک شخص اپنی عورت کو ایک کام سے روکتا رہا کہ اگر تو یہ کام کرے گی تو تیرے لیے اچھا نہ ہوگا اس کے بعد عورت نے یہ کام کیا، اس کے بعد مرد نے کہا کہ اگر تو نے یہ کام کیا ہو تو تجھے تین طلاق ہے، تو اب عورت مطلقہ ہوگی کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ گذشتہ واقع شدہ فعل پر تعلیق تنجیز کے حکم میں ہے اس لیے جب کہ عورت وہ کام کر چکی تھی اور مرد نے اس پر تین طلاق معلق کر دی، تو فوراً تین طلاق واقع ہوگئی اب بلا حلالہ اس شوہر پر حرام ہوگی۔ وشرط کون الشرط معدوما علی خطر الوجود فالمتحقق کإن کان السماء فوقنا تنجیز. (الدرالمختار مع الشامی ج ۲ / ص ۶۷۹)

مطلقۂ ثلاثہ اور محرم سے نکاح کے نتیجہ میں پیدا ہونے والا بچہ ثابت النسب ہے۔

[۴۵۴] سوال: ایک شخص نے اپنی مطلقہ ثلاث سے قبل حلالہ نکاح کیا اور بچے پیدا ہوئے تو بعد وفات یہ بچے وارث ہوں گے یا نہیں؟ اور یہ بچے مذکور شخص کے ثابت النسب بچے شمار ہوں گے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نکاحِ محارم اور مطلقۂ ثلاث سے جو بچے پیدا ہوتے ہیں وہ بقول ابوحنیفہ ثابت النسب ہوتے ہیں، اس لیے مذکورہ مسئلہ میں یہ بچے وارث ہوں گے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ (عالمگیری ۵۴۰، البحر الرائق ۱۵، شامی ج ۳ / ص ۲۱۲، فتاوی خیریة ج ۱ / ص ۳۴) ولو طلقها ثلاثا ثم تزوجها قبل ان تنکح زوجاً غیره فجاء ت بولد ولا یعلمان بفسادالنکاح فالنسب ثابت، و ان کانا یعلمان

بفساد النکاح یثبت النسب ایضاً عند ابی حنفیة، کذا فی التاتارخانیة ناقلا عن تجنیس الناصری، رجل مسلم تزوج بمحارم فجئن باولاد یثبت نسب الاولاد منه عند ابی حنیفیة خلافاً لهما، بناء علی ان النکاح فاسد عند ابی حنیفة، باطل عندهما، کذا فی الظهیریة. (عالمگیری ج ۱ /ص ۵۴۰)

متوفی عنہا زوجہا کا اپنے شوہر کے گھر عدت گزارنا

[۴۵۵] سوال: ایک شخص کی بیوی ناراضگی یا کسی وجہ سے شوہر کے گھر سے باپ کے گھر چلی گئی اور کچھ دن کے بعد شوہر گذر گیا تو عورت کہاں عدت گذارے گی؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ واپس شوہر کے گھر آ کر عدت گذارے۔ لو کانت زائرة اهلها او کانت فی غیر بیتها لأمر حین وقوع الطلاق انتقلت الی بیت سکناها بلا تاخیر وکذا فی عدة الوفاة .کذافی غایة البیان. (عالمگیری ج ۱ /ص ۵۳۵، وکذا فی الشامی ج ۲ /ص ۸۵۴)

شوہر کا بیوی کو والدین کی زیارت سے منع کرنا

[۴۵۶] سوال: ایک شخص اپنی بیوی کو اس کی ماں کے مکان پر بھیجنے سے روکتا ہے تو یہ شرعاً جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اس مسئلہ میں تو اصل جواب حسن معاشرت ہے جانبین سے جس میں دفع شر وفساد کا لحاظ رکھا جانا ضروری ہے، فقہاء کا جواب اس مسئلہ میں یہ ہے کہ مقامی عرف کی بناء پر وقتاً فوقتاً شوہر کو چاہیے کہ عورت کو اپنے والدین کی ملاقات کے لیے ان کے گھر پر جانے کی اجازت دیا کرے، اور اگر والدین کی تیمارداری یا اس قسم کے عارض سے والدین کو اپنی لڑکی کی

خدمت کی ضرورت پڑے تو ایسی صورت میں لڑکی کو جانا ضروری ہے خواہ بلا اجازت شوہر ہی کیوں نہ ہو، اور شوہر کو بھیجنا ضروری ہے، یہ تو اصل مسئلہ ہوا، اب متأخرین نے زمانے کے فساد اور فتنوں کو دیکھ کر مستحسن قرار دیا ہے بلا سخت ضرورت عورت والدین یا دیگر رشتہ داروں کے گھر نہ جائے؛ بلکہ ملاقات کی ضرورت ہو تو ان کو بلائے، اور اگر والدین کو اپنی لڑکی کی خدمت کی ضرورت پڑے اور بیماری یا دیگر عوارض سے وہ لڑکی کے گھر نہ آسکیں تو عورت کو چاہیے کہ شوہر کی اجازت سے والدین کی ملاقات اور خدمت کے لیے خود جائے۔ ولا يمنعها من الخروج الى الوالدين فى كل جمعة ان لم يقدرا على اتيانها على ما اختاره فى الاختيار، ولو كان ابوها زمنا مثلا فاحتاجها فعليها تعاهده ولو كافرا وان ابى الزوج. فتح. (الدر المختار) وقد اختار بعض المشائخ منعها من الخروج اليهما، واشار الى نقله فى شرح المختار: والحق الاخذ بقول أبي يوسف إذا كان الأبوان بالصفة اللتي ذكرت، وإلا ينبغى أن يأذن لها فى زيارتهما فى الحين بعد الحين على قدر متعارف، اما فى كل جمعة فهو بعيد فإن فى كثرة الخروج فتح باب الفتنة خصوصا إذا كانت شابة والزوج من ذوى الهيات بخلاف خروج الأبوين فإنه أيسر. (شامی ج ۲/ص ۹۱۵)

عورت کو اس شرط پر طلاق دینا کہ طلاق کے بعد میرے بھائی سے نکاح کرے

[۴۵۷] سوال: ایک شخص نے نکاح کیا مگر عورت کو گھر نہیں لایا اور لانا بھی نہیں چاہتا، اور طلاق صرف اس شرط پر دینا چاہتا ہے کہ اس کے بھائی سے وہ عورت بعد طلاق نکاح کر لے تو کیا بعد طلاق اس پر عدت لازم ہوگی؟ اور مشروط طلاق کا کیا حکم ہے؟ اور اگر طلاق مشروط پر عورت راضی

نہ ہوتو مرد کا خیال ہے کہ ایسا معلق چھوڑ کر عورت کو نہ طلاق دے نہ بیوی بنائے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر وطی اور خلوت صحیحہ نہیں کیا ہو تو بعد طلاق عورت پر عدت لازم نہیں، اور مذکورہ شرط پر عورت کو طلاق دے گا تو عورت پر طلاق پڑ جائے گی مگر شرط کے مطابق بھائی کے نکاح پر عورت کو مجبور نہیں کیا جاسکتا ہے؛ بلکہ نکاح میں وہ خود مختار ہوگی جیسا کہ اپنی لونڈی کو اس شرط پر آزاد کیا جائے کہ بعد آزادی اس کے ساتھ نکاح کرے تو بعد آزادی لونڈی نکاح میں خود مختار ہوتی ہے، رہا یہ کہ عورت کو نہ طلاق دیتا ہے اور نہ بیوی بنا کر حقوق زوجیت ادا کرتا ہے تو اس صورت میں وہ سخت گنہگار ہے جو دینی اور دنیاوی عذاب اور تعزیر کا مستحق ہے۔ كما قدمنا من (الفتاوى الخيرية ج ١/ص ٧٩ آنفا) وسبب وجوبها (العدة) عقد النكاح المتأكد بالتسليم أي بالوطى وما جرىٰ مجراها من موت أو خلوة. (شامى ج ١/ص ٨٢٤ عدت) ﴿فامساك بمعروف او تسريح باحسان﴾ (الآية) ولو اعتق أمته على أن يتزوجها فعتقها صداقها عند ابى يوسف. آه. ولا تجبر على النكاح اتفاقا لأنها حرة. (مجمع الانهر ج ١/ص ٧٤٩ مبحث مهر)

ایسی عورت سے نکاح کرنا جو احکام شرع کی پابند نہ ہو

[۴۵۸] **سوال:** ہندوستان سے جو مسلمان افریقہ رنگون وغیرہ ملکوں کو تجارت نوکری کے لیے جاتے ہیں، ان میں اکثر لوگ وہاں عرصہ تک رہنا اختیار کرتے ہیں اور وہاں کی غیر مسلم اقوام عورتوں میں سے کسی کو مسلمان کر کے ان سے نکاح کرتے ہیں، مگر وہ عورتیں ملکی رواج کے مطابق کپڑے پہنتی ہیں، اور اسلامی لباس کو پسند نہیں کرتی ہیں؛ نیز پردہ میں رہنا وہ کسی طرح گوارا نہیں کرتی ہیں، اسی طرح دیگر مذہبی افعال کو بھی پابندی سے ادا نہیں کرتی ہیں تو ایسی عورتوں سے نکاح

درست ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: مسلم کے نکاح کے لیے عورت کا موحدہ مسلمہ ہونا شرط ہے، پردہ، اسلامی لباس یا دیگر مذہبی افعال کی پابندی نکاح میں شرط نہیں، ہاں یہ امور ان سے ان کا اسلام طلب کرے گا، اور شوہر پر ان شرعی امور کی تعلیم اور احکام شرعیہ کی پابندی کی ترغیب دینی ہوگی، اس پر بھی وہ نہ مانے تو فاجرہ ہوگی اور فاجرہ کو طلاق دینا ضروری نہیں ہے؛ بلکہ شوہر صراط مستقیم کی ہدایت دے اور حسب ضرورت مناسب تعزیر بھی دے۔

مسئولہ صورت میں جب کہ وہ مسلمان ہوجاتی ہیں تو ان سے مسلمانوں کا نکاح درست ہوجاتا ہے، اب شوہر پر ان کو اسلامی تعلیم سے واقف کرانا اور امور شرعیہ کی پابندی کی ترغیب دینا ہے، اس پر بھی وہ نہ مانیں تو اس سے ان کے نکاح پر اثر نہ پڑے گا۔ ولـه ضرب زوجته على ترك الصلوٰة على الاظهر، ولا تجب على الزوج تطليق الفاجرة. (الدر المختار) والتفصيل فى الشامى ج٥/ص٣٧٦)

عورت کو تین مرتبہ ''تو مجھ پر حرام ہے'' کہنا

[۴۵۹] **سوال:** ایک شخص نے بیوی کو تین چار مرتبہ کہا کہ تو مجھ پر حرام ہے تو اب اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: قدماء نے تو لفظ حرام طلاق کنایہ میں ذکر کیا ہے جو نیت پر موقوف ہوتی ہے، مگر متأخرین علماء نے عرف کی بناء پر اس لفظ کو طلاق صریح میں داخل کیا ہے، اور طلاق صریح میں تین یا زائد بار کے تکرار سے تین طلاق ہوتی ہے، اس لیے مذکورہ عورت پر تین طلاق پڑے گی جو زوج آخر سے حلالہ کئے بغیر اول شوہر کے لیے حلال نہیں ہوسکتی ہے۔ وعلي الحرام فيقع بلا نية للعرف. آھ. (الدر المختار والتفصيل فى الشامى ج٢/ص٥٩٤) فإن

طلقها فلا تحل له من بعد حتی تنکح زوجا غیره. (پ۲)

الفتویٰ الیوم علی وقوع الطلاق بقوله "انت علي حرام" وان لم ینو وهو قول المتأخرین لغلبة الاستعمال بالعرف وعلیه الفتویٰ کما فی اکثر المعتبرات. آه. وقال ابن عابدین فی الدرالمنتقی علی هذا المقام: والفتویٰ علی وقوع الطلاق "بأنت علي حرام" ونحوه وان لم ینو الحاقا بالصریح لغلبة العرف فی زماننا. (الدر المختار ومجمع الانهر ج۱/ص۴۴٦) قیل: هو (انت علي حرام) و"کل حل علي حرام" طلاق بلا نیة للعرف، وبه یفتی. (شرح الوقایه ج۲/ص۱۲۳)

زوجۂ مجنون کو خیار فسخ

[۴٦۰] سوال: ایک شخص نے باہوش وعقل نکاح کیا کچھ عرصہ تک میاں بیوی راضی خوشی سے آپس میں مل کر رہے، ایک سال کے بعد شوہر میں دیوانگی کے آثار ظاہر ہوئے یہاں تک کہ کامل مجنون ہوگیا، تو عورت باپ کے گھر جا کر بیٹھ گئی اب وہ فسخ نکاح چاہتی ہے؛ تاکہ دوسرے شخص سے نکاح کیا جائے تو کیا شرع شریف میں شوہر کے جنون سے فسخ نکاح کی اجازت ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جب کہ میاں بیوی عقل وہوش میں آپس میں نکاح سے عرصہ تک رہے تو اب عارضی جنون سے تو ہرگز عورت کو فسخ نکاح کا حق نہیں رہا۔ واذا کان بالزوج جنون اوبرص او جذام فلا خیار لها عند ابی حنیفة وابی یوسف. (هدایه ج۲/ص۴۰۱، درالمختار مع الشامی ج۲/ص۸۲۲) والمسئلة مشهورة فی الکتب.

فسخ نکاح بعدم نفقہ

[۴۶۱] سوال: شوہر دوسرے ملک میں ہے عورت بے نان ونفقہ تکلیف میں ہے اس کی نجات کی کوئی صورت ہوسکتی ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛عورت حقوق زوجیت کی ادائیگی کے لیے عدالت میں دعوی دائر کردے، اگر شوہر نے حقوق زوجیت کی ادائیگی پر عمل کیا تو فبہا ورنہ عدالت اس کے مال میں سے نفقہ مقرر کردے، اگر مال نہ ہو تو شوہر کے نام پر دین لینے کا حکم دیں، اگر دین ملنا ہی دشوار ہو جیسا آجکل مشکل نظر آرہا ہے تو عورت کا شوہر کے بعد جس رشتہ دار پر نفقہ واجب ہے، وہ نفقہ دیا کرے اور حساب شوہر کے نام جمع رکھے۔

تنبیہ: یادرہے کہ مذکورہ فیصلہ مسلم جج اور قاضی کے حکم سے حاصل کرنا ضروری ہے، امام صاحب کے نزدیک اگرچہ قضاء علی الغائب درست نہیں، مگر موجودہ مسئلہ میں ضرورۃً امام زفرؒ کے مذہب پر فتویٰ ہے۔ (کذا فی الشامی ج ۲/ص ۹۱۹)

فسخ نکاح بعجز نفقہ

[۴۶۲] سوال: ایک شخص بدچلن ہے کماتا بھی نہیں عورت کو بلا نان ونفقہ چھوڑ کر رات دن بری صحبتوں میں رہتا ہے تو ایسی مصیبت زدہ عورت کے چھٹکارے کی کوئی صورت ہوسکتی ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛حنفی مذہب میں تو اس کے چھٹکارے کی یہی صورت ہے کی ترغیب و ترہیب میں سے کسی صورت سے مرد کو طلاق یا خلع پر راضی کیا جائے، اور عدالت میں حقوق زوجیت کا دعوی دائر کیا جائے؛ تاکہ اگر شوہر کا مال ہو تو اس میں نفقہ دینے کا حکم حاصل کیا جائے، یا شوہر کو حصول کسب پر آمادہ کیا جائے، اور عورت کو شوہر کے نام پر دین لینے کا سرٹیفکیٹ مل جائے،

ان میں اگر کوئی صورت مفید ثابت نہ ہو اور شوہر نفقہ سے عاجز ہو تو امام مالک کے مذہب کے مفتی سے فتوی حاصل کر کے قاضی سے نافذ کرنے کے لیے رجوع کرے۔ کذا فی الشامی ج ۲/ص ۹۰۳.

عدت صغیرہ موطوءہ

[۴۶۳] سوال: ایک نابالغہ سے ایک شخص نے نکاح کیا اور قبل بلوغ اس کے ساتھ وطی بھی کر چکا، تو اب طلاق دینے پر وہ عدت بغیر دوسرے شخص سے نکاح کر سکتی ہیں کہ نہیں؟ اور عدت کس طرح گذارے گی؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چونکہ وہ موطوءہ ہے اس لیے عدت گذارنا لازم ہے، اب اگر اس کو حیض نہیں آتا ہو تو تین ماہ گزرنے پر وہ عدت سے نکل جائے گی، مگر یہ شرط ہے کہ پورے تین ماہ تک حیض نہ آئے، اگر ایک دو ماہ کے بعد حیض آیا تو پھر تین حیض سے ہی عدت گذارے گی۔ والعدة فی من لم تحض لصغر او کبر ثلاثة اشهر إن وطئت فی الکل. (الدر المختار مع الشامی ج ۲/ص ۹۳۱) وتفصیله هناك

وطی سے قبل طلاق میں عدت نہیں ہے

[۴۶۴] سوال: ایک شخص نے اپنی منکوحہ کو وطی سے قبل طلاق دی ہے تو اب عورت پر عدت لازم ہے کہ نہیں؟ نیز عورت مہر کی حقدار ہوگی؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر وطی اور خلوت سے قبل طلاق دی ہے تو عورت پر عدت تو نہیں، مگر شوہر پر مقرر مہر کا نصف حصہ دینا لازم ہے، اور اگر مہر کا تقرر نہ ہوا تھا تو مقامی دستور کے مطابق ایک جوڑا کپڑا دے کر رخصت کرنا چاہیے۔ ولا عدة فی طلاق قبل الدخول لقوله تعالیٰ ﴿فمالکم

عليهن من عدة تعتدونها فمتعوهن﴾ (الآية) (مجمع الانهر ج ١ /ص٢٢٩) وهى فى حرة تحيض طلاق أو فسخ بعد الدخول حقيقة أو حكما ثلاث حيض كوامل. (الى ان قال) وفى من لم تحض ثلاثة اشهر ان وطئت فى الكل ولو حكماً كالخلوة ولو فاسدة. آه. (الدرالمختار مع الشامى ج٢ /ص٨٢٥، إلى ج٢ /ص٨٢٩) وان سماها او اكثر لزم المسمى بالدخول أو موت احدهما ونصفه بالطلاق قبل الدخول والخلوة الصحيحة، وان سكت عن المهر او نفاه لزم مهرالمثل بالدخول او الموت، و بالطلاق قبل الدخول والخلوة الصحيحة متعة لا تنقض عن خمسة دراهم ولاتزاد على نصف مهر المثل. آه. (مجمع الانهر ج ١ /ص١٧٣)

طلاق کے بعد تعلیق کا دعویٰ کرنا

[۴۶۵] **سوال**: آپنے جواب میں سوال کی تشریح طلب کی تھی، تو واقعہ یہ ہے کہ زید نے اپنی بیوی زینب کو دو چار نیک نمازی لوگوں کے سامنے تین طلاق اس طرح دی کہ جا تجھ کو تین طلاق ہے تو میرے کام کی نہیں رہی، عورت باپ کے گھر چلی گئی، دو چار یوم بعد مرد نے ایک اعلان کی صورت میں پرچہ نکالا کہ میں نے عورت کو طلاق دی ہے، اس عبارت کے بعد لکھا ہے کہ میں عورت کو طلاق دیتا ہوں مگر وہ میرا زیور واپس کردے، تو اب طلاق ہوئی کہ نہیں؟ حالانکہ مرد مطلق طلاق دے چکا ہے مگر چار روز بعد پشیمان ہو کر زیور مانگتا ہے، اور نیز زیور اس کو ملے گا کہ نہیں؟ اور عورت نے مہر پر اب تک قبضہ نہیں کیا ہے تو وہ اپنے مہر کی حقدار ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر یہی واقعہ ہے اور یہی الفاظ ہیں تو طلاق مغلظہ واقع ہوگئی، اور اگر زیور عورت کو نہ مہر میں دیا گیا ہو اور نہ بخشش ہو تو وہ مرد کو واپس ملے گا اور عورت اپنے مہر کی حقدار ہوگی بشرطیکہ مرد نے وطی کرلی ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

وقیل: لا یقبل الا ببینة وعلیها الاعتماد والفتویٰ. (الدر المختار وتفصیله فی الشامی ج۲/ص۷۰۳) وفی الملتقط: المرأة اذا سمعت الطلاق ولم تسمع الاستثناء لا یسعها ان تمکن من الوطی، کذا فی الشامی. خانیه. وشرط صحة الاستثناء ان یکون موصولا بما قبله من الکلام. آھ. (عالمگیری ج۱/ص٤٦٠)

خلاصہ یہ ہے کہ مذکور عبارت میں اول تو شرط ہی نہیں، اور بالفرض اگر مان بھی لیں تو دو چار روز بعد کا استثناء کلام سابق سے ملحق نہیں ہوسکتا، خصوصاً جب کہ گواہ اور عورت شرط سے منکر ہے اور مرد کے لیے ثبوت نہیں، لہٰذا فساد زمانہ کو ملحوظ رکھ کر اس کی تعلیق لغو ہے، اور طلاق واقع ہوگی۔

شوہر کے عنین ہونے کا دعویٰ کرنا

[۴۶۶] سوال: ایک لڑکے کی شادی بچپن میں ہوئی بلوغ پر جب عورت کے پاس گیا تو عورت نے شوہر کو نامرد پایا اور اس کی نامردی پایۂ تحقیق کو پہنچی ہے، اب عورت دوسرے سے جلد شادی کرنا چاہتی ہے تو اس کا کیا فیصلہ کیا جاوے؟ اور اگر مرد طلاق دے تو کیا اس پر مہر اور عورت پر عدت لازم ہوگی کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: ایسی صورت میں شوہر کو مناسب ہے کہ عورت کو بلا وجہ مقید نہ رکھے؛ بلکہ طلاق دیوے، اور اگر طلاق نہ دیوے تو عورت قاضی کے یہاں تفریق کا دعویٰ کرے، عدالت شرعی اس کو ایک قمری سال تک علاج کے لیے مہلت دے گی، اگر اس درمیان اچھا ہوا تو عورت بدستور اس کی بیوی رہے گی، ورنہ تو قاضی تفریق کا حکم کرے گا، بہر حال خواہ مرد طلاق دے یا قاضی تفریق کا حکم دے دونوں صورتوں میں شوہر پر مہر کامل دینا اور عورت پر عدت لازم ہے۔ کذا فی

الشامی ج ۲ /ص ۸۱۸، ج ۲ /ص ۴۷۸، مجمع الانهر ج ۱ /ص ۲۲۵، ج ۱ /ص ۱۷۰،هدایه ج ۲ /ص ۳۰۶.

وقوع طلاق سکراں/معتدہ کا گھر سے باہر نہ نکلنا

[۴۶۷] سوال: شراب یا تاڑی کے نشہ میں عورت کو تین طلاق دیدی تو طلاق واقع ہوئی کہ یا نہیں؟اور عدت باپ کے گھر گزار سکتی ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نشہ کی حالت میں تین طلاق مذکورہ صورت میں واقع ہوگئی،عورت اپنے شوہر کے گھر میں عدت گزارے گی۔ البتہ مرد اور عورت میں قابل اطمینان جدائی رکھنا لازم ہے تاکہ ایک دوسرے کے آمنے سامنے نہ آسکے۔ ویقع طلاق کل زوج بالغ عاقل ولو عبدا او مکروها او هازلا او سفیها او سکران ولو بنبیذ.آه.(الدرالمختار مع الشامی ج ۲ /ص ۵۸۲) و کذا فی الهدایة ولا تخرج معتدة رجعیا وبائنا بأي فرقة کانت.آه.(الدر المختار وشامی ج ۲ /ص ۵۸۲، وهدایه ج ۲ /ص ۴۰۷، ج ۲ /ص ۴۲۱، ....

بذل المجهود فی نکاح امرأة المفقود

[۴۶۸] سوال: ایک شخص تقریبا ساڑھے چار سال سے غائب ہے،غیبت کے دوسرے سال اس کے نانا کے پاس ایک خط آیا تھا،جس کو اس نے گاؤں کے پٹیل اور سربرآوردہ لوگوں کے سامنے کھولا جس میں لکھا تھا کہ تیرا نواسا گذر گیا،اس کے بعد میت کے گاؤں سے ایک شخص غائب کی بیوی کے پاس آیا جس نے یہ خبر دی کہ تیرا شوہر گذر گیا ہے،اور اس خبر کا ایک خط اس کے نانا کے پاس بھیجا گیا ہے،عورت نے شوہر کے نانا سے خط طلب کیا مگر اس نے خط نہ دیا صرف زبانی

اقرار کیا کہ اس مضمون کا خط آیا تھا، عورت نے اخبار میں ایک ماہ کے لیے ایک نوٹس شائع کیا کہ اگر میرا شوہر زندہ ہو تو ایک ماہ میں حاضر ہو جائے ورنہ میں اس کو مردہ تصور کر کے دوسری جگہ شادی کروں گی، چنانچہ اس سے بھی پتہ نہ چلا، اس کے بعد ایک مولوی نے فتوی دیا کہ عورت دوسری جگہ شادی کر سکتی ہے، مگر جماعت والوں نے یہ شرط لگائی کہ جو کوئی اس کے ساتھ نکاح کرے گا اور اصلی شوہر زندہ ثابت ہو جائے تو موجودہ شوہر سے حسب قواعد پانچ سو (۵۰۰) روپے ڈنڈ لیے جائیں گے، چنانچہ جو آدمی نکاح کے لیے تیار ہو گیا تھا وہ اس خوف سے رک گیا، اب دریافت طلب یہ ہے کہ اس حادثہ میں شرعی فیصلہ کیا ہے؟ اور عورت کو نکاح سے روکنے کا گنہگار کون ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اس مسئلہ میں دو امر قابل غور ہیں:

ایک یہ کہ خبر موت کو صحیح سمجھ کر عورت ثانی عقد کر سکتی ہے یا نہیں؟

دوم یہ کہ مفقود کی عورت مندرجہ صورت سے نکاح ثانی کر سکتی ہے کہ نہیں؟

امر اول کے متعلق شرعی فیصلہ یہ ہے کہ عورت کو اگر دو عادل یا کم از کم ایک عادل آدمی کی شہادت سے شوہر کے مرنے کی خبر ملے تو وہ دوسری جگہ بعد عدت وفات نکاح کر سکتی ہے، اور اگر ایک فاسق شخص خبر دے تو عورت کو دوسری جگہ نکاح کی اجازت نہیں، ہاں اگر دیگر قرائن سے عورت کو خبر کی تصدیق معلوم ہو جائے تو بھی اجازت ہے کہ وہ نکاح ثانی کر لے، مگر بہر حال شاہد میں یہ شرط ہے کہ وہ شہادت میں میت کے دیکھنے یا جنازے میں شرکت کی گواہی دے، اب چونکہ بظاہر نہ نانا کے خط والی خبر سے موت کا یقین حاصل ہو سکتا ہے اور نہ ایک شاہد میں قبولیت کی شرط پائی جاتی ہے، اس لیے موت کی خبر تو بظاہر غیر معتبر معلوم ہوتی ہے، ہاں اگر عورت کو دیگر قرائن سے اس خبر کی تصدیق ہو چکی ہو تو اس کو دوسری جگہ نکاح کی اجازت مل سکتی ہے ورنہ نہیں۔

رہا مسئلہ مفقود، تو فقہاء کی عام کتابوں میں تو یہی فیصلہ ہے کہ جب تک عورت قاضی کے

پاس درخواست نہ دے، اور قاضی بعد از تحقیق شرعی قواعد کے ماتحت اس کی موت کا حکم نہ دے، اس وقت تک عورت کو پہلے شوہر کی بیوی سمجھنا چاہیے اور قاضی کے حکم موت کے بعد وہ عدت وفات گزار کر کے دوسری جگہ نکاح کرے گی، اس سے قبل اجازت نہیں ہے، یہی حکم تمام کتابوں میں موجود ہے۔ ا ذاغاب الرجل عن امرأته فاتاها مسلم عدل فاخبرها ان زوجها طلقها ثلاثا او مات عنها، فلها ان تعتد وتتزوج بزوج آخر. وإن كان المخبر فاسقا تتحرى. ثم إذا اخبرها عدل مسلم انه مات زوجها انما تعتمد على خبره اذا قال عاينته ميتا اوقال شهدت جنازته، اما اذا قال اخبرنى مخبر لا تعتمد على خبره. (وقال قبيل هذالقول) امرأة غاب زوجها فاتاها مسلم غير ثقة بكتاب الطلاق من زوجها ولا تدرى انه كتابه ام لا إلا ان اكبر رأيها انه حق فلا بأس ان تعتمد ثم تتزوج. كذا فى محيط السرخسى. آه. (عالمگیری ج ٥ / ص ٣١٢)

ولا يفرق بينه وبين زوجته لقوله عليه السلام فى امرأة المفقود انها امرأته حتى يا تيها البيان. وقول علىؓ فيها هى امرأة ابتليت فلتبصر حتى يتبين موت او طلاق، خرج بياناً للبيان المذكور المرفوع. آه. (البحر الرائق ج ٥ / ص ١٦٤) اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ مفقود کی عورت بغیر خبر موت یا طلاق دوسری جگہ نکاح نہیں کرسکتی ہے؛ البتہ فقہاء نے موت کی دو قسمیں کی ہیں: ایک تو خبر صحیح جو حقیقی موت کی خبر ہے، دوسری حکمی، یعنی ظاہری موت کی خبر نہ آئی ہو مگر اجراء احکام کے لیے اس کو مرا ہوا تصور کیا جائے، اس حکمی موت میں علماء کا سخت اختلاف ہے، حنفیوں کے ظاہر المذہب میں موت الاقران کو مفقود کی موت حکمی کی دلیل گردانی کی گئی ہے، یعنی اس کے گاؤں کے ہم عمر لوگ جب سب

مرجائیں تو یہ حکم کیا جائے گا کہ مفقود مرگیا ہوگا، بعض لوگ قاضی کی رائے پر اس کا فیصلہ چھوڑتے ہیں اور غالباً یہی قول زیادہ راجح ہے، اور جو اختلاف تعین مدت میں آیا ہے اس کا منشاء یہی اختلاف رائے قاضی ہے، اس لیے بعض سفر کی نوعیت پر فرق رکھتے ہیں، بعض عمر کی تعین پر حکم کرتے ہیں، مگر اصل وجہ وہی غلبۂ ظن موت ہے، اور یہ معاملہ چوں کہ اختلافی ہے اس لیے قاضی کے فیصلے کے بغیر عورت ہرگز دوسری جگہ شادی نہیں کرسکتی ہے۔ انه انما يحكم بموته بقضاء لانه امر محتمل فما لم ينضم اليه قضاء لايكون حجة. (الدرالمختار مع الشامی ج۳/ص۴۵۸، البحر الرائق ج۵/ص۱۶۵)

متأخرین حنفیوں نے اور ہم عصر مفتیوں نے مذہب امام مالکؒ یعنی چار سال کے بعد عدم نفقہ وخوف فتنہ کی اشد ضرورت کے وقت مفقود کی عورت کو دوسری جگہ نکاح کی اجازت دی ہے، مگر اس حیلہ میں ایک اشکال یہ ہے کہ حنفیوں کے یہاں بلا اشد ضرورت دوسرے مذہب پر فتویٰ دینا جائز نہیں، اور اشد ضرورت کو معلوم کرنا آسان نہیں۔

دوم یہ کہ مولانا اشرف علی تھانویؒ نے حرمین شریفین کے مالکی علماء سے استصواب کیا تو وہاں سے جو جواب آیا ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ چار سال کی میعاد بعد مرافعہ الی القاضی ہے، اس سے قبل خواہ کتنا ہی عرصہ گذر چکا ہوگا وہ معتبر نہیں، اس کے علاوہ اور بھی کچھ شرائط ہیں جو کہ مولانا کی جدید تصنیف "الحيلة الناجزة للحليلة العاجزة" میں مرقوم ہیں، میں نے حنفی کتابوں میں بہت تلاش کیا مگر میرے علم میں مندرجہ شرائط نظر نہ آئے، اب جب کہ غیر کا مذہب اختیار کرنا بلاضروت درست نہیں، اور غیر کے مذہب کے بعض شرائط ایسے ہوں کہ امرأۃ المفقود کی نجات میں حائل ہوں، بنابریں میرے خیال میں کوئی حنفی اس قول پر خود تو فتوی نہ دے؛ البتہ اگر کوئی مالکی مفتی میسر ہو اور بضرورت شدیدہ اس سے استفسار کرکے حکم حاصل کیا جائے اور حاکم اس

کو نافذ کردے تو درست ہوگا؛ کیوں کہ مسائل اجتہادیہ میں بعد حکم حاکم مذاہب اربعہ میں سے دوسرے مذہب کا فیصلہ ہمارے لیے جائز العمل ہوتا ہے، اور اگر مالکی مفتی نہ ملے اور عدالت شرع اشد ضروت کی صورت میں مالکی مذہب پر فیصلہ کردے تو بھی نافذ سمجھا جائے گا۔

ان عمر بن الخطاب قال: ايما امرأة فقد زوجها ولم يدر اين هو تنظر اربع سنين ثم تعتد اربعة اشهر وعشرا ثم تحل. آه. (موطا امام مالك٩ ٠ ٤)

وقال بعضهم يفوض الى رأي القاضى كما فى الينابيع، وقال مالك والاوزاعى الى اربع سنين فينكح عرسه بعدها كما فى النظم فلو افتى به فى مو ضع الضرورة ينبغى ان لابأس به على ماالظن. آه. جامع الرموز. (قهستانى ج٢/ص٢١٧) ولقد اطنبت فى هذه المسئلة واوردت فيها اقوال المشائخ لا نها مزلة الاقدام وحريت بان يحتاط فيها ولا يتعجل فى اخذ قول مالك وغيره إلا إذا اشتدت الضرورة. والله يهدى من يشاء إلى صراط مستقيم.

امراۃ المفقود کے لیے بمذہب امام مالک فتویٰ دینا

[٤٦٩] سوال: ایک شخص آج آٹھ سال سے غائب ہے پتہ نہیں کہ کہاں گیا ہے اور خط کتابت بھی نہیں ہے، اس شخص کی ایک عورت ہے اور دو بچے ابھی عورت بچوں کے ساتھ خاوند کی والدہ یعنی ساس کے ساتھ رہتی ہے، ساس اور اس کے رشتہ دار کسی قسم کا کچھ تصفیہ نہیں کرتے، مذکورہ عورت بچوں کے ساتھ نہایت تنگ دستی میں ہے، اب شریعت محمدی مذکورہ عورت کو دوسرے خاوند کرنے کی اجازت دیتی ہے کہ نہیں؟ مذکورہ عورت کے پاس اپنے خاوند کی کوئی ایسی جائداد وملکیت نہیں جس پر بسر اوقات کرے۔

الجواب: وباللہ التوفیق: مفقود کی بیوی کے بابت فقہائے احناف کا قول یہ ہے کہ آپس میں

زوجیت کا تعلق اس وقت تک قائم رہے گا جب تک بموت اقران قاضی کو اس کی موت کا یقین حاصل نہ ہو، اور جب قاضی کو بموت اقران اس کی وفات کا یقین ہوجائے اور وہ مفقود کی وفات کا حکم لگائے اس وقت مفقود مردہ تصور کیا جاتا ہے، اور اس وقت سے بیوی وفات کی عدت گزار کر اور جگہ نکاح کرسکتی ہے، اور موجودہ ورثہ میں اس کی ملکیت تقسیم کی جاتی ہے یہی حکم عام کتب فقہ میں موجود ہے۔فإن ظهر قبله اى قبل موت اقرانه فله ذلك وبعده يحكم فى حق ماله يوم علم ذلك فتعد منه عرسه للموت ويقسم ماله بين من يرثه الآن. الدرالمختار مع الشامى ج ٣ / ص ٤٥٨ مگر چوں کہ زوج نے عورت کے لیے نان ونفقہ وسکنی نہیں چھوڑا اور شرعی عدالت اور قاضی کی عدم موجودگی کی وجہ سے زوج کے نام پر عورت کو قرض لینے اور استدانت کا فیصلہ ملنا دشوار ہے، اور نہ ایسا حکم بحالت موجودہ عورت کے لیے مفید ہوسکتا ہے، اور چوں کہ زمانہ شروفساد کا ہے اگر عورت کے لیے موت اقران شوہر تک بحالت موجودہ موقوف اور ملتوی رکھیں تو فتنہ اور قبائح کثیرہ کا قوی احتمال ہے، بنابریں ضروریات اگر عورت کسی اسلامی ریاست کے محکمۂ شرعیہ میں یہی درخواست پیش کرے اور شرعی قاضی کسی مالکی قاضی سے اس کے مذہب کے موافق جو چارسال مقرر ہیں فیصلۂ موت دلوائے یا خود قاضی شرعی بربنائے دفع قبائح مذکورہ چارسال والے قول پر فیصلہ سنائے تو اس وقت سے مذکورہ عورت عدت وفات گذار کر دوسرے شخص سے نکاح کرسکتی ہے۔

وقد قال فى البزازية الفتوى فى زماننا على قول مالك، وقال الزاهدى كان بعض اصحابنا يفتون به للضرورة. (شامى ج ٣ / ص ٤٥٦) مگر یہ حکم بغیر شرعی قاضی حاصل نہیں ہوسکتا ہے۔ انه انما يحكم بموته بقضاء لانه امر محتمل فما لم ينضم إليه قضاء لا يكون حجة. (الدر المختار مع الشامى ج ٣ / ص ٤٥٨)

کتاب الایمان والنذور

کفارۂ یمین کی مقدار

[۴۷۰] سوال: ایک شخص نے حلف اٹھایا تھا مگر اس کو توڑا اور حانث ہوا تو اس کو کیا کفارہ دینا چاہئے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ کفارۂ یمین میں ایک غلام آزاد کرنا ہوتا ہے یا دس مساکین کو صبح شام کھانا کھلانا ہے یا دس مساکین کو کپڑا دینا ہے، اور اگر مندرجہ تین امور میں سے کسی ایک پر بھی قادر نہ ہو تو تین یوم پے در پے روزے رکھنے ہیں۔﴿فکفارته اطعام عشرة مساكين﴾ (الآية) وهى اى الكفارة عتق رقبة او اطعام عشرة مساكين او كسوتهم فان عجز عن احدها صام ثلثة ايام متتابعة. (مجمع الانهر ج ۱/ص ۲۶۰)

نذر مان لی بعد مدت اس کی مقدار بھول گیا

[۴۷۱] سوال: ایک شخص نے نذر نیاز مانی تھی مگر اب اس کی مقدار عرصہ گذرنے کی وجہ سے بھول گیا تو اب اس کو کیا ادا کرنا چاہیے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نیاز سے اگر غیر شرعی نذر مراد ہے تو اس کا ایفاء لازم نہیں ہے، اور اگر نیاز سے کوئی شرعی نذر مراد ہے تو اگر غالب ظن کسی امر پر موجود ہے تو وہی مقدار دیدے، اور اگر نوعیت یا مقدار کسی طرح معلوم نہیں ہے تو کفارۂ یمین کے دینے سے سبکدوش ہوسکتا ہے۔

وفى البحر: وشرائطه خمس. فزاد ان لا يكون معصية.آه. (الدر

المختار ج ۳/ص ۹۲) (الخامس) شك فی المنذور هل هو صلوٰة او صيام او عتق او صدقة ينبغی ان تلزمه كفارة يمين اخذا من قولهم، لو قال علی نذر فعليه كفارة يمين؛ لان الشك فی المنذور كعدم تسميته. آه. (الاشباه والنظائر ۲۱) والله سبحانه تعالیٰ اعلم۔

عید کے دس روز قبل معین شخص کو فطرہ دینے کی نیت کرنا

[۴۷۲] سوال: کوئی شخص دس پندرہ روز پہلے سے یہ نیت کرلے کہ عید کا فطرہ میں فلاں شخص کو ہی دوں گا تو ایسا کر سکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نیت کر سکتا ہے، مگر یہ نیت واجب التعمیل نہیں؛ بلکہ جو چاہے اور جس کو چاہے دے سکتا ہے۔ سئلت عن من نذر أن يتصدق بكذا علی فقراء المحل الفلانی فتصدق بذلك علی فقراء محل غيره، هل يجوز ذلك او لا يبرأ إلا بالتصدق علی فقراء ذلك المحل؟ فالجواب: انه يجوز له الصرف إلی فقراء محل آخر، قال فی الدر: نذر لفقراء مكة جاز الصرف لفقراء غيرها لما تقرر فی كتاب الصوم ان النذر الغير المعلق لا يختص بشیء ای لا يختص بزمان ولا مكان ودرهم وفقير، فلو نذر التصدق يوم الجمعة بمكة بهذا الدرهم علی فلان فخالف جاز وكذا لو عجل قبله وتمامه فی رد المحتار. واللّٰه اعلم. (فتاوی كامليه ۴۳ وعالمگيری باب اليمين)

معصیت پر معلق نذر کا پورا کرنا

[۴۷۳] سوال: ایک شخص نے کسی فعل معصیت پر نذر مانی تھی کہ اگر میرا فلاں کام (فعل

معصیت) ہو جائے تو سو روپئے اور پچاس رکعت نفل ادا کروں گا اور وہ فعل ہوگیا تو کیا نذر ادا کرے گا یا نہیں اور اگر ادا نہ کرے گا تو گنہگار ہوگا کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ یہ نذر ادا کرنا واجب ہے، اور جو ادا نہ کرے گا تو ایک فعل معصیت کی وجہ سے گنہگار تو ہو ہی گیا تھا اب ایک واجب امر کو بجا نہ لانے کی وجہ سے دوسرا گناہ لازم ہوگا۔ فإن علق بشرط يريده يوفى ان وجد الشرط. (الدرالمختار) انظر لو كان فاسقا يريد شرطا هو معصية تعلق عليه:

كما قال الشاعر: على اذا ما زرت ليلى بخفية
زيارة بيت الله رِجلاً حافياً.

فهل يقال اذا باشر الشرط يجب عليه المعلق ام لا؟ و يظهر لى الوجوب؛ لان المنذور طاعة وقد علق وجوبها على شرط فإذا حصل الشرط لزمته وان كان الشرط معصية.الخ.(شامی ج٣/ص٩٤) ومن نذر مطلقا او معلقا بشرط يريد ه فوجد وفى.آه.(شرح الوقايه٢/٢٤٠) وعلى هامشه العبارة المذكورة آنفا.

وعدۂ نکاح پر حلف لینا اور پھر اس کے خلاف کرنا

[۴۷۴] سوال: ایک عورت نے زید سے کہا کہ تیرے سوا دوسرے سے اگر نکاح کروں تو رسول کی عہد توڑوں، اور دوسرا مجھ پر حرام ہو، اب وہ دوسرے سے نکاح کر سکتی ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نکاح تو دوسرے سے کر سکتی ہے، مگر چوں کہ بشرط نکاح مع الغیر رسول کے عہد توڑنے پر حلف اٹھائی ہے، جو براءت من الرسول کے ہم معنی ہے؛ نیز تحریم حلال میں بھی

یمین کا اس جگہ شبہ ہوتا ہے اس لیے بعد نکاح مع الغیر کفارۂ یمین دیدے۔ لان تحریم الحلال یمین.(خانیة برعالمگیری ج ۱/ص۵۱۹، عالمگیری ج ۲/ص۵۵) أو قال انا برئ من رسوله و حنث کان علیه الکفارة.(خانیة برعالمگیری ج ۲/ص۵) لأن البراء ة من القرآن والنبی کفر، وتعلیق الکفر بالشرط یمین.آھ. (مجمع الانهر ج ۱/ص۲۶۲)

قسم بقرآن

[۴۷۵] سوال: قرآن شریف پر حلف اٹھایا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اور اگر ایک شخص دوسرے کو قرآن شریف کے حلف اٹھانے پر مجبور کرتا ہو تو اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ حلف اللہ پر یا اس کی صفات پر اٹھایا جاتا ہے اس کے سوا دوسری چیزوں پر حلف اٹھانا منع ہے اور یہی ظاہر الروایۃ اور متون کا قول ہے، مگر متاخرین علماء نے جب دیکھا کہ اللہ اور اس کی صفات پر لوگ حلف اٹھانے سے نہیں ڈرتے ہیں اور عرف میں بھی قرآن پاک پر حلف ایسا مروج ہو گیا ہے کہ اسی کو حلف سمجھنے لگے ہیں، اس لیے بعضوں نے مطلقاً اور بعضوں نے کچھ تفصیل اور قیود کے ساتھ قرآن پر حلف اٹھانا معتبر حلف قرار دیا ہے، مثلاً اگر اپنے بیان میں جھوٹ بولوں تو قرآن یا قرآن کے احکام سے بیزار ہو جاؤں، یا قرآن پر ہاتھ رکھ کر یہ کہے کہ یہ حق ہے، میں اپنے بیان میں سچا ہوں۔ والیمین باللّٰہ او باسم من اسماء ہ او بصفة من صفاته لابغیر اللّٰہ کالقرآن والنبی والکعبة، هذا اذاقال والقرآن والنبی اما لو قال انا بریء من القرآن او النبی فانه یکون یمیناً، ولو قال انا بریء مما فی المصحف یکون یمیناً، کذا فی الکافی والفتح، ولا یخفی ان الحلف الآن

متعارف فیکون یمیناً، وقال العینی: ولو حلف با لمصحف او وضع یده علیه او قال وحق هذا فهو یمین ولا سیما فی هذا الزمان الذی اکثر فیه الحلف به.(مجمع الانهر ج ۱ /ص ۲۹۲، وکذا فی الشامی ج ۳ /ص ۷۰)

قرآن کی قسم کا معتبر ہونا

[۴۷۶] سوال: ایک شخص اپنے مدعا علیہ کو قرآن شریف کی قسم دیتا ہے تو وہ کہتا کہ میں تو اللہ ہی کی قسم اٹھاتا ہوں قرآن کی نہیں، تو کیا قسم دینے والا اس کو قرآن کی قسم اٹھانے پر مجبور کر سکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ قسم تو اللہ اور اس کی صفات پر اٹھانا چاہیے مگر اس زمانہ میں لوگ خدا کی قسم سے اس قدر خوف نہیں کھاتے ہیں جتنا قرآن، طلاق کی قسم اٹھانے سے ڈرتے ہیں تو اگر مدعی کو یہ اندیشہ ہو کہ خدا کی قسم یہ شخص جھوٹی اٹھائے گا اور میرا حق ضائع ہو جائے گا تو اس کو حق ہے کہ اس قسم شدید کا مطالبہ کرے، رہا یہ کہ قرآن کی قسم درست ہے کہ نہیں؟ تو متأخرین علماء نے زمانہ کی حالت کے مطابق اسی پر فتوی دیا ہے کہ قرآن کی قسم شرعی قسم ہے۔ والیمین باللّٰه اوباسم من اسمائه (الی ان قال) وقال العینی: ولو حلف بالمصحف او وضع یده علیه اوقال وحق هذا فهویمین ولاسیما فی هذا الزمان الذی اکثر فیه الحلف به.(مجمع الانهر ج ۱ /ص ۲۶۲، شامی ج ۳ /ص ۷۰) ومسئلة توکید التحلیف مبسوطة فی باب التحلیف من کتاب الدعویٰ فی الشامی وغیر ذلك)

خلاف متعین میں نذر کا پورا کرنا/ مسئلۂ نذر بفقراء اجمیر

[۴۷۷] سوال: میرے بچپن میں والدہ نے یہ نذر مانی تھی کہ جب میری شادی ہوگی تو مجھے اجمیر

بھیجا جائے گا، وہاں مصری سے تولا جاؤں گا، اس مصری کے تین حصے کر کے ایک حصہ مزار کے مسافرین کو، ایک حصہ مساکین کو، ایک حصہ رشتہ داروں کو دیا جائے گا، پانچ روپیہ مزار کی پیٹی میں ڈالا جائے گا، اور ساٹھ روپئے کی خیرات ہوگی، جب میں بڑا ہوا تو مجھے اس نذر کا علم ہوا، میں نے والدہ سے کہا کہ مصری کی قیمت اور پانچ روپیہ اور ساٹھ سب ملا کر مدرسہ کے لیے کتابیں خریدیں یا دیگر کار خیر میں صرف کریں مگر والدہ اپنی ضد کو نہیں چھوڑتی ہے، میں نے ارادہ کیا کہ والدہ کو دھوکہ دے کر اجمیر کے نام پر رقم لوں اور دیگر امور خیر میں صرف کروں تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس معاملہ میں شرعاً مجھے کیا کرنا چاہیے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: مذکورنذر کو دوسرے مصرف میں خرچ کرنے کے متعلق آپ کا خیال بالکل صحیح ہے، اور نذر اگر کسی خاص چیز یا خاص مقام یا خاص مصرف میں معین کیا گیا ہو تو اس کے خلاف دوسرے مقام میں دوسرے مصرف میں خرچ کر سکتے ہیں، خصوصاً جب کہ اس تخصیص میں بعض امور غیر مشروع کو بھی شامل کر لیے گئے ہوں تو ایسی صورت میں تو اس پر عمل بھی درست نہیں، مگر اس کے ساتھ نذر آپ کی والدہ نے مانی ہے اور آپ اس رقم کو اس کی جانب سے نیابۃً اور وکالۃً خرچ کریں گے، اور وکیل اپنے مؤکل کے حکم کے خلاف عمل نہیں کر سکتا ہے، اب اس کے متعلق یہی ایک بہتر صورت ہو سکتی ہے کہ آپ والدہ سے یہ سمجھا کر کہیں کہ اس نذر کے متعلق میں نے علماء سے دریافت کیا ہے تو مجھے یہ شرعی جواب ملا ہے کہ اس نذر کی ادائیگی کے لیے نہ اجمیر جانے کی ضرورت ہے اور نہ مصری کی تعین کی ضرورت ہے اور نہ فقراء اجمیر کو دینے کی ضرورت ہے؛ بلکہ یہاں کسی مدرسہ میں یا کسی دیگر مفید کار خیر میں مصری کی قیمت اور باقی ماندہ رقم ملا کر دے سکتے ہیں، اور اسی طرح دینے میں ہم نذر سے بھی چھوٹ جائیں گے اور ثواب بھی زائد ملے گا، جب والدہ نے اجازت دی تو پھر آپ مجموعہ رقم کسی مفید مصرف میں خرچ کر سکتے ہیں۔ والنذر الغیر

المعلق لا یختص بزمان ومکان ودرھم و فقیر، فلو نذر التصدق یوم الجمعة بمکة بھذا الدرھم فخالف جاز. (الدرالمختار) فخالف ای فی بعضھا او فی کلھا بان تصدق فی غیر یوم الجمعة ببلد آخر، بدرھم آخر، علی شخص آخر، وفی الحموی عن العمادیة: لو امر رجلا وقال تصدق بھذا المال علی مساکین الکوفة فتصدق علی مساکین اھل البصرة لم یجز، وکان ضامنا. آھ. قلت ووجھہ: ان الوکیل یضمن بمخالفة الآمر. (شامی ج ۲/ص ۱۷۲) وکذا فی الفتاوی الکاملیة ۴۳ ویمین العالمگیریة.

یمین بقرآن وبرأت از اسلام

[۴۷۸] سوال: ایک شخص نے کہا کہ اگر میں فلان سے شرکت سے تجارت کروں تو قرآن اور دین سے الگ ہوجاؤں اور کفار میں حشر ہو تو اب وہ اگر مذکور شخص سے مل کر تجارت کرے تو اس پر کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: قرآن اور دین سے براءت کرنا اور کفار میں شامل ہونا ایسے الفاظ ہیں کہ جن سے یمین منعقد ہوتی ہے اب جب کہ وہ حانث ہوگیا ہو تو کفارۂ یمین دینا لازم ہوگا یعنی اگر غلام کا آزاد کرنا یا دس مساکین کو دونوں وقت کھانا کھلانا یا کپڑا دینا اگر اس پر قادر نہ ہو تو تین روز متواتر روزے رکھے۔ کذا فی الھدایة ج ۲/ص ۴۵۵ والعالمگیریة ج ۲/ص ۵۳)

غیر مشروع نذر کا پورا کرنا ضروری نہیں

[۴۷۹] سوال: پیروں کی نذر مان کر بچوں کے کان میں سونے چاندی کی بالیاں پہنانا جو بعض وقت بلوغ کے بعد بھی نہیں اتارتے یہ درست ہے؟ نیز اولیاء اللہ کی نذر، منت مان کر اس پر ایسا

پابندی سے عمل کرنا جیسا خدااور رسول کے قول پر، اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛(۱) نذر کے شرائط میں سے یہ بھی شرط ہے کہ جو نذر مانی گئی ہو وہ از قسم عبادت مقصودہ ہو، یہاں ظاہر ہے کہ بالیاں پہنانا اور وہ بھی سونے کا یقیناً عبادت تو نہیں؛ البتہ حرام ضرور ہے، لہٰذا یہ نذر ہی باطل ہے۔ ومن نذر نذرا مطلقا او معلقا بشرط وكان من جنسه واجبا وهو عبادة مقصودة.آھ.(الدر المختار مع الشامی ج ۳ /ص ۹۱)

(۲) بزرگوں کی منت، نذر مان لینا اور وہ بھی آج کل عوام جہاں کا یقیناً ناجائز؛ بلکہ بعض صورتوں میں موجب کفر ہے، اس لیے ایسی منتوں سے خود بھی احتراز کرنا چاہیے اور دوسرں کو بھی منع کرنے کی سعی کرنی چاہیے، اس کے متعلق علامہ شامی نے اور خیر الدین الرملی نے اس فعل کے روکنے میں بہت ہی تفصیل سے بحث کی ہے۔ (شامی ج ۲ /ص ۱۷۵، فتاویٰ خیریہ ج ۱ /ص ۱۷)

کتاب الوقف

حکومت کا مسجد پر سڑک بنانے کے لیے مسجد کے عوض دوسری جگہ زمین دینا

[۴۸۰] سوال: ایک مسجد جو شارع عام پر واقع ہے، جس میں پنج وقتہ نماز باجماعت ہوتی ہے، اور جس میں بلا روک ٹوک عام مسلمان شرکت کرتے ہیں، اس مسجد کے بعض متولی اس مسجد کو اپنی ملکیت بتا کر فروخت کرنا چاہتے ہیں، اور فروخت کرنے کی صورت یہ واقع ہوئی ہے کہ حکومت وقت شہر کی آرائش اور سڑک کو وسعت دینے کی غرض سے اس مسجد کو یہاں سے ہٹا کر اس کے عوض دوسری جگہ زمین دینے کے لیے تیار ہے اور مسجد بنانے اور تعمیر کرنے کا وعدہ بھی کرتی ہے، اس حکم کے لیے حکومت کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے بعض متولی راضی ہو گئے ہیں اور موجودہ مسجد کو حکومت کو فروخت کر کے اس کے عوض دوسری زمین پر مسجد بنانے کے لیے تیار ہو گئے ہیں تو کیا ان کو ایسا کرنا شرعاً جائز ہے؟ مسلمان شرعی فیصلہ کے منتظر ہیں۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مذکورہ مسئلے میں شرعی فیصلہ معلوم کرنے کے لیے اول مندرجہ ذیل امور کا جاننا ضروری ہے:

(۱): کسی خطہ یا زمین پر مسجد ہونے کا حکم کب لگتا ہے؟ یا کوئی زمین مسجد کے حکم میں کب داخل ہوتی ہے؟

(۲): کوئی زمین مسجد کے حکم میں داخل ہونے کے بعد کسی کی ملکیت تصور کی جاتی ہے؟

(۳): مسجد کی وہ زمین جس پر شرعی مسجد کا اطلاق ہوتا ہے اس کے متعلق اگر متولی یا قاضی یا حاکم یہ ارادہ کرلے کہ اس کو فروخت کرلے یا یہ زمین دوسری زمین کے تبادلہ میں دینا چاہے تو ان

کا یہ فیصلہ شرعاً قبول ہوسکتا ہے یا نہیں؟

امر اول کے متعلق فقہاء کی تصریح یہ ہے کہ جو عاقل بالغ اپنی مملوکہ زمین للہ مسلمانوں کی پنچگانہ نماز کی ادائیگی کی غرض سے مع تمام لوازمات کے اپنی ملکیت سے جدا کر کے عام مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے کی اجازت دیدے اور مسلمان اس میں نماز پڑھ چکے تو اب یہ زمین شرعی مسجد کے حکم میں داخل ہوگی۔ واذا بنى مسجداً لم يزل ملكه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه، ويأذن للناس بالصلوٰة فيه، فإذا صلى فيه واحد زال عند أبي حنيفة عن ملكه. آه. (هدايه ج ٢ /ص ٦٠٧ وقف، الدرالمختار ج ٣ /ص ٥١٠، مجمع الانهر ج ١ /ص ٣٤٩)

(۲): کوئی خطہ یا زمین جب کہ مسجد کے حکم میں داخل ہوجاتی ہے تو وہ بالاتفاق مالک کی ملک سے نکل کر اللہ کی ملکیت میں داخل ہوجاتی ہے۔ ويشكل بالمسجد فإنه حبس على ملك الله تعالىٰ بالاجماع. (مجمع الانهر ج ١ /ص ٣٤٥، شامی ج ٣ /ص ٥١٠)

(۳): مطلق وقف زمین کی فروختگی اور تبادلہ کے متعلق فقہاء نے عدم جواز کی تصریح کی ہے، اور بعض صورتوں میں اغراض وقف کے مصالح کو ملحوظ رکھتے ہوئے بعض مشائخ نے چند شرائط کے ماتحت تبادلہ کے جواز کا حکم کیا ہے، مگر وقف مسجد دیگر اوقاف سے اس حکم میں مختلف ہے، چنانچہ ہمارے مشائخ نے یہ فتوی دیا ہے کہ جب کوئی خطہ اور زمین ایک دفع مسجد کے حق میں داخل ہوگئی تو وہ پھر تا قیامت مسجد ہی کے حکم میں واجب الاحترام رہے گی جس کو نہ فروخت کر سکتے ہیں اور نہ کسی زمین سے تبادلہ کر سکتے ہیں خواہ اس پر عمارت قائم ہو یا منہدم ہوگئی ہو اور خواہ اس میں کوئی نماز پڑھے یا نہیں۔ وقال أبويوسف: هو مسجد أبداً إلى قيام الساعة ولا يعود ميراثاً

ولا یجوز نقله ونقل ماله الی مسجد آخر سواء کانو یصلون فیها اولا وهوالفتوی.(البحرالرائق ج٥/ص٢٥١، وکذا فی الشامی ج٣/ص٥١٣ ناقلا عن البحر والفتح والمجتبی والحاوی القدسی، وقال الشامی فی تلك الصفحة: قال فی البحر: وبه علم ان الفتوی علی قول محمد فی آلات المسجد وعلی قول ابی یوسف فی تابید المسجد.(٥١٣) وعن هذا قال فی البحر: ولو قضی الحنفی بصحة بیعه فحکمه باطل؛ لانه لا یصح الا بالصحیح المفتی به فهو معزول بالنسبة الی القول الضعیف، ولذا قال فی القنیة: فالبیع باطل.(شامی ج٦/ص ٥٤٤) والفتاوی الکاملیه ناقلا عنه ٥٦ اعلم ان المسجد یخالف سائر الاوقاف فی عدم اشتراط التسلیم الی المتولی عند محمد، وفی منع الشیوع عند أبي‌یوسف، وفی خروجه عن ملك الواقف عند الامام وإن لم یحکم به حاکم، کما فی الدرروغیره.(شامی ج٦/ص ٥١٠،٥٤٤زکریا)

مندرجہ بالا تصریحات کے جاننے کے بعد یہ فیصلہ آسان ہے کہ مذکورہ مسجد جب کہ عرصہ سے مسجد کے حکم میں داخل ہوکر عام مسلمانوں کی پنجگانہ نمازوں کی عبادت گاہ بن چکی ہے، اور مسجد خاص اللہ ہی کی ملکیت ہے جس میں غیر تصرف نہیں کرسکتا ہے، اور مسجد کی زمین تا قیامت مسجد کے حکم میں داخل رہ کر ہمیشہ واجب التعظیم اور واجب الاحترام رہتی ہے، تو مذکورہ مسجد کے متعلق متولی یا حاکم وقت کی فروختگی یا تبادلہ کا ارادہ یقیناً خلاف شرع ہے، اور متولی یا حاکم کا ایک مسجد اور قابل احترام متبرک مقام کو عام گذرگاہ بنانا اور اس کی توہین اور نجس کرنے کا تہیہ کرنا مسلمانوں کی مذہبی امور میں دست اندازی اور صریح توہین کا ارادہ ہے، جس کی مدافعت

آئین اور پُر امن طریقہ سے نہایت ضروری ہے، اور ہندوستان میں مختلف مقامات پر سیکڑوں مسجدیں ویران پڑی ہیں مگر آج تک کسی حکومت نے مندرجہ فیصلۂ شرعیہ کی وجہ سے باوجود ضرورت داعیہ کے اس شنیع فعل پر اقدام نہیں کیا ہے، اس لیے مسلمانوں کو اس فتنہ کے انسداد کے لیے زیادہ کوشش کرنا فرض ہے؛ تا کہ اس فتنہ کا دروازہ کھلنے نہ پائے۔ فقط۔

اسلامی قبرستان و وقف میں غیر مسلم کا دخل دینا

[۴۸۱] سوال: (۱): ایک گاؤں میں ایک قبرستان ہے جس میں متعدد قبریں شاہی زمانے کی موجود ہیں، پاس ایک شاہی مسجد اور مقبرہ ہے، شکستہ حالت میں موجود ہیں، اس مسجد اور مقبرہ کے اطراف میں قبرستان ہے جس میں کئی زمانے سے مسلمان لوگ مردے دفن کرتے ہیں، قبل ازیں اس کا احاطہ نہ تھا، اب چند روز سے اس کے اطراف احاطہ بنالیا گیا ہے، اس گاؤں کے ہندو نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ مندرجہ بالا قبرستان کا کچھ حصہ ہمارا ہے، ہم لوگ اس میں مردے دفن کیا کریں گے، یہ دعوی کلکٹر کے پاس گیا تو کلکٹر نے یہ فیصلہ کیا کہ آئندہ ہندو مسلم دونوں مذکورہ قبرستان میں مردے دفن کیا کریں، ایسی حالت میں مسلمانوں کے قبرستان میں ہنود کا دفن کرنا شرعاً کیسا ہے؟

(۲): قبرستان کے احاطہ کو کلکٹر صاحب نے گرادینے کا حکم کیا ہے تو اس کے متعلق کتب شرع سے مفصل تحقیق اور فیصلہ تحریر کیجیے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مذکورہ مسئلہ کے سمجھنے کے لیے چند اصول وضوابط ذہن نشین کرنا ضروری ہے:

(۱): واقف کے شرائط اور منشاء کی اتباع نہایت ضروری ہے۔ شرط الواقف یجب اتباعه لقولهم، "شرط الواقف کنص الشارع" ای فی وجوب العمل به وفی

المفهوم والدلالة. (الاشباه والنظائر ١٠٤، وكذا فى الشامى ج٦/ص٥٢٧ زکریا ج٣/٤٩٩، ج٣/٥٧٥، ج٣/٥٣٨)

(۲): مسلمانوں اور کفار میں امتیاز ضروری ہے اور کافر کو ہر ایک امر میں مسلمانوں سے امتیاز وعلیحدگی پر مجبور کرنا چاہیے۔ ويميز الذمى عنا فى زيه حاصله انهم لما كانوا مخالطين اهل الاسلام فلابد من تميزهم عنا كى لا يعامل معاملة المسلم من التوقير والاجلال وذلك لا يجوز. (شامى ج٦/ص٣٣٢ زکریا، ج٣/٣٧٦)

(۳): واقف کی طرف سے جو متولی مقرر ہے اس کا تصرف اور فیصلہ حاکم اور قاضی سے بھی زائد قوی اور قابل اعتبار وعمل ہے۔ وان الولاية الخاصة اقوى من الولاية العامة، وبه افتى العلامة قاسم. (شامى ج٣/ص٥٣٤)

(۴): حاکم یا قاضی اگر شریعت اور منشاء وقف کے خلاف فیصلہ کرے گا تو وہ خلاف شرع اور واجب الرد ہوگا۔ واذا داخلهم القضاة والامراء فعليهم اللعنة فهم ملعونون لما تقرر، ان شرائط المخالفة لشرع جميعا لغو وباطل. (الدرالمختار مع الشامى ج٦/ص٥٩٠ زکریا ج٣/٥٣٩)

(۵): کفار اور مسلمانوں کی لاشیں اگر مساوی طور پر اس طرح مختلط ہو جائیں کہ مسلم اور کافر کی تمیز نہ ہو تو ان کی تدفین میں اختلاف ہے، بعض کہتے ہیں کہ مسلمانوں کے قبرستان میں دفن کئے جائیں گے، بعض کہتے ہیں کہ مشرکین کے قبرستان میں اور بعض کہتے ہیں کہ ان کے لیے دونوں سے علیحدہ ایک قبرستان بنا کر اس میں دفن کئے جائیں۔ (عالمگیری ج٣/ص١٦٩) اختلف المشائخ فى دفنهم: قال بعضهم: فى مقابر المسلمين، وقال بعضهم: فى مقابر المشركين، وقال بعضهم: يتخذ لهم مقبرة عليحدة.

(عالمگیری ج ۱ / ص ۱۵۹ زکریا ج ۷ / ص ۱۶۹)

(۶): مرتد جو مسلمان ہی تھا مگر کفر کی وجہ سے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں ہوسکتا۔ واذامات او قتل علی ردته لم یدفن فی مقابرالمسلمین.(الاشباه والنظائر ۱۰۱)

(۷): نصرانی عورت اگر مسلمان کے نکاح میں تھی اور حمل کے ایام میں گزر جائے تو اس کے دفن میں بھی اختلاف ہے حالانکہ اس کے پیٹ میں مسلم بچہ موجود ہے، بعض کہتے ہیں کہ مسلمان کے مقبرے میں دفن کی جائے، اور بعض کہتے ہیں کہ کفار کے مقبرے میں دفن کی جائے مگر زیادہ بہتر یہ ہے کہ اس کے لیے علیحدہ قبرستان بنالیا جائے۔ سئل فی امرأة نصرانية تحت مسلم ماتت حاملا فهل تدفن فی مقابر المسلمین أو فی مقابرالمشرکین؟ اجاب: اختلف الصحابة ﷺ فیها فقال بعضهم: تدفن فی مقابر المسلمین، وقیل:فی مقابر المشرکین، وقال عقبة بن عامر، وواثلة بن الاسقع: یتخذ لها قبر علیحدة وهوالاحوط.(فتاوی خیریه برحاشیه تنقیح الفتاوی ج ۱ / ص ۲۶)

(۸): علامہ شامی نے شام کا ایک واقعہ اپنی کتاب میں لکھا ہے جو مسئولہ صورت سے بہت ملتا جلتا ہے، وہ لکھتے ہیں کہ ۱۲۴۸ھ شام میں پُرانہ کنیسہ تھا جو منہدم اور ویران پڑا تھا وہاں کے ایک نصاری کو اس پر قبضہ کرنے کی خواہش ہوئی اس نے ایک اجنبی غریب یہودی کو کسی مقررہ رقم کی لالچ دے کر اس کو مالک قرار دیا اور خود اس سے خریدنے کے لیے آمادہ ہوگیا، یہ حادثہ بطور فتوی کے علماء شام کے پاس پہنچا تو سب نے یہی فیصلہ دیا کہ اگر چہ سب کافر ہمارے نزدیک ایک ملت ہے مگر چوں کہ شرائط واقف کی اتباع نہایت ضروری ہے اور جب واقف نے مذکورہ کنیسہ یہود کے

لیے وقف کیا ہے تو اب نہ اس کو متولی فروخت کرسکتا ہے اور نہ نصاری خرید سکتا ہے، اس کے ذیل میں علامہ شامی نے متعدد فوائد ومسائل کی تخریج کی ہے۔

ومنها انها اذاكانت معينة لفرقة خاصة ليس لرجل من اهل تلك الفرقة ان يصرفها الى جهة اخرىٰ وان كان الكفر ملة واحدة عندنا، كمدرسة موقوفة على الحنفية مثلا لا يملك أحد ان يجعله لأهل مذهب آخر وإن اتحدت الملة. (شامی ج٦/ص ٣٣١ زکریا ج٣/ص٣٧٦)

مندرجہ اصول وضوابط سے یہ امر آفتاب کی طرح روشن ہو گیا کہ مسلمان کے وقف یا قبرستان میں واقف اور مروجہ رواج کے خلاف کسی طرح کا تصرف نہ متولی کرسکتا ہے اور نہ حاکم وقت کرسکتا ہے، اور حفاظت کے لیے مسلمانوں نے جو احاطہ بنایا ہے وہ عین شریعت کا حکم ہے، اور اس کے احاطہ کی شکست یا کفار کی تدفین کا جو حکم اور فیصلہ کلکٹر نے سنایا ہے وہ خلاف شرع اور مسلمانوں کی مذہبی امور میں صریح دست اندازی اور ظلم ہے، مسلمانوں کو اپنے مذہبی اوقاف اور شعائر کے لئے ہر جائز اور پُر امن مدافعت ضروری اور لازم ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بانیان مسجد کا تولیت مسجد کے لیے افضل ہونا

[۴۸۲] سوال: ایک خاص قوم نے مل کر ایک مسجد بنائی ہے جس میں ہر فرقہ کے مسلمانوں کو نماز کی اجازت دی گئی ہے مگر انتظام اور تولیت اپنے لیے مخصوص کر چکی ہے، اب دوسرے مسلمان مدعی ہیں کہ چوں کہ مسجد کسی کی ملکیت نہیں لہٰذا اس کی تولیت اور انتظام کا حق ہم سب کو مساوی طریقہ سے پہنچتا ہے، تو کیا تولیت کا حق شرعاً بانیین کو ہے یا تمام مسلمانوں کو ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مذکورہ مسئلہ میں تو صراحۃً بانیین نے تولیت اور انتظام کا حق اپنے لیے

مخصوص کردیا ہے جو بفحوائے "شرط الواقف کنص الشارع" (شامی ج۶/ص۶۴۹ زکریا) ویسا بھی واجب العمل ہے، اور اگر وہ اس شرط کی تصریح نہ بھی کرتے تب بھی بانیین کے ورثہ اور قوم اس وقت تک اس خدمت پر مامور ہوتے جب تک وہ یا بانیین تولیت دوسرے کو سپرد نہ کرتے یا مسجد میں ایسا تصرف نہ چاہتے جو مسجد کی شان وحرمت کے منافی ہوتا، لہٰذا مسئولہ صورت میں وہی بانیین ہی انتظام اور تولیت کے مستحق ہیں جب تک وہ برضا وخوشی یہ عہدہ کسی مناسب شخص کو تفویض نہ کریں، یا ایسا تصرف مسجد میں شروع نہ کریں جو مسجد کی حرمت اور شان کے منافی ہو۔ ولاية نصب القيم إلى الواقف ثم لوصيه ثم للقاضي ومادام احد يصح للتولية من اقارب الواقف لا يجعل المتولى من الاجانب لانه اشفق ومن قصده نسبة الوقف اليهم.آه.(الدر المختار مع الشامی ج۶/ص۶۳۳ زکریا)

مصلحۃً وقف کی زمین میں تغیر اور تعمیر کرنا

[۴۸۳] سوال: ہمارے یہاں ایک مدرسہ ہے جس پر بانی مدرسہ نے ایک قطعۂ باغ وقف کیا، باغ میں چند ناریل کے درخت ہیں، جن کی آمدنی مصارف سے بھی کم ہے، اور اگر درخت کاٹ کر اس کو صاف کیا جائے یا اس زمین پر تعمیر کی جائے تو مصارف سے زائد آمدنی ہوسکتی ہے جو اپنے مصارف کے علاوہ مدرسہ کو مالی امداد کی بہتر صورت نکل سکتی ہے، اور متولی اس تعمیر پر آمادہ ہے مگر توقف اس لیے ہے کہ شریعت اس امر کی اجازت دیتی ہے کہ مذکورہ باغ میں درخت کاٹ کر میدان بنایا جائے؟ یا اس زمین پر مکانات برائے کرایہ تعمیر کئے جائیں؟ لہٰذا برائے کرم شرعی فیصلہ سے مطلع فرمایئے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ وقف زمین میں اس قسم کا تغیر یا تعمیر کرنا جس سے وقف کی مالیت اور آمدنی میں اضافہ یقینی ہو تو اس قسم کا تغیر اور تعمیر کی اجازت ہے، لہٰذا مذکورہ واقعہ میں متولی درخت کاٹ کر اس زمین پر تعمیر کر سکتا ہے، اور اگر یہ فعل مقامی دیندار ذوی الرائے حضرات کے مشورہ سے عمل میں آئے تو زیادہ بہتر ہے؛ تاکہ سوءِ ظن کا احتمال باقی نہ رہے۔ واذا اراد القیم ان یبنی فیها قرية ليكثر اهلها وحفاظها، و يحرث فيها الغلة لحاجة الى ذلك كان له ان يفعل ذلك. آھ. ولو كانت الارض متصلة ببيوت المصر يرغب الناس فى استيجار بيوتها، و تكون غلة ذلك فوق غلة الزرع والنخيل كان للقيم ان يبنى فيها بيوتاً يؤاجرها. آھ. (عالمگیری ج ۲ / ص ۴۱۴) وكذا يفهم من (مجمع الانهر ج ۱ / ص ۳۵۱، ۳۴۷)

بعد تکمیل مسجد طبقۂ بالائی بنانا

[۴۸۴] سوال: ایک مسجد ہے جس کے اطراف میں علوم شرعیہ کا مدرسہ بنایا گیا ہے، مسجد اور مدرسہ ہر دو مسلمانوں کے چندے سے بنائے گئے ہیں۔ تعمیر کے وقت یہ ارادہ تھا کہ مکان کی تنگی کی وجہ سے مسجد کو دو طبقہ بنایا جائے مگر سرمایہ کی کمی سے مسجد کی تکمیل حسب ارادہ نہ ہو سکی، صرف تحتانی طبقہ بنایا گیا جس پر بارش اور دھوپ سے حفاظت کی غرض سے ایک چھپڑا ڈال دیا گیا۔ اب بعض اہل خیر اس کام کے لئے تیار ہو گئے ہیں کہ بالائی طبقہ جو ادھورا رہ گیا تھا اس کو حسب ارادۂ سابق تکمیل تک پہنچائے۔ مگر بعض افراد اس پر معترض ہیں اور کہتے ہیں کہ مسجد کی تکمیل کے بعد اس پر امام وغیرہ کے لئے حجرہ کی ممانعت سے مسجد کی تعمیر کی ممانعت ثابت ہوتی ہے اور دلیل میں شامی کی مندرجہ ذیل عبارت پیش کرتے ہیں۔ (فروع) لو بنى فوقه بيتا للامام لا يضر لانه من

المصالح اما لو تمت المسجدیة ثم اراده البناء منع آھ۔ تو کیا اس عبارت سے حسب منشاء بانیین مسجد کی نیت سے بھی تعمیر درست نہیں۔ نیز اگر یہ طبقہ شرعاً بنا سکتے ہوں تو اگر اس میں بعد تعمیر حدیث اور علوم دینیہ کی تدریس بھی علاوہ اوقات نماز میں جاری ہے تو درست ہے کہ نہیں۔ بینوا جزاکم اللہ خیر الجزاء

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مسجد کی تعمیر میں بانی اور متولی حسب صواب دید خود مسجد کی حیثیت سے تغیر وتبدل کرسکتا ہے۔ مسجد اراد اهله ان يجعلوا الرحبة مسجداً او المسجد رحبة و ارادوا ان يحدثوا له بابا و ارادوا ان يحولوا الباب عن موضعه فلهم ذالك فان اختلفوا نظر ايهم اكثر و افضل فلهم ذالك. كذا فى المضمرات. (عالمگیری)

الدر المختار کی عبارت منقولۂ سوال کا مطلب یہ نہیں ہے کہ مسجد کی منزل اول کی تکمیل کے بعد اس پر منزل دوم مسجد کی نیت سے بھی نہیں بن سکتی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مسجد کی مسجدیت کی نیت سے تکمیل کے بعد اس پر امام کے لئے سکونتی مکان یا مدرسہ کے لئے درسگاہ نہیں بن سکتی۔

مسجد میں روشنی کا وقت اور جگہ کا تعین

[۴۸۵] سوال: جماعت خانہ سے باہر بتی جلتی ہے جس سے جماعت خانہ میں دھیمی روشنی جاتی ہے، مگر خود جماعت خانہ میں بتی نہیں جلاتے ہیں تو کیا یہ جائز ہے؟ نیز بتی کب تک مسجد میں جلانا چاہیے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مسجد میں بتی دراصل نمازیوں کی سہولت کے لیے جلائی جاتی ہے، اس بناء پر جہاں نماز ہوتی ہے وہاں روشنی بھی کرنا چاہیے، اور جہاں نمازیوں کو ضرورت نہیں پڑتی ہو وہاں بتی جلانے کی بھی ضرورت نہیں۔

(۲) مسجد کے تیل سے بتی اس وقت جلا سکتے ہیں جب تک نمازیوں کی ضرورت ہو جس کا تخمینہ ایک تہائی رات تک ہے، اس کے سوا اگر واقف نے اجازت دی ہو یا قدیم سے عادت چلی آئی ہو تو جلا سکتے ہیں ورنہ نہیں۔

ولا بأس بترك سراج المسجد إلى ثلث اليل؛ لان لهم ان يؤخروا الصلوٰة إلى ثلث الليل ولا يترك اكثر من ذلك إلا إذا شرطه الواقف أو كان معتاداً في ذلك الموضع. (كبيرى ٥٧٠) وكذا في (عالمگيرى ج ٢ /ص ٤٤٦ زكريا) ولو وقف على دهن سراج المسجد لا يجو ز وضعه جميع الليل ؛ بل بقدر حاجة المصلين. آه. (عالمگيرى ج ٢ /ص ٤٤٦ زكريا)

متولی کا وقف مکان بلا کرایہ استعمال کرنا

[۴۸۶] سوال: ہمارے گاؤں میں ایک مدرسے کا مکان وقف ہے، اس میں اوپر کے حصے پر بچے پڑھتے ہیں اور نیچے کے حصے میں جماعت کا سامان کرایہ پر دینے کا رکھنے میں آتا ہے، تو اس نیچے کے حصے کا کرایہ جماعت سے لینا درست ہے یا نہیں؟ اگر وہ دوسری جگہ رکھا جائے تو کرایہ دینا پڑتا ہے اب مدرسے کا متولی وہ کرایہ وصول نہ کرے یا نہ لے تو مدرسے کے متولی سے یہ پیسے وصول کئے جا سکتے ہیں یا نہیں؟ اور مدرسے میں جمع کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ متولی یا کسی دوسرے شخص کو وقف شدہ ملکیت میں مقررہ ومعہود شرائط کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے، اور وقف مکان کسی کو بلا کرایہ یا واجبی کرایہ سے کم پر نہیں دے سکتا ہے، اگر ایسا کرے گا تو کرایہ دار سے جتنے ایام تک وہ مکان استعمال کر چکا ہو پورا کرایہ وصول کیا جاتا ہے نہ کہ متولی سے، لہٰذا صورت مذکورہ میں اگر مکان مذکور مدرسے کے مصارف کے لیے کرایہ دینے

پر مقرر ہو چکا تھا تو متولی کو اس کے خلاف کرنا جائز نہ تھا، تاہم موجودہ صورت میں استعمال کے ایام کا پورا واجبی کرایہ جماعت سے لے کر مدرسہ میں جمع کیا جائے کیوں کہ کرایہ اس سے لیا جاتا ہے جس کے سامان نے مکان کو مشغول کر رکھا تھا نہ کہ متولی سے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

والموقوف إذا آجره المتولی بدون أجر المثل لزم المستاجر تمامه ای تمام اجر المثل لا المتولی، کما غلط فیه بعضهم کأب وکذا وصی. خانیة. آجر منزل صغیره بدونه فإنه یلزم المستاجر تمامه إذ لیس لکل منهما ولایة الحط والاسقاط. (الدرالمختار مع الشامی ج٦/ص٦١٣ زکریا) متولی الوقف إذا اسکن رجلا بغیر اجر ذکر هلالؒ انه لا شیء علی الساکن، وعامة المتأخرین من المشائخ علیٰ ان علیه اجر المثل سواء کانت الدار معدة للاستغلال او لم تکن صیانة للوقف وعلیه الفتویٰ. (عالمگیری ج٢/ص٤٢٠)

وقف کتابوں کو بچوں پر فروخت کرنا

[٤٨٧] سوال: ہمارے گاؤں میں مدرسے کے لئے قربانی کے چمڑے جمع کرنے میں آتے ہیں، اس لیے کہ سپارہ اور کتابیں بچوں کو مفت دیویں مگر وہ جمع کر کے بیچ کر پیسوں سے سپارے اور کتابیں خریدتے ہیں مگر بچوں کو سپارے اور کتابیں مفت نہیں دیتے ہیں، لہٰذا ایسے مدرسے میں قربانی کے چمڑے دینا کیسا ہے؟ اس سے کچھ فیض پہنچتا ہوا معلوم نہیں ہوتا ہے۔

الجواب: وباللہ التوفیق: جب کہ چمڑے دینے والوں نے اس کی قیمت سے سپارے اور کتابوں کو خریدنے اور مدرسۂ قریہ میں بچوں کو تعلیم کے لیے دینے کی تصریح کی ہے، یا اس ارادے سے دے

دیتے ہیں تو چوں کہ تمام فقہاء کا عام فیصلہ ہے کہ "شرائط الواقف کنص الشارع" (شامی ج٦/ص٦٤٩ زکریا، وغیرہ) واقف کی تمام جائز شرائط کی پابندی ضروری ہے، اس لئے متولی کے لئے اس کی خلاف ورزی کرنا اور بچوں پر سپارے اور کتابیں فروخت کرنا جائز نہیں، نیز وقف شدہ چیز کی فروخت ہی جائز نہیں جب تک شدید ضرورت درپیش نہ ہو، اور موجودہ صورت میں چوں کہ واقفین کی طرف سے چمڑے بیچ کر کتابوں اور سپاروں کو خریدنے کی تصریح یا ارادہ موجود ہے اس لیے موجودہ صورت میں گویا واقفین نے کتابیں اور سپارے وقف کردیئے، اور چوں کہ وقف کا فروخت بلا شدید ضرورت جائز نہیں، لہٰذا متولی کو کتابوں اور سپاروں کا بیچنا جائز نہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔ثم لیس له أن یستبدل الثانیة بارض ثالثة لأن هذا حکم ثبت بالشرط والشرط وجد فی الاول دون الثانیة. (خلاصة الفتاوی ج٤/ص٤١٣ کوئٹه)

متولی مسجد ویران کا اہل محلہ کو قیمت لیے بغیر مسجد کی تعمیر سے منع کرنا

[۴۸۸] سوال: پرانے زمانہ کا ہمارے شہر میں ایک قبرستان ہے جو فی الحال شہر کے درمیان میں واقع ہوا ہے، یعنی اس کے اطراف میں لوگ رہنے لگ گئے ہیں، اس قبرستان میں تمام قبریں نابود ہوگئی ہیں مگر اس میں ایک مسجد قائم ہے، اور اس میں بالکل نماز تو ہوتی نہیں ہے مگر وہ جگہ ایک سید کے قبضہ میں ہے، اور محلے والوں کو پیسے لئے بغیر مسجد بنانے کے لیے وہ جگہ دیتا نہیں تو کیا وہ سید پیسے لے کر وہ اس جگہ کو بیچ سکتا ہے؟ شرعاً کیا حکم ہے؟ اور محلے والوں کو خبر ہے کہ یہ زمین مسلمانوں کی ہے تو پیسے دے کر یہ زمین لینا کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جب کہ یہ امر متحقق اور یقینی ہے کہ یہ زمین مسلمانوں کی ملکیت اور کسی

وقت مسجد تھی، تو یہ مسجد ہی کے حکم میں داخل ہے، اور جب وہاں کے مسلمان اس کی تعمیر کی ضرورت محسوس کرتے ہیں تو سید صاحب کو کوئی حق نہیں کہ مسلمانوں کی عام وقف چیز کو فروخت کریں، خاص کر مسجد کو فروخت کرنا یا اس کی تعمیر سے مسلمانوں کو روکنا حکم خداوندی کی خلاف ورزی کرنا ہے جو بدترین گناہ اور ظلم ہے۔

﴿ومن اظلم ممن منع مساجد الله ان يذكر فيها اسمه وسعى فى خرابها﴾ (البقرة الآية ١١٤) اور اہل محلّہ ودیگر مسلمانوں کا فرض ہے کہ جب سید مذکور خلاف شرع امر پر اصرار کرتا ہے تو ہر ممکن کوشش سے اس مسجد اور زمین کا قبضہ اس کے ہاتھ سے لے لینا چاہیے؛ کیوں کہ ایسے غیر متدین شخص کو تولیت سے برطرف کرنا ضروری ہے؛ تاکہ موقوفہ زمین یا مسجد حسب سابق مسجد بن کر محفوظ رہ سکے، اور اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے اس وعدے کے لئے مستحق ثابت کریں کہ ﴿انما يعمر مساجد الله من آمن بالله﴾ (التوبة الآية١٨) وقال ابويوسف: هو مسجد ابداً إلى قيام الساعة ولا يعود ميراثا ولا يجوز نقله ونقل ماله الى مسجد آخر سواء كانوا يصلون فيها او لا، وهو الفتوىٰ، وكذا فى الحاوى القدسى. وفى المجتبى واكثر المشائخ على قول ابى يوسف ورجح فى فتح القدير قول ابى يوسف بانه الاوجه. (البحر الرائق ج٥ / ص ٢٥١)

بانی یا متولی کو مسجد کی چیز اپنے مصرف میں لانے کی ممانعت

[۴۸۹] سوال: ایک مسجد ابھی زمین خرید کر بنائی گئی ہے، اور اس کے چندے میں پیسے دینے والے سب موجود ہیں، اور وہی لوگ مسجد کے متولی بھی ہیں، اب اس مسجد کے صحن کے پاس مسجد کی

جگہ ہے اس میں کیلے او پپیّوں کے درخت بوئے ہیں، اس پر پھل لگتے ہیں جس کو وہی متولی صاحبان صحن میں بیٹھ کر روزانہ کھاتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ جب کوئی محلے والا اعتراض کرتا ہے کہ تمہارے لیے مسجد کی کوئی چیز جائز نہیں ہے، اور مسجد کے صحن میں بیٹھ کر کھانا بھی مکروہ ہے تو اس کا جواب متولی صاحبان یوں دیتے ہیں کہ ہم متولی ہیں، ہمارے لیے جائز ہے تو اس کے لیے شرعاً کیا حکم ہے؟

نوٹ: متولی صاحبان تمام مالدار اور صاحب زکوٰۃ ہیں۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جب کہ چند اشخاص مل کر کسی زمین کو مسجد کے لیے مقرر کر چکے ہیں اور اس میں مسجد بنا کر عام مسلمانوں کو اس میں نماز پڑھنے کے لیے اجازت دے چکے ہیں اور مسلمانوں نے اس میں نماز پڑھنی شروع کی ہے تو اب وہ شرعی وقف مسجد ہوگئی ہے جو واقفین اور بانیین کی ملکیت میں نہیں آسکتی ہے، اسی طرح جو زمین مسجد کے ملحق ہوچکی یا بانیین اور واقفین کی ملکیت سے علیحدہ کی گئی وہ بھی مسجد کی ضروریات کے لیے وقف ہوچکی ہے، جس کی آمدنی مسجد ہی کی ضروریات میں شرعی طریقہ پر صرف ہوسکتی ہے، متولی وغیرہ کسی کو حق نہیں جو اس کو اپنے تصرف میں لائیں۔ وإذا بنى مسجدا لم يزل ملكه عنه حتى يفرزه عن ملكه بطريقه ويأذن للناس بالصلوٰة فيه، فإذا صلى فيه واحد زال عند ابى حنيفة عن ملكه. آه. (هدايه ج۲/ص۶۲۴) ويجب صرف جميع مايحصل من نماء وعوائد شرعية وعرفية لمصارف الوقف الشرعية. (الدرالمختار ج۶/ص۶۷۲ زكريا) وقال العلامة الشامى فى آخر قوله على هذا المقام لكن الذى يظهر ان الغلال إذا كانت من ريع الوقف يجب صرفها فى مصارف الوقف. آه. (الدر المختار مع الشامى ج۶/ص۶۷۲ زكريا) رہا مسجد میں بیٹھ کر کھانا

تو اس کو فقہاء نے سوائے معتکف یا مسافر کے باقی سب کے لئے مکروہ لکھا ہے۔عالمگیری کراہیت کے تحت آداب مسجد میں تصریح موجود ہے۔

مسجد پر ملکیت کا دعویٰ کرنا وعزل خائن

[۴۹۰] سوال: مسجد پر کسی کی ملکیت کا دعویٰ صحیح ہوسکتا ہے یا نہیں؟ اگر نہیں ہوسکتا ہے تو جو شخص مسجد پر ملکیت کا دعویٰ کرے اس کے متعلق شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مسجد خالص خدا کی ملکیت ہے اس میں کسی انسان کو ملکیت کے دعوے کا حق نہیں ہے، اور اگر متولی وغیرہ ایسا دعویٰ کرے تو وہ خائن ہوگا اور خائن کی تولیت اور قبضہ سے مذکورہ مسجد نکال کر کسی امین شخص کی تولیت میں دینا لازم اور ضروری ہے۔فإذا صلى فيه واحد زال عند ابى حنيفة عن ملكه.(هدايه ج ٢ /ص ٦٤٤) وكذا فى (الدر المختار مع الشامى ج٦ /ص ٥٤٥، ومجمع الانهر ج ١ /ص ٣٤٩،٣٤٥)

مزارات کی چراغی، وظیفہ سرکاری کا حکم

[۴۹۱] سوال: سورت میں ایک درگاہ بنام پیرم شاہ مشہور ہے جن کی نسل میں سے اب تو کوئی موجود نہیں مگر موجودہ مجاور یا متولی کو پانچ چھ پشت سے ان کی اولاد کی طرف سے عہدۂ مجاوری تفویض ہوا ہے، درگاہ ایک مزار اور مختصر سی عمارت پر مشتمل مقام کا نام ہے، اس کے متعلق نہ کوئی جائداد ہے اور نہ کوئی پبلک وقف، صرف سرکار کی طرف سے سالانہ بارہ روپئے ملتے ہیں اس میں بھی کچھ تفصیل نہیں ہے، صرف اس قدر تحریر ہے کہ یہ بارہ روپئے موجودہ متولی کو حسب سابق سرکار کی وفاداری کی شرط پر دیئے جاتے ہیں، اس کے علاوہ چراغی آتی ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ مذکورہ ہر دو آمدنیوں کا مصرف کیا ہونا چاہیے؟ کیا یہ متولی اپنی ضروریات اور مصارف پر خرچ کرے یا درگاہ کی

بتی روشنی پر صرف کرنا چاہیے یا دیگر کسی مناسب مصرف میں خرچ کرے؟ کس کس مقدار میں صرف کرے؟ براہ کرم مفصل جواب عنایت فرمائیں۔

الجواب: وباللہ التوفیق: مذکورہ ہر دو آمدنی جب کہ بظاہر خود خلاف شرع نظر آتی ہیں، تو پھر ان میں جواز کی شرعی صورتیں کس طرح تلاش کی جاسکتی ہیں؟ مثلاً محض درگاہ پر چراغی یا روشنی کوئی کار ثواب اور عبادت نہیں ہے؛ بلکہ مشائخ نے اس کی کراہت اور حرمت پر طویل تحریریں سپرد قلم کی ہیں، مثلا علامہ خیر الدین رملیؒ نے اپنے فتوے میں متعدد معتبر کتابوں کے حوالہ سے ایک طویل بحث کی ہے، جو بطور نمونہ یہ دو سطر ہی کافی ہیں۔

وإذا علمت هذا فما يوخذ من الدراهم والشمع والزيت وغيرها فينقل إلى ضرائح الاولياء تقربا اليهم لا الى الله فحرام باجماع المسلمين مالم يقصدوا الفقراء الاحياء قولا واحدا. آه. (فتاوىٰ خيريه ج ١/ص١٨)

اسی طرح سرکار سے بارہ روپئے اس شرط پر لینا کہ سرکار کے جائز اور ناجائز احکام کی اطاعت اور فرماں برداری عمل میں لاتے رہیں، اور وہ بھی ایک بزرگ کے نام سے بدترین مذہبی اور اخلاقی جرم ہے، مسلمانوں کو ہرگز یہ زیبا نہیں کہ کسی بزرگ کی مزار کو اپنی روزی اور آمدنی کا ذریعہ بنا کر اپنا ہاتھ پیر توڑ کر اس پر بیٹھے؛ بلکہ حلال کمائی سے اپنی اور دوسرے محتاجوں کی خبر گیری کرنا چاہیے، اس مکروہ پہلو سے قطع نظر کر کے جب اصل سوال پر غور کرتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ مندرجہ آمدنیاں تو وقف میں ہرگز داخل نہیں اول تو اس واسطے کہ وقف میں جہت مصرف عبادت اور کار ثواب ہوتا ہے مگر یہاں نہ درگاہ پر بیٹھ کر مجاوری کار ثواب ہے اور نہ محض درگاہ پر چراغ روشنی کار ثواب ہے، دوم یہ کہ وقف میں اصل ملکیت محفوظ رکھی جاتی ہے اور منافع حسب شرائط مصارف میں خرچ کیا جاتا ہے مگر یہاں سرکاری بارہ روپئے اور چراغی کے پیسے ہی خرچ ہوتے ہیں نہ کہ ان منافع۔

اب مذکورہ آمدنی اگر ہوسکتی ہے تو ایک بخشش اور ہدیہ ہی ہوگی، اب یہ بخشش اور ہدیہ تو مرحوم بزرگ کو ممکن نہیں کیوں کہ بعد وفات وہ مالک ہی نہیں ہوسکتا ہے، اس لیے یہ ہدیہ یا تو براہ راست مجاور کو ہوگا یا درگاہ کی روشنی اور صفائی یا تعمیر کے لیے تو (بتقدیر جواز) ان میں سے جس مصرف میں یہ آمدنیاں دی گئیں ہوں اسی مصرف میں خرچ کرنا چاہیے۔

اور اگر مندرجہ وجوہات میں سے کسی وجہ کی تعیین معلوم نہیں اور آئندہ استصواب بھی ممکن نہ ہوتو موجودہ مجاور اور متولی کو اپنے سابق پیشروؤں کے طرز عمل کا اتباع کرنا چاہیے، اور جو چیز جس جس مصرف میں وہ خرچ کرتے موجودہ مجاور کو بھی اس پر عمل کرنا چاہیے۔ وعندهما هو حبس العين على حكم ملك الله تعالىٰ وصرف منفعتها على من احب، و ركنه الالفاظ الخاصة، وشرطه شرط سائر التبرعات، وأن يكون قربة فى ذاته. (الدر المختار مع الشامى ج٦/ص ٥٢٠، ٥٢١، ٥٢٢زكريا ج٣/ص٤٩٦)

ذكر فى الذخيرة قال: سئل شيخ الاسلام عن وقف مشهور اشتبهت مصارفه وقدر الصرف إلى مستحقه، قال: ينظر إلى المعهود من حاله فيما سبق من الزمان ان قوامه كيف يعملون فيه وإلى من يصرفونه فيبنى على ذلك لأن الظاهر أنهم كانوا يفعلون ذلك على موافقة، شرط الواقف وهو المظنون بحال المسلمين فيعمل على ذلك هذه عبارة الذخيرة. قلت: وهذا ايضاً ظاهر لا خفاء فيه وهو موافق للقواعد المذهبية، والمراد بشيخ الاسلام والله اعلم خواهر زاده. (فتاوى طرطوسية ١٥٠) وقريبا من ذلك عبارة خلاصة الفتاوى مع مجموع الفتوى مطبوعة كشورى ج٤/ص٤٢٢)

مرض الموت میں ایک رقم زمین خریدنے اور مسجد و مدرسہ کے لیے وقف کرنے کی وصیت پر عمل کرنا

[۴۹۲] سوال: ایک شخص نے مرض الموت میں وصیت کی کہ فلاں رقم مدرسہ کے لئے اور فلاں رقم مسجد کے لئے مقرر کرتا ہوں ان ہر دو رقوم سے زمین خرید کر مدرسہ اور مسجد کی ضروریات میں اس کے منافع دیتے رہیں، اب مرحوم کے ولی اور قوم کے کچھ آدمی حسب وصیت زمین لینا چاہتے ہیں، اور قوم کے دوسرے افراد چاہتے ہیں کہ زمین کے منافع آج کل اس قدر مفید نہیں جس قدر ٹرام، الیکٹری وغیرہ کے حصص مفید ہیں، اس لیے اس سے وہ حصص خریدے جائیں تو از روئے شرع شریف کونسا طریقہ جائز اور واجب العمل ہے۔

الجواب: اقول وهو الموفق ؛ روپیوں کے وقف کے بارے میں فقہاء تجارت اور مضاربت کر کے منافع کو مقررہ مصارف میں صرف کرنے کو تجویز کرتے ہیں۔(شامی ج۳/ص ۵۱۸) مگر یہ اس وقت ہے کہ واقف نے کچھ تصریح نہیں کی ہو، اور موجودہ صورت میں جب کہ واقف کی طرف سے زمین خریدنے کی تصریح موجود ہے، اور وقف کے اغراض و مقاصد بھی یہی چاہتے ہیں کہ وقف شدہ ملکیت غیر فانی دائمی منافع والی ملکیت ہو، اس لیے درصورت موجودہ واقف کی طرف سے گویا زمین ہی وقف ہو چکی ہے اور موقوفہ ملکیت کے استبدال متعدد شرائط سے مشروط ہے جو موجودہ صورت میں وہ شرائط مفقود ہیں۔ کما يفهم من (خلاصة الفتاوی ۴۱۳،۲۲۳)

لھٰذا مسئولہ صورت میں حسب وصیت موقوفہ رقم سے زمین ہی لینا اور مقررہ مصارف میں اس کے منافع صرف کرنا لازم ہے، اور مرحوم کے مصرحہ شرائط کے خلاف کرنا جائز نہیں۔

شرائط الوقف معتبرة إذا لم يخالف الشرع وهو مالك فله أن يجعل ماله حيث

شــاء مــالــم يـكـن مـعـصـية. وكـذا شـرط الـواقف كنص الشـارع. (شـامى ج٦/ص٥٥٩ زكريا ج٣/ص٥٢٠)

وقف زمین ومکان زائد میعاد کے لیے اجرت پر دینا

[۴۹۳] سوال: مسجد کا متولی یا ٹرسٹی مسجد کی وقف ملکیت۔ جیسے دکان، گھر، زمین وغیرہ کرائے پر دیتے ہیں مگر ایسی شرط پر کہ وقف ملک واپس نہ لی جائے، تو ایسی شرط سے دینے کی اجازت شریعت دیتی ہے یا نہیں؟ اور ایسی مضر شرط سے دینے کا حق شریعت نے دیا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ متولی کے لئے وقف شدہ ملکیت کو اجارہ پر دینے کا ایک ہی سال تک حکم ہے، اور غیر منقولہ وقف مثل دوکان، زمین کے حسب ضرورت اور مصلحت تین سال تک اجارہ پر دینے کی اجازت ہے، تین سال سے زائد اجارہ اوقاف فاسد ہے۔

الـمتـولـى اذا آجـر دار الوقف اكثر من سنة ان كان الواقف شرط فى صك الـوقف ان لا تـوجـر اكثـر مـن سنة لا يجوز، وإن لم يشترط شيئاً جاز مـقـدار سـنة الـىٰ ثـلـٰث سـنيـن، كـذا اختـاره الـفقيـه ابوالليث، وقال الشيخ ابـوحـفـص الـكبيـر فى الضياع: يجوز قدر ثلث سنين، و فى غير الضياع لا يـجـوز اكثـر مـن سـنة. آه. (خـلاصة الـفتـاوىٰ كشورى ج٣/ص١١٢، عـالـمگيـرى ج٢/ص٤١٩، خيرية٢٠٣، ٥٤٩، شامى ج٦/ص٦٠٥ زكريا تحت فصل يراعى شرط الواقف فى اجارته)

مسجد کے اوقاف سے مدرسہ کا چلانا جائز نہ ہونا

[۴۹۴] سوال: ایک گاؤں میں مسجد کی آمدنی اتنی ہے کہ مسجد کا خرچ اور امام کی تنخواہ دے سکتے ہیں

اوراس میں گاؤں کے بچوں کو پڑھانے کے لئے مدرسہ بھی قائم ہوسکتا ہے،لہٰذا ایسا قابل امام رکھنا کہ امامت کا کام بھی اچھی طرح سے دے سکے اور ایسا منشی ہو کہ قرآن شریف اردو گجراتی کی تعلیم باقاعدہ اچھی طرح سے دے سکے،تو ایسے امام کو مسجد کی آمدنی میں سے تنخواہ دے کر مدرسہ پڑھانے کی شرط پر قائم کرنا اوراس سے مدرسے کا کام لینا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ وہ وقف جس کی آمدنی مسجد ہی کے لئے مخصوص کردی گئی ہو اس کو مسجد کی ضرورت کے سوادوسرے مصارف مثلاً مدرسہ وغیرہ میں خرچ نہیں کرسکتے ہیں اور وقف ملکیت میں واقف کے شرائط پر پابندی ضروری ہے اس کے خلاف کرنا جائز نہیں ہے۔شرائط الواقف کنص الشارع. (شامی ج٣/ص٥٧٥) قلت: إنما یکون المدرس من الشعائر لو مدرس المدرسة کما مر، اما مدرس الجامع فلا لانه لا یتعطل لغیبته بخلاف المدرسة حیث تقفل اصلا.آھ.(الدر المختار مع الشامی ج٦/ص٥٦٧ زکریا ٣/٥٢٥)

مسجد کا بے کار سامان فروخت کرنا

[٤٩٥] سوال: مسجد کی حد میں ایک مکان ہے جس میں بچے پڑھتے ہیں،اب اس مکان کو گرا کر نیا بنانے کا ارادہ ہے،تو اس مکان کا پُرانا سامان وغیرہ برآمد ہوا،اس کو بیچ سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر مذکورہ سامان بیچ سکتے ہوں تو حاصل شدہ روپیوں کو نئے مکان کے بنانے میں خرچ کرسکتے ہیں یا نہیں؟ اگر بیچ نہیں سکتے ہوں تو مذکور سامان غریبوں کو للہ دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر نہ بیچ کر نئے مکان میں استعمال کرسکتے ہوں اور نہ غریبوں کو للہ دے سکتے ہوں تو پھر اس کا استعمال کس طرح کرنا چاہیے؟ کیوں کہ مذکورہ سامان رکھنے کے لیے جگہ بھی نہیں ہے،اور ویسے رکھنے سے برسات کے زمانہ میں

سڑ جانے کا خوف ہے تو کیا کرنا چاہیے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مذکور سامان میں سے جو چیز نئے مکان میں لگانے کے قابل ہو اس کو نئے مکان میں لگا دی جائے اور جو اس قابل نہ ہو تو اگر آئندہ کام آنے کے قابل ہو تو آئندہ کے لیے رکھی جائے، اور اگر آئندہ کے لیے رکھنے کے قابل نہ ہو یا رکھنے سے اس کے ضائع ہونے کا خوف ہو جیسا کہ سوال سے معلوم ہوتا ہے تو اس صورت میں اس سامان کو بیچ کر نئے مکان میں وہ روپیہ مناسب ضرورت کے موقع پر خرچ کر سکتے ہیں، اور اگر نئی تعمیر میں صرف کرنے کی ایسی ضرورت نہ ہو تو وہ رقم آئندہ ضروری تعمیر کے لیے محفوظ رکھی جائے مگر مساکین وغیرہ میں تقسیم نہ کی جائے، اور یہ امر ملحوظ رہے کہ اس سامان کی رقم تعمیری کام میں اس طور سے خرچ کریں کہ اس رقم سے جو چیز خریدی جائے وہ باقی رہنے والی چیز ہو اور جز مکان بنے، ایسی چیز نہ ہو جو صرف کرنے سے فنا ہو جائے مثلاً نمازیوں کی افطاری خریدنے سے وہ رقم ختم ہوئی اور اس کا عوض کھانے کے بعد باقی نہیں رہا تو ایسی چیز نہ ہو۔ ونقضه اى نقض الوقف وما انهدم من بنائه من الآجر والخشب والحجر والتراب وغيرها يصرف اى يصرف الحاكم او القيم الى عمارته ان احتيج إليه بالفعل او يدخر اى يحبس الى وقت الحاجة إليها اى ان لم يحتج اليه بالفعل وان تعذر صرفه اى صرف عين النقض اليها اى الى العمارة بان لا يصلح لذلك بيع اى باع نحو القيم النقض وصرف ثمنها اليها لانه بدل النقض ولا يقسم النقض بين مصارفه اى مستحق الوقف لانه جزء من العين وحقهم فى المنفعة. آھ. (جامع الرموز شرح مختصر الوقاية وقف ج٣/ص٤٢٨) فقط والله سبحانه تعالىٰ اعلم۔

مسجد کی غیر کارآمد چیزیں فروخت کرنا

[۴۹۶] سوال: مسجد کی چیزیں مثلاً پتھر، لکڑی وغیرہ بلاضرورت پڑی ہیں اس کو بربادی سے بچانے کے لئے فروخت کرسکتے ہیں کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مسجد کی وہ چیزیں جو مسجد کی عمارت سے نکلی یا بچی ہوں ان کو اگر سردست تعمیر میں لگانے کی ضرورت نہ ہو یا تعمیری کام میں لگانے کے قابل نہ ہو اور آئندہ ضرورت کے لیے رکھنے میں ان کی تضییع اور بربادی کا اندیشہ ہو تو ان چیزوں کو فروخت کرکے ان کی رقم تعمیری مد میں محفوظ رکھی جائے، اور اس رقم کو مستحقین وقف یا ایسے کام میں نہ خرچ کریں کہ خرچ کرنے کے یک قلم فنا ہو جائے، اور اگر وہ چیزیں مسجد میں سے نہیں بچی ہیں؛ بلکہ باہر سے کسی نے مسجد کو وقف کردی ہوں تو ان کو یا ان کی قیمت کو وقف کرنے والے کے ارادہ اور منشاء کے مطابق صرف کریں۔ کذا فی القهستاني. (وقد مرت عبارته في صفحة ۲۰) ونقض الوقف يصرف إلى عمارته إن احتاج وإلا حفظ إلى وقت الحاجة، وإن تعذر صرف عينه يباع ويصرف ثمنه إليها، ولا يقسم بين مستحقي الوقف. آه. (ملخص مجمع الانهر ۳۴۹)

مسجد کی غیر کارآمد چیزیں دوسری مسجد میں دینا

[۴۹۷] سوال: ایک مسلمان نے ایک ہندو کا کمپاؤنڈ کرایہ پر لیا، اس میں ایک مسلمان نے للہ کے پیسے سے گھاس وغیرہ کی کچی مسجد بنائی، کمپاؤنڈ کے رہنے والے مسلمان اس میں پنج وقتہ نماز پڑھتے تھے، اب اس کمپاؤنڈ کے چھوڑنے کے بعد اس مسجد کی تمام چیزیں کسی دوسری مسجد میں یا کسی غریب کو دے سکتے ہیں کہ نہیں؟ یا فروخت کرسکتے ہیں کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مذکورہ چیزیں قریب ترمحتاج مسجد میں دے دی جائیں،اس کے دینے والے یااس کے ورثہ سے اجازت لیں توکسی قسم کا شبہ باقی نہ رہے گا،اور غیر کارآمد چیزیں فروخت کرکے اس کی رقم بھی دوسری مسجد میں مندرجہ بالاطریقہ سے صرف کرسکتے ہیں۔(فتاویٰ کاملیہ ۵۷،۵۸،۶۱)ومثلہ فی الخلاف المذکور حشیش المسجد وحصیرہ مع الاستغناء عنها، وكذا الرباط والبئر اذا لم ينتفع بهما فيصرف الى اقرب مسجد او رباط او بئر. (درالمختار مع الشامی ج۳/ص۵۱۳زکریا، مجمع الانھر ج۱/ص۵۴۹)

مسجد کے تیل کومعتکف وغیرہ کا استعمال کرنا

[۴۹۸] سوال: معتکف مسجد میں اعتکاف کرتا ہےتومسجد کی بتی رات بھراستعمال کرسکتا ہے یا نہیں؟اپنا تیل جلائےتو کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛مسجد کے تیل اوربتی کے متعلق حکم یہ ہے کہ جن مساجد میں عادۃً رات بھر بتی جلتی ہے یاواقف نے اجازت دے دی ہوتواس بتی کومعتکف وغیرہ استعمال کرسکتے ہیں بایں طور کہ اس کے سامنے بیٹھ کرکتاب اور وظائف پڑھا کرے،اوراگرمقررہ وقت کے بعدعادۃً بتی بند کی جاتی ہوتواس وقت تک اس پرکتاب وغیرہ دیکھنا جائز ہےاس کے بعد مسجد کی بتی استعمال نہیں کرسکتا ہے،اپنے ذاتی تیل جلانے میں ممانعت نہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ولو وقف على دهن السراج للمسجد لا يجوز وضعه جميع الليل بل بقدر حاجة المصلين، ويجوز إلى ثلث الليل أو نصفه إذا احتيج إليه للصلوٰة فيه. آه. ولايجوز ان يترك فيه كل الليل الا فى موضع جرت العادة فيه

بذلك. آھ. او شرط الواقف ترکه فيه كل الليل كما جرت العادة به فی زماننا. بحر. (عالمگیری ج ۲ /ص ۴۵۹)

مدرسہ کا وقف مسجد میں صرف کرنا

[۴۹۹] سوال: یہاں چندسال پہلے ایک میمن صاحب کی طرف سے مدرسہ چلتا تھا، پھر بورڈ کے اسکول نکلنے سے وہ موقوف رکھا گیا، اب ان کا ارادہ ہے کہ اس مدرسہ کی جگہ کو مسجد میں دیویں، تو کیا یہ جگہ مسجد میں دے سکتے ہیں؟ اوراس طرح کرنا جائز ہے یانہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ بورڈ کے مدرسہ کے اجراء سے مذکور مدرسہ کو موقوف رکھنے کی بظاہر کوئی وجہ نظر نہیں آتی؛ بلکہ مسلمانوں کی موجودہ علمی کمزوری کو ملحوظ رکھتے ہوئے اور بھی زائد مدارس کی ضرورت محسوس کی جارہی ہے، تاہم اگر کسی شرعی عارض کی وجہ سے مذکورہ مدرسے کے موقوف رکھنے کی ضرورت لاحق ہوگئی ہواور حسب سابق اجراء ممکن نہ ہوتو اس کو ایسے مدرسہ کے ساتھ ملحق کر سکتے ہیں جو تعلیمی وغیرہ حیثیت سے مذکورہ مدرسہ کے شرائط کے موافق اور محل وقوع سے قریب ہو، اور مسجد یا ایسے مصارف میں جن کے اغراض مدرسہ مذکور کے شرائط اور اغراض سے مغائر ہو وہاں صرف نہیں کرسکتے ہیں۔ شرائط الواقف كنص الشارع. (شامی وغيره ذلك) حتى لو باعه الواقف أو بعضه او رجع عنه، ووقفه لجهة اخرىٰ قبل الحكم بلزوم الاول صح الثانی لو قوعه فی محل الاجتهاد. (الدرالمختار) قال العلامة الشامی رداً عليه) وفيه نظر فان كتب المذهب مطبقة على ترجيح قولهما بلزومه بلا حكم، وبانه المفتى به وفی الفتح انه الحق كما مر فعلى المفتی والقاضی العمل به. إلى آخر ما قاله مفصلاً. (شامی ج ۳ /ص ۵۴۴،

والفتاوى الكاملية٥٦) وحاصله ان المنقول عندنا ان الموقوف عليه اذاخرب يصرف وقفه الى مجانسه فيصرف الى اوقاف المسجد الى مسجد آخر، واوقاف الحوض إلى حوض آخر.آه.(شامی ج٣/ص٥٧٤،٥١٤)والله اعلم۔

توسیع مسجد کے لئے یتامیٰ کا مکان خریدنا

[٥٠٠] سوال: ایک مسجد کو وسیع بنانے کے لئے پاس کا مکان خریدنا ہے یہ مکان بیوہ اور یتیموں کا ہے، مسجد کی کمیٹی نے پچیس ٢٥/ ہزار رقم دینے پر رضا مندی ظاہر کی تھی مگر وہ کمیٹی بدل گئی اور دوسری کمیٹی قائم ہوئی اس جدید کمیٹی نے پندرہ ہزار کی قیمت منظور کی ہے، دریافت طلب یہ ہے کہ مسجد نبوی کی زمین جب یتیموں کی تھی اور وہ مفت دیتے تھے، مگر حضرت نے قیمت ہی دے کر خریدی تو کیا جدید کمیٹی کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ پچیس ہزار کے بجائے صرف پندرہ ہزار پر خریدے، خصوصاً جب کہ یتیم محتاج ہوں اور مسجد مالدار ہو۔

الجواب: وباللہ التوفیق: مسجد نبوی کے واقعہ سے استدلال تو درست نہیں؛ کیونکہ وہاں مفت اور قیمت کا مقابلہ تھا، اور یہاں قیمت کی کمی بیشی کا، دوسری غلطی یہ ہے کہ اگر ایک طرف یتیموں کی بہبودی کا خیال پیدا ہوتا ہے تو دوسری طرف مسجد کا وقف مال بھی بے جا خرچ نہیں ہوتا ہے، اس لئے انصاف اور شریعت کا فیصلہ تو یہ ہے کہ یہاں کسی کے لحاظ کئے بغیر چند تجربہ کار نیک صالح لوگوں سے مکان کی اصلی قیمت معلوم کرائیں، اور اسی قیمت پر مکان خرید لیا جائے، بس، یہ تو ہوا آپ کے سوال کا جواب۔ وفى الا شباه: لا يملك الوصى بيع شىء باقل من ثمن المثل، وبيع الاب مال صغير من نفسه جائز بمثل القيمة وبما يتغابن فيه وهو

الیسیر. (الدر المختار والشامی ج٦/ص ٦٢١)

لیکن یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ باپ یا وصی صغیر کے مال میں جو تصرف کرتا ہے وہ صغیر کے فائدے کے لیے کرتا ہے اور صغیر کی زمین چوں کہ ایک محفوظ چیز ہے اس لیے اس کی فروختگی کا حق اس کو نہیں ہے، ہاں چند شرائط سے مثلاً قیمت دوگنی ملتی ہو یا میت پر دین ہو جو زمین کی فروختگی کے بغیر ادائیگی کی صورت نہ ہو یا خود صغیروں کو اپنے خرچ، نفقہ میں فروخت کی ضرورت پڑے یا زمین پر خرچ اس قدر بڑھ جائے کہ آمدنی سے بھی بڑھ جائے وغیرہ، تو موجودہ صورت میں مسجد کے وقف سے تو دوگنا نہیں دے سکتے ہیں، اس کے علاوہ باقی ضرورتوں میں اگر کوئی ضرورت درپیش ہو تو مکان کی اصلی قیمت پر مسجد کے لیے خرید یں، ورنہ نہیں۔

وجاز بيعه عقار صغير من اجنبى لا من نفسه بضعف قيمته او لنفقة الصغير او دين الميت او وصية مرسلة لانفاذ لها إلا منه أو لكون غلاته لا تزيد على مؤنته أو خوف خرابه أو نقصانه أو كونه فى يد متغلب. درر، اشباه ملخص. (الدر المختار مع الشامی ج٥/ص ٦٢٢، کفایه على هامش الهداية ج٤/ص ٦٨٢، مجمع الانهر ج٢/ص ٧٠٣)

قبرستان کی بیع اور اس میں تعمیر

[٥٠١] سوال: یہاں ایک درگاہ ہے جس کے اطراف میں کچھ پختہ قبریں بھی ہیں، اور باقی زمین خالی ہے، یہ زمین ایک ہندو کے قبضہ میں تھی مگر یہاں کی ایک اسلامی انجمن والوں نے بے ادبی کے خوف سے یہ زمین مول کر کے خریدی، اب انجمن والے چاہتے ہیں کہ خالی زمین میں کرایہ کے لیے کچھ مکان بنائیں تا کہ اس سے ایک مستقل آمدنی کی صورت پیدا ہو جائے مگر جب مکان کے

پایہ کے لیے زمین کھودی گئی تو کچھ ہڈیاں نکل آئیں، جس سے معلوم ہوا کہ یہ خالی زمین بھی پرانی قبرستان ہے جس کی کچھ قبروں کی نشانی نہیں رہی، تو اس صورت میں انجمن والوں کو مکان بنانا چاہیے یا قبرستان کی حرمت کا لحاظ کر کے نہ بنائیں؟ اور کیا اگر کسی کی خاندانی قبرستان ہو تو اس میں مکان بنا سکتے ہیں یا قبروں کا احترام کر کے اس میں تعمیر وغیرہ کچھ نہ کریں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ قبرستان کے لیے اگر کوئی زمین وقف کر لے تو قبرستان ہونے کے بعد وہ مسلمان کا ایک وقف قبرستان ہے جس میں واقف کے شرط کے علاوہ تعمیر یا دیگر قسم کا تصرف کرنا جائز نہیں ہے، اور اگر قبرستان کی زمین وقف نہیں کی گئی ہو؛ بلکہ ویسے اپنے خاندانی یا دیگر مسلم مردوں کی تدفین کی اجازت دی گئی ہو یا بلا اجازت کسی نے دوسرے کی زمین میں مردے دفن کیے ہوں تو اس قسم کا قبرستان مالک زمین کی ملکیت ہے، مردوں کے گل سڑ جانے اور خاک ہو جانے پر مالک کو اختیار ہے کہ اس میں تعمیر یا زراعت کا کام کرے، ہاں تعمیر وغیرہ میں اگر مردوں کی ہڈی نکلے تو ان کو احترام کے ساتھ ایک طرف دفن کرے، خصوصاً مغصوبہ زمین میں تو اگرچہ لاش خاک نہ ہوئی تب بھی مالک کو اختیار ہے کہ وہ زمین میں جو تصرف کرنا چاہے کر سکتا ہے، اس تفصیل کے بعد اب مذکورہ قبرستان کے متعلق انجمن والوں کو تحقیق کرنا چاہیے کہ قبرستان دراصل وقف کی زمین میں بنائی گئی تھی کہ کسی کی مملوکہ زمین میں بنائی گئی تھی، اگر وقف زمین تھی تو تعمیر یا دیگر تصرف ناجائز ہوگا؛ بلکہ مسلمانوں کی قبرستان کی حثیت سے رکھیں، اور اگر کسی شخص کی ملکیت کا ثبوت ملے تو تعمیر وغیرہ درست ہوگی؛ مگر مردوں کی ہڈیوں کو حرمت کے ساتھ ایک طرف دفن کرنا چاہیے، اور اگر دونوں صورتوں میں کوئی صورت کی تعین نہ ہو سکی تو چوں کہ عرفاً قبرستان کی زمین عموماً وقف ہی ہوتی ہے، اس لیے مناسب ہوگا کہ احتیاطاً اس کو قبرستان ہی بنائیں اور تعمیر یا دیگر کسی کام کا اس میں تصرف نہ کریں۔ واللہ اعلم

ولا ينبش بعد ما اهيل التراب عليه الا لحق انسانية مثل ان تكون الا رض مغصوبة او دفن معه مال حی، وفی التبيين: ولو بلی الميت وصار ترابا جاز دفن غيره فی قبره، وزرعه، والبناء عليه. آه. (البحر الرائق ج ۲ /ص ۱۹۴، عالمگیری ج ۱ /ص ۱۶۷، الدرالمختار مع الطحطاوی ج ۱ /ص ۳۹۳)

مسجد کی آمدنی مدرسہ میں خرچ کرنا ومسئلہ قرض وقف

[۵۰۲] سوال: ایک مسجد کے پیسے سے مسجد کے لئے ایک زمین خریدی گئی ہے اور ایک مدرسہ ہے جو تعمیر وغیرہ ضروریات میں پیسہ کا محتاج ہے، اب مسجد کے تین متولی ہیں وہ چاہتے ہیں کہ مسجد کی زمین کی آمدنی مدرسہ میں لگاتے جائیں اور جب مدرسہ کے پاس ذاتی پیسے آجائیں تو اس میں سے مسجد کی صرف شدہ رقم مسجد کے لیے وصول کی جائے تو کیا متولیان مسجد کو یہ حق ہے کہ مسجد کی رقم دوسرے کاموں میں صرف کریں یا مسجد کا پیسہ قرض پر دیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مسجد کا مال اور پیسہ نہ متولی دوسرے کاموں میں خرچ کرسکتے ہیں اور نہ قرض دے سکتے ہیں، ہاں بعض ایسی صورتیں پیدا ہوجاتی ہیں کہ پیسہ کو قرض پر دینے میں ضائع ہونے سے بچتا ہے اور قرض کی صورت میں محفوظ رہتا ہے تو ایسی صورت میں قرض پر دینا جائز ہے، مگر یہ کام خود متولی نہیں کرسکتا ہے بلکہ حاکم اور قاضی کے حکم سے دے سکتا بغیر حکم قاضی اور حاکم متولی قرض پر نہیں دے سکتا ہے۔ يقرض القاضی مال الوقف والغائب واليتيم لا الاب والوصی ويسع للمتولی ان يقرض ما فضل من غلة الوقف لو احرز. (شامی ج ٤ /ص ۴۷۲، ۴۷۳) ثم قال ان المتولی يضمن إلا ان يقال انه حيث لم يكن الاقراض احرز لكنه فی وصايا الخيرية بان للوصی اقراض مال اليتيم بامر القاضی اخذاً مما فی وقف البحر عن القنية من ان للمتولی اقراض

مال المسجد بامر القاضی قال والوصی مثل القیم لقولهم الوصیة والوقف اخوان. (شامی ج ٤ /ص ٥٢٨ باب قبیل التحکیم، شامی ج ٤ /ص ٤٧٣)

چندہ کا حکم وقف کا حکم ہے

[۵۰۳] سوال: چندہ کا حکم وقف کا ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ یہ چندہ دینے والے کی نیت پر ہے۔

سینما کی آمدنی مسجد میں دینا

[۵۰۴] سوال: سینما، تھیٹر کے ٹکٹوں یا اس قسم حرام ذریعہ سے جو پیسہ حاصل ہوتا ہے اس سے مسجد کی تعمیر کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مسجد خالص للہ ایک مبارک بقعہ ہے، اور مذکور طریقہ سے حاصل شدہ مال خبیث اور ناجائز ہے، اور اللہ تعالیٰ خبیث کو قبول نہیں کرتا ہے۔ "إن الله طيب لا يقبل إلا طيبا" (الحدیث) مفسرین نے مسجد ضرار کے تحت میں اس قسم کے مساجد کو بھی داخل کئے ہیں جو مال حرام سے تعمیر کی گئیں ہوں، اس لیے مذکورہ رقم کو ہرگز مسجد کی تعمیر میں صرف نہ کرنا چاہیے۔ واللہ اعلم سبحانہ۔

مسجد کی تعمیر کے لیے مسجد کی زمین بیچنا یا سود پر روپے لینا

[۵۰۵] سوال: ایک مسجد کو از سر نو تعمیر کی ضرورت ہے، مگر تعمیر کے لیے رقم کافی نہیں ہے، تو کیا کریں بینک سے سود پر رقم لیں تو درست ہے کہ نہیں؟ نیز اگر مسجد کے متعلق کوئی زمین ہو تو اس کو فروخت کر کے اس کی رقم سے تعمیر کر سکتے ہیں کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ایسی صورت میں جب کہ مسجد کی تعمیر کے لیے مسجد میں پیسہ نہیں تو اہل محلّہ

کو چاہیے کہ حسب حیثیت جو کچھ چندہ دے سکیں جمع کر کے مسجد کی تعمیر کریں، مسجد کی تعمیر کے لیے یہ ضروری نہیں کہ حیثیت سے زائد عالیشان تعمیر کریں؛ بلکہ سادگی سے اس قدر جگہ میں تعمیر کریں جو نمازیوں کو سردی اور گرمی کی شدت سے بچائے، اور اگر اہل محلّہ میں یہ طاقت بھی نہ تو پھر سود سے رقم بینک سے لینا تو بہر حال حرام ہے، اس لیے بینک سے رقم سود پر تو نہ لیں۔

اور مسجد کی زمین کے متعلق یہ حکم ہے کہ اگر وہ زمین مسجد کی آمدنی سے لی گئی ہو یا مسجد کے متعلق سے پہلے اس غرض کے لیے وقف کی گئی ہو تو اس کو فروخت کر کے اس کی رقم سے مسجد بنائیں، اور اگر یہ زمین کسی نے مسجد پر اسی غرض کے لیے وقف کی ہو کہ اس کی آمدنی مسجد کی ضروریات میں صرف کی جائیں یا کریں، تو یہ زمین فروخت نہیں ہوسکتی ہے؛ بلکہ اس کی آمدنی جمع کر کے اس سے تعمیر کرتے رہیں۔ واللہ اعلم۔

وفی الفتاوی النسفية سئل عن اهل المحلة باعوا وقف المسجد لاجل عمارة المسجد قال لا يجوز بامر القاضی وغيره، كذا فی الذخيرة. وفی فوائد نجم الدين النسفیؒ اهل المسجد اشتروا عقاراً بغلة المسجد ثم باعوا للعمارة اختلف المشائخ فی جواز بيعه، والصحيح انه يجوز، كذا فی الغيائية. (عالمگيری ج ٢ /ص ٤٦٤)

انجمن غریب فنڈ کے روپیوں سے جنازہ کا غلاف تیار کرنا

[٥٠٦] سوال: ایک انجمن نے غریب فنڈ کھولا ہے جس کے پاس کافی رقم جمع ہے، اب اس کے منبروں نے اس رقم سے عورت کے جنازے پر ڈالنے کے لیے ایسا غلاف بنانے کا ارادہ کیا ہے جس کے ہر چار طرف حاشیہ پر زری کا کام کیا گیا ہو، تو کیا یہ جائز ہے کہ عورت کے جنازے پر مردوں کے ہاتھ کا بنایا ہوا غلاف ڈالا جائے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: مذکورہ رقم وقف کے حکم میں ہے، لہٰذا اگر مذکورہ فنڈ کے اغراض میں یہ بھی داخل ہو تو وہ یہ غلاف بنا سکتے ہیں، اور اگر فنڈ کے اغراض سے یہ خارج ہو تو چندہ دینے والوں کی اجازت سے یہ غلاف بنا سکتے ہیں ورنہ نہیں، رہا یہ کہ مردوں کے ہاتھ کا بنا ہوا غلاف عورتوں کے جنازے پر ڈالنا جائز ہے کہ نہیں؟ تو آخر اگر دوسرا غلاف ڈالا جائے گا تو وہ بھی مردوں ہی نے بنایا ہوگا، پھر جس طرح زندگی میں عورتیں مردوں کے ہاتھ کا بنایا ہوا کپڑا پہنتی ہے اور جائز ہے، اسی طرح ان کی تکفین وتدفین بھی اس میں جائز ہے۔ (والمسئلة ظاهرة) (بحر ج ۵ / ص ۲۱۸)

صحنِ مسجد کے نیچے بیت الخلا کا کنواں بنانا

[۵۰۷] **سوال:** ہمارے راندیر محلّہ کنارہ کی مسجد زمانہ قدیم سے قائم ہے جس کا واقف معلوم نہیں؛ البتہ متولی محلّہ میں سے کوئی شخص ہوتا رہتا ہے جو وقتاً فوقتاً بدلتا بھی رہتا ہے اور اس میں وقتاً فوقتاً ترمیم اور تعمیر بھی ہوتی رہتی ہے جس کا نقشہ یہ ہے:

(۱): مسقّف پختہ جماعت خانہ

(۲): قدیم مسقّف صحن

(۳): قدیم غیر مسقّف پختہ صحن

(۴): جدید از عرصہ پانزدہ سال پختہ صحن

(۵): چاہ آب وضوء قبل از آمدن نل

(۶): حد جدید صحن وجائے نزع کفش

(۷): جائے نزع کفش برائے دخول مسجد

(۸): موجودہ پائخانہ

(۹): جائے استنجا

(۱۰): موجودہ غسل خانہ وقدیم پاخانہ

(۱۱): حجرۂ مؤذن

(۱۲،۱۳): حجرہ برائے مصالح مسجد

(۱۴): دروازہ مسجد

(۱۵): نشستگاہ عوام

(۱۶): مسقّف حوض

(۱۷): غیر مسقّف حوض

(۱۸): قدیم زمانہ کا غسل خانہ جو تقریبا پندرہ سال سے (۱۰) میں منتقل ہوا ہے اور اس مقام کو آخری (۱۴) مشرقی دیوار تک پختہ صحن میں شامل کیا گیا ہے، اب ۱۳۵۲ھ قبل از رمضان ساری مسجد شہید کی گئی، اور شمالی (۱۲،۱۳) حجروں کو بھی معہ حوض کے ایک ہی چھت کے تحت میں لے لیا اور (۷)

کی خالی جگہ جہاں جوتے اتارتے تھے یہ حصہ بھی پختہ صحن میں شامل کیا جارہا ہے، گویا (۳) سے لے کر (۱۴) مشرقی دیوار تک کل پختہ صحن بنایا جارہا ہے۔

مزید تشریح کے لیے ظاہر کیا جاتا ہے کہ (۳) سے (۶) دیوار تک بمعہ (۵) چاہ اور (۱۸) قدیم غسل خانہ کے تمام پختہ صحن آج سے تقریبا پندرہ سال قبل تیار ہوگیا ہے، جس پر گرمی کے ایام میں عصر، مغرب اور عشا کی نمازیں ہوتی تھیں اور (۳) مقام پر امام کھڑا ہوتا تھا اور (۶) دیوار تک صفوف کھڑی ہوتی تھیں جس میں (۵) چاہ جو بند کر کے پختہ صحن میں شامل کیا گیا تھا صفوف کا آخری سرا پہونچتا تھا اور رمضان ۱۳۵۳ھ میں جب مسجد کے انہدام کی وجہ سے اندر جگہ نہ تھی تو نماز پنج گانہ معہ تراویح اسی (۵، ۱۸) والے صحن میں ہوتی تھی۔

اس تشریح کے بعد اب دریافت طلب یہ ہے کہ پاخانہ (۸) کا کنواں شاید بھر گیا ہے تو اس کے خالی کرنے کے خرچ سے بچنے کے لیے متولی نے (۸) پاخانہ سے (۵) قدیم چاہ وضوء تک زمین کھود ڈالی اور زمین کے اندر پائپ لگا کر (۸) پاخانہ کی غلاظت کو (۵) قدیم چاہ وضوء میں ملایا اور اوپر سے دوبارہ پختہ صحن بشمول (۷) تا دیوار (۱۴) بنائی، اور اب (۸) پاخانہ کی غلاظت براہِ پائپ زیر صحن مسجد میں ہوتا ہوا (۵) صحن مسجد کے قدیم چاہ وضوء میں گرتی ہے، اس پر بعض نے اعتراض کیا کہ یہ صحن پندرہ سال سے پختہ بنایا گیا ہے جس پر فرض اور نفل پڑھی گئی اور مسجد سے جدا بھی نہیں ہے بلکہ مسجد سے متصل ہے، اور اب تک مسجد ہی کی طرح اس کی حرمت رکھی گئی ہے، اس لیے جوتا اتارنے کی حد (۷) رکھی گئی تھی، اور مسجد اوپر سے نیچے تک سب قابل حرمت اور صفائی ہے، اور اب تو (۷) جگہ بھی شامل ہورہی ہے، اس کے علاوہ (۵) کنواں حوض سے دو ہاتھ کے فاصلہ پر ہے جس میں پاخانے کے اثر پہنچنے کا قوی احتمال ہے، مگر متولی اس پر توجہ نہیں کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے مولویوں سے دریافت کیا ہے تو وہ کہتے ہیں کہ یہ جگہ جب پہلے صحن سے خالی

تھی تواب وہ مسجد کے حکم میں نہیں ہے اور نماز اس پر پڑھنا اس کی مسجد ہونے کو ثابت نہیں کرتا ہے، تواب واقعہ میں جو صحیح قول ہو اس سے مطلع فرمایئے؟

آخر میں یہ بھی گزارش ہے کہ مسجد کے نہ واقف کی تعین ہوسکتی ہے اور نہ اس کے شرائط وقف معلوم ہیں، صرف اس قدر معلوم ہے کہ اب جو بڈھے محلّہ کے موجود ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے بچپن میں پاخانہ (۱۰) مقام پر تھا جواب غسل خانہ ہے اور پاخانہ بعد میں (۸) میں ہوا اور (۱۸) کا غسل خانہ (۱۰) میں آیا اور (۱۸) پختہ صحن میں شامل کیا گیا اور (۵) کا کنواں جو وضوء کے لیے استعمال تھا وہ نل آنے کے بعد بند کیا گیا اور اس پر پختہ صحن بنایا گیا، پاخانہ کا قدیم چاہ (۱۰) پر تھا اب (۸) پر عرصہ سے جاری ہے، گویا پاخانہ استنجا کے لیے ہمیشہ (۸) سے (۱۰) تک مقام مستعمل چلا آرہا ہے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛

مندرجہ سوال کے جواب کو سمجھنے کے لیے چند امور بطور تمہید ذہن نشین کر لینا چاہیے:

(۱): مسجد کا صحن وفنا جو مسجد کے متصل ہو وہ مسجد ہی کے حکم میں ہیں، متولی کو یہ جائز نہیں کہ اس میں دکانیں بنائے۔ (عالمگیری ج ۲/ص ۴۶۲، کبیری ۵۶۶)

(۲): مسجد آسمان سے تحت الثری تک مسجد ہی کے حکم میں ہے اور واجب الاحترام ہے۔ (شامی ج ۱/ص ۶۱۴ مکروہات صلوٰۃ)

(۳): اگر مسجد کے ساتھ دوسری زمین ملا کر مسجد میں شامل کی گئی ہو تو وہ بھی مسجد کے حکم میں ہے، جس طرح حرمین میں وقتاً فوقتاً زیادتی کی گئی ہے۔ (عالمگیری ج ۲/ص ۴۵۶)

(۴): مسجد میں کنواں نہیں کھودنا چاہیے، اور قدیم کنواں اگر مسجد میں موجود ہو تو وہ بھی مسجد کے حکم میں ہوگا جیسا کہ زمزم ہے۔

(۵): مسجد جب کہ ایک دفعہ مسجد کے حکم میں داخل ہوگئی تو پھر ابد تک مسجد رہے گی۔ (شامی ج۳/ص۵۱۳)

(۶): وقف کے شرائط وقف اگر معلوم نہ ہوتو وقف میں اس طرز عمل کو اختیار کرنا چاہیے جس پر ماقبل متولیوں کا عمل تھا۔(عالمگیری ج۲/ص۴۳۹)

(۷): اگر مسجد پر زراعت وغیرہ کے لیے کسی نے زمین وقف کردی ہو اور بعد میں زمین میں زراعت پیدا ہونا بند ہوگئی تو کسی نے اس کو عوام کے لیے حوض بنایا تو اس حوض کا پانی استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔(عالمگیری ج۲/ص۴۶۴)

(۸): مسجد میں رائحہ کریہہ داخل کرنا یا قرب مسجد رائحۂ کریہہ کو قائم رکھنا ممنوع ہے۔ واکل نحو ثوم ویمنع منه، وكذا كل موذ ولو بلسانه. (الدرالمختار) لحديث صحيح عن قربان آكل الثوم والبصل المسجد. الى آخر ما فصله. (الشامی ج ۱/ص ۶۱۹)

(۹): پاخانہ بنانا مصالح مسجد میں نہیں ہے۔(التحریر المختار لرد المختار ج۱/ص۸۵)

اب مندرجہ تصریحات فقہاء پر غور کرنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ چاہ پندرہ سال سے پختہ فرش صحن میں داخل ہوگیا ہے، جس پر سنن ونوافل اور منفرد کے فرائض عموماً پڑھے گئے، اور احیاناً جماعت فرض بھی ہوتی رہی، اور مسجد ہی کی زمین پر مسجد ہی کے مصالح کے لیے مسجد کے اصل صحن سے ملا کر توسیع کی گئی، اور مسجد کی چار دیواری میں داخل بھی ہے، اور جوتا اتارنے کی جگہ باہر رکھی گئی جس سے صاف ظاہر ہے کہ یہ حصہ مسجد ہی کے لیے مقرر کیا گیا ہے، اور مسجد ہی کی طرح اس کی حرمت رکھی گئی ہے، اور بیت الخلا مصالح مسجد سے نہیں ہے، اور مسجد کے قریب بھی رائحۂ کریہہ رکھنا ممنوع ہے، اور بالفرض اگر گجرات کے عرف پر مساجد کے ملحقات میں بیت الخلا

بھی شمار کریں تب بھی متولی کو یہ اجازت نہیں دی جاسکتی ہے کہ جو حصۂ زمین اصل واقف نے بیت الخلا کے لیے مقرر کیا ہے جس کا ثبوت عمر رسیدہ اہل محلّہ کی شہادت ہے، اب متولی واقف کی تعین کے علاوہ کسی اور جگہ مسجد کی حد میں بیت الخلا کے لیے مقرر کرے، خصوصاً جب کہ وہ جگہ مسجد میں داخل ہوچکی ہو۔

اس لیے متولی کا مذکورہ فعل خلاف شرع ہے، اور اگر بیت الخلا کو قائم ہی رکھنا ہے تو اسی جگہ قائم رکھیں جہاں کی موجودگی پہلے سے چلی آرہی ہے۔

وکره تحريما الوطى فوقه والبول والتغوط؛ لانه مسجد الى عنان السماء. (الدرالمختار) وكذا الى تحت الثرىٰ كما فى البيرى عن الاسبيجابى. بقى لوجعل الواقف تحته بيتا للخلاء هل يجوز كما فى مسجد محلة الشحم؟ لم اره صريحا، نعم سيأتى متنافى كتاب الوقف انه لوجعل تحته سردابا لمصالح المسجدجاز، تامل. (شامى ج ۱/ص ۶۱۴) قال الرافعى فى التحرير المختارعلى ردالمحتارمطبوعه مصر ج ۱/ص ۸۵ على هذا المقام: مانصه الظاهرعدم الجواز، وما يأتى متنا لا يفيد الجواز؛ لأن بيت الخلا ليس من مصالح المسجد، على ان الظاهر عدم صحة جعله مسجداً بجعل بيت الخلاء تحته كما ياتى انه لوجعل السقاية اسفله لا يكون مسجد ا فكذا بيت الخلاء لانهما ليسا من المصالح، تأمل. ثم رأيت فى غاية البيان ما يفيد الجواز كما يأتى (التحرير المختار ج ۱/ص ۸۵) (والعبارة المحولة لغاية البيان فى الوقف هكذا) على ما افاده فى غاية البيان حيث قال: اورد الفقيه ابو الليث سوالا وجوابا، فقال: فإن قيل: أليس مسجد بيت المقدس

تحته مجتمع الماء والناس ينتفعون به؟ قيل: ان كان تحته شيء ينتفع به عامة المسلمين لانه اذا انتفع به عامتهم صار ذلك لله تعالىٰ ايضاً.آه.ومنه يعلم حكم كثيرمن مساجد مصر اللتى تحتها سهاريج ونحوها.آه.(التحرير المختار ج۲/ص۸۰وقف)

فعليك ان تدبر فى هذه العبارة بان الشامى وان كان من المجوزين مع التامل ولكن يجوز للواقف من اول الامر لا بعد تكميل المسجد للمتولى، ثم تدبر فى ما رده الرافعى بان بيت الخلاء ليس من مصالح المساجد، واما ما احال على غاية البيان فمفاده ثبوت حكم المسجدية على ما بنى تحته سرداب او سهاريج لمصالح المسجد لا جواز بناء بيت الخلاء تحت المسجد اوبقرب المسجد، فعليك ان تنظر بعين الانصاف.

(فائدة): لما كان الاعتبار للتسمية عندنا لم يختص ثواب الصلا ة فى مسجده عليه السلام بما كان فى زمنه فليحفظ. (در المختار، انظرالشامى ج۱/ص۳۹٦)

اما لو تمت المسجدية ثم اراد البناء منع؛ ولو قال: عنيت ذالك لم يصدق.(الدرالمختار مع الشامى ج۳/ص۵۱۲) فناء المسجد ما يظله ظلة المسجد اذا لم يكن ممرا لعامة المسلمين. (عالمگیری ج۵/ص۳۲۰) ولو كان اتخذ للمسجد بينه وبين المسجد طريق وهو ناء عن المسجد ليصلى عليه فى الحر يضاعف للصلوٰة فيه الأجر كما يضاعف فى المسجد. (عالمگیری ج۵/ص۳۲۰) وفناء المسجد له حكم المسجد وفنائه هو المكان

الذی لیس بینه وبینه طریق. (کبیری٥٦٦)

تنبیہ: یہ جواب گجراتی ''ہمدرد'' میں شائع ہوا تو متولی نے چند مولویوں کو بلا کر مسجد کا نقشہ باہر کے مولویوں کو غلط بتلایا اور انہوں نے اس فعل کو جائز قرار دیا، جس کا مجھے بہت سخت رنج ہوا کہ مسجد کی بے حرمتی ہورہی ہے؛ کیوں کہ میں خود مذکور مسجد کے اہل محلّہ سے تھا جو نقشہ سے واقف تھا تو استخارہ میں یہ آیت کریمہ بشارت ہوئی:﴿یا معشر الجن والانس ان استطعتم ان تنفذوا من اقطار السمٰوٰت والارض فانفذوا لا تنفذون الا بسلطان﴾

تحقیق مسئلہ استبدال وقف

[٥٠٨] سوال: زید نے چند بیگہ زمین اور مکان مسجد میں دیا، مکان کا کرایہ پچاس روپیہ سالانہ آتا ہے، اور زراعتی زمین کی آمدنی سالانہ چالیس روپیہ ہے، جس میں سے سرکاری محصول دے کر پچیس روپیہ بچتے ہیں جو مسجد کی ضروریات میں صرف ہوتے ہیں، اس وقت مکان کی قیمت تین ہزار روپیہ ملتی ہے، اور زمین کی ایک ہزار ملتی ہے، اگر یہ ہر دو فروخت کر کے اس کی جگہ دوسری جائداد خریدی جائیں تو چند گنا زائد آمدنی کی صورت ہوسکتی ہے، مکان وزمین مسجد سے ملحق بھی نہیں تا کہ عند الضرورت مسجد میں شامل کرسکیں؛ بلکہ درمیان میں ایک دو محلے واقع ہیں، اور واقف نے وقف کرتے وقت استبدال وغیرہ کے متعلق کوئی شرط نہیں لگائی ہے، اور اس کے ورثاء میں بھی کوئی موجود نہیں، اب اہل مسجد یہ چاہتے ہیں کہ یہ وقف فروخت کریں اور اس کے عوض بمبئی وغیرہ میں کوئی جائداد خریدیں اور اگر اس میں اور بھی رقم کی ضرورت پڑے تو مسجد کی دیگر رقم ملا کر ایک ہی جائداد خریدیں تو یہ درست ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مذکورہ زمین اور مکان اپنی ضروریات کی ادائیگی کے باوجود مسجد کے لیے پچیس روپیہ بچت بھی چھوڑتے ہیں تو یہ (عامر) آباد وقف ہے جس کی تبدیلی درست نہیں ہے، کم آمدنی والے وقف کو زیادہ آمدنی والی زمین پر بدلنے کو بعض مشائخ نے چند شرائط کے ساتھ عالم باعمل قاضی کے حکم سے جائز لکھا ہے، لیکن آج کل یہاں نہ اس قسم کا قاضی موجود ہے جو سلطان کی طرف سے ایسے امور پر مسلط کیا گیا ہو، اور نہ وہ شرائط اس مسئلہ میں پائے جاتے ہیں جن کی موجودگی میں استبدال ممکن ہوتی ہے؛ کیونکہ نہ واقف کی طرف سے استبدال کی شرط موجود ہے اور نہ یہ وقف انتفاع سے بالکلیہ خارج ہوا ہے، پھر استبدال میں جو قبائح ہیں وہ ظاہر ہیں، اور واقف کی غرض بھی قیام وقف مع قیام نوع انتفاع ہے نہ کہ زیادتی منافع، اس لیے مذکورہ مسئلہ میں استبدال جائز نہیں۔

سئلتُ عن دار موقوفة على مسجد خربت ولم يوجد فى وقف المسجد المذكور ماتعمر به الدار المذكورة، فهل يجوز لامام ذلك المسجد الذى هو المتولى لاوقافه استبدال تلك الدار بما هو انفع للوقف؟

فالجواب: ان مثل هذا السوال رفع للشيخ العباس مفتى مصر فى التاريخ .... فاجاب بقوله: القضاة الآن ممنوعون عن استبدال الوقف بدون اذن مولانا السلطان على مااشتهر فلا يجوز الاستبدال فى الحصة المذكورة اذا لم يشترطه الواقف بدون الاذن.آه. وقد نقل العلائى فى شرحه الدر المختار عن المفتى ابى السعود انه فى سنة احدى وخمسين وتسعمأة وردالامر الشريف بمنع استبداله، وامر ان يصير باذن السلطان تبعا لترجيح الصدر الشريعة.آه. (فتاوى كاملية ٦٥) واما الاستبدال بدون الشرط فلا

یملکه الاالقاضی، وشرط فی البحر خروجه عن الانتفاع بالکلیة، و کون البدل عقارا والمستبدل قاضی اللجنة المفسر بذی العلم والعمل.آه.(الدرالمختار الشامی ج۳/ص۵۳۷) فان کان لخروج الوقف عن الانتفاع الموقوف علیهم فینبغی ان لا یختلف فیه، وإن کان لا لذالك بل اتفق انه امکن أن یوخذ بثمنه ما خیر منه مع کونه منتفعا به فینبغی ان لا یجوز؛ لان الواجب ابقاء الوقف علی ماکان علیه دون زیادة، ولانه لا موجب لتجویزه لان الموجب فی الاول الشرط وفی الثانی الضرورة، ولا ضرورة فی هذا اذلا تجب الزیاد ة بل تبقیه کما کان.آه. أقول ماقاله هذا المحقق الصواب.آه. (شامی ج۳/ص۵۳۹)ولوکان الوقف مرسلالم یذکر فیه شرط الاستبدال لم یکن له ان یبیعها ویستبدل بها،وان کانت الارض سنجة لا ینتفع بها، کذا فی فتاوی قاضیخان. (عالمگیری ج۲/ص۴۰۱) والمعتمد انه یجوز للقاضی بشرط ان یخرج عن الانتفاع با لکلیة. (عالمگیری ج۲/ص۴۰۱) اماالاستبدال بدون الشرط فلا یملکه الاالقاضی باذن السلطان حیث رأی المصلحة فیه. (مجمع الانهر ج۱/ص۳۴۷)

مسجد کی نئی تعمیر میں پرانی مسجد کا راستہ بن جانا

[۵۰۹] سوال: ہمارے یہاں دس گیارہ سال قبل مسجد نہ تھی پھر ایک شخص نے اپنی خالی زمین دیدی جس پر کچی دیوار کھڑی کی گئی، اوراس میں جمعہ اور پنج گانہ نماز پڑھنے لگے، پھر مسجد کے لیے توسیع کی ضرورت لاحق ہوئی تو گورنمنٹ سے زمین کے حصول کے لیے درخواست کی گئی جس پر

مسجد کی قبلہ رخ کچھ زمین ملی، اب اگر پرانی مسجد کو نئے سرے سے پختہ بناتے ہیں (جس کا اب ارادہ ہو گیا ہے) تو سرکاری دی ہوئی زمین بے کار رہتی ہے اور وضوء وغیرہ کے لیے جگہ نہیں اور اگر نئی حاصل شدہ زمین پر نئی مسجد پختہ تعمیر کرتے ہیں تو پرانی مسجد اگر چہ مسجد کے کمپاؤنڈ میں رہتی ہے مگر آمد رفت کا راستہ بن جاتا ہے تو اب ہم کو کیا کرنا چاہیے؟

مسجد کا نقشہ حسبِ ذیل ہے:

سرکار سے حاصل شدہ زمین

قبرستان

مغرب

شمال | جماعت خانہ فقیر کا تکیہ | جنوب

مشرق

فقیر کا گھر

خالی زمین

کنواں

شارع عام
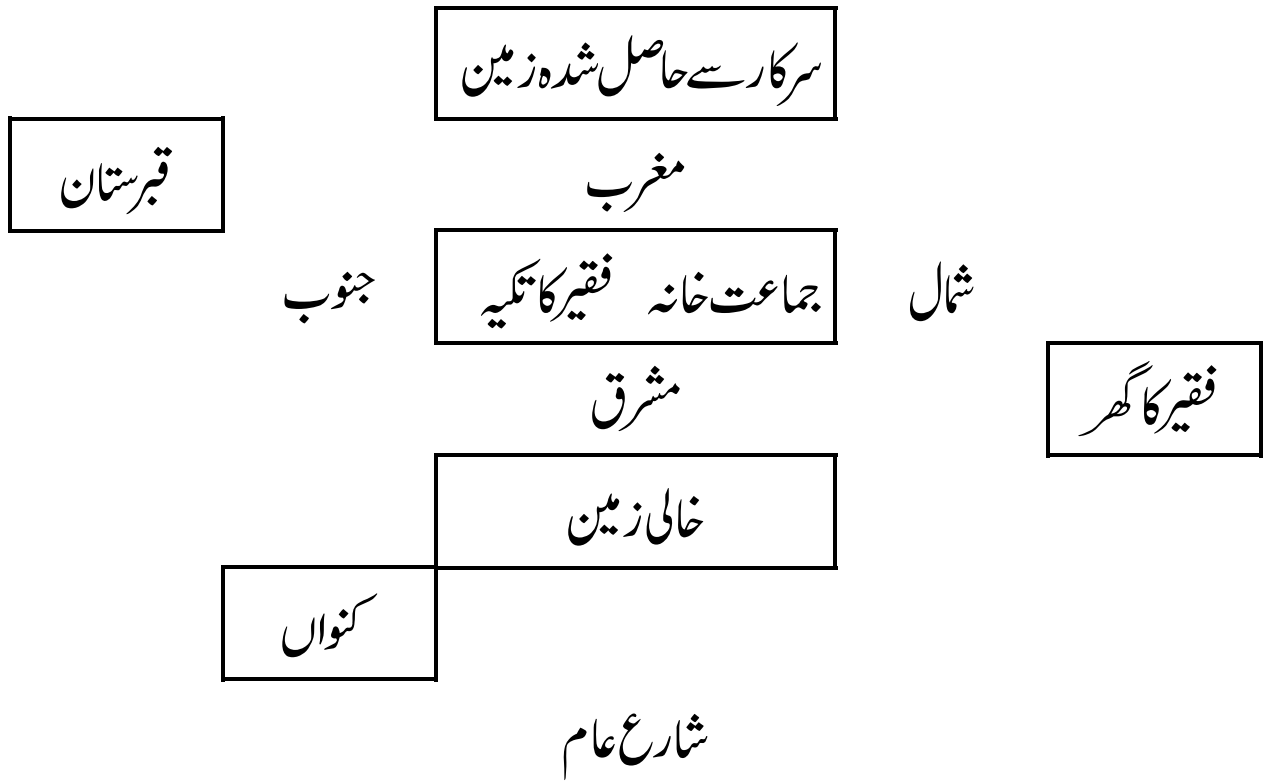
الجواب: وباللہ التوفیق: مسجد جس زمین پر بنائی گئی ہے اگر اس کو مالک نے ہمیشہ کی نیت سے مسجد کی غرض سے مسلمانوں کو سپرد کی ہو جس پر دس، گیارہ برس تک مسلمانوں نے نمازیں پڑھی ہیں اور پڑھتے ہیں تو وہ شرعی مسجد کے حکم میں ہیں اور ہمیشہ تک مسجد ہی رہے گی، اس پر ایسی چیز نہیں بنائی جاسکتی ہے جو مسجد کی حرمت اور تطہیر کے منافی ہو، ہاں حسب ضرورت اس کی توسیع اور پختگی ہو سکتی ہے، مذکورہ صورت میں اگر موجودہ مسجد کو قائم رکھ کر صرف توسیع کی غرض سے قبلہ رخ سرکار سے حاصل شدہ زمین سے کچھ حصہ ملا کر پختہ مسجد بنائی جائے اور باقی سرکاری دی ہوئی زمین مسجد کے

دیگر مصالح کے لیے مقرر کی جائے تو ایسا کریں، اور اگر پختہ مسجد سرکاری زمین پر بنا کر موجودہ مسجد بطور صحن مسجد اور اس کے ساتھ شامل کی جائے تا کہ سنن ونوافل اور گرمی وغیرہ ایام میں اس پر فرض نماز بھی پڑھیں تو بھی درست ہے اور اس صورت میں اس صحن پر جماعت خانہ میں آنے جانے سے کوئی مضائقہ نہ ہوگا جیسا کہ عموماً مساجد میں یہی طریقہ معمول ہے۔ انــه لـو كــان لــه ساحة لا بناء فيها فامر قومه ان يصلوا فيها بجماعة، قالوا: ان امرهم بالصلوٰة فيها ابدا أو امرهم بالصلوٰة فيها بالجماعة ولم يذكر الأبد إلا أنه أراد بها الأبد ثم مات لا يكون ميراثاً. آه. (البحر الرائق ج٥ /ص٢٤٨)

وفى البزازية: ارادوا نقض المسجد وبنائه احكم من الاول ان لم يكن البـاقـى مـن اهل المحلة ليس لهم ذالك، وان كان من اهل المحلة لهم ذالك. (ثم قـال) ويـكره ان يكون محراب المسجد نحو المقبرة او الميضأة أو الحمام، و يـكـره التـوضى فى المسجد كالبزاق و المخاط لما فيه من الاستخفاف، و كذا يكره ان يتخذ طريقا. آه. (بحر ج٥ /ص٢٥١)

لـما ضاق المسجد الحرام اخذوا ارضين بكره من اصحابهابالقيمة، و زادوا فـى الـمسجد الحرام، ومعنىٰ قوله "كعكسه" انه اذا جعل فى المسجد ممراً فـانـد يـجـوز لتـعارف الامصارفى الجوامع، و جاز لكل احد ان يمر فيه حتىٰ الـكـافـر؛ الا الـجـنـب والحائض والنفساء لما عرف فى موضعه، وليس لهم ان يدخلو فيه الدواب. آه. (البحرالرائق ج٥ /ص٢٥٥)

ارتداد واقف سے وقف کا باطل ہو جانا

[۵۱۰] سوال: ایک مسلمان نے ایک جائداد وقف کی تھی مگر بعد میں مرتد ہو گیا تو اس کا وقف قائم رہے گا یا باطل ہوگا؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ارتداد سے وہ کسی ملت کا پابند نہ رہا؛ کیوں کہ وہ اس ارتداد میں مذہب پر نہیں چھوڑا جائے گا اور وقف کے شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی ہے کہ واقف کسی ملت کا پیرو ہو، لہٰذا وہ وقف باطل ہو گیا اور اب اس کے وارث مالک ہوں گے، ہاں اگر پھر مسلمان ہو کر وقف کی تجدید کی تو وقف ہو جائے گا۔

ومنها ان يكون للواقف ملة فلا يصح وقف المرتد ان قتل او مات على ردته، وان اسلم صح، ويبطل وقف المسلم ان ارتد العياذ بالله ويصير ميراثاً سواء قتل على ردته او مات او عاد الى الاسلام إلا ان اعاد الوقف بعد عوده الى الاسلام، ويصح وقف المرتدة لانها لا تقتل.آه.(مجمع الانهر ج ١ / ص ٣٤٥)

مسجد کے تحتانی حصہ کی توسیع بہتر ہے فوقانی منزل بنانے سے

[۵۱۱] سوال: ہمارے یہاں مانگرول میں عرصہ سے مندرجہ ذیل نقشہ پر مسجد موجود ہے مگر اب جمعہ، عیدین وغیرہ اوقات میں نمازیوں کے لیے جگہ نہیں ہے، مقامی نمازیوں کا ارادہ ہے کہ مسجد میں گنجائش نکالی جائے، اب مسجد کے اوپر ایک مالہ ہے کہ اگر اس میں کچھ مرمت کی جائے، اور اگر پیچھے محراب کے برابر چھت میں سوراخ کیا جائے؛ تاکہ اوپر نمازیوں کو امام کی آواز پہنچ سکے تو یہ بھی کر سکتے ہیں، اور نیچے مسجد کو وسیع کرنا چاہیں تو جنوباً وشمالاً مسجد کی خود کی زمین موجود ہے اس لیے وہ

بھی ہوسکتا ہے مگر دریافت طلب یہ بھی ہے کہ ان دوصورتوں میں کونسی صورت بہتر ہے کہ نیچے وسعت دی جائے یا اوپر مالہ پر مرمت کرکے نمازیوں کی اقتدا کے لیے جہت سے شگاف بنادی جائے ان میں جوصورت بہتر ہو بحوالہ کتب معتبرہ مطلع فرمادیجئے۔

خالی زمین	جماعت خانہ	مسجد کی دکان
		مسجد کی دکان

حوض

الجواب: وباللہ التوفیق: بعض خاص ضرورت کے وقت مسجد کے اوپر بھی نماز کے لئے جگہ بناسکتے ہیں مگر موجودہ مسئلہ میں چونکہ مسجد کی وسعت کے لیے خود مسجد کی زمین شمالاً وجنوباً موجود ہے تو نیچے ہی مسجد کو وسعت دینا چاہیے، چونکہ اوپر مقتدیوں کے کھڑے ہونے سے بظاہر جماعت میں انتشار نظر آئے گا، اور نیچے امام کا ہونا امام کی شان میں ایک گونہ خفت کو مستلزم ہے؛ نیز جماعت کی وحدت اور اتصال صفوف کی خوبی سلب ہوجائے گی؛ بہرحال مذکورصورت میں بہتر یہی ہے کہ مسجد کو حسب ضرورت نیچے ہی وسیع کردیا جائے۔

فی المحیط: ضاق المسجد علی الناس و بجنبه ارض لرجل توخذ ارضه بالقیمة کرها، قال وقد صح عن عمر والصحابة ﷺ انهم یأخذون ارضین بکره اصحابها، وزادوا فی المسجد الحرام حین ضاق بهم. (کبیری۵٦۷، عالمگیری ج ۲ /ص٤۵٦)

والکلام مشعر بانه لا یکره الصعود علی سطح المسجد لکن فی

المفید انه مکروه الا اذا ضاق. (قسهتانی ج ۲/ص ۱۲٤)

ومن المشائخ من علل الکراهة فی الثانیة بما فی ذلك من شبه الازدراء بالامام ولعله اولی. (البحر الرائق ج ۲/ص ۲٦)

وکره عکسه فی الاصح وهذا عند عدم العذر. (الدرالمختار، وتفصیله فی الشامی ج ۱/ص ٦٠٥ مکروهات الصلوٰة)

مسجد کی فاضل رقم سے مسجد کے لیے آمدنی کا ذریعہ کرنا

[۵۱۲] سوال: ایک مسجد کے وقف کے فاضل پیسے جمع ہو گئے ہیں جس کو سر دست مسجد میں صرف کرنے کی ضرورت نہیں ہے تو اس سے کوئی دکان یا مکان خرید کر کے آئندہ ایک مستقل آمدنی پیدا کرنے کا خیال ہے، تو متولی اس رقم سے کوئی چیز مستقل آمدنی کی خرید سکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: جب کہ مسجد کو سر دست ضرورت نہیں اور مقامی اہل الرائے حضرات کے خیال میں مستقل آمدنی کے لیے کوئی دکان یا مکان وغیرہ خریدنا مناسب ہے تو ان کو ایسی مستقل آمدنی والی چیز خریدنے کی شرعاً اجازت ہے، مگر جو چیز خریدی گئی اس پر وقف کا اطلاق نہ ہوگا، یعنی اس دکان یا مکان کا فروخت کرنا یا کسی بہتر آمدنی والے مکان یا دکان سے تبدیل کرنا منع نہ ہوگا۔

الفاضل عن وقف المسجد یشتری مستقلا للمسجد حانوتا او داراً، والمشتریٰ بمال الوقف لا یلتحق بالدور الموقوفة هو المختار. (خلاصة الفتاوی کشوری ج ٤/ص ٤٢٣)

تقسیم زمین وقف

[۵۱۳] سوال: ایک زمین کسی خاندان پر قدیم سے وقف چل آرہی ہے، اب مذکور خاندان میں

صرف دو شخص مستحق آمدنی موجود ہیں، یہ دونوں حضرات آپس کے رفع نزاع کے لیے یہ چاہتے ہیں کہ مذکور موقوفہ زمین تقسیم کرلیں؛ تا کہ ہمیشہ کے لیے ان میں نزاع مٹ جائے تو کیا شرعاً ان دونوں کو مذکور موقوفہ زمین کی تقسیم کا حق پہنچتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ کتب فقہ حنفیہ میں تقسیم وقف کو باطل قرار دیا گیا ہے؛ کیوں کہ وقف کسی کی ملک نہیں ہوسکتی ہے اور تقسیم تملیک کے لیے ہوتی ہے، مذکورہ مسئلہ میں اگر مستحقین وقف میں رفع نزاع کی غرض سے تقسیم کی جائے تو اس کی یہ صورت ہوسکتی ہے کہ تقسیم ملک تو نہ کریں بلکہ تقسیم تناوب کریں، اور تقسیم تناوب کو فقہاء نے جواز کا فتوی دیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ مذکور وقف کو دو حصے کر کے ہر ایک کو ایک ایک حصہ زراعت کے لیے دے دیا جائے کہ ہر ایک اپنے حصے میں زراعت کرے، اور تعمیر کا بھی وہی ذمہ دار ہو اور یہ قسمت بھی پختہ اور ہمیشہ کے لیے نہ ہو؛ بلکہ کچھ عرصہ سال بھر کے لیے کرلیں، پھر سال کے بعد ایک دوسرے کے حصہ کو اپنے حصہ سے بدل دے مگر یہ قسمت بھی عارضی اور جانبین کی مرضی پر موقوف ہے، جب چاہیں توڑ بھی سکتے ہیں۔

مندرجہ بیان کے بعد خلاصۂ جواب یہ سمجھیں کہ تملیک کے طور سے تقسیم تو ہو ہی نہیں سکتی، اور تناوب کے طور سے عارضی قسمت جانبین کی مرضی سے ممکن ہے، مگر غالباً یہ رفع نزاع کے لیے کافی نہ ہوگا، اس لیے بہتر تو یہ ہوگا کہ دونوں کسی امین شخص کو متولی بنائیں اور وہی دونوں میں آمدنی تقسیم کیا کرے، یہ صورت دافع نزاع ہوسکتی ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ کا نزاع ہوا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، تو وہی اس مسئلہ کا مبنیٰ اور بہتر جواب ہے، تفصیل کے لیے (شامی ج۳/ص ۵۰۸، فتاویٰ خیریہ ج۱/ص ۳۰، ۱۲۰) دیکھئے۔

☆......☆......☆

کتاب البیوع

قرضہ حسنہ دیکر وصول کے وقت مدرسہ کے لیے چار آنے زائد لینا

[۵۱۴] سوال: میں کمیٹی میں ملازمین کو تنخواہ دینے پر مقرر ہوں، ملازمین کو حسب ضرورت پانچ، دس روپیہ قرضہ حسنہ دیتا ہوں، اور تنخواہ وصول کرتے وقت میں اپنا روپیہ ان سے وصول کرتے ہوئے چار آنے زائد مدرسہ کے لیے وہ عنایت کرتے ہے تو کیا یہ بھی سود میں داخل ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر قرض حسنہ اس شرط پر دیا گیا ہے کہ ادائیگی کے وقت وہ چار آنہ زائد دے تو یہ یقیناً سود اور حرام ہے، اور اگر وہ چار آنہ بغیر شرط کئے ہوئے دیتے ہیں تو اس میں مشائخ کا اختلاف ہے مگر تورعا اجتناب اولیٰ ہے۔ قال محمد رحمه الله تعالیٰ فی کتاب الصرف ان اباحنیفة رحمه الله تعالیٰ کان یکره کل قرض جر منفعة، قال الکرخی هٰذا اذا کانت المنفعة مشروطة فی العقد بان اقرض غلة لیرد علیه صحاحا او ما اشبه ذلك، فان لم تکن المنفعة مشروطة فی العقد فاعطاه المستقرض اجود مما علیه فلا باس به۔ آھ۔ (عالمگیری ج ۳ / ص ۲۰۳) غیر مشروط منفعت میں اس کے بعد عالمگیری میں مشائخ کا طویل اختلاف مذکور ہے بقاعدہ "اذا اجتمع الحل والحرمة رجح الی الحرمة" اور نیز فقہاء کے نزدیک ربا اور شبہ الربا ہر دو ایک حکم میں ہے، اس لیے ترجیح عدم جواز کو ہوگی۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

نقدی ارزاں لیکر نسیئۃً گراں بیچنا

[۵۱۵] سوال: بازار سے نقدی مال ارزاں خرید کر کے دوسرے کو نسیئۃً گراں بیچنا کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اختلاف جنس میں مطلق بیع میں فائدہ حاصل کرنا خواہ نقداً ہو یا نسیئۃً ہر دو جائز ہے؛ کیوں کہ محرم دلیل نہیں۔

نوٹ کے تبادلہ میں کمی بیشی کرنا

[۵۱۶] **سوال:** نوٹ پر تبادلہ کے وقت کمی بیشی جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نوٹ باتفاق علماء روپیوں کی رسید یا وثیقۂ حوالہ ہے جو عین روپیوں کے مانند ہے، اس لیے اس پر کمی بیشی رباء میں داخل ہے۔

سلم فاسد میں جبراً مسلم فیہ پر قبضہ کرنا

[۵۱۹] **سوال:** بیع سلم کسی شرط کی عدم موجودگی سے فاسد رہا تو کیا ایسی صورت میں رب السلم کو حق ہے کہ زبردستی مسلم فیہ وصول کرے یا صرف اپنا رأس المال؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جب سلم فاسد ہوا تو فاسد عقد قابل رفع ہے نہ کہ قابل استحکام، اس لیے رب السلم صرف اپنا راس المال ہی وصول کرسکتا ہے نہ کہ مسلم فیہ۔

مسجد کی بینک میں جمع رقم پر سود لینا

[۵۲۰] **سوال:** کیا فرماتے ہیں علماء دین ومفتیان شرع متین اس مسئلے میں کہ مسجد کا جو روپیہ بینک میں جمع رہتا ہے، اس کا سود لینا شرعا جائز ہے یا نہیں؟ اور اگر سود کا یہ روپیہ نہ لیا جائے تو یہ لوگ اس کو مشن اسکولوں وغیرہ پر صرف کرتے ہیں، اگر جائز ہے تو اس روپیہ کو امور کار خیر مثلا تبلیغ دین، مدرسہ کی امداد، غرباء کی اعانت، مسافر خانہ، کنواں اور سڑک وغیرہ کی تعمیر، سڑکوں پر روشنی، مسلمان طلباء کے لیے انگریزی کتابوں کی خرید اور ان کی انگریزی تعلیم پر خرچ کر سکتے ہیں کہ نہیں؟ ان صورتوں میں سے جن میں صرف کرنا زیادہ افضل ہو اس سے بھی مطلع فرمایا جائے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جو روپیہ کہ بینکوں میں جمع کیا جائے اس کا سود بینک سے وصول کرلیا جائے؛ تاکہ اس کے ذریعہ سے مسیحی مذہب کی تبلیغ اور مسلمانوں کو مرتد بنانے کی اعانت کا گناہ نہ ہو، وصول کرنے کے بعد ان روپیوں کو امور خیر میں جو رفاہِ عام سے تعلق رکھتے ہوں یا فقراء ومساکین کی رفع حاجات کے لیے مفید ہوں، مثلاً یتامی ومساکین اور طلباء مدارس کے وظائف اور امداد کتب وغیرہ میں خرچ کرنا یا مسافر خانہ، کنواں، سڑک وغیرہ تعمیر کرنا، سڑکوں پر روشنی کرنا یہ سب صورتیں جائز ہیں؛ البتہ مسجد پر خرچ نہ کیا جائے کہ یہی تقدس مسجد کے مناسب ہے۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ دہلی، ۲۳ شعبان ۱۳۵۴ھ

مولانا کا جواب بالکل درست اور قواعد فقہی کے مطابق ہے؛ کیونکہ دارالحرب میں کفار کا مال ان کی رضامندی سے خواہ کسی بھی صورت سے حاصل کیا جائے تو فقہاء اس کو حلال کہتے ہیں، دوم یہ کہ ہندوستان کے دارالحرب ہونے میں اگرچہ بعض علماء نے اختلاف کیا ہے مگر یہاں ایک خرابی یہ ہے کہ اگر سود نہ لیں تو کفار اس کو تقویت کفر میں خرچ کرتے ہیں جو ایک اعتبار سے مسلم کا کفر میں اعانت ہوا، اور دیگر مذکور طریقوں میں صرف کرنا موجب تقویت اسلام ہوا جو یقیناً بہت ہی نیک عمل ہے، اس لیے سود کا لینا تو مذکورہ مسئلہ میں جائز؛ بلکہ لازم ہوا، اب رہا یہ کہ اس کا مصرف زیادہ تر مفید کونسا ہے؟ تو اس کے جواب میں مولانا نے امور خیر میں صرف کرنا بتلایا ہے جو ایک قسم کا اجمال ہے، میرے خیال میں اس کا بہترین مصرف تبلیغ دین اور اشاعت اسلام کے شعبے ہیں؛ کیوں کہ کفار کا مال جو جزیہ، ہدایا وغیرہ کی صورت سے حاصل کیا جاتا ہے ان کا مصرف بھی تبلیغ اور اشاعت اسلام ہی ہے، چنانچہ عالمگیری کے مصارف الزکوٰۃ کے آخر میں موجود ہے، اور آج کل تبلیغ اور اشاعت اسلام کا ذریعہ محض مدارس اسلام ہی رہ گئے ہیں، اس لیے اس کا بہترین مصرف

مدارس اسلامی کی اعانت ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم وعلمہ اتم

(محمود حسن اجمیری مفتی جامعہ حسنیہ راندیر سورت)

مرداراور خنزیر کی بیع باطل ہے

[۵۲۱] سوال: ایک بازار کا ٹھیکہ ایک مسلمان نے لیا ہے جس میں سوراور ہاتھ سے مارے ہوئے جانوروں کا گوشت بکتا ہے، یعنی جھٹکے کا تو مسلمان کے لیے سوراور مردار کے گوشت کا لین دین اور اس کا پیسہ حلال ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مسلمان کے حق میں خنزیراور مردار کی بیع باطل ہے اس لیے اس کو مذکورہ اشیاء کی بیوع حرام ہیں۔ بیع مالیس بمال و البیع له باطل کالدم والمیتة۔ (الی ان قال) وکذا بیع مال غیر متقوم کالخمر والخنزیر بالثمن۔ (مجمع الانهر ج ۱ /ص ۳۷۷)

والد کے مال میں بیٹے کا تجارت کرنا اور اس مال میں ورثاء کا اپنا حصہ مانگنا

[۵۲۲] سوال: مندرجہ............ کے سوال وجواب میں دوبارہ سوال وجواب واپس کر کے نئے سرے سے سوال قائم کیا کہ مذکورہ باپ مع اولاد تجارت کرتا رہتا تھا، اولاد تجارت میں معاون تھے، پھر تجارت میں جب خسارہ نظر آیا تو گھر کے خرچ کم کرنے کی غرض سے باپ اور بڑے بیٹے میں مشورہ یہ ہوا کہ باپ مع بال بچوں کے وطن چلے جائیں، اور بڑا بیٹا اکیلا تجارت سنبھالے، چنانچہ اس پر عمل کیا، اور بیٹے نے مال فروخت کر کے قرض داروں کا کچھ قرض ادا کیا، اور دو ہزار روپیہ بچا کر اس میں تجارت کرتا رہا، جواب پچیس ہزار تک ملکیت پہنچی ہے، تو اس ملکیت میں باپ کے مرنے کے بعد سب بھائی، بہن، ماں کو بحق وراثت حصہ ملے گا کہ نہیں؟ باپ بیٹے میں تنازعہ سے

قبل کوئی مقرر رقم نہیں ٹھہری تھی، یہ مال بخشش بھی نہیں ہے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جب کہ بیٹے کا ذاتی کوئی مال نہ تھا اور جو کچھ تھا باپ کا تھا، اور اولاد بطور معاونت اس میں تجارت کرتے تھے تو وہ سب مال اور منافع باپ کا ہی ہے جو اس کے مرنے پر سب وارث اس میں بحقوق شرعیہ حقدار ہوں گے، اگر چہ بعض اولاد نے اس میں زیادہ کمایا اور بعض نے کچھ نہیں کمایا یا کم کمایا، فتاویٰ مہدیہ جلد ثانی کے کتاب الشرکۃ میں اس کی بیسیوں مثالیں موجود ہیں، اور شامی کتاب الشرکۃ کی ابتداء میں بھی اشارہ موجود ہے، اور اگر یہ مال باپ نے تجارتِ مضاربت یا بضاعت یا تجارت میں بطور وکالت دیا ہو تو بمقتضائے شرائط اس پر عمل ہوگا؛ کیوں کہ "الناس علی شروطهم مالم يخالف الشرع، اذا كان الاولاد فى عيال أبيهم و معينين له و ليس لهم مال سابق واتحدت صنعة الجميع يكون جميع ما اكتسبوا لابيهم فيقسم بين ورثته بالفريضة الشرعية۔آه۔(فتاوى مهديه ج ٢/ص ٢٩٢) لها نظائركثيرة فى ذلك الكتاب۔

ہاں اس مسئلہ میں یہ ملحوظ رہنا چاہیے کہ لڑکا جو باپ کے مال میں تجارت کرتا تھا تو اس کا ذاتی مال کچھ نہ تھا، اور باپ کے چلے آنے کے بعد جو کچھ وہ تصرف کرتا تھا وہ باپ ہی کے لیے باپ کی مرضی سے کرتا تھا، کیوں کہ اس صورت میں وہ باپ کا وکیل تھا، اور مال اس کے پاس بطور امانت تھا، اور اگر وہ باپ کے مال پر قبضہ کر کے اپنے لیے تصرف کرنے لگا تو وہ باپ کے مال کا غاصب ٹھہرا تو اس صورت میں باپ کی ملک اصل مال رہے گا اور منافع جو اس نے کمایا ہے وہ اس کا ہوگا، اب باپ کے مرنے پر اصل مال میں دیگر وارث حقدار ہوں گے نہ کہ منافع میں۔ واما قول علمائنا اب وابن يكتسبان فى صنعة واحدة ولم يكن لهما شىء ثم اجتمع لهما مال يكون كله للاب، اذا كان الابن فى عياله فهوشرط كما يعلم من

عبــاراتهـم بشـروط مـنها اتحاد الصنعة وعدم مال سابق لهما وكون الابن فى عيال ابيه فاذا عدم واحد منها لا يكون كسب الابن للاب كما صرحوا به۔والله اعلم (فتا وى مهديه مصرى ج ٢ /ص ٤٠٤) و اصله ان الغاصب والمو دع اذا تـصرف فـى الـمغصوب او الوديعة و ربح لا يطيب له الر بح عند هما خلا فاً لابـى يـو سف۔ (هدايه ج ٣ / ٣٥٩) یعنی ربح تو اصل مالک مال کو بالاتفاق نہیں ملتا ہے مگر اختلاف اس میں ہے کہ وہ ربح غاصب یا مودع خود کھائے کہ خیرات کردے، چنانچہ مجمع الانھر ج۲/ص۴۷۵ کتاب الغصب وغیرہ میں مفصل بیان کیا گیا ہے۔

سود کی رقم سے سڑک اور پاخانہ بنانا

[۵۲۳] سـوال: وقف کی رقم بینک میں داخل ہے جس کا سود لے کر مسجد کا پاخانہ یا قبرستان تک سڑک بنانے کی ضرورت میں صرف کرنے کا ارادہ ہے تو ایسا کرسکتے ہیں کہ نہیں؟

الـجـواب: وباللہ التوفیق؛ کرسکتے ہیں؛ کیونکہ سود کی رقم بینک والوں سے نہ لی جائے تو وہ اپنے باطل مذہب کی اشاعت میں صرف کرتے ہیں جو ایک قسم کی اعانت ترویج کفر ہے، اس ضرورت کو ملحوظ رکھ کر موجودہ علماء نے فتوی دیا ہے کہ بینک کا سود لے کر مسلمانوں کے رفاہ عام اور امور خیر میں صرف کیا جائے؛ اور چوں کہ مذکورہ امور بھی رفاہ عام سے ہیں، اس لیے اس میں بھی صرف کرنا درست ہوگا۔

مصنوعی زعفران بیچنا

[۵۲۴] سوال: زید زعفران بناتا ہے جو رنگ، مزہ، کلر اور طبی فوائد کے لحاظ سے وہی خاصیت رکھتا ہے جو اصلی زعفران رکھتا ہے، اور زبان پر گھلنے اور رنگ دینے میں بھی اصلی زعفران کی کیفیت پیدا

ہوتی ہے، خوشبو، رنگ، کلر وغیرہ کے اعتبار سے اصلی زعفران سے بہتر ہوتا ہے، مگر فروختگی کے وقت زید یہ تصریح نہیں کرتا ہے کہ یہ مصنوعی ہے؛ بلکہ یہ کہتا ہے کہ یہ اعلیٰ قسم کا بہترین زعفران ہے، اور دکاندار اس کو اصلی اعلی قسم زعفران کے دام پر خرید تا ہے، تو استفسار طلب یہ امر ہے کہ ایسی حالت میں اگر زید فروختگی کے وقت نقلی ہونے کی تصریح نہ کرے اور زعفران مذکور اصلی سے کسی طرح کم بھی نہ ہو بلکہ صنعت کا بہترین نمونہ ہو، اور بعض لحاظ سے اصل سے بھی بہتر ہو تو کیا اس طور سے اس کی بیع وشراء جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کا بنانے والا گنہگار ہے یا نہیں؟

اور دوسری صورت یہ ہے کہ نقلی کہہ کر فروخت کرے تو یہ جائز ہوگا کہ نہیں؟

تیسری صورت یہ ہے کہ اس مصنوعی زعفران بنانے میں ایک غالب حصہ اصلی زعفران کا ہو تو اس کو اصلی زعفران کہہ کر فروخت کرنا اس حیلہ سے درست ہوسکتا ہے کہ فقہاء غالب الفضہ کو فضہ کے حکم میں شمار کرتے ہیں یا نہیں؟ بہر حال مندرجہ صورتوں کے مدلل شافی جواب سے سرفراز فرمائیں۔

الجواب: وباللہ التوفیق: زعفران بنانا فی حد ذاتہ جائز ہے اور اس کو فروخت کرنا بھی جائز ہے، لیکن یہ تصریح کر دینی لازم ہے کہ یہ زعفران مصنوعی یا نقلی ہے، بغیر تصریح کے فروخت کرنا گناہ اور دھوکا ہے؛ کیوں کہ اس صورت میں کہ مصنوعی زعفران میں اصلی زعفران بالکل نہ ہو زعفران کے نام سے فروخت کرنا کھلا ہوا دھوکا ہے۔ اور جب کہ اصلی زعفران بھی ملا ہوا ہو تو اس صورت میں بھی غیر خالص کی تصریح کرنی ضروری ہے الا اس صورت میں کہ غیر زعفران کی آمیزش اس درجہ کم ہو کہ عرفاً اس کو غیر معتبر قرار دیا جاتا ہو، اور اتنی آمیزش سے اصلی زعفران غالب حالات میں خالی نہ ہوتا ہو، غالب الفضہ کا قاعدہ صحیح ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ اگر مشتری خالص چاندی مانگے تو ایسی چاندی جس میں فی تولہ ۸ ماشہ چاندی اور چار ماشہ کھوٹ ہو اسے دیدے، اور یہ سمجھے کہ میں نے

کوئی دھوکا نہیں دیا، غش نہیں کیا، بیع میں بائع کا فرض یہ ہے کہ مبیع کی اصلی حالت اور معائب سے مشتری کو مطلع کردے جب کہ عارض اوصاف جو مبیع میں عیب پیدا کرتے ہیں ظاہر کرنا ضروری ہے، تو ایسی صورت کہ تولہ بھر زعفران میں جو مبیع ہے ۴ ماشے زعفران ہی ذاتاً معدوم ہے اس کی جگہ کوئی دوسری چیز ملی ہوئی ہے، بغیر بیان کیسے جائز ہوسکتی ہے۔ اور "من غش فلیس منا" کے دائرہ سے کیسے یہ صورت مستثنیٰ ہوسکتی ہے؟ لا یحل کتمان العیب فی مبیع او ثمن؛ لان الغش حرام۔ (الدر المختار ج۷/ص ۲۳۰ زکریا) وفی الحدیث: وان کذبا وکتما محقت برکۃ بیعھما۔ (بخاری ج ۱/ص ۲۷۹) ای کتم البائع عیب السلعۃ والمشتری عیب الثمن۔ (عینی ج ۹/ص ۱۹۸) محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ، مدرسہ امینیہ دہلی

اقول: مولانا کا فیصلہ مذکورہ مسئلہ میں بالکل صحیح ہے، اور صرف اصلی زعفران کے غالب حصہ سے اگر حقیر اور قلیل شیء آخر ملایا گیا جس مقدار سے عموماً زعفران خالی نہیں ہوتا ہو تو اس کو مطلقاً درست کہنا غالباً ہدایہ کے اس مسئلہ پر قیاس کیا گیا ہے جس میں بادام، اخروٹ وغیرہ میں فی صدی چار پانچ دانہ خراب ہونے سے چوں کہ اخروٹ بادام عموماً خالی نہیں ہوتے اس لئے یہ عیب نہ کہا جائے گا، میری ناقص رائے میں یہ قول احتیاط کے خلاف ہے؛ کیوں کہ اخروٹ میں فی صدی چار پانچ دانہ فاسد کی آمیزش قدرتی ہے نہ کہ مصنوعی، لہٰذا وہ صورت "من غش فلیس منا" کی وعید میں نہیں آتی، اور مصنوعی زعفران میں خواہ کتنا ہی کم حصہ غش کا ملایا جائے چوں کہ صنعت عبد سے ہے، اس لیے "من غش فلیس منا" میں آسکتا ہے اس لیے بلا بیان نہ بیچنا چاہیے۔ واللہ اعلم (محمود حسن)

مملوکہ زمین کی گھاس بیچنا

[۵۲۵] سوال: اپنی مملوکہ زمین میں جو بارش سے گھانس اگتی ہیں اس کو لوگوں سے روکنا اور بیچنا کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مملوکہ غیر محفوظ افتادہ زمین میں جو قدرتی گھانس پیدا ہوتی ہے اس کو روکنا تو حدیث سے منع ہے کہ "المسلمون شرکاء فی ثلاث فی الماء والکلاء والنار" (شامی ج ۱۰ / ص ۱۵ زکریا) اور وہ گھانس جو مملوکہ محفوظ زمین میں پیدا ہوتی ہے جس کے اگانے اور تربیت دینے میں مالک کو بھی دخل ہو تو یہ گھانس روکنا اور فروخت کرنا منع نہیں، اور اپنی زمین میں داخلہ سے لوگوں کو منع کرنے کا حق بہرحال اس کو ثابت ہے۔ واخص منہ وھو مانبت فی ارض مملوکۃ بلا انبات صاحبھا وھو کذلك: الاان لرب الارض المنع من الدخول فی ارضه، واخص من ذلك كله وهو ان يحتش الكلاء او انبته فی ارضه فهو ملك لهٗ وليس لاحداخذه۔آھ۔(شامی ج ۱۰ / ص ۱۵ زکریا)

ڈسکاؤنٹ کا حکم / اجل پر عوض لینا

[۶۵۵] سوال: بیوپاریوں میں یہ قاعدہ ہے کہ کچھ رقم پر ڈسکاؤنٹ (کٹوتری) مقرر ہے، وہ دی جاتی ہے، اس کا قاعدہ یہ ہے کہ مثلا ہم نے تاجر سے کپڑا یا کوئی چیز خریدی تو مثلاً پندرہ دن میں اگر ہم نے اس کی رقم ادا کرلی تو ڈسکاؤنٹ کا مستحق ہم ہوں گے، مثلا روپیہ میں ایک آنہ کٹوتری کے ہم مستحق ہوں گے، گویا ہر روپیہ بجائے سولہ آنے کے پندرہ آنے شمار ہوگا، اور پندرہ دن کے اوپر ایک ماہ تک اگر ہم ادا کریں تو روپیہ سولہ آنے یعنی کامل روپیہ کے حساب سے رقم دینی پڑے گی، اور اگر

ایک ماہ سے دو ماہ میں ادا کرنا چاہیں تو روپیہ سترہ آنے کا ہو جائے گا، اسی طرح میعاد کی بڑائی پر رقم بڑھتی رہے گی، تو کیا اس قسم کی بیع وشراء جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: یہ بیع دو وجہ سے فاسد ہے، ایک تو اس وجہ سے کہ اس میں اجل سے عوض دینا پڑتا ہے اور اعتیاض عن الاجل جائز نہیں۔

دوم اس وجہ کہ رقم کی کمی بیشی میعاد کی کمی بیشی پر موقوف کی گئی ہے، اور پھر وہ میعاد ادائیگی بوقت عقد نہ بائع کو معلوم ہے اور نہ مشتری کو؛ بلکہ مشتری کو اختیار ہے کہ جب چاہے تو کمی بیشی کے ساتھ مشروط میعادوں میں ادا کرے، اس لیے بوقت عقد ثمن کی مقدار معلوم نہیں ہوتی ہے، جس سے جہالت ثمن لازم ہوئی اور جہالت ثمن سے بیع فاسد ہو جاتی ہے، اس لیے یہ عقد تو جائز نہیں اور اگر میعاد پر رقم کی ادائیگی مقرر کرنی ہو اور اس پر رقم کی بڑھائی مقصود ہو تو یہ ہو سکتا ہے مگر وہ اس طور سے کہ تردد سے پاک ہو بلکہ اگر چیز کی قیمت دس روپیہ ہو اور میعاد پر دینے کی صورت میں پانچ روپیہ زائد لینا مقصود ہو تو ایک مقرر میعاد کا نام لے کر کہے کہ مثلاً چھ ماہ کی میعاد پر یہ چیز میں نے تم کو پندرہ روپئے میں دی تو یہ بیع درست ہو جائے گی۔ رجل باع علی انه بالنقد بکذا و بالنسيئة بكذا او الى شهر بكذا والى شهرين بكذا لم يجز. كذا فى الخلاصة. (عالمگیری ج۳/ص۱۳۶، الباب العاشر من البیوع) الاترى ان الثمن يزاد لاجل الاجل. (هدايه مرابحة) ان الاعتياض عن الاجل حرام. (هدايه كتاب الصلح)

کتاب الدعوی والمصالحۃ

کفیل سے دین کا مطالبہ/تحقیق مسئلہ ضامن

[۵۲۶] سوال: ایک شخص مسمی زید پر مختلف اشخاص کے قرض اور دین چڑھ گئے جن میں سے بعض خود اس کے رشتہ دار بھی تھے اس میں سے ایک نے اپنے دین کے مطالبہ کے لیے عدالت میں دعوی دائر کر دیا، مگر بعض خیر خواہوں نے مدعی کو سمجھایا کہ تم دعوی واپس لے لو کیوں کہ جب دوسرے قرض خواہوں کو معلوم ہو جائے گا تو وہ بھی دعوی کریں گے اور اس طور سے مدیون زید کو سخت مالی خسارہ ہوگا، مدعی نے بغیر ضامن لینے کے دعوی کے واپس لینے پر رضامندی ظاہر نہیں کی، اس واسطے تین آدمی اس بات کے لیے ضامن ہوئے کہ اگر فلاں میعاد تک یہ تمہارا دین ادا نہ کرے گا تو ہم دیں گے تو اب وہ میعاد گذر گئی اور مدیون اب تک دین کی ادائیگی سے قاصر رہا، تو دین والے ضامنوں کو پکڑ سکتے ہیں کہ نہیں؟ اور نیز اصلی مدیون سے بھی مطالبہ کر سکتے ہیں کہ نہیں؟ اس کے متعلق مفصل فیصلہ مع حوالۂ کتب تحریر فرمائیے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جب کہ ہر سہ شخص قرض خواہ کے میعاد مذکورہ میں دین کی عدم ادائیگی کی شرط پر ضامن ہوتے ہیں، اور مدیون نے مقررہ میعاد تک دین ادا نہیں کیا تو ضامنوں سے یقیناً مطالبہ بالدین جائز ہے، اگر ضمانت میں یہ شرط لگائی گئی تھی کہ بعد میعاد مذکور مدیون بری الذمہ تصور کیا جائے گا اور دین ضامن لوگ ادا کریں گے، تو قرض خواہ مذکور اب صرف ضامنوں سے ہی دین کا مطالبہ کر سکتا ہے نہ کہ مدیون سے، اور اگر یہ شرط نہیں لگائی گئی تھی تو قرض خواہ دونوں سے یعنی اصیل اور کفیل سے مطالبہ کرے گا، اب اگر دین اصیل یعنی مدیون نے ادا کیا تو اب کسی کو

دوسرے سے مطالبہ کا حق باقی نہ رہے گا اور اگر ضامن یعنی کفیل نے ادا کیا تو اگر وہ مدیون کے کہنے سے ضامن ہوا تھا تو بعد ادائیگی وہ ضامن مدیون سے وہ رقم طلب کرے گا جو اس کی طرف سے قرض خواہوں کو ادا کر چکا ہے، اور اگر یہ اس کے کہنے کے بغیر ضامن ہوا تھا تو جو کچھ اس نے قرض خواہ کو مدیون کی طرف سے ادا کیا ہے وہ ایک تبرع تصور کیا جائے گا، اور اس کو حق نہیں کہ مدیون پر مطالبہ سے رجوع کرے۔ لان الکفالة بالمال معلقة بشرط عدم الموافاة وهذا التعليق صحيح، فاذا وجد الشرط لزمه المال. (هدايه ج۳/ص۹۷،۱۱۳) المكفول له بالخيار إن شاء طالب الذى عليه الاصل وان شاء طالب كفيله: الا اذا شرط فيه البراء ة، فحينئذ تنعقد حوالة اعتباراً للمعانى. (هداية ج۳/ص۱۱۰،۱۱٦) فإن كفل بامره رجع بما ادى عليه، وان كفل بغير امره لم يرجع بما يؤديه. (هدايه ج۳/ص۱۰۲،۱۱۸)

مدیون کا دائن سے کسی حصۂ دین پر مصالحت کرنا

[۵۲۷] سوال: میں تاجر ہوں، خسارہ آنے کی وجہ سے میں نے دکان بند کر دی ہے مگر بہت سے تاجروں کے مجھ پر پیسے باقی ہیں تو میں ان کی مرضی اور خوشی سے ان کے اصلی حق سے کچھ کم مقدار پر مصالحت کروں اور ۱۰۰ میں سے پچیس ۲۵ دیدوں تو اس طرح کرنے سے ان کا دین میرے ذمہ سے اترے گا کہ نہیں؟ اور آپس کی رضامندی سے کسی حصۂ دین پر مصالحت کرنے پر دنیا و آخرت میں میں بریٔ الذمہ ہو جاؤں گا یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ آپ کے مال میں نقصان آنے سے اگر آپ کے دائن اور حقدار اگر اپنی مرضی اور خوشی سے آپ کو کوئی حصۂ دین ساقط کر کے باقی حصہ پر مصالحت کرنا چاہیں تو ان کے

لیے ایسا کرنا باعث اجر وثواب ہے، احادیث نبویہ میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں، اور جب کہ انہوں نے ایک حصۂ دین آپ کی سہولت اور حصول اجر کی غرض سے ساقط کر کے باقی حصہ پر بخوشی آپ سے مصالحت کر چکے تو ساقط شدہ حصہ آپ کے ذمہ سے دنیا وآخرت میں ساقط ہو گیا جس کا ان کو اجر ملے گا اور آپ دین کے اس حصہ سے بری الذمہ ہو گئے۔ باب الصلح فی الدین: وکل شیء وقع علیہ الصلح وھو مستحق بعقد المداینۃ لم یحمل علی المعاوضۃ، وانما یحمل علی انہ استوفی بعض حقہ واسقط باقیہ کمن لہ علی آخر الف درھم فصالحہ علی خمسمائۃ۔آھ۔(ھدایہ ج۳/ص۲۳۵،۲۵۱) وکذا فی سائر الکتب الفقھیۃ۔

ایک وارث کا دوسرے ورثاء کی اجازت کے بغیر موروثہ زمین میں مکان تعمیر کرنا اور بغیر خرچ وصول کیے تقسیم سے انکار کرنا

[۵۲۸] سوال: تین بھائیوں میں سے ایک بھائی نے باپ کی ملکیت میں سے ایک مکان کی مرمت بلا اجازت دوسرے بھائیوں کے کر چکا ہے، اب اس کے بھائی قسمت ترکہ طلب کرتے ہیں اور یہ مرمت کے خرچ کو وصول کیے بغیر قسمت نہیں کرنے دیتا ہے تو اس میں شرعی فیصلہ کیا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ بھائی نے مرمت کے وقت جب کہ دوسرے شریک بھائیوں سے اجازت بھی نہ لی اور مرمت کی طرف بظاہر مضطر بھی نہ تھا تو اب وہ اپنی مرمت کی وجہ سے شریک بھائیوں کے حصے کو نہیں روک سکتا ہے، اس لیے مکان تقسیم کیا جائے گا اور تعمیر شدہ حصہ اگر خود بخود اس کے حصہ میں آیا ہے تو جھگڑا ہی نہیں، اور اگر بھائیوں کے حصے میں آیا ہے تو اگر وہ اس کے

مرمت کا خرچہ دینے پر راضی ہوجائیں تو خرچہ ترمیم اس کو دیدیں اور اگران کے پاس خرچہ دینے کی طاقت نہیں یا اس کے ترمیم کے قبول کرنے پر وہ راضی نہیں تو توڑ کر اس کی تعمیر اور مرمت سے جو چیزیں زائد لگائیں گئیں ہیں وہ اس کو واپس کریں اور باقی اپنے حصے پر قبضہ کریں۔سئل فی دار مشترکة بالارث بنی احد الشرکاء فیها بناء فما حکمه شرعاً؟

اجاب: صرح علمائنابانه اذا بنی بغیر اذن الشرکاء وطلبت القسمة یقسم، فاذاوقع بنائه فی نصیبه فبها، والا هدم۔آھ۔(فتاوی خیریه بر حاشیه تنقیح الفتاوی ج۱/ص۱۰۹ المستفاد من الشامیة ج۶/ص۵۱۵ زکریا)

چند مسائل پر مشتمل ایک استفتاء دعویٔ مہر کے متعلق

[۵۲۹] سوال: زیداور خولہ کا نکاح آج سے ساٹھ برس قبل بمقام آگرہ ہوگیا تھا،اس کے بعد ریاست ٹونک میں آکر رہنے لگے، اب میاں بیوی میں مقدار مہر پر اختلاف پیدا ہوگیا، بیوی پانصدروپیہ کا دعویٰ کرتی ہے،اور شوہر صرف پچیس ۲۵ روپیہ مہر مانتا ہے،اور زید نے کسی مجلس میں یہ اقرار کیا تھا کہ میرے نکاح کا مہر پانصدروپیہ مقرر ہوئے ہیں،اس اقرار پر گواہ موجود ہیں،خولہ نے اپنے دعوے کے ثبوت میں آگرہ کے دفتر قضاء سے اپنے پانصدروپیہ مہر اور نکاح نامہ کا نقل حاصل کرکے عدالت ٹونک میں پیش کرچکی،مگر اس نقل پر زید کی طرف سے یہ اعتراض ہے کہ اس نکاح نامہ میں ناکح یا منکوحہ کے والد کا ذکر نہیں، دوم یہ کہ یہ دفتر موجودہ قاضی کے ہاتھ کا نہیں ہے؛ بلکہ اس نکاح کا قاضی اور گواہ سب مرچکے ہیں،سوم یہ کہ نکاح نامہ میں ناکح کا جو نام ونسب مذکور ہیں وہ میرے نہیں ہیں بلکہ کسی اور شخص کے ہیں،تو علماء دین سے دریافت طلب یہ امر ہے کہ مذکورہ واقعہ میں آگرہ کے دفتر قضا کی تحریر عدالت ٹونک میں مقبول ہوسکتی ہے کہ نہیں؟ جب کہ مذکورہ تحریر پر نہ

گواہ موجود ہے اور نہ لکھنے والا قاضی موجود ہے تو محض دفتر قضا کی تحریر قابل عمل ہوسکتی ہے کہ نہیں؟ نکاح نامہ میں اگر زوجین کے اسماء کے ساتھ ولدیت کا ذکر نہ ہو تو یہ تحریر قابل قبول ہے کہ نہیں؟ زید کا یہ انکار کہ مرقوم تحریر میرے نکاح کے متعلق نہیں ہے؛ بلکہ کسی اور شخص کے متعلق ہے قابل قبول ہے کہ نہیں؟ اور عدالت ٹونک میں اگر خولہ زید کے پانصد مہر کے اقرار پر گواہ پیش کرنا چاہے تو یہ شہادت علی السماع مقبول شہادت ہے یا نہیں؟ اگر خولہ عدالت ٹونک میں آگرہ کے دفتر سے نقل نہ پیش کر سکے یا نقل پیش کرے مگر عدالت ٹونک اس کو منظور نہ کرے تو مندرجہ اختلاف کا شرعی فیصلہ کیا ہونا چاہیے؟ جزاکم اللہ۔

الجواب: وباللہ التوفیق:

دارالقضاء کے دفاتر کی تحریر کا حکم

(۱): شریعت مطہرہ میں تحریر اور خط اگرچہ تحریف اور تشابہ کے احتمال کی وجہ سے قابل اعتماد نہیں ہے، مگر چوں کہ دارالقضاء کے سجلات اور دفاتر میں حفاظت اور نگرانی کی وجہ سے تحریف اور بناوٹ کا بہت ہی کم احتمال رہتا ہے، اس لیے دفتر قضاء کے سجلات اور تحریرات قابل عمل ہیں، اگرچہ تحریر کنندہ قاضی اور گواہ مر چکے ہوں۔ (شامی ج۴/ص ۴۲۸، ۴۲۹، ۴۸۹، ۵۲۰، ہدایہ ج۳/ ص۱۴۲، مجمع الانہر ج۲/ص ۴۵۵)

معتبر بودن کتاب القاضی الی القاضی

(۲): جس قاضی کے پاس کوئی حادثہ اور دعوی ثابت ہو چکا ہو مگر وہ دوسرے قاضی (جہاں حادثہ کا تعلق ہو) کے پاس اپنا فیصلہ دو گواہوں کے سامنے مہر کر کے ان گواہوں کے ہاتھ پر مکتوب الیہ قاضی کے پاس بھیج دے تو مکتوب الیہ قاضی اس پر اعتماد کر کے اس کے مطابق حکم نافذ

کرسکتا ہے۔(شامی ج۴/ص۴۸۷)وكذا فى سائر كتب الفقه فى كتاب القاضى الى القاضى، كتب الشهادة على قاض ليحكم القاضى المكتوب اليه بها۔

کتاب القاضی الی القاضی کا حکم

(۳): شہادت اور کتاب القاضی میں مدعی اور مدعی علیہ کی پوری تعریف، ولدیت در نسب وقبیلہ کے ساتھ کرنی ضروری ہے، اس لیے اگر مرقومہ نکاح نامہ میں کسی چیز کی کمی سے ابہام باقی رہ گیا ہوتو زید کا انکار بظاہر درست ہوگا اور خولہ پر یہ ثبوت پہنچانا ہوگا کہ یہ تحریر ہمارے نکاح کے متعلق ہی ہے۔(ہدایہ ج۳/ص۱۵۶،بحرالرائق ج۷/ص۱۲۵)

مدعی علیہ کا مدعی کی سند تحریر سے انکار کرنا

(۴): مدعی کی سند اور دستاویز میں جو مدعی علیہ کا نام ونسب مندرج ہے اس کے متعلق اگر مدعی علیہ انکار کرے اس کی دو صورت ہیں:

(۱): اگر مدعی علیہ کا منشاء انکار یہ ہے کہ مرقومہ نام ونسب میرے نہیں ہیں تو اس کا ثبوت مدعی کے ذمہ ہوگا کہ یہ نام ونسب اسی مدعی علیہ کے ہیں۔

(۲): اور اگر مدعی علیہ کے انکار کا منشا یہ ہو کہ اگر چہ میرا نام ونسب وہی ہے جو سند میں موجود ہے مگر یہ دعوی میرے متعلق نہیں ہے؛ بلکہ اس نام ونسب کا دوسرا آدمی ہے اور یہ دعوی اس کے متعلق ہے تو اس کا ثبوت مدعی علیہ کے ذمہ ہے۔(بحرالرائق ۷/۱۲۴)

شہادت بر تسامع

(۵): جو امور کہ دیکھنے اور سننے سے تعلق رکھتے ہوں ان کو دیکھنے اور سننے سے شہادت

دے سکتے ہیں اگر چہ اس امر پر شاہد کو شاہد نہ بنایا گیا ہو۔ (مجمع الانهر ج ۲ / ص ٤٤٤)
وكذا فى سائر الكتب الفقه تحت قولهم "بيان ما يتحمله الشاهد"۔

مہر کی مقدار میں زوجین کا اختلاف کرنا

(٦): میاں بیوی میں اگر مقدار مہر پر نکاح کی موجودگی میں اختلاف اٹھے یا بعد وطی اور طلاق اختلاف اٹھے تو دونوں میں جس نے بھی اپنے دعویٰ پر گواہ پیش کیے تو اسی کا قول معتبر ہوگا، اور اگر دونوں نے بینہ پیش کیے یا دونوں بینہ پیش نہ کر سکے تو مہر مثل جس کے قول کی تائید کرے اسی کا قول معتبر ہوگا، او راگر مہر مثل ہر دو قولوں کے درمیان ہو تو مہر مثل لازم ہوگا۔ (شامی ج۲/ص ۴۹۷ وغیرہ)

اب مندرجہ تصریحات فقہاء کے بناء پر مسئولہ واقعہ کا جواب یہ ہے کہ اگر خولہ اپنے پانصد روپیہ کے مہر کا ثبوت آگرہ کے دفتر قاضی سے پیش کرنا چاہے تو مندرجہ (۱،۲) تصریحات کی رو سے دعویٰ ثابت کر کے پانصد مہر کی مستحق ہوسکتی ہے۔

اگر خولہ اپنے پانصد روپیہ کے مہر کے ثبوت میں شوہر کے اقرار پر گواہ پیش کرنا چاہے تو (۵) کی رو سے اپنا دعویٰ ثابت کر سکتی ہے۔

اگر شوہر سند میں جو مدعی علیہ کے نام ونسب مرقوم ہیں اس کے متعلق شبہ اور انکار پیش کرے تو (۳و۴) کے مطابق تحقیق کر کے فیصلہ کیا جائے۔

اور اگر عورت نکاح نامہ سے ثبوت میں کامیاب نہ ہو یا کسی وجہ سے اس کو نظر انداز کر کے مستقل طور سے ٹونک کی عدالت میں اپنے پانصد روپیہ مہر کا دعوی دائر کرنا چاہے تو اس کا فیصلہ (٦) میں مذکور ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

چوں کہ سائل نے کوئی خاص پہلو سوال میں پیش نہیں کیا ہے؛ بلکہ منتشر سوالات کئے ہیں اس واسطے اس کے مطابق جوابات بھی دیئے گئے ہیں۔

بعد نکاح عورت کا دعویٰ کرنا کہ نکاح فاسد تھا اس لیے کہ وہ شوہر اول کی عدت میں تھی۔

[۵۳۰] سوال: ایک عورت نے طلاق کے بعد دو ماہ پر دوسرے شخص سے شادی کر لی اور کچھ عرصہ شوہر کے پاس رہ کر باپ کے پاس چلی گئی اور شوہر کے گھر پر آنے سے اس واسطے انکار کرنے لگی کہ چوں کہ پہلی طلاق کے بعد میری عدت نہیں گزری تھی، اس لیے وہ نکاح ہی نہیں تھا تو کیا یہ عورت حق بجانب ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ دو ماہ کے اندر عدت گذرنے کا احتمال موجود ہے، اور عورت نے اس عرصہ کے بعد جب نکاح پر آمادگی ظاہر کی تھی تو عورت کی طرف سے گویا یہ فعل عدت گذرنے کا اقرار ہے، اور اس ضمنی اقرار کے بعد فساد نکاح کا دعوی کرنا شوہر کے حق کو ساقط کرنا ہے جو بلا حجۃ قویہ ساقط نہیں ہوگا، اور خود عورت کے فعل اور قول میں تعارض ہے اس لیے عورت بدستور مذکور شوہر کی بیوی ہے، اور عدت کے نہ گذرنے کا عذر غیر مقبول ہے۔ اختلفا فی الصحۃ و الفساد فالقول لمدعی الصحۃ۔ (الاشباہ والنظائر ۹۲ قبیل کتاب الطلاق۔

باپ نے بیٹے کو روپئے تجارت کے لیے دیئے لیکن بیٹا بخشش کا دعویٰ کرتا ہے۔

[۵۳۱] سوال: زید کو اس کے والد نے دو ہزار روپئے برائے تجارت دیئے تھے، جس میں ماہوار زید پچاس روپیہ والد کو بھیجتا رہا، کچھ عرصہ کے بعد دونوں میں نااتفاقی ہوئی اور زید کے والد نے

لوگوں کے ذریعہ سے رقم طلب کی مگر زید نے کہا کہ یہ رقم مجھ کو والد نے بخشش کے طور سے دی ہے، چنانچہ اس نے وہ رقم نہ دی، اور اس کے والد دوسری جگہ سے قرض حاصل کر کے اس پر گذارہ کرتا رہا، اب زید کا والد گزر گیا ہے اور زید کے پاس اس تجارت کی رقم بیس پچیس ہزار روپئے تک کی پہنچی ہے، اب زید کے دیگر بہن بھائی اس میں حصہ طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ رقم بخشش نہ تھی بلکہ محض بطور تجارت دی گئی تھی، تو اب زید کے بہن بھائیوں کو صرف اصل رقم سے حصہ ملے گا یا اصل اور نفع دونوں سے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ زید کا یہ کہنا کہ یہ رقم بطور بخشش کے دی گئی ہے بظاہر درست ہے کیوں کہ موجودہ دعوی میں وہ ذی الید اور مدعی علیہ ہے اور قول مدعی علیہ کا معتبر ہے، دوم یہ کہ تجارت کی آمدنی ہمیشہ ایک حالت پر نہیں رہتی ہے مگر وہ ہمیشہ والد کو ماہوار پچاس روپیہ بھیجا کرتا تھا، جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ باپ نے بیٹے کے ساتھ جو نیک سلوکی کی تھی اس کے عوض اور نیز باپ کو بطور صلہ وہ پچاس روپیہ بھیجتا رہا، اور جب دونوں میں نااتفاقی ہوگئی تو اس نے وہی صلہ والی رقم بند کی، اور باپ چوں کہ رقم بخشش ہی کر چکا تھا اس لیے بیٹے سے عدالتی چارہ جوئی نہ کی؛ بلکہ دوسری جگہ قرض وغیرہ حاصل کر کے گذارہ کرتا رہا؛ بہر حال اگر زید کے بہن بھائی یہ ثبوت پہنچائیں کہ یہ رقم بطور تجارت دی گئی ہے تو اس کے ضمن میں تین امور کی تشریح ضروری ہوگی کہ زید کا تصرف کس حیثیت سے تھا؟ مضارب تھا کہ نوکر تھا کہ محض وکیل تھا، ان میں سے جونسی صورت ہوگی تعین کی جائے گی اس کے مطابق جواب دیا جائے گا۔ فقط اللہ اعلم۔

شوہر کا بیوی کی ملکیت میں اپنا حصہ بتانا

[۵۳۲] **سوال:** ایک عورت شوہر کے گھر سے جدا رہتی ہے، اور اپنی محنت سے کچھ روپیہ کماتی ہے،

اور کچھ شوہر کی ملکیت سے فائدہ اٹھاتی ہے، اور اب اس نے ایک جائداد خرید لی ہے تو شوہر کو اس جائداد میں کچھ حصہ یا حق ملے گا کہ نہیں؟ عورت شوہر کے گھر جانے سے انکاری ہے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ بلاوجہ جو شوہر کے پاس نہیں جاتی ہے تو یہ اس کی نشوز اور بداخلاقی ہے، جس سے اس کو گناہ ہوگا، اور جو جائداد اس نے خریدی ہے وہ اس کی ملکیت ہے؛ البتہ شوہر کے مال میں سے جو رقم اور مال بلا اجازت وہ لے گئی ہے، اس میں وہ غاصبہ ہے، اس لیے وہ واپس شوہر کو دے دینا چاہیے، اور اس رقم سے جو منافع حاصل ہوا ہے وہ اگر چہ قضاءً عورت کا حق ہے مگر دینداری کا تقاضہ یہ ہے کہ اتنی رقم خیرات کرے۔وان استغله تصدق بالغلة، كما لو تصرف في المغصوب والوديعة وربح (كنز) وتفصيله في البحر(ج٨/ص١١٣) وقد مر هذه المسئلة۔

کتاب الاجارۃ

مسجد کی کھجوریں تاڑی نکالنے کے لیے اجرت پر دینا

[۵۳۳] سوال: مسجد کی زمین میں کھجوری کے درخت ہیں مذکورہ درخت کو تاڑی نکالنے پر دے کر اس کی آمدنی مسجد کے یا مدرسہ کے مصارف میں صرف کر سکتے ہیں کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ تاڑی نکالنے پر اگر اجارۃً دیئے گئے تو قطع نظر اعانت علی المعصیت کے یہ اجارہ علی استہلاک العین ہے حالانکہ در بابت اجارہ فقہاء کی تصریح "الاجارة عقد يرد على استهلاك المنفعة" موجود ہے لہذا یہ اجارہ ہی درست نہیں۔ (تتمہ امداد الفتاوی ج۳/ص۱۸۳، ۱۷۸) اور اگر بطور بیع دیا ہے تو یہ بیع المعدوم ہے جو جائز نہیں، اور خود عصیر النخل نکال کر بیچنے میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبینؒ کا اختلاف ہے مگر راجح اور اقرب الی التقوی کراہت ہے۔ وموضعه باب الحظر والاباحة من كتب الفقه۔والله اعلم۔

مسجد کی وقف زمین کی کھجوروں کو تاڑی نکالنے کے لیے اجرت پر دینا

[۵۳۴] سوال: ہمارے گاؤں میں مسجد کی وقف زمین ہے جس میں کھجوروں کے درخت ہیں، تو ان کو تاڑی کے لیے دے سکتے ہیں یا نہیں؟ اگر دے سکتے ہوں تو ان پیسوں کو مدرسہ یا مسجد کے کام میں استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اس صورت میں اعانت علی المعصیت کے علاوہ دو اور قبائح ہیں وہ یہ کہ اس کو نہ بیع کہہ سکتے ہیں اور نہ اجارہ، بیع تو اس لیے نہیں کہ درخت میں سے تاڑی بیچنا ایک معدوم چیز

کا بیچنا ہے جو جائز نہیں، اور اجارہ اس لیے جائز نہیں کہ اجارہ میں جو عقد ہوتا ہے وہ استہلاک المنافع پر ہوتا ہے اور یہاں استہلاک العین پر عقد ہو رہا ہے، اس لیے یہ عقد ہی جائز نہیں۔ کذا فی تتمة ثالثة من امداد الفتاوی (ج ۳ / ص ۱۷۸، ۱۸۳) واللہ اعلم۔

وعظ اور عبادات پر اجرت کا مسئلہ

[۵۳۵] سوال: اگر کوئی شخص وعظ کہہ کر اجرت لے تو کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ وعظ پر اجرت لینا دوسری عبادت پر اجرت لینے کی طرح ہے، جس طرح اتفاقیہ طور سے کسی نماز میں امامت پر اجرت لینا جائز نہیں اسی طرح اتفاقیہ وعظ پر اجرت لینا جائز نہیں، اور جس طرح دائمی امامت کے لیے تقرر اور ملازمت پر اجرت لینا جائز ہے اسی طرح دائمی مقرر وعظ کہنے پر ملازم ہو کر اجرت لینا جائز ہے۔ (تتمہ سویم امداد الفتاویٰ ۱۷۹)

ممالک غیر میں ملازم بشرط خرچ آمد ورفت لے جانا

سوال: تجارت کے لیے ممالک غیر میں تاجر لوگ کسی غریب کو بطور نوکر کے چند وجوہ کو مدنظر رکھتے ہوئے چند شرطوں پر لے جاتے ہیں، من جملہ شرائط کے یہ شرط بھی درج ہوتی ہے کہ نوکر کے رفت وآمد کا خرچہ بعد اختتام میعاد خدمت دیا جائے گا، یہ تمام مفصل شرائط سرکاری اسٹامپ پر لکھے جاتے ہیں، اب سوال یہ ہے کہ مذکور نوکر جب حسب وعدہ مقررہ خدمت کو بخوبی انجام تک پہنچائے اور سیٹھ سے رخصت ہو جائے تو وہ اپنے سیٹھ سے واپسی کا مشروطہ کرایہ طلب کرے اور سیٹھ یہ عذر پیش کرے کہ چونکہ تو نے بجائے واپسی ملک یہاں دوسری جگہ نوکری اختیار کر لی ہے تو کیا یہ عذر بجا ہے اور سیٹھ اگر واپسی کا کرایہ بالکل نہ دے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟ نیز ملازمت سے برطرف ہونے کے وقت واپسی کا خرچہ دینا چاہیے یا جب کہ وہ نوکر ہندوستان یعنی اپنے ملک کو روانہ ہوگا اس وقت

دینالازم ہوگا؟

الجواب: وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں سیٹھ اور نوکر کے درمیان اصلی معقود علیہ وہی خدمات ہیں جو نوکر ملازمت کے ایام میں حسب شرائط انجام دے رہا ہے رہا رفت وآمد کا خرچہ تو یہ ایک واسطہ اور ذریعہ حصول منافع ہے جس کے شرط کرنے سے ملازم ملازمت کے لیے راضی ہوگیا اور جب کہ سیٹھ کے لیے اصلی معقود علیہ ملازم کے وہ منافع اور خدمات ہیں جن کو اس نے حسب شرائط بخوبی انجام تک پہنچائے ہیں، اور اجیر کی اجرت تین طریقہ سے واجب الاداء ہوتی ہے یا سیٹھ خود پیشتر دے، یا پیشتر دینے کی شرط موجود ہو، یا معقود علیہ منافع وصول کرلیوے، چوں کہ سیٹھ نے اصلی معقود علیہ وصول کرلیا اس لیے اس پر تمام وہ اجرت لازم ہوگی جس کی اس نے شرط لگائی تھی اور "الناس علی شروط مالم یکن اثما" پر عمل کرتے ہوئے اس کا تمام مشروط خرچ وغیرہ دینالازم ہے۔ ثم الاجرة تستحق باحد معان ثلاثة اما بشرط التعجيل او بالتعجيل او باستيفاء المعقود عليه، فاذا وجد احد هذه الاشياء الثلثة فانه يملكها.اھ۔ (عالمگیری ج ٤ / ص ٤١٣، مجمع الانہر ج ٢ / ص ٥٣٢) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

نکاح اور ختم قرآن پر اجرت لینا

[۵۳۶] **سوال:** نکاح پر اجرت یا قرآن کے ختم پر اجرت لینا کیسا ہے؟ اور اگر کوئی خوشی سے دے تو اس میں بھی دینے اور لینے والے ہر دو گنہگار ہوں گے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: نکاح کی اجرت پر بعض علماء نے اختلاف کیا ہے؛ تاہم ایک معین نکاح میں اجرت کا تقرر شرعی قواعد کے خلاف اور ناجائز ہے۔ (خلاصہ ج ۴/ص ۴۸) کیونکہ نکاح کوئی

ایسی عبادت ہی نہیں جو بغیر اجیر سرانجام نہ ہوسکے، اور اجیر کی طرف سے کوئی منفعت ایسی نہیں ہے جس کے عوض میں وہ رقم وصول کرتا ہے، اور اجارہ کے معنی یہ ہے کہ کسی منفعت کو عوض پر دے دی جائے، رہی ختم تو اس میں اجرت کا تقرر تو یقیناً جائز نہیں، اور اگر تقرر نہ ہو؛ تاہم کراہت سے خالی نہیں؛ کیونکہ عرف میں معمول ہے کہ ختم پڑھنے والوں کو حسب مقدور کچھ دینا ہی پڑھتا ہے۔ ''المعروف کالمشروط'' مسلم کلیہ ہے، اس لیے اس کی بہتر صورت یہ ہوسکتی ہے کہ اگر ختم ہی پڑھنا ہے یا دیگر خیر خیرات سے میت کو ایصال ثواب مقصود ہے تو وہ ختم یا دعا تو اہل میت خود ہی پڑھیں، اور ختم میں جو رقم دینے کا خیال ہو وہ بلا معاوضہ محتاجوں میں تقسیم کی جاوے، اس طرح پر کراہت سے بھی بعید ہوگا اور میت کو ثواب اور فائدہ ملنے کی توقع بھی زیادہ ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

وبه ظهر حال وصايا اهل زماننا، يجعل معظم وصيته لقرأة الختمات والتهاليل التى نص علمائنا على عدم صحة الوصية بها، وان القرأة لشىء من الدنيا لايجوز، وان الآخذ والمعطى آثمان؛ لان ذلك يشبه الاستيجار على تعليم القرأة۔ (شامى ج ١ /ص٧٦٧، زكريا٢ / ٥٣٤ قضاء الفوائت)

نقصان کی وجہ سے کاشتکار کا وقف زمین کی اجرت کی معافی کا مطالبہ کرنا

[۵۳۷] سوال: مسجد کے متولیوں نے مسجد کی وقف زمین اجارہ پر ایک شخص کو دیدی ہے، مگر زراعت قابل انتفاع نہ ہوئی تھی کہ اس پر ہیم (پالہ) گرا، اور سردی سے تمام کھیت سوکھ گئے، اس پر یہاں کے مالک اراضی نے زمین کی اجرت اور محصول کاشتکاروں سے معاف کردی ہے، اب متولیوں سے کاشتکار مطالبہ کرتے ہیں کہ تم بھی ہم سے اجرت معاف کرو تو کیا اس صورت میں

متولیوں کو اجرت معاف کرنے کا حق شرعاً ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جب کہ مذکورہ واقعہ میں زمین قابل کاشت تھی اور اب بھی قابل کاشت ہے تو محض خارجی آفت کے وقوع سے مالکین اراضی پر لازم نہیں کہ کاشتکاروں کو اجرت اور محصول معاف کریں، اور جنھوں نے محض تبرع اور انسانی ہمدردی کے لیے کاشتکاروں سے اجرت معاف کی ہے ان کا یہ فعل نہایت مستحسن اور موجب اجر وثواب ہے، مگر وقف مال میں چوں کہ متولی تبرع اور نیک سلوکی نہیں کرسکتا ہے اس لیے وہ اس حادثہ میں اجرت مقررہ نہ معاف کر سکتے ہیں اور نہ کم کر سکتے ہیں۔ رجل استاجر ارضا ليزرعها فزرعها فاصابت الزرع آفة فهلك أو غرق الارض ولم ينبت فعليه الاجر تاما، ولو غرق قبل ان يزرعها فلا اجر۔اھ۔(خلاصة الفتاوى كشورى ج٣/ص١٢٠) ولكن جزم فى الخانية برواية عدم سقوط شىء حيث قال: اصاب الزرع آفة فهلك أو غرق ولم ينبت لزم الأجر لأنه قد زرع، ولو غرقت قبل أن يزرع فلا اجر عليه۔(الدرالمختار مع الشامى ج٥/ص٦٤) وكذا فى الاشباه والنظائر وحواشيه (١٤٨) مصرى۔

کرایہ دار کا کرایہ کے مکان میں تعمیر کرنا اور اس پر مکان مالک سے کرایہ مانگنا

[۵۳۸] سوال: کرایہ دار نے کرایہ کے مکان میں کچھ اصلاح وتعمیر کی تو اس کا کرایہ مکان مالک سے وصول کرسکتا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر اصلاح اور تعمیر باجازت مالک ہو تو خرچۂ مذکور طلب کرسکتا ہے، اور اگر بلا اجازت مالک اصلاح کی ہو تو مالک سے خرچہ تو وصول نہیں کرسکتا ہے؛ بلکہ اپنی صرف کردہ اشیاء مکان سے علیحدہ کرسکتا ہے، مگر یہ اس وقت ہے کہ علیحدگی سے مکان کو نقصان نہ پہنچتا ہو اور اگر

اپنی اشیاء کی علیحدگی سے مکان کونقصان پہنچتا ہوتو صاحب مکان کو چاہئے کہ اپنے مکان کی حفاظت کی غرض سے کرایہ دار کا خرچہ دے دے۔کذا فی (فتاوی مهدیه ج ۵ /ص ۳۸)

ویران مکان میں اس شرط کے ساتھ سکونت کرنا کہ اس کی تعمیر میں جو کچھ خرچ ہوگا وہ مکان مالک سے وصول کرے گا

[۵۳۹] سوال: ایک شخص کا مکان ٹوٹا ویران پڑا تھا دوسرے شخص نے اس میں رہنا چاہا اس شرط پر کہ رہنے والا اس مکان میں جو تعمیر اور اصلاح کرے گا اس کا خرچہ بعد میں مالک مکان دے دے گا اس پر دونوں راضی ہو گئے، اس شرط کے مطابق وہ شخص چند سال رہ کر اب جانے لگا اور اپنا خرچہ مالک مکان سے طلب کیا، مالک مکان نے خرچہ دینے سے تو انکار کر دیا اور الٹا رہنے والے سے کرایہ طلب کیا تو کیا وہ کرایہ کا مستحق ہے؟ اور کیا رہنے والا مشروط خرچہ کے مطالبہ میں حق بجانب ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: چوں کہ رہنے کے وقت کرایہ کی شرط نہیں کی تھی، اس لیے مالک مکان کرایہ کا مستحق نہیں، ہاں اگر وہ مکان ہی کرایہ کے لیے پہلے سے مقرر ہو یا یتیم کا ہو یا وقف ہو تو کرایہ رہنے والے پر لازم ہے، رہا خرچہ کا مطالبہ تو چونکہ اس کی ادائیگی شرط کی گئی تھی اور اس پر دونوں نے رضامندی ظاہر کی تھی، اس لیے صاحب مکان کو لازم ہے کہ حسب مشروط رہنے والے کا خرچہ دیدے۔کذا فی (فتاوی مهدیه ج ۵ /ص ۲۳)

شراب وغیرہ ناجائز اشیا کی فروختگی کے لیے اجرت پر مکان یا دکان دینا

[۵۴۰] سوال: ناٹال افریقہ میں ایک شخص نے دکان مسجد اور مدرسہ کی ضروریات کے لیے اس

طور سے وقف کی ہے کہ اس کی آمدنی مسجد اور مدرسہ میں صرف ہوتی رہے، یہ ملک کفار کا ہے، جہاں بیع خمر وخنزیر علانیہ ہوتا رہتا ہے، مذکورہ دکان ایسے موقع پر ہے کہ جہاں شراب وغیرہ ناجائز اشیاء کی خرید وفروخت ہوتی رہتی ہے تو دریافت طلب یہ ہے کہ یہ دکان ایسے کرایہ دار کو دے سکتے ہیں جو اس دکان میں شراب وغیرہ ناجائز اشیاء کی تجارت کرتے ہوں اور وہ کرایہ مسجد یا مدرسہ میں خرچ کر سکتے ہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: کتب فقہ میں جہاں اس قسم کی ناجائز اشیاء کے لیے دکان وغیرہ دینے کی ممانعت کا ذکر ہے، وہاں ممانعت کی دو توجیہ کی ہیں: ایک تو یہ کہ جہاں اسلام کے شعائر ظاہر ہوں وہاں کفر کے شعائر کا ظہور کا موقع نہ دیا جائے، دوم یہ کہ اس میں اعانت علی المعصیت ہے، وجہ اول کی بنا پر تو دارالکفر میں اس قسم اشیاء کی فروختگی کے لیے کرایہ پر مکان دینے کی ممانعت ایک لغو قول ہے؛ کیوں کہ وہاں شعائر اسلام کب ظاہر ہیں؛ تاکہ اس قسم کرایہ دینے سے شعائر کفر کا ظہور ہوگا، چنانچہ کوفہ کے دیہات میں جہاں یہود وغیرہ کفار زیادہ رہتے تھے وہاں اس قسم مکانات کرایہ پر دینے کی ممانعت بھی نہیں، وجہ دوم البتہ کچھ وزن رکھتی ہے، اور اسی پر صاحبین اور ائمہ ثلاث کے مذاہب کا بنیاد ہی ہے جو منع کہتے ہیں، مگر امام ابوحنیفہ کہتے ہیں کہ صاحب مکان اپنے مکان کی جائز منفعت محض کرایہ کی نیت سے کرایہ دار کو دیتا ہے، اس کے بعد یہ کرایہ دار کا فعل ہے کہ اس میں کپڑا بیچے یا شراب یا خالی بند رکھے، اور اسی بنا پر خود انسانی مزدوری کی بھی بنیاد رکھی ہے مثلاً کافر نے مسلمان کو شراب کا مٹکہ آٹھ آنہ اجرت پر کسی مقام پر پہنچانے کے لیے کہا تو مسلم مزدور کی یہ نیت کب ہوتی ہے کہ میں شراب لے جاتا ہوں؛ تاکہ کافر پی لے بلکہ اگر کافر اس میں پانی بھر دے، یا گھی، تیل بھر دے، یا شراب بھر دے، بہر حال مزدور کی غرض اور نیز مالک کی غرض اس بوجھ کو نقل مکانی کرنا مدنظر ہے، نہ خصوصیت پانی یا شراب، اس بنا پر امام صاحب کا قول راجح معلوم ہوتا ہے

اور عام متون میں بھی یہی مذکور ہے کہ مذکورہ اجارہ درست ہے، اور صاحب مکان کو اپنے مکان کی اجرت لینا حلال ہے، یہ تو ہوا اصل حکم شرعی، اب چوں کہ یہاں معاملہ مسجد کا ہے اور صاحبین اور ائمہ ثلاثہ کے انکار سے ایک نوع شبہ تو ضرور پیدا ہوتا ہے، اس لیے احتیاط اسی میں ہے کہ اگر چہ مذکور اجارہ اور اجرت حلال اور جائز ہے مگر جہاں تک ہو سکے تو مذکور دکان ایسے تاجر کو کرایہ پر دے کہ جو جائز مال کی تجارت کرتا ہو؛ تاکہ ابعد عن الخلاف رہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اذا استاجر الذمی من المسلم بیتاً لیبیع فیه الخمر جاز عند ابي حنيفة، خلافا لهما، كذا فی المضمرات۔ (عالمگیری ج ٤ /ص٤٤٩ فی الباب السادس عشر من الاجارات) ولو اراد بیع الخمر فیها فان كان فی السواد لایمنع، واما فی سواد خراسان فانهم یمنعون من ذلك؛ لان الغالب فیها المسلمون۔ (بحر ج٨ /ص ٢٠) وجاز حمل خمر ذمی بنفسه ودابته باجر، واجارة بیت سواد الكوفة لا بغیرها علی الاصح، واما الامصار وقری غیر الكوفة فلا یمكنون لظهور شعائر الاسلام فیها، وخص سواد الكوفة؛ لان غالب اهلها اهل الذمة، لیتخذ بیت نار أو كنیسة او بیعة او یباع فیه الخمر وقالا لا ینبغی ذلك؛ لانه اعانة علی المعصیة وهو مذهب الائمة الثلاث۔زیلعی۔اه۔(الدر المختار و تفصیله فی الشامی ج٥ /ص٣٤٦ من الحظر والاباحة)

کتاب الھبۃ والبراءۃ

صغیر کے ہبہ میں باپ کا قبضہ کافی ہونا

[۵۴۱] سوال: دولڑکوں کی دولڑکیوں میں سے ایک کی فاطمہ دوسرے کی حوا ہے جن کو ان کے والدین کے انتقال کے بعد ان کے دادا نے پرورش کی، ان ہر دو پوتیوں کو دادا نے اپنے حین حیات میں سرکاری قانون کے مطابق پٹیل کوتوال کے سامنے حاضر ہو کر اپنی ملکیت میں سے کچھ جائداد لکھ دی، اور سرکاری دفتر میں لڑکیوں کے نام کردی، اور دادا نے اپنا والی ہونے کا حق قائم رکھا، والی ہونے کی حیثیت سے دادا نے زمین کی کاروائی خود کی، دادا کے مرجانے کے بعد اس کے بھائی فقیر نے جائداد کو اور فاطمہ وحوا کو اپنے قبضہ میں رکھا، اور وہ جائداد اپنے لڑکے کو کرایہ پر دی، اس زمین کے نفع کے روپئے پچاس علاوہ محصول وغیرہ کے وہ شخص لڑکیوں کو دیتا تھا۔

اب مذکور جائداد کی تقسیم کس طرح کی جائے؟ صرف یہی تین اسم ہیں ایک لڑکے کی لڑکی فاطمہ، دوسرے لڑکے کی لڑکی حوا، اور بھائی فقیر اسماعیل کا سو، نیز مذکورہ لکھی ہوئی جائداد میں سے فقیر اسماعیل کا سو کو کچھ ملے گا یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: صورت مسئولہ میں فاطمہ اور حوا کے دادا نے قانون رائج الوقت کے مطابق جو کچھ جائداد اپنی پوتیوں کے نام لکھ چکا ہے وہ درست اور لڑکیوں کی باقاعدہ ملکیت ہو چکی ہے، اس جائداد میں ان لڑکیوں کے ساتھ فقیر اسماعیل کا سو یا دوسرا کوئی شرکت کا حقدار نہیں ہے، اس کے علاوہ یہ لڑکیاں اپنے دادا کی باقی ملکیت میں سے بنتین الابن ہونے کی وجہ سے دو تہائی اور فقیر اسماعیل کا سو عصبہ اور اخوالمیت کی وجہ سے باقی ایک تہائی کا حقدار ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

وإذا وهب الاب لابنه الصغير هبة ملكها الابن بالعقد؛ لانه فی قبض الاب فینوب عن قبض الهبة۔ (هدايه ج٤ /ص ٢٧١) وافاد انها للصغيرين تصح لعدم المرجح لسبق قبض احدهما وحيث اتحد وليهما فلا شيوع فی قبضه، ولا يرد ما نقل عن الخزانة من قوله:ولو تصدق بداره علی ولدين له صغيرين لم يجز، لانه مخالف لما فی المتون والشروح من قولهم ان الهبة لمن له عليه ولاية تتم بالعقد، سايحانی۔اھ۔من التكملة، وفی التنقيح بعد كلام ما نصه: وبهٰذا يظهر انهما لو كانا صغيرين وكانا فی عيال الواهب او كانا ابنين له تصح الهبة لتحقق قبضه لهما بمجرد العقد، فلا سبق لاحدهما علی الآخر، ثم هذا كله اذا لم يكن الموهوب لهما فقيرين، فلو كانا فقيرين صحت علی ماسيأتی عقيب هذا۔اھ۔ (الفتاوی الكاملية١٨٥،١٨٦ فی الحوادث الطرانبلسية)

عفومہر پرصرف دوعورتوں کی شہادت

[۵۴۲] سوال: ایک شخص مرگیااس وقت دوعورتیں بیٹھی تھیں جومرحوم کی بیوی سے بولیں کہ اپنے شوہرکومہر معاف کردو،عورت نے معاف کیا،اب تقسیم میراث کے وقت مہر کا مطالبہ کرنے لگی، ورثہ نے معافی کادعویٰ کیا،عورت نے معافی سے انکارکیا،اب معافی پرصرف وہی دوعورت گواہ ہیں،ان کے سوادوسرا کوئی معافی سے واقف نہیں،تواس صورت میں عورت کامہر ساقط ہوا کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛جب کہ شوہر کے ورثہ ابراء ومعافیٔ مہر کے مدعی ہیں اورعورت انکاری ہے،تومرحوم کے ورثہ شرعی شہادت سے اپنادعویٰ ثابت کریں ورنہ عورت عدم معافی مہر کا حلف اٹھا کراپنے مہر کے وصول کرنے میں حق بجانب ہوجائے گی،رہی دوعورتوں کی شہادت تواگرچہ بعض

واقعات اس قسم کے ہیں کہ جن پر مردوں کی اطلاع میں دشواری ہونے کی وجہ سے محض عورتوں کی گواہی معتبر ہوجاتی ہے؛ مگر موجودہ صورت ان میں سے نہیں ہے بلکہ یہ ایک مالی معاملے میں شہادت ہے جس میں دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں کے سوا محض عورتوں کی شہادت معتبر نہیں ہوسکتی ہے۔لقولہ تعالی: ﴿واستشهدوا شهيدين من رجالكم فان لم يكونا رجلين فرجل وامرأتان ممن ترضون من الشهداء﴾ (الآية)

شوہر کی وفات کے بعد اس کی جاگیر پر بیوی کا دعویٰ ہبہ کرنا

[۵۴۳] سوال: زید نے اپنی جائداد میں سے ایک حصہ اپنی بیوی کے نام ہبہ کیا، چند سال کے بعد گذر گیا، تو کیا از روئے شرع اس کی عورت کو مقررہ مہر کے ساتھ وہ حصۂ جائداد بھی ملے گا کہ نہیں؟ نیز اس کے علاوہ دیگر ورثہ کے ساتھ وہ باقی ترکہ میں حصہ پاسکتی ہے یا نہیں؟ ورثہ میں ایک بھائی، ایک بہن اور یہ بیوی ہے، جائداد کا وہ حصہ اس وقت بیوی کے قبضہ میں ہے۔

الجواب: وباللہ التوفیق: مذکورہ عورت کو مقررہ مہر اور چوتھائی حصہ میراث کا حق ثابت ہے، اور موہوبہ حصہ اگر صحت میں ہبہ ہوچکا تھا اور مذکورہ عورت کو شرعی قبضہ مل چکا تھا تو وہ حصہ بھی اس کو ملے گا، اور اگر مرض موت میں ہبہ کیا تھا یا صحت میں ہبہ کیا تھا مگر شرعی قبضہ نہ ہوا تھا تو وہ حصہ باقی ترکہ میں شامل ہوکر کل ترکہ مندرجہ ذیل طور سے ورثہ میں تقسیم ہوگا۔

میت: مسئلہ۴ زید

زوجہ	اخت	اخ
۱	۱	۲

مرحوم کا کل ترکہ بعد ادائیگی حقوق مقدمہ علی الارث چار حصے کرکے ایک ایک حصہ زوجہ اور اخت کو ملے گا، اور دو حصے اخ کو ملیں گے۔﴿ولهن الربع مما تركتم ان لم يكن لكم

ولد﴾الآية (نساء٢) وتبطل هبة المريض ووصيته لاجنبية نكحها بعدها (لان المعتبر القرابة وقت الموت) (مجمع الانهر ج٢/ص٦٨٧) وتتم بالقبض الكامل (ثم قال بعد بيان القبض الكامل) وفی الفصولين هبة المريض تبطل بموته قبل التسليم إذ الهبة فی المرض، ولو كانت وصية حتى تعتبر من الثلث؛ لكنها هبة حقيقة فلا بد من القبض ولم يوجد.اھ.(مجمع الانهر ج٢/ص٥٢٤)

شوہر کی وفات کے بعد بیوی کا اپنا مہر معاف کرنا

[۵۴۴] سوال: بعض جگہ یہ رواج ہے کہ شوہر کی تکفین کے بعد عورت مجمع میں تین بار بآواز بلند کہتی ہے کہ میں نے شوہر کو اپنا مہر معاف کر دیا، اس کے متعلق عام اعتقاد ہے کہ مہر معاف نہ ہوا اور شوہر کو قیامت میں اس سے چھٹکارا نہیں ہوتا تو شرعاً کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ عورت اگر حیات شوہر میں یا بعد مرنے کے اپنی خوشی سے مہر معاف کر دے تو قیامت میں مواخذہ نہ ہوگا؛ کیوں کہ مہر عورت کا حق ہے جب چاہے اپنی خوشی سے معاف کر سکتی ہے۔والفرق ان الرضاء شرط جواز الهبة۔ (وقال بعد اسطر) رجل مات فوهبت مهرها منه امرأته صحت هبتها، و برئ الزوج لان الدين لا يسقط بالموت وقبول المديون ليس بشرط لجواز الهبة فصحت الهبة.اھ.(خانيه بر عالمگیری ج٣/ص٢٨١ زكريا)

بیوی کو بخشش دینے کے بعد واپس لے لینا

[۵۴۵] سوال: ایک شخص نے ادھیڑ عمر میں دوسرے شخص سے اس کی لڑکی سے نکاح کی

درخواست کی، نکاح ایک سو ساڑھے ستائیس روپیہ مہر مقرر ہوا، مگر اس کے ساتھ کچھ شرط لگائی کہ شوہر کچھ پیسے اور کچھ زیور وغیرہ بھی دے جس کی قیمت مہر سے بھی زائد ہے، مرد نے منظور کر لیا، نکاح کے دفتر میں صرف مہر درج کیا اور باقی چیزیں حسبِ شرائط عورت کو سپرد کر دی گئی، اب عورت چونکہ تقریباً دیوانی ہوگئی ہے اس لیے شوہر ان اشیا کو طلب کرنا چاہتا ہے جو مہر کے علاوہ دی گئی ہیں تو شرعاً اس کو ان اشیا کا مطالبہ کرنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: نہیں، اس واسطے کہ مندجہ اشیاء بظاہر مہر پر زائد کی گئی ہیں اور مہر میں زیادتی جائز ہے، لہٰذا وہ مہر میں شامل ہوگئی اور اگر مہر میں داخل نہ ہوں تو شوہر کی طرف سے اپنی بیوی کو بطور ھبہ و بخشش دی گئی ہیں، اور جب عورت نے اس پر قبضہ کیا تو اس کی ملکیت ہوگئی، بہر حال اب مرد کو واپس لینے کا حق نہیں، ہاں اگر نکاح کے وقت اس بات کی تصریح کی گئی تھی کہ مہر وہی ہے جو دفتر میں موجود ہے باقی چیزیں مرد کی ملکیت ہیں جو عورت کے پاس بطور عاریت وامانت رہے گی تو اس صورت میں اس کو اپنی امانت کے لینے کا ہر وقت حق رہے گا۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔۔

الزیاد ۃ فی المھر صحیحۃ حال قیام النکاح عند علمائنا الثلث، کذافی المحیط۔ (عالمگیری ج ۱/ص ۳۱۲)

قال فی النھر: واقول وینبغی ان لا یقبل قولہ ایضاً فی الثیاب المحمولۃ مع السکر ونحوہ للعرف۔اھ۔ قلت: ومن ذالك ما یبعثہ الیھا قبل الز فاف فی الاعیاد والمواسم من نحو ثیاب وحلی، وکذا ما یعطیھا من ذالك او من الدراھم او دنانیر صبیحۃ لیلۃ العرس ویسمی فی العرف صبحۃ، فان کل ذالك تعورف فی زماننا کونہ ھدیۃ لا من المھر ولا سیماً المسمی صبحۃ، فا ن الزوجۃ تعوضہ عنھا ثیاباً ونحوھا صبیحۃ العرس ایضاً۔اھ۔(شامی ج ٤ /ص ۳۰۳ زکریا)

باپ کا بیٹے کو بغیر قبضہ دئے ہبہ کرنا

[۵۴۶] سوال: ایک شخص نے اپنے لڑکے کو کچھ حصہ جائداد کا بخشش کیا مگر اس کو قبضہ نہیں دیا اور مر گیا، اس کے بعد ورثہ سے ہبہ شدہ کے علاوہ مطالبہ کرتا ہے تو کیا یہ مطالبہ اس کا صحیح ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اس ہبہ کا حکم لڑکے کے بلوغ وعدم بلوغ پر موقوف ہے، اگر لڑکا بالغ، عاقل تھا تو ہبہ کی تمامیت کے لیے مذکورہ جائداد اپنی ملکیت سے علیحدہ کر کے لڑکے کے قبضہ میں دینا ضروری تھا، اور چوں کہ ایسا نہیں کیا، لہٰذا ہبہ درست نہ ہوا اور مذکورہ جائداد دوسری ملکیت کے ہمراہ ملا کر ورثہ میں شرعی تقسیم سے تقسیم کیا جائے گا۔

اور اگر لڑکا اس وقت عاقل، بالغ نہ تھا بلکہ صغیر تھا تو اگر چہ اس جائداد کو لڑکے کے قبضے میں نہیں دیا ہو جب بھی والد کا قبضہ لڑکے کا قبضہ تصور ہوگا، اور ہبہ درست ہوگا۔

تنبیہ: لڑکے کا بلوغ: احتلام، انزال، احبال سے ظاہر ہوتا ہے، جو بارہ برس سے پندرہ برس کے درمیان واقع ہوتا ہے، اور پندرہ برس پورے ہونے پر اگر مندرجہ علامات سے کوئی علامت نہ پائی جائے تو پھر لڑکا حکما بالغ تصور کیا جائے گا، مندرجہ احکام تمام کتب فقہ میں موجود ہے، مثلاً: ہدایہ ج ۴/ص ۲۷۱، مجمع الانھر ج ۲/ص ۵۲۴، بحر الرائق ج ۷/ص ۲۸۸، مجمع الانھر ج ۲/ص ۵۶۸۔

ختنہ اور نکاح کی مجلس میں بچوں کو دئے جانے والے ہدایا کا مالک کون ہے؟

[۵۴۷] سوال: لڑکے کے ختنے میں جو مجلس منعقد ہوتی ہے اس میں احباب مدعو کئے جاتے ہیں، اسی طرح بچوں کے ولیمہ یا نکاح میں احباب مدعو کئے جاتے ہیں، اس قسم کی مجلس میں احباب ان بچوں کو بطور ہدیہ کوئی چیز دیتے جو نقد یا کپڑا یا زیور وغیرہ کی صورت میں ہوتی ہیں، تو یہ چیزیں بچے کی ملکیت تصور کی جائیں یا باپ کی یا ماں کی، اسی طرح سفر سے احباب تشریف لاتے ہیں اور

دوستوں کے گھروں میں مختلف چیزیں بطور تحفہ بھیجتے ہیں تو یہ کس کی ملکیت تصور کی جائے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مندرجہ چیزوں کے دینے والے نے دیتے وقت اگر تصریح کی ہو کہ یہ چیز فلاں شخص کے لیے ہے تو وہی مالک تصور کیا جائے گا، اور دینے والے تصریح نہ کی ہو تو بعد میں دریافت کیا جائے، اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو چیز کی حیثیت کو دیکھ کر مالک کو معلوم کریں، مثلاً: بچوں کے کھلونے یا بچوں کے لیے مناسب چیزیں ہوں تو وہ بچوں کی ملکیت تصور کریں، اور اگر بڑے آدمی کے مناسب چیز ہو مثلاً جبہ یا عمامہ ہو تو باپ کی ملکیت تصور کریں۔ اور اگر عورتوں کی مخصوص چیزیں مثلاً زیورات کپڑے وغیرہ ہوں تو ماں کی ملکیت تصور کی جائے، اور اگر کسی قسم کی تصریح نہ ہو اور چیز ایسی ہو کہ سب استعمال کر سکتے ہیں مثلاً پیسہ ہے یا جانور ہے جس کو بڑا، چھوٹا مرد، عورت سب مالک بن سکتے ہیں تو دینے والے کے تعلق کو دیکھنا چاہیے اگر باپ کے اقارب واحباب سے ہے تو چیز باپ کی ہے، اوور اگر ماں کے اقارب واحباب سے ہیں تو ماں کی ملکیت تصور کی جائے۔
(مجمع الانہر ج ۲/ص ۵۲۶، لسان الحکام ۲۳۵ مبحث الھبۃ، شامی ج ۴/ص ۴۰۴)

اولاد کو ہبہ دینے میں تسویہ کرنا

[۵۴۸] **سوال:** اپنی اولاد میں کچھ بخشش کے طور پر جائداد دینا ہو تو اگر ان میں کمی بیشی سے تقسیم کرنا چاہے تو ایسا کرسکتا ہے یا سب کو برابر رکھے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر فضل وکمال اور حسن سلوک میں سب برابر ہو تو والدین کو یہی چاہیے کہ بخشش میں فرق نہ کریں؛ بلکہ سب کو مساوی طور سے بخشش کرنا چاہیے، یہاں تک کہ لڑکا، لڑکی میں مساوی رکھے، اور اگر انہیں علم وفضل یا دیگر قسم مرجحات موجود ہوں تو پھر اہل فضل وصلحاء کو نالائقوں اور فاسقوں پر ترجیح دینا چاہیے؛ بلکہ علماء کہتے ہیں کہ فاسق وفاجر اولاد کو ان کے خرچ خوراک سے

زائد کچھ دینا نہیں چاہیے؛ تاکہ ان کو دینے سے اعانت علی المعصیت کا مرتکب نہ بننا پڑے، یہ جو کچھ اہل فضل وصالحوں کو ہبہ وبخشش میں ترجیحات لکھے گئے ہیں یہ افضلیت کے لیے ہے ورنہ نفس جواز تو ہر طرح ہے، خواہ افضل طریقے کو معکوس بھی کر لیے تب بھی باکراہت درست ہوگی۔ مبحث ہبہ شامی سے اور مجمع الانہر سے لیا گیا ہے، اور لسان الحکام ۲۳۴ پر مفصل موجود ہے۔ (خانیہ برعالمگیری ج۳/ص۲۷۹)

عمریٰ میں معمرلہ ہمیشہ کا مالک ہوگا

[۵۴۹] سوال: زید نے اپنی صحت اور حیاتی میں اپنی ملکیت میں سے کچھ جائداد اپنی عورت کو دیدی اور یہ شرط لگائی ہے جب تک زندہ رہے گی اس کو کھاتی جانا اور تیرے مرنے پر پھر میرے ورثہ کی ملکیت تصور ہوگی، اب زید گذر گیا ہے اور اس جائداد میں ورثہ حق مانگتے ہیں، اور عورت اس ملکیت کے علاوہ دوسری ملکیت میں بھی حق میراث مانگتی ہے تو یہ متنازع ملکیت کس کی تصور کی جائے اور زید کے ترکہ کو ورثہ میں کس طرح تقسیم کیا جائے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جو حصہ جائداد شوہر نے اپنی بیوی کو عمر بھر کے لیے دیا ہے وہ حصہ تو ہمیشہ کے لیے عورت کی ذاتی ملکیت تصور کی جائے گی اس میں زید کے دیگر ورثہ کو کوئی حق نہیں، اور اس کے باقی جائداد میں عورت اور دیگر ورثہ شرعی استحقاق سے حقدار ہوں گے۔ وتنعقد هبة بوهبت، و اعمرتك هذا الشئی لقوله عليه السلام: "من اعمر عمری فهو للمعمرله ولو رثته من بعده" ولان العمریٰ تمليك للحال، فثبت الهبة ويبطل ما اقتضاه من شرط الرجوع ولذا لو شرط الرجوع صريحاً يبطل شرطه ايضاً كما لوقال وهبتك هذا العبد حياتك أو حياته او اعمرتك داری هذه حياتك او

اعطيتها حياتك او وهبت هذا العبد حياتك فاذا مت فهو لي واذا مت فهو لورثتي فهذا تمليك صحيح وشرطه باطل۔(مجمع الانہر ج ٢ / ص ٥٢٤)

اگر عورت مرد سے کوئی چیز لے کر اس کے عوض مہر معاف کردے تو معاف ہوجائے گا؟

[٥٥٠] سوال: اگر عورت مرد سے کوئی چیز لے کر اس کے عوض اپنا مہر معاف کردے تو اس سے مہر معاف ہوجائے گا کہ نہیں؟ اور پھر مرد کو اس چیز میں تصرف کرنے کا حق رہے گا کہ نہیں؟ اور یہ معافی بغیر حضور گواہ ہوسکتی ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ میاں بیوی جب کہ کسی مال پر بعوض دین مہر رضامندی سے مصالحت کرلے اور عورت اس چیز کے عوض مہر چھوڑ دے تو یہ مصالحت درست ہے، اور شوہر پر اس چیز کی حوالگی کے بعد نہ عورت کو مہر کے مطالبہ کا حق رہے گا اور نہ شوہر کو اس چیز میں بلا رضامندی عورت تصرف کرنے کا حق رہے گا، رہا مسئلہ شہادت تو نفس مصالحت یا معافی کے لیے تو حضور شہود کی صراحت نہیں ہے مگر چوں کہ آئندہ اس احتمال سے کہ شاید عورت معافی سے انکار کردے تو قاضی کے پاس ثبوت کے لیے شہود کی ضرورت پڑے گی اس خیال سے بہتر ہے کہ مصالحت یا معافی بحضور شہود ہو؛ تاہم اگر بلا حضور شہود معافی ہوئی تو دیانۃً اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ والصلح بالاقرار كالبيع في احكامه ان وقع عن مال بمال قال عليه السلام: الصلح جائز فيما بين المسلمين إلا صلحا احل حراما وحرم حلالاً۔اھ۔(مجمع الانہر ج ٢ / ص ٥٠٢)

زبانی مہر معافی سے مہر کا معاف ہونا

[۵۵۱] سوال: مرد نے عورت سے مہر کی معافی طلب کی تو عورت نے کہا کے مرتے وقت معاف کروں گی، اس کے چند دن بعد مرد نے عورت سے محبت اور خوشی کے اظہار کے حالت میں مہر کی معافی طلب کی، عورت نے کچھ گفت وشنید کے بعد شرم یا محبت یا مروت میں آ کر مہر معاف کی، مگر ارادہ یہ تھا کہ مرتے وقت معاف کروں گی تو کیا اس طرح معافی سے مہر معاف ہوگی یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ معاملات میں احکام کا تعلق زبان سے ہوتا ہے نہ کہ قلب سے، بنابریں قاعدہ جب کہ عورت نے بظاہر رضا وخوشی سے مہر معاف یا ھبہ کردی تو مہر معاف ہوگی اور شوہر مہر سے بری الذمہ ہوگیا، اور عورت کے قلبی ارادہ کا اعتبار نہ کیا جائے گا جب تک یہ ثابت نہ ہو جاے کہ عورت معافی پر مجبور کی گئی تھی۔ رجل قال لآخر علی وجه المزاح هب لی هذا شیء، فقال الآخر: وهبت، وقال هوقبلت ویسلم الیه، جاز۔اه۔(خلاصة الفتاوی مع مجموعة الفتاوی کشوری ج ٤ /ص ٣٩٥)

مشروط ہبہ/ ابراء غیر معتبر ہونا

[۵۵۲] سوال: جب کہ ایک عورت بلاعوض یا باعوض شوہر کو اپنا مہر اس شرط پر معاف کردے کہ اگر شوہر مستقبل میں اس کو طلاق دیدے تو عورت کو اپنے مہر کی واپسی اور معافی کا اختیار رہے گا، اور اگر دونوں میں سے کوئی گزر جائے تو بھی مہر معاف ہوگی، تو کیا اس طور سے معاف کرنے سے مہر معاف ہوگی یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مہر کا بلاعوض معاف کرنا یا تو ہبہ ہے یا ابراء، اور باعوض معاف کرنا صلح ہے، اور ہبہ اور صلح تو بلا شرط یقیناً درست ہے، اور مشروط بشرط صحیح ہو تو اس کا تحقق بوجود شرط ہوتا

ہے،مگر وجود شرط کے وقت جانبین کی اہلیت کی ضرورت ہے،اس تمہید کے بعد ہبہ یا صلح کو موت احد الزوجین پر مشروط کرنا مشروط علی خطر کے علاوہ زمانۂ غیر اہلیت پر موقوف رکھنا ہے جو درست نہیں ہے، ہاں البتہ طلاق نہ دینے کی شرط درست ہے،اوراس شرط پر معافی بھی درست ہوگی، پس اگر شوہر نے شرط کی ایفاء کی تو مہر معاف ہوگی ورنہ عورت کو مہر کے مطالبہ کرنے کا حق رہے گا۔

رجل قال لامرأته ابرئني من مهرك حتى اهب لك فابرأته، وابى الزوج ان يهب لها شيئا، قال نصير رحمة الله عليه: لا يبرأ الزوج من المهر. (خانية بر عالمگيری ج ١ /ص ٣٨٠) والمختار انّ المهر يعود: لانها وهبت بشرط العوض فاذا انعدم العوض انعدم الرضاء، والهبة لا تصح بدون الرضاء، وعلى هذا لو قالت وهبت مهری منك على ان لا تطلقنی او على ان تحج بی او على ان تهب لی كذا، وان لم يكن هذا شرطا فی الهبة لا يعود المهر.اه.(خلاصة الفتاوٰی مع مجموع الفتاویٰ كشوری ج ٤ /ص٣٩٦)

اپنی لڑکی کے لیے وصیت کرنا

[۵۵۳] سوال: ایک شخص بیمار ہےاور تین لڑکوں اور ایک لڑکی میں اس کی خدمت لڑکی نے بہت کی،اس لیے وہ کچھ رقم لڑکی کے نام مقرر کرنا چاہتا ہے،اور ایک امین کے ہاتھ رکھ کر یہ وصیت کرنا چاہتا ہے کہ وہ میرے مرنے کے بعد لڑکی کے لیے کوئی آمدنی کی چیز خریدے تو یہ جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر اپنی صحت وتندرستی میں یہ شخص وہ مال لڑکی کو بخشش کر کے لڑکی کو قبضہ شرعی کرادے تو وہ مالک ہو جائے گی،اور اگر مرض موت میں مذکور رقم کی محض وصیت کرنا چاہتا ہے جیسا کہ سوال سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے تو یہ وصیت للوارث ہے اور وصیت للوارث بغیر رضامندیٔ

ورثۂ دیگر درست نہیں ہے، اس لیے وصیت لغو ہوگی، اور وہ مال دیگر مال کے ساتھ شرعی حصص سے حقدار ورثہ میں تقسیم ہوگا۔ وهب مريض ولم يسلم حتى مات بطلت الهبة لانه وان كان وصية حتى اعتبر فيه الثلث فهو هبة حقيقة فيحتاج الى القبض۔ (بزازية ج٣/ص٢١٧) كذا في (العالمگيری ج٤/ص٤٠٧) ولا لوارثه لقوله عليه السلام: ان الله قد اعطى كل ذى حق حقه الا لا وصية لوارث آه۔ (مجمع الانهر ج٢/ص٦٨٦)

تاحیات لڑکی کو جائداد دینا اور بعد موت واپسی کی شرط لگانا

[۵۵۴] سوال: (۱): ایک شخص نے اپنی لڑکی مریم کو کچھ جائداد بطور پوشن (تاحیات گذارہ کے لیے) دے دی تو اس جائداد میں مریم کے گذر جانے کے بعد مریم کے شوہر کو حصہ ملے گا یا نہیں؟

(۲): مریم کے والد نے اپنے لڑکے اسماعیل کو مرنے کے وقت یہ وصیت کی تھی کہ مریم کی جو جائداد پوشن کے طور پر دے دی ہے، وہ جائداد مریم کے مرنے کے بعد تم لے لینا، یہ وصیت درست ہے کہ نہیں؟ کیوں کہ اس وصیت میں یہ لفظ ہے کہ جو جائداد میں نے مریم کو پوشن کے طور پر دے دی ہے، وہ میں نے مریم کے مرنے کے بعد اسماعیل کو ہبہ کیا ہے۔

(۳): مریم نے اپنے بھائی اسماعیل سے کچھ رقم لے کر دوسرے بھائی محمد کے ساتھ حج کو گئی تھی، اس کے بعد محمد مر گیا جس کا ورثہ اب تک تقسیم نہ ہوا تھا، تو مریم نے اسماعیل کو یہ وصیت کی کہ بھائی محمد کے ورثہ میں جو حصہ مجھ کو ملتا ہے وہ تم کو ہبہ کرتی ہوں بعوض اس رقم کے جو تو نے مجھ کو حج کے لیے دی تھی، یہ وصیت درست ہوگی کہ یا نہیں؟

(۴): مریم کے گزرنے پر اس کے وارث تین رہے: ایک اسماعیل بھائی، ایک فاطمہ

بہن، ایک شوہر تو اس کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛(۱): پوشن یعنی تاحیات گزارا کے لیے جائداد دینا جس کو عربی میں (عمریٰ) کہتے ہیں ہبہ کے حکم میں ہے، جس کا موہوب لہ ہمیشہ کے لیے بعد قبضہ شرعی مالک ہوجاتا ہے۔اس بناپر اگر باپ نے مریم کو وہ جائداد اپنی صحت اور تندرستی میں دے دی ہو اور مریم کا اس پر شرعی قبضہ ہوگیا ہو تو وہ جائداد مریم کی ملکیت ہوگی جو مریم کے بعد اس کے وارثوں میں تقسیم ہوگی، اور شرط کے مطابق مریم کے بعد واپس نہ ہوگی۔لقوله علیه السلام: "من اعمر عمریٰ فھو للمعمر له ولو رثته من بعده" اھ۔ (مجمع الانھر ج ۲ / ۵۲۴)

(۲): مذکورہ جائداد اگر مذکورہ بالا طریقہ سے مریم کے قبضے میں دے چکے ہوں تو وہ ہبہ ہوگی اور چوں کہ ذوی الارحام کے ہبہ میں رجوع درست نہیں اس واسطے مرحوم کا اپنے لڑکے اسماعیل کو واپسی کی وصیت ہی لغو ہوگی اور جائداد بدستور مریم اور اس کے بعد مریم کے وارثوں کو ملے گی، اور اگر مذکورہ جائداد مریم کے قبضے میں نہیں دی گئی ہو بلکہ پوشن دینے کے متعلق اپنے لڑکے اسماعیل کو محض وصیت کی گئی ہو تو چوں کہ مریم مرحوم کی لڑکی یعنی وارث ہے اور وارث کو دیگر ورثاء کی اجازتِ معتبر کے بغیر وصیت درست نہیں، اس لیے یہ وصیت ہی نافذ نہیں ہوگی، اور مذکورہ جائداد بدستور مریم کے والد کی ملکیت متصور ہوگی جو اس کے مرنے پر حقدار وارثوں میں تقسیم ہوگی۔فلا رجوع فیما وھب لذی رحم محرم۔اھ۔(مجمع الانھر ج ۲ / ص ۵۲۸)

الوصیة تملیك مضاف الی مابعد الموت بطریق التبرع سواء کان عیناًاو منفعة (ثم قال) ومن شرائطھا:کون الموصیٰ له اجنبیاًحتی لاتجوز الوصیة للوارث الا باجازة بقیة الورثة۔(مجمع الانھر ج ۲ / ص ۶۸۵)

(۳): مذکورہ ہبہ دو طریقہ سے درست نہیں، اول یہ کہ محمد کی میراث تقسیم نہیں کی گئی ہے، تو

اس صورت میں مریم کا حصہ دیگر بھائی بہن کے ساتھ مشترک ہے اور مشترک ہبہ کے حصے قبل القسمۃ درست نہیں، دوم یہ کہ مریم نے ہبہ کی وصیت کی ہے اور وصیت وارث کو درست نہیں جیسا کہ ابھی گزرا، ہاں اگر اسماعیل یہ ثابت کرے کہ مریم کو میں نے رقم بطور قرض دی تھی تبرع نہ تھی تو اس صورت میں وہ مریم کے مال میں اپنے دین وصول کرنے کا حقدار ہوگا۔

(۴):

مسئلہ۲	عولہ۶	
زوج	اخ	اخت
۱/۳	۲	۱

مرحومہ کا ترکہ چھ۶ حصے کر کے تین زوج کو دو بھائی کو ایک بہن کو دیدئے جائیں۔

ہبہ جائداد بوارث

[۵۵۵] سوال: مریم نے اپنی صحت میں اپنے اسمعیل بھائی کو ساری جائداد ہبہ کر کے قبضہ میں دے دی ہے تو اب اس کے دیگر وارثوں کا اس میں حق باقی ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: مرض موت کا ہبہ تو وصیت کے حکم میں ہوتا ہے جو وارث کو بلا رضامندیٔ ورثۂ دیگر درست نہیں، مگر صحت میں ہر شخص کو حق ہے کہ اپنا کل مال یا بعض مال وارث یا غیر وارث کو بخش دے، ہاں یہ دوسری بات ہے کہ اگر دیگر ورثہ نیک اور محتاج ہوں تو ان کو ایک دم محروم کرنا ایک گناہ کی بات ہے، مگر صحت میں شک نہیں، اس لیے جب مریم نے اپنی صحت اور تندرستی کے زمانہ میں ساری جائداد بھائی اسمعیل کو ہبہ کر کے قبضہ میں دے دی، تو اسماعیل اس کا مالک ہوگیا، دوسرے ورثہ کا اب اس میں حق نہ رہا۔ ولا تصح الوصیة لوارث الا باجازۃ الورثۃ

(الی ان قال) والهبة والصدقة من المريض لوارثه نظير الوصية۔ (مجمع الانهر ج٢/ص٢٨٦، ٦٨٦، ٦٨٧) رجل وهب فی صحته كل المال للولد جاز فی القضاء ويكون آثما فيما صنع۔ كذا فی فتاوى قاضيخان۔(عالمگیری ج٤/ص٣٩١)

بعداز ہبہ انکاراز ہبہ

[٥٥٦] سوال: ایک شخص نے دوسرے کوکوئی مال ہبہ کردیا مگر کچھ عرصہ کے بعد واپسی کا مطالبہ کرنے لگا اور کہا کہ میں نے وہ مال ہبہ نہیں کیا تھا؛ بلکہ تیرے پاس بطور ودیعت وامانت رکھا تھا تو اس صورت میں اس کو مذکور مال کی واپسی کا حق رہے گا کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر سامنے والے کے پاس ہبہ پر شرعی ثبوت نہیں تو ہبہ کرنے والا ودیعت کے لیے حلف اٹھا کر سچا تسلیم کیا جائے گا، اور مذکور مال واپس لے لے گا، اور اگر سامنے والا ہبہ کے متعلق شرعی ثبوت پیش کردے تو وہ سچا تسلیم کیا جائے گا۔ واللہ اعلم۔

رجل وهب لرجل متاعا ثم قال انما كنت استودعتك فالقول قول صاحب المتاع مع يمينه، واذا حلف اخذ المتاع۔اه۔(الباب التاسع من هبة العالمگيرية ج٤/ص٣٩٨)

رعایا کے معابد کے لئے غیر مسلم حکومت کا مدد کرنا

[٥٥٧] سوال: غیر مسلم حکومت وقت اپنی مسلم وغیر مسلم رعایا کے معابد کے لئے کچھ رقم سالانہ یا ماہواری دیتی ہے جو معابد کی ضروریات میں صرف کی جاتی ہے، اب اس رقم کو جو مسجد میں دی جاتی ہے اس کو امام مؤذن کے مصارف واخراجات میں دے سکتے ہیں کہ نہیں؟ حکومت انہی مصارف

کے لئے دیتی ہے تو کیا متولی ان مصارف میں صرف کریں یا اور کسی مصرف میں لگائیں؟ اور لیں یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اول تو یہ سمجھنا چاہئے کہ کفار کے وہ اوقاف جو ایسے امور میں وقف کئے جائیں جو ہمارے اور ان کے نزدیک بھی جہۃ قربت اور ثواب ہوں تو یہ اوقاف یقیناً درست اور جائز ہیں۔

دوم یہ کہ جو عطایا اور ہدایا جو کفار مسلمانوں کو دیتے ہوں اگر ان کے خیال میں یہ نہ ہو کہ مسلمان پیسے کے لئے لڑتے ہیں اس لئے اس عطیہ سے یہ چپ ہو جائیں گے، یا یہ خوف نہ ہو کہ اگر ہم ان سے ان کے ہدایا قبول کریں تو جو شدت اور وقار ہمارے دلوں میں ان کے نسبت ہے اس میں کمی آئیگی، تو ان ہدایا اور عطایا کو لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

اب مندرجہ رقم وقف تو نہیں ہو سکتی ہے کیونکہ وہ خرچ کے لئے دی جاتی ہے تاہم اگر وقف ہوتی تو بھی صحیح ہے اور اگر عطیہ اور ہدیہ ہے اور مسلمانوں کے قلوب میں اس کے لینے سے اسلامی سختی اور وقار میں کسی قسم فرق نہیں آتا ہے تو بھی لینا درست ہے۔ خصوصاً حکومت کا اپنے رعایا کے معابد کے لئے رقوم دینا دراصل یہ ان ٹیکسوں کا ایک حصہ ہوتا ہے جو حکومت رعایا سے وصول کرتی ہے۔ لہٰذا وہ دراصل مسلمانوں کی ملکیت تھی جو دوبارہ مساجد کی اعانت کی صورت سے دی گئی اس لئے اس کے لینے میں کسی قسم ممانعت نظر نہیں آتی ہے۔ اور متولی اس کو مندرجہ ضروریات میں صرف کر سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

و شرط وقفه (الذمی) ان یکون قربة عندنا و عندهم (الی ان قال) بخلاف ما لو وقف علی مسجد بیت المقدس صح لانه قربة عندنا و عندهم (مجمع الانهر ج١/٣٤٥) و قال فی العالمگیریة بعد ما نقل الاختلاف فی

اخـذ هـدايـا الـكفار۔ و ما روى انه قبلها محمول على انه قبل من شخص غلب علـى ظـن رسـول الـلـه انـه وقع عند ذالك الشخص ان رسول الله ﷺ انما يـقـاتـلهـم لاعزاز الدين و لاعلاء كلمة الله العليا لا لطلب المال۔ و قبول الهدية مـن مثـل هـذا الشخص جائز فى زماننا ايضاً و من المشائخ من وفق من وجه آخـر فـقـال لـم يـقبل من شخص علم انه لو قبل منه يقل صلابته و عزته فى حـقـه و يلين له بسبب قبول الهدية و قبل من شخص علم انه لا يقل صلابته و عـزتـه فـى حـقه و لا يلين بسبب قبول الهدية۔ كذا فى المحيط (عالمگیری ج۵ /ص۳۴۸)

بیع وشراء مجنون

[۵۵۸] سوال: مجنون کولوگ خیراتی چیزیں دیتے ہیں اوردوسرے لوگ اسے غایت درجہ سستے داموں سے خریدتے ہیں یہ درست ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: زائل العقل مجنون کا تصرف ہی درست نہیں، اور مغلوب العقل جو لین دین کے معنی کو سمجھتا ہے، فائدہ نقصان کو نہ سمجھنے کی وجہ سے نقصان اٹھاتا ہے تو ایسے مجنون کا تصرف ولی یا وصی کی اجازت پر موقوف ہے، بہر حال مذکور صورت میں جو مجنون سے بذاتہ کم قیمت پر خریدتے ہیں یہ تو درست نہیں۔ ولا يـصـح تـصـرف الـمجنون المغلوب بحال، ومن عـقـد مـنهـم وهـو يـعـقـلـه يـجيـزه الـولـى او يفسخـه وتفصيلـه فى (البحر ج۸ /ص۷۸، ۷۹ کوئٹہ)

کتاب الاضحیة والذبائح

قربانی میں مؤکل کی نیت معتبر ہے نہ کہ وکیل کی

[۵۵۹] سوال: ایک شخص دوسرے گاؤں کو روپئے روانہ کرتا ہے اور مکتوب الیہ کو وکیل بنا کر لکھتا ہے کہ اس رقم سے جانور خرید کر قربانی کرنا، تو جتنے لوگوں کی طرف سے قربانی منظور ہیں ان کا نام بھی لکھنا چاہیے یا روپئے بھیجنے والے کی نیت کافی ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ روپئے بھیجنے والے کی نیت کافی ہے؛ کیوں کہ وہی مالک ہے، اور نیت مالک کی معتبر ہے نہ کہ وکیل کی، تاہم مناسب ہوگا کہ مکتوب الیہ وکیل کو جتنے آدمیوں کی طرف سے قربانی کرنی مقصود ہو ان کا عدد لکھ کر یہ لکھدے کہ اس رقم سے جانور خرید کر مثلاً چار یا پانچ آدمیوں کے طرف سے قربانی کردیجئے۔ وکما اذا وکل رجلاً بدفع زکوٰة ماله، ونوى المالك عند الدفع الى الوكيل، فدفع الوكيل بلا نية فانه يجزئه؛ لان المعتبر نية الآمر؛ لانه المؤدى حقيقة.اھ.(البحر الرائق ج ۲ /ص ۲۱۰، والشامی ج ۵ /ص ۲۷۲)

قربانی اور زکوٰۃ میں مالک کی جگہ کا اعتبار ہوگا یا مال کی جگہ کا

[۵۶۰] سوال: ایک شخص ہندوستان میں ہو اور اپنی قربانی مکہ میں کرادے تو اس میں ثواب زیادہ ملے گا؟ اور قربانی ادا ہوگی یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ زکوٰۃ اور اضحیہ میں ان مساکین کا حق ہے جہاں پر آدمی کی ملکیت اور

اضحیہ موجود ہو خواہ اس جگہ پر مالک خود موجود ہو یا اور کسی جگہ پر ہو، اس قاعدے پر جس شخص نے بتوسط وکیل مکہ مکرمہ یا کسی اور شہر میں اضحیہ کے لیے جانور خریدا ہے تو اس کو وہاں پر ہی ذبح کرنا چاہیے اور قربانی ہو جاتی ہے، رہا یہ امر کہ قربانی کا ثواب کہاں پر زیادہ ملے گا؟ تو یہ مصارف اور فقراء کی حاجت اور خلوص نیت پر موقوف ہے، اگر وہاں کے فقراء زیادہ محتاج ہوں تو وہاں کرائے ورنہ یہاں اچھا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

وفی الزکوٰۃ یعتبر مکان المال حتی تصرف إلی فقراء ذلك الموضع وكذا فی الاضحية (ثم قال) الاضحية فی الرستاق والرجل فی المصر يعتبر مكان الاضحية حتى يصرف إلى فقراء ذلك الموضع، اما فی صدقة فطر ولده ورقيقه فيعتبر مكانه لا مكان الولد والرقيق وعليه الفتوىٰ۔اھ۔(خلاصة الفتاوی مع مجموع الفتاوی کشوری (اضحية) ج٤/ص٣١٣)

قربانی کے لیے خریدے ہوئے جانور کا گم ہو جانا

[٥٦١] سوال: قربانی کے لیے گائے پچیس روپئے میں خریدی؛ مگر گابھن نکلی تو مالک نے اس کو فروخت کیا، اب وہ دوسری کو خریدنا چاہے تو ایک خریدے کہ دو، نیز گائے کی قیمت پہلے گائے سے اگر کم ہو تو قربانی ہو گی کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ گائے کا گابھن ہونا جواز اضحیہ میں مانع نہ تھا، تاہم جب مالک نے فروخت کیا، اب اس کے حمل کا لحاظ نہ ہوگا کیونکہ اس کا جزء تھا؛ البتہ جب دوسری گائے خریدنا چاہے تو اس میں یہ لحاظ رہے کہ پہلی گائے سے قیمت میں کم نہ ہوں، زائد ہو تو کوئی مضائقہ نہیں، اور اگر پہلی سے کم قیمت والی سے قربانی کرے تو بھی قربانی ہو جائے گی؛ مگر پہلی کی قیمت جس قدر

بھی زائد ہو اس زائد حصہ کی رقم کا خیرات کرنا لازم ہے۔

ضلت اوسرقت فاشتری أخری ثم وجدها فالا فضل ذبحها،وان ذبح الاولی جاز وکذالثانیة، لوقیمتهاکالاولی او اکثروان قل ضمن الزائد ویتصدق به بلا فرق بین غنی وفقیر۔اھ۔(الدرالمختارمع الشامی ج٥ /ص٢٨٢، عالمگیری الباب الثانی فی وجوب الاضحیة بالنذر)

ایک پستان والی بکری اور ایک خصیہ والے بکرے کی قربانی

[٥٦٢] سوال: ایک بکری ہے اور اس کا ایک پستان نہیں۔اور ایک بکرا ہے اس کا ایک خصیہ نہیں تو ان کا اضحیہ ہوسکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ایک تھن یا ایک پستان والی بکری کا اضحیہ کرنا تو جائز نہیں۔رہا ایک خصیہ والا بکرا تو اس کی تصریح تو کہیں نظر سے نہیں گذری مگر ایک پستان والی بکری پر قیاس کرتے ہوئے یہی درست ہے کہ اس کی قربانی بھی ناجائز قرار دی جائے۔اسی موقع پر ایک دوست مولوی صاحب نے خصی پر دلیل لا کر مجھ سے کہا کہ جب دونوں خصیہ نہ ہوں تو قربانی جائز ہے تو جب ایک موجود ہے تو آپ قربانی ناجائز قرار دیتے ہیں۔تو میں نے جواب دیا کہ خصی جو حدیث میں وارد ہے وہ بلفظ (موجوئین) ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ خصیہ تو ہر دو موجود ہوں مگر ان کی رگیں بے کار کر دی گئی ہوں۔اور بالفرض اگر مان بھی لیا جائے کہ خصی کے معنی منزوع الخصیتین ہے اور چنانچہ اسی قسم خصی کا اضحیہ جائز بھی ہے؛ مگر فقہاء نے اس کے جواز کی جو دلیل لکھی ہے وہ یہ ہے کہ خصی ہونے سے چونکہ قوت جماع سلب ہو جاتی ہے اس لئے وہ فربہ بھی ہو جاتا ہے اور گوشت بھی لذیذ ہو جاتا ہے۔اب میں کہتا ہوں کہ جب ایک خصیہ موجود ہو تو وہ مکافات نقصان جو خصی میں حاصل

ہوتا تھا وہ اس میں حاصل نہ ہوگا۔ کیونکہ ایک خصیہ کے عدم سے عدم قوت جماع کا یقین نہیں کیا جا سکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ اعلم۔

وفی الشاۃ و المعز اذا لم یکن لھما احدی حلمتیھما خلقۃ او ذھبت بآفۃ و بقیت واحدۃ لم یجز۔ آھ (خلاصہ ج ٤ / ٣٢١، شامی ج ٥ / ٢٨٣، عالمگیری ج ٥ / ٢٩٩)

جو قربانی لحیم شحیم اور قیمت میں گراں ہو اس کا افضل ہونا

[٥٦٣] سوال: ایک شخص نے دس روپئے میں قربانی کے لیے گائے خریدی جس میں گھر کے سات آدمی شریک تھے، دوسرے نے بیس روپئے میں ایک بکرا خریدا، بعد ذبح گائے کا مجموعی گوشت تین من پڑا، اور بکرے کا سوا من، اب گائے والا جو ساتویں حصہ میں شریک تھا بکرے والے سے کہتا ہے کہ میری قربانی افضل تھی، اور بکرے والا کہتا ہے کہ میری قربانی افضل تھی؟ تو دریافت طلب امر یہ ہے کہ دونوں میں سے کس کی قربانی افضل ہوئی؟

الجواب: وباللہ التوفیق: اگر گائے والا تنہا اپنی طرف سے گائے قربان کرتا اور اس کی قیمت اور گوشت بکرے سے زائد ہوتا تو گائے والے کی قربانی افضل ہوسکتی تھی؛ مگر یہاں تو وہ ساتویں حصے میں شریک ہے اور جب کہ کل گائے کی قیمت بکرے سے کم ہے، تو ساتویں حصے کی کیا نسبت ہوگی؟ اور قاعدہ یہ ہے کہ قربانی میں تین چیزیں امور مرجحہ ہیں: قیمت کی زیادتی، گوشت کی زیادتی، اور گوشت کی خوبی، اور موجودہ صورت میں بکرے والے کی قربانی ہر سہ امور کے اعتبار سے افضل ہے، لہٰذا بکرے والے کی قربانی ہر حیثیت سے افضل ہوگی۔

والشاۃ افضل من سبع البقرۃ اذا استویا فی اللحم والقیمۃ، فاطیبھما

لحماً افضل، وإذا اختلفا فی اللحم والقیمة فالفاضل اولیٰ۔(عالمگیری ج٥/ص٢٩٩) والتفصیل هناك، وكذا فی القسهتانی ج٢/ص١٩٦، والشامی ج٢/ص٢٨١، والدر المختار مع الطحطاوی ج٤/ص١٦٤، والبحر الرائق ج٨/ص١٧٧، ج٨/ص١٧٤، وغیر ذلك. قال العلماء یستحب للتضحیة الاسمن الاكحل۔(مرقاة ج٢/ص٢٦٦)

فقراء کا قربانی کے گوشت کو فروخت کرنا

[۵۶۴] سوال: ایک شخص کو کسی نے قربانی کا گوشت دیا اور وہ شخص اس کو بیچتا ہے تو یہ جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چوں کہ گوشت کا وہ مالک ہے، اس لیے جس طرح کھا سکتا ہے اسی طرح فروخت کرسکتا ہے۔

کچھوے کا مکروہ ہونا

[۵۶۵] سوال: کچھوا کھانا حلال ہے کہ حرام؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مکروہ تحریمی ہے۔و یکره اکل الضبع و الضب و السلحفاة۔ آھ (هدایه ج٤/٤٢٥)

بچہ کے مرنے کے بعد عقیقہ کرنا

[۵۶۶] سوال: ایک آدمی نے دو بکرے خریدے اس غرض سے کہ بچہ کا عقیقہ کروں گا مگر وہ بچہ گزر گیا، اب ان بکروں کو کیا کرے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛کوئی خاص جزئیہ دستیاب نہ ہوسکا،مگر چوں کہ عقیقہ اکثر امور میں اضحیہ کے مانند ہے اور اضحیہ میں وقت گزرنے کی صورت میں خریدا ہوا جانور زندہ صدقہ دینا چاہیے،اور اگر ذبح کرکے کے اس کے گوشت کو صدقہ کرے تو بھی درست ہے، نیز اس خیال سے کہ بعض مشائخ نے مرہون کے معنی یہ بتلائے ہیں کہ اگر عقیقہ نہ کیا جائے اور بچہ طفلی میں گزر جائے تو والدین کے لیے قیامت میں شفاعت نہ کرے گا،اس روایت کی بناپر احتیاط اسی میں ہے کہ جب بچے کی حیات میں جانور خرید چکا تھا مگر بچہ گزر گیا تو اللہ تعالیٰ نیتوں کو دیکھتا ہے اور عذر کو قبول کرتا ہے،اس لیے بنیت عقیقہ اس جانور کو ذبح کرے اور اللہ سے مقبولیت کی امید رکھے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

بچے کے انتقال کے بعد اس کا عقیقہ کرنا

[۵۶۷] سوال: بچہ کے گزر جانے کے بعد اس کا عقیقہ کرسکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛لازم تو نہیں،اور محض حصول اجر وثواب کی نیت سے کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں،کیوں کہ عقیقہ اور اضحیہ کا حکم ایک ہے اور بچے سے اضحیہ کے متعلق مرنے کے بعد صاحب عنایہ نے جواز لکھا ہے۔

قال الشامی بعد بیان اضحیة النبی علیه السلام عن الامة) قال فی النهایه: وعلی هذا اذا کان احدهم ام ولد ضحی عنها مولاها او صغیراً ضحی عنه ابوه۔ (شامی ج۵ /ص۲۸۵)

مرے ہوئے کا عقیقہ کرنا

[۵۶۸] سوال: مرے ہوئے کا عقیقہ کرنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مرے ہوئے کے عقیقے کے متعلق کوئی ثبوت تو نہیں مگر چوں کہ عقیقہ اکثر احکام میں اضحیہ کے موافق ہے، اور اضحیہ مردے سے بطور ایصال ثواب درست ہے، اس بنا پر اگر حصول ثواب کی نیت سے مردے کی جانب عقیقہ کیا جائے تو بعید نہ ہوگا، خصوصا حدیث میں جو "رهين بعقيقة" سے بعض علماء نے شفاعت بچے کو اس پر موقف بتایا ہے، اس وجہ سے اس جواب کی اور تائید ہوتی ہے۔

مذبوح حلال جانور کے سات اعضاء کا مکروہ ہونا

[۵۶۹] سوال: حلال جانور کے گوشت میں سات چیزیں کھانا منع ہے تو وہ کونسی چیزیں ہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ وہ سات چیزیں یہ ہیں: فرج، خصیہ، ذکر، مثانہ، دم مسفوح، غدود، مرارہ؛ یعنی جو کلیجی میں تلخ پانی کا ظرف ہے جن کو ایک شاعر نے ان حروف میں جمع کر کے بتلایا ہے:

ان الذى من الشاة يحرم يجمعه حروف: "فخذ مدغم" فالفاء اشارة الى الفرج، والخاء إلى الخصية، والذال إلى الذكر، والميم إلى مثانة، والدال إلى الدم المفسوح، والغين إلى غدود والميم إلى المرارة۔ (فتاوى كامليه ۲۳۹)

مور کا شکار کرنا اور گوشت کھانا

[۵۷۰] سوال: مور کا شکار کرنا سنت ہے یا حرام؟ اور اس کا گوشت کھانا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ شکار مطلقا حسب ضرورت مباح ہے، اس میں کسی جانور کی تخصیص نہیں۔ وفى شرح الشامى الاصطياد مباح إلا إذا كان للتلهى۔ (خلاصة الفتاوى ج ٤ /ص ٣٠٠) رہا تخصیص مور تو چوں کہ یہ نہ سباع البہائم اور نہ سباع الطیور میں سے اور نہ دیگر حشرات الارض ہے اس لیے امام ابوحنیفہ کے مسلک پر حلال جانوروں میں داخل

ہے۔ ولا باس باكل الطاؤس وعن الشعبى انه يكره اشد الكراهة وبالاول يفتى كذا فى فتاوى الحمادية۔ (عالمگیری ج ٥ /ص ٢٩٠)

جھینگا، نیوٹے، بوملے کھانا

[۵۷۱] سوال: جھینگا، سونڈھے یا تازے بوملے یا نیوٹے کھانا کیا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چوں کہ یہ سب مچھلیوں کے اقسام ہیں اور مچھلی ہی کہلاتی ہیں، اور فقہاء کے عام حکم یعنی "السمك بجميع اقسامه حلال" (هدايه وغيره) میں یہ بھی داخل ہیں، لہٰذا یہ سارے اقسام مچھلیوں میں داخل اور حلال ہیں۔(امداد الفتاوی ج۲/ص ۱۷۷، مجموع الفتاوی ج۳/ص ۲۰۷) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

جھینگا اور مچھلی کا حکم

[۵۷۲] سوال: جھینگا مچھلی، تازی یا سُکھا کر کے کھانا کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جھینگے کے لیے کوئی خاص حکم تو شریعت میں نہیں آیا ہے مگر قرآن اور حدیث سے مچھلی کی حلت ثابت ہے، اب فقہاء نے اس لفظ کے عموم کے ماتحت مچھلی کی تمام اقسام کی حلت کا حکم دیا ہے، اور چوں کہ ہر قسم مچھلی خواہ تر ہو یا خشک جائز ہے، اور جھینگا بھی مچھلی ہی ہے، لہٰذا یہ بھی حلال ہے۔ وانواع السمك والجراد بلا زكوٰة۔ (هدايه ج ٤ /ص ٤٢٦)

اربیان نوعی از ماہی ست کہ آنرا بہندی جھینگہ میگویند۔(فقہی الادب)

پنجہ اور بے پنجہ ہر دو قسم خرگوش کا حلال ہونا

[۵۷۳] سوال: خرگوش دو قسم کا ہوتا ہے: پنجہ والا، بے پنجہ والا تو کیا پنجہ والا خرگوش بھی حلال ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مطلقاً پنجہ والا جانور حرام نہیں؛ بلکہ وہ پنجے والا حرام ہے جو پنجے سے شکار

اور گرفت کا کام لیتا ہے؛ نیز جہاں مخلب یعنی پنجے کا ذکر حدیث میں آیا ہے اس کے ساتھ من الطیر یعنی پرندے کی قید لگی ہے، اور خرگوش چوپائے میں سے ہے لہٰذا پنجے والا خرگوش اگر بے پنجے والے خرگوش کے مانند گھانس سے غذا حاصل کرتا ہو اور درندگی کا کام نہیں کرتا ہو تو وہ نفس پنجے کی وجہ سے حرام نہیں ہوسکتا ہے؛ بلکہ بے پنجے والے خرگوش کی طرح حلال ہے۔ لان النبی علیه السلام نهی عن اکل ذی مخلب من الطیور، وکل ذی ناب من السباع، وقوله من السباع ذکر عقیب النوعین فینصرد فالیهما فیتناول سباع الطیوروالبهائم لاکل ماله مخلب او ناب.اه.(هدایه ج٤ /ص٤٤٠) ولا باس باکل الارنب لان النبی علیه السلام اکل منه حین اهدی الیه مشویا، و امر اصحابه بالاکل منه و لانه لیس من السباع و لا من اکلة الجیف فا شبه الظبی.اه.(هدایه ج٤ /ص٤٢٥)

قربانی کے جانور کو لڑانا

[۵۷۴] سوال: قربانی کے جانور کو کس طرح رکھنا چاہیے؟ اور قربانی کے جانور کو فخراً و تفریحاً لڑانا اور اس طرح لڑانا کہ بسا اوقات بیمار ہو کر قربانی کے لائق بھی نہ رہے، اور اس فعل کی مداومت کرنا شرعاً کیسا ہے؟ اور کیا وہ جانور قربانی میں دینا درست ہے؟ اور ایسے شخص کے لیے کیا سزا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ قربانی کے جانور کے متعلق مستحب یہ ہے کہ ایام اضحیہ سے چند روز قبل لے کر اچھی طرح سے اس کی نگرانی اور پرورش کی جائے اور مذبح تک لے جانے میں پیر سے پکڑ کر نہ لے جائیں؛ بلکہ تلطف اور نرمی سے لے جائیں، اس سے ثابت ہوا کہ قربانی کے جانور کے متعلق ایسا فعل کرنا جو جانور کی کمزوری یا اذیت کا موجب ہو اس سے احتراز لازم ہے، اور

جانوروں کا لڑانا جب کہ ایسا بھی ایک ممنوع فعل ہے تو قربانی کے جانور کے متعلق تو بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا، اب مذکورہ فعل شنیع سے اگر جانور میں ایسا نقصان واقع ہوا جو مانع قربانی ہوتو مالدار آدمی کے لیے لازم ہے کہ اس کی جگہ دوسرے جانور کو خریدے، اور اگر جانور بدستور صحیح الاعضاء قابل اضحیہ ہوتو اگر چہ اس کا یہ فعل شنیع قابل ملامت ہے مگر جانور مذکور قربانی میں دے سکتے ہیں۔

ولا يحرش بين البهائم.اھ.(شرح شرعة الاسلام ٤٩٣) ويستحب ان يربط الاضحية قبل أيام النحر بأيام وان يقلدها ويجللها وان يسوقها إلى المنسك سوقا جميلا لا عنيفا، وان لا يجر برجلها إلى المذبح، كذا في البدائع. (عالمگیری ج٥/ص٣٠٠) ولو اشتراها سليمة ثم تعيبت بعيب مانع فعليه اقامته غيرها مقامها ان كان غنيا.اھ.(الدر المختار مع الشامی ٣١٧)

ہندو کی منت مانا جانور کو حلال کرنا

[٥٧٥] سوال: کوئی ہندو اپنی منت کا مانا ہوا بکرا زندہ کسی مسلمان کو زندہ دیوے جو پیروں کے نام منت مانا گیا تھا، اور وہ مسلمان بسم اللہ پڑھ کر اس کو ذبح کرے تو اس کا کھانا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جو جانور کہ غیر اللہ کے نام زندہ چھوڑا گیا ہو اور جس کا ذبح کرنا مقصود نہ ہو وہ مالک کی ملکیت سے نہیں نکلا ہے؛ بلکہ بدستور اس کی ملکیت تصور کیا جائے گا، اب وہ کسی کو بطور ہبہ یا بیع اگر دینا چاہے تو دے سکتا ہے اور لینے والا اس کا مالک ہوگا اس میں وہ جو شرعی تصرفات کرنا چاہے وہ سب جائز ہوں گے۔

اور اگر وہ جانور غیر اللہ کے نام ذبح کرنے کے لیے نذر کیا گیا ہو تو وہ جانور سائبہ میں داخل ہے جو نذر بھی حرام ہے اور ذبیحہ بھی حرام ہے، خواہ خود کاٹے یا دوسرے سے کٹوائے اور خواہ

اس پر بسم اللہ کہی جائے یا نہیں، سب صورتوں میں وہ ذبیحہ حرام اور ناجائز ہے؛ البتہ اگر ناذر نے اپنے فاسد ارادے اور نیت سے رجوع کر کے اس کو اپنا ملک تصور کرنے لگا تو پھر چاہے خود کاٹے یا کسی سے شرعی ذبیحہ کے طور سے کٹوائے بہر حال وہ حلال ہوگا، اس حکم کے بعد مذکورہ مسئلہ میں مندرجہ بالا فیصلہ کے مطابق حکم سمجھنا چاہیے، یہی فیصلہ مولانا کفایت اللہ صاحب مفتی اعظم اور مولانا اشرف علی صاحبؒ کا ہے (دیکھو تتمہ ثالثہ امداد الفتاویٰ ۶۱) وكـذا فی امداد الفتاویٰ ج ۲ /ص ۱۴۶، وفتاویٰ خیریه ج ۱ /ص ۱۷، الکاملیه ۱۶، وملخصه هناك هكذا، ففی الخیریة ما نصه: وفی شرح الدرر للعلامة قاسم: واما النذر الذی ینذره اكثر العوام فهو باطل بالاجماع؛ لأنه نذر لمخلوق وهو لا یجوز، لأنه عبادة فلا تكون لمخلوق والمنذور له میت لا یملك وانه ان ظن ان المیت یتصرف فی الامور كفر۔اھ۔ اور خلاصۃ التفاسیر میں لکھا کہ شاہ عبد العزیز صاحب نے اپنی تفسیر میں بہت تشدید کیا ہے اور فرمایا ہے کہ نذر کرنے والا مرتد اور ذبیحہ ذبیحۂ مرتد ہے اگر چہ کوئی اور ذبح کرے۔ (خلاصۃ التفاسیر ۱۱۰)

سرکاری ڈبہ سے خرید کردہ جانور کا قربانی کرنا

[۵۷۶] سوال: سرکاری آدمی لوگوں کی گائے ڈبہ میں بند کرتے ہیں اور دو چار روز بعد نیلام کرتے ہیں تو اس نیلام سے اگر کسی نے جانور خریدا ہو تو اس کو بنیت قربانی ذبح کر سکتے ہیں کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ہندوستان کے بعض مفتیوں نے لکھا ہے کہ خریدار مالک ہو گیا، اس لیے قربانی بھی درست ہے، مگر دلیل میں جو "تسلط الكافر على مال المسلم سبب لملك الكافر" لکھا ہے، وہ میرے نزدیک قیاس مع الفارق ہے اور میرے نزدیک مذکورہ طریقہ سے کسی کے جانور مقید کر کے نیلام کرنا خلاف شرع اور صریح ظلم ہے اور خریدار شریک ظلم ہے، پھر اس مشتبہ

جانورکوشعائراللہ میں دینا یقیناً غیر مقبول ہے۔

شکار کو ذبح کرنے پر شکار میں حرکت نہیں ہوئی مگر تھوڑا خون نکلا

[۵۷۷] سوال: ایک شخص نے بندوق سے پرندے کا شکار کیا مگر جب اس کے ہاتھ لگا اور ذبح کیا تو کوئی حرکت اس میں معلوم نہیں ہوئی، مگر چند قطرے خون نکلا تو اب یہ جانور حلال ہے کہ حرام؟

الجواب: وباللہ التوفیق: بظاہر تو حلال ہے کیونکہ فقہاء نے خون یا حرکت کو حیات کی نشانی قرار دی ہے، اور یہاں خون نکلنا ثابت ہے؛ تاہم چوں کہ محمد بن مقاتل نے اس میں خلاف کیا ہے، اور اس کو حرام لکھا ہے؛ نیز خود امام صاحب سے جو روایت آئی ہے اس میں اس قسم کے جانور حلال ہونے کے لیے یہ شرط لگائی گئی ہے کہ خون کی روانگی اس طور سے ہو جس طرح زندہ جانور سے خون نکلتا ہے، بنابریں احتیاطا امام صاحب کی روایت پر عمل کرنا چاہیے اور خون کی کیفیت سے اندازہ کرنا چاہیے کہ اگر خون کی روانگی ایسی ہو جو زندہ سے ہوتی ہے تو کھائے ورنہ نہیں۔ ولو ذبح شاة فتحركت أو خرج الدم حل والا لا ان لم يدر حياته۔(كنز) وذكر محمد بن مقاتل ان خرج الدم ولم تتحرك لا تحل؛ لأن الدم لا يجمد عند الموت۔ (البحر الرائق ج۸/ص۱۷۳)لا بد من احد الشيئين اما التحرك واما خروج الدم، فان لم يوجد لا تحل، كذا فى البدائع، وان ذبح شاة او بقرة فخرج منهادم ولم تتحرك وخروجه مثل ما يخرج من الحى اكلت عند ابى حنيفة وبه نأ خذ۔ (عالمگیری ج۵/ص۲۸۶زکریا)

غوث پاک اور اولیاء اللہ کے واسطے قربانی کی وصیت کرنا

[۵۷۸] سوال: زید کی ماں نے مرتے وقت زید کو وصیت کی کہ جب اللہ تجھے پیسہ دے تو غوث

پاک کی قربانی کیا کرنا، اس نے قبول کیا، اور بعد میں پیسہ والا بھی ہوگیا تو اس پر وہ قربانی لازم ہے کہ نہیں؟ اور اس قسم کی قربانی کے گوشت سے خود کھا سکتا ہے کہ نہیں؟ ایک مولوی صاحب نے یہ کہا ہے کہ ایسی قربانی میں ایک شخص کے لیے قربانی کرنے سے بہتر ہے کہ ساری امت محمدی کو ایصال ثواب کیا جائے تو ان میں سے کونسی صورت بہتر ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مذکورہ قربانی زید پر اس واسطے واجب الاداء نہیں کہ اس کی ماں نے جو وصیت کی ہے وہ اپنی مالیت میں سے نہیں بلکہ غیر کی ملکیت میں وصیت ہے، اس لیے نافذ نہیں، زید کا اس وصیت کو قبول کرنا بھی موجب ادائیگی نہیں؛ کیوں کہ کسی بزرگ سے قربانی کرنا کوئی عبادت مقصودہ ہی نہیں تا کہ اس کے لزوم یا نذر کرنے سے واجب الاداء ہو، اس لیے مذکورہ طریقہ سے زید پر کسی بزرگ کی قربانی تو لازم نہیں، اور اگر خالصۃً لوجہ اللہ ایام النحر میں ایک نفلی قربانی کرکے (جس کا گوشت خود بھی کھا سکتا ہے اور مساکین میں کھلا سکتا ہے) اس کا ثواب غوث پاک یا کسی اور بزرگ کی روح کو یا تمام امت محمدی کو بخشنا چاہیے تو یہ ہوسکتا ہے، اور بہتر وہی ہوگا جو مولوی صاحب نے ترکیب بتائی ہے کہ حضرت غوث پاک کی روح کے ساتھ تمام امت محمدی کی ارواح کو بھی ایصال ثواب میں شریک کیا جائے اور چوں کہ اس میں بظاہر آپ ﷺ کے فعل کی متابعت بھی ہوتی ہے کہ جو آپ ﷺ ایک قربانی ساری امت کی طرف سے کرتے تھے، اس لیے ایسی نفل قربانی میں ایک شخص کی تعین سے یہ بہتر ہوگا کہ تمام مسلمانوں کو ایصال ثواب میں شریک کیا جائے۔

ولو قال ان برأت من مرض هذا ذبحت شاة او عليّ شاة اذبحها فبرء لا يلزمه شيء لان الذبح ليس من جنسه فرض بل واجب كالاضحية، فلا يصح. (واذا لم يلزمه الذبح المطلق مع انه نوع عبادة فكيف يلزم ما يكون مقيدا باسم ولی اوغوث) (الدر المختار مع الشا می ج٣/ص٩٥) ضحى عن

میت وارثه بأمره لزمه التصدق بها وعدم الاكل منها، وان تبرع بها عنه له الاكل؛ لأنه يقع على ملك الذابح والثواب للميت، ولهذا لو كان على الذابح واحدة سقط عنه اضحيته كما فى الاجناس، قال الشرنبلالى: لكن فى سقوط الاضحية تأمل.اه.

اقول: صرح فى فتح القدير فى الحج عن الغير بلا امره انه يقع على الفاعل فيسقط به الفرض عنه، وللآخر الثواب، فراجعه. (شامى ج٥/ص٢٩٣) وقد صح أن رسول الله ﷺ ضحى بكبشين احدهما عن نفسه والآخر عمن لم يذبح من امته. (فرع) من ضحى عن الميت يصنع كما يصنع فى اضحية نفسه من التصدق والأكل والاجر للميت والملك للذابح.اه. (شامى ج٩/ص ٤٧١، ٤٧٢ زكريا ج٥/٢٨٤)

سانپ کے ڈنسے ہوئے جانور کے کھانے کا حکم

[۵۷۹] سوال: کسی جانور کوسانپ بچھونے کاٹا تو مالک نے ذبح کیا اب وہ جانور حلال ہے کہ حرام؟ اوراس کا گوشت کھا سکتے ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ حرام تو نہیں ہے، باقی زہر سے اگر گوشت میں اثر ہوا ہو تو کسی حکیم اور تجربہ کار شخص سے معلوم کر کے اس پر عمل کریں۔

جو قربانی میت کی جانب سے کی جائے تو اس کے گوشت کو کس طرح تقسیم کیا جائے؟

[۵۸۰] سوال: میت کی طرف سے اضحیہ کیا جائے تو اس کا گوشت کس طرح تقسیم کیا جائے؟ اور خود بھی اس میں سے کھا سکتا ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛اگر میت نے اضحیہ کی وصیت کی ہوتو اس کوفقراء میں خیرات کرنا چاہیے خوداس میں سے نہیں کھا سکتا ہے،اوراگر بغیر وصیت کے وارث بطورایصال ثواب اپنے مال سے میت کی جانب سے قربانی کرتا ہوتو یہ عام اضحیہ کے حکم میں داخل ہے،یعنی خود بھی اس میں سے کھا سکتا ہےاوردوسروں کوخواہ فقیر ہو یاغنی کھلاسکتا ہے۔

وعن الميت بالامر لزم تصدقا، وإلا فكل منها وهذا المخير. والتفصيل فى (الشامى ج٥ /ص٢٩٣) من ضحى عن الميت يصنع كما يصنع فى اضحية نفسه من التصدق والاكل والاجر للميت والملك للذابح. (شامى ج٩ /ص٤٧٢ زكريا ج٥ /ص٢٨٥)

نیلام سے خریدے ہوئے جانور کی قربانی

[۵۸۱] سوال: نیلام سے گائے وغیرہ جانورکواگرخریدیں تواس کااضحیہ کرنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛نیلام سے خریدنے سے اگر یہ مراد ہے کہ کسی شخص نے اپنی مملوکہ گائے بطورنیلام فروخت کی اس طور سے خریدنے میں کچھ مضائقہ نہیں،اور جانور مشتری کی جائز ملکیت ہےاس میں جوچاہے کرسکتا ہے۔

اوراگر نیلام سے وہ نیلام مراد ہے جوسرکاری ڈبوں میں جانوروں کوقید کرتے ہیں اور کچھ میعاد کے بعد نیلام کرتے ہیں تواس کے متعلق جوتحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ نیلام سراسر مالکین پرظلم ہے؛ کیوں کہ اول تو یہ نہیں دیکھا جاتا ہے کہ جانور نے کسی کا نقصان کیا ہے کہ نہیں؛ بلکہ عموما برسات شروع ہونے سے برسات کے ختم ہونے تک اس عرصہ میں راستے،سڑک پربھی اگر جانور ملتا ہےتو سپاہی اس کو پکڑ کر ڈبہ میں بند کرتے ہیں اور جب مالک لینے کے لیے آتا ہےتو اس پر

جانور کی قیمت دوگنی تگنی قیمت کا جرمانہ لگاتے ہیں جس سے مالکین کو اگر چہ خبر ہوتی ہے مگر ڈبل جرمانہ کے خوف سے لینے کے لیے نہیں آتے ہیں اور اس طرح میعاد مقررہ کے بعد ملازم اس کو کوڑیوں کے مول نیلام کرتے ہیں جو یقیناً ظلم ہے، دوم یہ کہ جانور کے مالک پر شرعاً بعض صورتوں پر اس قیمت کا جرمانہ ڈالا جاسکتا ہے جو جانور نے نقصان کیا ہو مگر وہ نقصان یقیناً جانور کی قیمت سے عموماً کم ہی ہوتا ہے مگر یہاں تو اس کا خیال ہی نہیں کیا جاتا کہ نقصان کس قدر کیا گیا ہے؛ بلکہ دوگنی تگنی قیمت کا جرمانہ بہر حال لگایا جاتا ہے، پھر وہ جرمانہ اس شخص کو بھی نہیں ملتا ہے جس کا نقصان ہوا ہے؛ بلکہ سرکاری خزانہ میں جاتا ہے، نوکر لوگ اس سے اپنا دست خرچ نکالتے ہیں، یہ اور اس قسم کے کئی وجوہ ہیں جن کو دیکھتے ہوئے ایک متقی مسلمان ایک لمحہ کے لیے بھی اس ظلم کو نہیں دیکھ سکتا ہے، چہ جائیکہ اس ظلم کی اعانت میں شرکت کرے، اور پھر ایسا مشتبہ جانور ایک مذہبی فریضہ اور شعائر دین کی ادائیگی کے لیے خریدے۔

اس لیے مسلمانوں کو ویسے ہی اس نیلام میں شرکت مناسب نہیں؛ چہ جائیکہ اس جانور کو اضحیہ کے لیے خریدیں اور ایک مالی عبادت میں تردد اور شبہ کو داخل کریں۔ "دع ما یریبك الی مالا یریبك"۔(الحدیث)

فاسق مسلمان کا ذبیحہ جائز ہے

[۵۸۲] سوال: ایک شخص کلمہ گو بکر قصاب ہے، جمعہ عیدین بھی پڑھتا ہے مگر اس کے ساتھ شرابی ہے اور غیر مذہب کے یہاں پانی بھی پیتا ہے تو اس کا ذبیحہ کھانا درست ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ درست ہے اگر چہ فاسق ہو۔ ومنها: ان یکون مسلما او کتابیا۔ (عالمگیری ج ۵/ص ۲۸۵)

حرام مال سے قربانی کرنا اور دعوت کرنا

[۵۸۳] سوال: جس شخص کی آمدنی مال حرام کے سواء کچھ نہیں وہ قربانی کرے تو مقبول ہوگی؟ اور اس کا گوشت مسلمانوں کو کھانا درست ہوگا؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر اس حرام مال سے قربانی کی تو نہ قربانی درست ہوگی اور نہ اس کا کھانا درست ہوگا؛ کیونکہ وہ حرام پیسہ اپنے مالک کی ملکیت ہے اس شخص کو لازم ہے کہ اصل مالک کو واپس کرے، نہ اس میں تصرف ذاتی کرے، اور تصرف بھی ایسا جو شعائر اللہ میں حرام مال صرف کرنا ہو۔ "ان الله طيب لا يقبل الله الا الطيب" و كذا في العالمگيری (ج ۵ / ص ۳۴۳)

قربانی از میت

[۵۸۴] سوال: ایک شخص قربانی کئے بغیر مرگیا، اب دوسرے سال اس کی طرف سے قربانی کر سکتے ہیں یا نہیں؟ یہاں ایک مولوی صاحب ناجائز کہتے ہیں۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ میت نے قربانی کی وصیت کی ہو اور ثلث مال میں وصیت پر عمل بھی ممکن ہو تو وارث کو یا وصی کو لازم ہے کہ اگر پہلے سال قربانی نہ کی تو دوسرے سال ہی کرلے، اور اگر وصیت نہیں کی ہو یا وصیت پر عمل کرنے کے لیے ثلث مال کافی نہ ہو تو وارث پر لازم تو نہیں، اور اگر بطور تبرع اور ایصال ثواب میت سے قربانی کرنا اپنے مال سے چاہتے ہوں تو ان کو ہر سال اختیار ہے کہ جب چاہے تو قربانی کر کے اموات کو ایصال ثواب کریں۔

ضحى عن ميت وارثه لزمه التصدق بها وعدم الاكل منها، وان تبرع بها عنه له الاكل۔ (شامی ج ۵ / ص ۲۹۳)

وقد صح رسول الله ﷺ ضحى بكبشين احدهما عن نفسه والآخر عمن لم يذبح من امته۔(شامی ج٥/ص٢٨٤) (والمسئلة فی الوصایا)

قربانی کے لیے جانور خریدنا اور اس میں دوسروں کو شریک کرنا

[٥٨٥] سوال: ایک شخص نے ایک گائے قربانی کے لیے خریدی، اب وہ چاہتا ہے کہ اس میں چار حصے قربانی کے لیے اور باقی حصے عقیقہ کے لیے مقرر کریں یا باقی حصے کسی دوسرے پر فروخت کر کے دوسرے کو شریک بنائے تو یہ درست ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ یہ تو درست ہے کہ ایک گائے میں سات آدمی شریک ہو کر قربانی کریں، یا خود اس میں کچھ حصے قربانی کے رکھے اور کچھ حصے عقیقے کے مقرر کرے، یا کسی عقیقہ والوں کو شریک کرے۔

اب صرف یہ سوال باقی ہے کہ خود قربانی کی نیت سے گائے خریدے اور پھر دوسرے کو اس میں قربانی یا عقیہ کرنے کے لیے شریک کرنا چاہے تو اگر وہ آدمی فقیر تھا تو قربانی کی نیت سے خریدنا نذر کے طور سے ہوا، اس لیے قربانی کے سوانہ خود اس میں دوسرے حصے مقرر کر سکتا ہے اور نہ دوسرے کو دے سکتا ہے، اور اگر غنی تھا تو اگر چہ اس میں زفر وغیرہ مشائخ نے اختلاف کیا ہے، اور دوسرے کی شرکت کو ناجائز لکھا ہے کہ خود ایک چیز کو ثواب کے لیے مقرر کر کے اب دوسرے پر فروخت کر کے دنیاوی نفع لینا گویا ثواب اور عبادت میں رجوع کے مرادف ہے، تاہم استحساناً فقہاء نے اس کو جائز لکھا ہے کیوں کہ بسا اوقات آدمی کو مناسب جانور خریدنے کے وقت ملتا ہے اور شریک نہیں ملتا ہے اور بعد میں شریک تلاش کر کے اس کو شریک کرتا ہے، اسی کو الدر المختار اور ہدایہ نے صحیح قرار دیا ہے، مگر ساتھ یہ بھی لکھا ہے کہ چوں کہ امام صاحب سے اس کی کراہت کی ایک روایت آئی ہے اس لیے بہتر

ہوگا کہ پہلے خریدی کے وقت شرکت کی نیت کرلے؛ تاکہ کراہت سے بچے۔

وشمل ما كانت القربة واجبة على الكل او البعض اتفقت جهاتها او لا كا ضحية واحصار وجزاء صيد وحلق ومتعة وقران؛ لان المقصود من الكل القربة، وكذا لواراد بعضهم العقيقة عن ولد قد ولد له من قبل لان ذلك جهة التقرب۔ (ثم قال) وروى عن أبي حنيفة انه كره الاشتراك عند اختلاف الجهة، وانه قال لو كان من نوع واحدكان احب الى۔اه۔(شامی ج ٥ / ص ٢٨٥)

وصح اشتراك ستة فى بدنة شريت لأضحية استحساناً و ذا قبل الشراء احب۔(الدرالمختار) وهذا محمول على الغنى لانها لم تتعين لوجوب التضحية بها ومع ذلك يكره لما فيه من خلف الوعد۔اه۔ والتفصيل فى (الشامی ج ٤ / ص ٢٧٦ هدايه ج ٤ / ص ٤٢٧)

قربانی کے جانور سے فائدہ اٹھانا

[٥٨٦] سوال: قربانی کے لیے بیل خریدا گیا، مگر اب اضحیہ کے دن دور ہیں تو اس پر سواری کرتا ہے تو کیا اضحیہ سے کسی قسم کا انتفاع درست ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: فقیر نے جو جانور اضحیہ کے لیے خریدا ہو تو اس کو کسی قسم کا انتفاع درست نہیں، اورغنی کے لیے بعض علماء نے درست لکھا ہے خصوصا جب کہ اس کو چارہ بھی خرید کر کھلاتا ہو؛ مگر صحیح یہ ہے کہ اضحیہ کے لیے جو جانور خریدا گیا ہو اس سے بہر حال انتفاع لینا درست نہیں، اور دودھ والا جانور ہو تو اس کے دودھ کو ٹھنڈے پانی وغیرہ سے بند کرنے کی سعی کی جائے، اور اگر دودھ

یا صوف اس سے حاصل کرلیا ہو تو اس کو خیرات کرے، اسی طرح اس پر سواری بھی مکروہ ہے، اور اگر سواری سے اس کی قیمت میں کمی واقع ہو تو اس کمی کی مقدار پر تصدق کرے۔

والصحيح ان الموسر والمعسر فى حلبها وجز صوفها سواء، كذا فى الغياثية، ولو حلب اللبن من الاضحية قبل الذبح او جزصوفها يتصدق به و لا ينتفع به، كذا فى الظهير ية، و يكره ركوبها واستعمالها كما فى الهدى فان فعل فنقصها فعليه التصدق بما نقص وإن آجرها تصدق باجرها۔اھ۔(عالمگیری ج٥ / ص ٣٠١)

وكذا فى الخانية، وكره جز صوفها قبل الذبح لينتفع به فان جزه تصدق به ولا يركبها ولا يحمل عليها شيئا ولا يوجرها فان فعل تصدق بالاجرة۔ (الدرالمختار مع الشامى ج٩ / ص٤٧٥ زكريا ج٥ / ص٢٨٧) وكذا فى البحر ج٨ / ص١٧٩)

قربانی کے جانور کا ذبح سے قبل بچہ جننا

[٥٨٧] سوال: ایک شخص نے قربانی کے لیے گائے خریدی تو ایام اضحیہ سے قبل اس نے بچہ دیا تو اس بچہ کے ساتھ کیا کرے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: بچہ زندہ کسی فقیر کو بطور صدقہ دیدے، اور اس کی ماں کے ساتھ اضحیہ کے روز ذبح کرے گا تو بھی درست ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ اپنی اضحیہ کا گوشت کھائے مگر اس بچے کے گوشت کو تمام خیرات کرے خود اس میں نہ کھائے اور اگر فروخت کرے تو بھی درست ہے، مگر اس کی قیمت خود کام میں نہ لے بلکہ خیرات کرے، یہ مسئلہ عالمگیر فصل سادس من الاضحیۃ جلد خامس اور

خلاصہ میں مبسوط مذکور ہے۔

خنثیٰ جانور کی قربانی

[۵۸۸] سوال: ایک خنثی بکری ہے جس کا مالک اس کو قربانی میں ذبح کرنا چاہتا ہے تو اس کی قربانی ہوسکتی ہے؟ اور اس کا گوشت کھانا حلال ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نہ معلوم سائل نے خنثی بکری سے کیا مراد لیا ہے، اگر خنثی بکری سے شرعی خنثی جس میں مذکر ومؤنث کے مکمل آلات وعلامات موجود ہوں یا دونوں کے آلات معدوم ہوں مراد ہو تو اس کے ساتھ قربانی درست نہیں؛ البتہ گوشت کو بلا دلیل حرام نہیں کہہ سکتے۔ ولا تجوز التضحية بالشاة الخنثى.(عالمگیری ج ٥ /ص ٢٩٩ کوئٹہ)

اور اگر وہ بکری مراد ہے جو صرف اعضاء بکری اس میں موجود ہو مگر اولاد نہ جنتی ہو تو اس کی قربانی درست ہے؛ کیوں کہ جیسے خصی بکرے کا اضحیہ درست ہے ویسا اس بکری کا بھی درست ہے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

قربانی کا گوشت قصاب کی اجرت میں دینا

[۷۸۳] سوال: قربانی کی کھال اتارنے والے اور گوشت کاٹنے والے قصائی کو اس میں سے کچھ گوشت دیتے ہیں تو یہ جائز ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ تصدق اور تبرک کے طور سے دینا درست ہے مگر مزدوری کے عوض دینا درست نہیں۔ولا يعطى أجر الجزار منها.اھ. (مجمع الانھر ج ٢ /ص ٦٠٥)

عیدالاضحیٰ کے دن قربانی کے گوشت سے کھانے کی ابتدا کرنا

[۷۸۴] سوال: بقر عید میں سب سے پہلے کس چیز کو کھانا چاہیے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: قربانی کرنے والا اپنی قربانی سے پہلے کھائے اور دوسرے لوگ بعد صلوٰۃ عید جو میسر ہو، اور اگر کسی کی قربانی کا گوشت اس کو بھی میسر ہو تو اس سے کھانا زیادہ بہتر ہوگا، یہ بھی استحباباً ہے ورنہ نفس جواز تو قبل صلوٰۃ بھی ہے اور جو میسر آئے۔ ویستحب ان یکون اول تناولھم من لحوم الاضاحی التی ھی ضیافۃ اللّٰہ، کذا فی العینی شرح الھدایہ. (عالمگیری ج ۱/ص ۱۵۰)

☆......☆......☆

کتاب الرہن

مرتہن کا باجازت راہن مرہونہ سے نفع حاصل کرنا

[۵۸۹] سوال: ایک شخص نے دوسرے شخص کو دوسو روپئے دے کر اس کی زمین رہن رکھ لی، صاحب زمین نے رہن رکھنے کے وقت مرتہن سے کہا کہ جب تک میں تیری رقم ادا نہ کروں تم زمین کو بوتے رہو اور سرکاری محصول بھی ادا کرتے رہو، چنانچہ وہ شخص زمین میں حسب اجازت راہن زراعت کرتا ہے اور سرکاری محصول ادا کرتا رہتا ہے تو یہ جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: مرتہن کا مرہونہ سے باجازت راہن منفعت حاصل کرنا اگرچہ بعض مشائخ سمرقند کے نزدیک حلال نہیں ہے؛ مگر عام معتبر کتابوں میں اس کو جائز قرار دیا گیا ہے، اور مرتہن کو باجازت راہن مرہونہ سے منفعت حاصل کرنا حلال لکھا ہے؛ ہاں دیانۃ اس سے احتراز اولیٰ ہے۔

وجوب عشر وخراج بذمہ راہن کہ مرتہن

رہا مشروط طریقہ سے محصول کی ادائیگی تو اگرچہ یہ شرط بظاہر رہن کے قواعد کے خلاف ہے؛ کیوں کہ خراج راہن پر ہوتا ہے کیوں کہ زمین اس کی ملکیت ہے؛ مگر یہاں جب کہ راہن نے مرتہن کو مرہونہ کے استعمال کی اجازت دیدی تو اب وہ زمین عاریت کے حکم میں ہوئی، جس کا محصول مستعیر پر لازم ہوتا ہے، لہٰذا مسئولہ مسئلہ میں جو رہن جن شرائط سے کیا گیا ہے وہ حسب قواعد فقہ درست اور جائز ہے، اور جب تک مرتہن وہ زمین استعمال کرے گا اس وقت تک محصول ادا کرتا رہے گا مگر زمین عاریت کے حکم میں ہوگی نہ کہ رہن کے حکم میں۔

وقال الرحمتی: لو زرعها المرتهن با ذن الراهن يكون العشر على

المرتهن؛لانه حينئذ مستعير، والعشر عليه، وكذا على الاجنبى لو زرعها باذنه۔ (تكمله ردالمحتار ج۲/ص۳۱۷)

وقال فى المبسوط: وليس للمرتهن أن ينتفع بالمرهون الا باذن الراهن، فاذا اذن له جاز له ان يفعل ما اذن له فيه، ولو هلك فى حالة الاستعمال بالاذن لم يسقط من الدين شئ لانه بالاذن صار مقبوضا بحكم العارية۔(بحر الرائق ج۸/ص۲۳۸) وليس للمرتهن الانتفاع بالرهن الا باذن المالك، وقال عبد الله بن محمد بن مسلم السمرقندى لايحل له ان ينتفع بشئى منه بوجه من الوجوه وان اذن الراهن۔اھ۔ قلت هو مخالف لكلام عامة المعتبرات، فليحمل ما تقدم على الديانة وما فى سائر المعتبرات على الحكم۔ (مجمع الانهر ملخص ج۲/ص۶۳۵) وكذا فى (الفتاوى المهدية ج۵/ص۳۶۹، عالمگيرى ج۳/ص۲۰۴، والشامى ج۵/ص۴۲۷) ولقد اطنبت الحوالجات لانى وجدت فى فتاوى بعض المعاصرين خلاف هذا۔

قرض کے عوض رہن رکھنا/ رہن سے فائدہ اٹھانا

[۵۹۰] سوال: ایک شخص نے دوسرے کو کچھ نقد رقم دی اور مدیون سے کچھ رہن رکھنا چاہتا ہے اور دونوں اس بات پر رضامندی ظاہر کرتے ہیں کہ مدیون جب تک مذکورہ رقم ادا نہ کرے اس وقت تک دائن مرہونہ زمین یا مکان اپنے قبضہ میں رکھ کر اس کا منافع لیتا رہے تو یہ جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: مذکورہ طریقہ پر عقد رہن تو درست ہے؛ البتہ منافع رہن دائن کو دینا چوں کہ شبہۃ الربوا کو متضمن ہے، اس لیے بعض مشائخ نے اس شرط کو ناجائز لکھا ہے مگر صحیح یہ ہے کہ

اگر چہ یہ فعل کراہت سے خالی نہیں مگر تاہم صحیح ضرور ہے؛ کیوں کہ اصل ممانعت راہن کے حق ہونے کی وجہ سے تھی اور جب اس نے برضاوخوشی اپنا حق ساقط کر دیا تو دائن کے لیے ان منافع کا حاصل کرنا درست ہوگیا۔(کذا فی الفتاوی المھدیة ج۵/ص۳۱۹ وشامی ج۵/ص۴۲۷) ممنوع دیانة وجائز حکما۔(مجموع الفتاوی ج۲/ص۶۳۵) وفی المنتقی عن ابراھیم عن محمدؒ رجل قال لآخر: اقرضنی ایضا علی ان اعیرك ارضی ھذہ تزرعھا مادامت الدراھم فی یدی فزرع المقرض لا یتصدق بشیء واکرہ له ھذا، کذا فی المحیط۔ (عالمگیری ج۳/ص۲۰۴)

☆......☆......☆

کتاب الحظر والاباحۃ

کرکٹ کھیلنا یا دیکھنا

[۵۹۱] سوال: کرکٹ کھیلنا یا دیکھنا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ کرکٹ ایک کھیل اور لہو ہے اور لہویات کے متعلق یہ حکم ہے کہ وہ لہو جس کی حرمت پر قطعی دلیل نہ ہو اور اس میں زیرکی، شجاعت، طاقت میں اضافہ ہوتا ہو تو اپنی اغراض کے لئے جائز ہیں بہ شرطیکہ ان میں مصروفیت اس درجہ پر نہ ہو کہ اس سے نماز یا دیگر دینی امور فوت ہو جائیں اور اگر محض کھیل اور تلہی کے طور پر کھیلتا ہو یا تشبہ بالکفار کی غرض سے کھیلتا ہو یا اس کھیل کے ضمن میں ایسے امور کا ارتکاب کرنا پڑتا ہو جو ممنوعات شرعیہ میں سے ہوں تو پھر ان کا کھیلنا اور دیکھنا ہر دو ممنوع ہوں گے۔ فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظالمین۔ الآیۃ

و فی الملتقط من لعب بالصولجان یرید الفروسیۃ یجوز و فی الجواھر قد جاء الاثر فی رخصۃ المصارعۃ لتحصیل القدرۃ علی المقاتلۃ دون التلھی فانہ مکروہ۔ (قھستانی ج ۲ / ص ۱۸۰، و کذا فی الشامی ج ۵ / ص ۳۹۸)

برہنہ سر کرسی پر بیٹھ کر کھانا

[۵۹۲] سوال: کرسی، ٹیبل پر کھلے سر بیٹھ کر کھانا کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ کھلے سر کھانا اگر تکبر اور تشبہ بالمتکبرین سے پاک ہو تو منع نہیں۔ وفی الخلاصة: الاكل مشكوف الرأس والاكل يوم الاضحى قبل الصلوٰة فيه روايتان، والمختار أنه لا يكره۔ (البحر الرائق ج۸/ص۱۸۴ الحظر والاباحة)

رہا ٹیبل پر کھانا، تو چوں کہ یہ فعل ملوک اور متکبرین کا ہے، اور خود آنحضرت ﷺ نے زمین پر سفرہ بچھا کر تناول فرمایا ہے اور اسی کو پسند فرمایا ہے اس لیے اگر خارجی عوارض نہ ہوں تو زمین پر سفرہ بچھا کر ادب سے کھانا تناول کرنا مستحب اور ٹیبل پر مکروہ اور خلاف اولیٰ ہوگا۔ ولا بأس بالاكل متكأ ومكشوف الرأس فى المختار۔ (بزازيه بر عالمگيرى ج٦/ص٣٦٩) وضع الطعام على الارض أحب إلى رسول اللّٰه ﷺ منه على السفرة وهى على الارض، والاكل على الخوان فعل الملوك وعلى المنديل فعل العجم وعلى السفرة فعل العرب۔ (شرع شرعة الاسلام٢٤٣)

ٹیبل پر بیٹھ کر کھانا

[۵۹۳] سوال: ٹیبل پر بیٹھ کر کھانا کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق، ٹیبل اور کرسی پر کھانا چوں کہ متکبرین کا شیوہ ہے اور آنحضرت ﷺ سے قولاً وفعلاً آداب طعام میں تخشع اور تواضع مروی ہے، لہٰذا ٹیبل اور کرسی پر بلا شدید ضرورت کھانا مکروہ اور زمین پر سفرہ بچھا کر ادب سے کھانا ادب اور مستحب ہے۔ (شرع شرعۃ الاسلام۲۴۳)

میاں بیوی کا مل کر کھانا کھانا

[۵۹۴] سوال: عورت اپنے مرد کے ساتھ بیٹھ کر کھانا کھائے تو کچھ حرج ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ میاں بیوی ایک ساتھ بیٹھ کر کھا سکتے ہیں؛ بلکہ بعض احادیث سے استحباب بھی نکلتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مختلف قسم کی ترکاری کھانا

[۵۹۵] سوال: کھانے میں گوشت کی ترکاری ہو تو کیا اس کے ساتھ دودھ پینا یا دوسری ترکاری کھانا منع ہے؟ ایک شخص منع کرتا ہے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ طبی طریقہ سے منع کرتا ہو تو اور بات ہے، اور اگر شرعی طور سے منع کرتا ہو تو مانع سے دلیل کا مطالبہ کیا جائے، اگر ہر ایک الگ جائز ہو تو اجتماعی کیفیت میں کیا خرابی آئی۔ ﴿قل لا اجد فیما اوحی الی محرماً علی طاعم یطعمه الا ان یکون میتة﴾ (الی آخر الآیة) البتہ اس قسم اکل وشرب کے لذائذ میں منہمک ہونا اسراف میں داخل اور تقویٰ کے خلاف ہے۔ و اتخاذ الوان الاطعمة سرف. قال الله تعالیٰ: ﴿اذهبتم طیبتکم﴾ (مجمع الانهر ج ۲ / ص ٦٠٦)

کاسب الحرام کا ہدیہ اور ضیافت کھانا

[۵۹٦] سوال: یہاں ایک مولوی صاحب تشریف لاتے ہیں اور وعظ فرماتے ہیں، ایک صاحب نے ان سے سوال کیا کہ سود کھانا کیسا ہے؟ تو مولوی صاحب نے جواب دیا کہ مطلقا حرام ہے، سائل نے پھر پوچھا کہ سود کھانے والے کے گھر میں کھانا کھانا کیسا ہے؟ تو فرمانے لگے کہ وہ بھی حرام ہے، تو سائل نے کہا کہ حضرت جس کے گھر میں آپ تشریف لائے ہیں وہ شخص بھی سود کھاتا ہے، جس کی خبر آپ کو بھی ہے تو کیا وہ حرام نہیں ہے؟ تو مولوی صاحب نے جواب دیا کہ جس طرح وہ سود کھاتا ہے اسی طرح وہ سود دیتا بھی ہے، اس لیے اس میں کچھ حرج نہیں ہے، لہٰذا

حدیث شریف میں اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مولوی صاحب کا یہ قول کہ جو سود دیتا ہے اس کو سود لینا جائز ہے، قطعاً غلط ہے اور نصوص قطعیہ کے صریح خلاف ہے، اور مشہور حدیث "لعن اللّٰہ آکل الربا وموکله وکاتبه وشاهدهٗ" (الحدیث) میں دینے والے اور لینے والے دونوں پر لعنت بھیجی گئی ہے، اور جس طرح ﴿ولا تاکلوا الربا اضعافا مضاعفة﴾ سے سود کا لینا ممنوع ثابت ہوتا ہے، اسی طرح ﴿ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾ سے اعانت علی المعصیت کی حرمت بھی ثابت ہے؛ بلکہ بعض خصوصیتوں سے لینے سے دینا زیادہ برا ہوتا ہے، مثلاً دارالحرب میں سود کا لینا تو جائز ہے مگر دینا نہیں۔ قال فی الفتاوی الکاملیه نا قلاً عن البحر والفتح: حل الربا للمسلم مع الحربی لیس علی اطلاقه بل مقید بما إذا کانت الزیادة ینالها المسلم وإلا فالربا یشمل ماکان الزائد من جهة المسلم۔بحر، فتح۔ (فتاوی کاملیه ۹٤)

رہا یہ مسئلہ کہ سود خور کے گھر ضیافت کھانا یا اس کا ہدیہ قبول کرنا کیسا ہے؟ تو اس کے متعلق ہمارے مشائخ احناف کا یہ فیصلہ ہے کہ اگر اس کا اکثر مال حرام ہو تو اس کی ضیافت اور ہدیہ اس وقت تک نہ لینا چاہیے جب تک کہ وہ اس کا یقین نہ دلائے کہ یہ مخصوص ہدیہ اور طعام بذریعہ حلال حاصل کیا گیا ہے، اور اگر غالب مال اس کا حلال ہو تو اس کی ضیافت اور ہدیہ قبول کرنا چاہیے بشرطیکہ اس امر کا یقین نہ ہو کہ یہ مخصوص ہدیہ اور طعام اس مال حرام سے ہے۔ آکل الربا وکاسب الحرام اهدی الیه او اضافه وغالب ماله حرام لایقبل ولایأکل مالم یخبر ان ذالك المال اصله حلال ورثه او استقرضه، وان کان غالب ماله حلالا لا بأس بقبول هدیته والاکل منها۔اھ۔ (ص٦) کذا فی الملتقط۔ (عالمگیری ج٥/ص٣٤٣)

رنڈی کی کمائی کے متعلق استفسار

[۵۹۷] سوال: ایک رنڈی مع جوان لڑکے کے مسلمان ہوگئی، ہر دو پابند صوم وصلوٰۃ ہیں، عورت مذکورہ کے پاس اس کی منقول وغیر منقول ملکیت بدستور موجود ہے تو اس خبیث مالیت کے لیے پاک ہونے کی کوئی صورت ہوسکتی ہے یا نہیں؟

نیز وہ لڑکا اپنا الگ حلال روزگار چلاتا ہے تو اس کے گھر کی دعوت قبول کرنا چاہیے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ رنڈی نے جو مال گناہ اور معصیت کے عوض پر شرط کرکے وصول کیا ہے وہ مال یقیناً حرام ہے، اور حرام مال کے متعلق یہ حکم ہے کہ اصلی مالک اگر معلوم ہوں تو ان کو واپس کیا جائے، اور اگر معلوم نہ ہوں تو ان کے نام پر خیرات کریں؛ اس طرح ان کو ثواب مل جائیگا، اور جو مال کہ بلا شرط کئے ہوئے لوگوں نے اپنی خوشی سے رنڈی کو بخشش کیا ہو وہ مال رنڈی کے لیے حلال ہے، رہی لڑکے کی حلال کمائی کی دعوت تو وہ قبول کرنا چاہیے۔ وفی الملتقی ابراهيم عن محمد فی امراة نائحة او صاحب طبل ومزمار اكتسب مالا، قال إن كان على شرط رده على اصحابه ان عرفهم۔ (الى آخره مفصلا بالتفصيل المذكور) (عالمگیری ج۵/ص۳۴۹كراهية) وكذا فى الخلاصة۔

مرغی، کبوتر پالنا

[۵۹۸] سوال: مرغیاں یا کبوتر پالنا درست ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مرغیاں اور کبوتر حلال جانور ہیں، اور حلال جانور کا پالنا مباح ہے منع نہیں؛ البتہ اگر ان جانوروں اور پرندوں کو کسی مکروہ اور غیر شرعی نیت اور ارادے سے پالنا مثلاً مرغ بازی یا کبوتر بازی کرنا مقصود ہو تو ان عوارض کی وجہ سے پالنا برا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

فونوگرام میں قرآن مجید سننے کا حکم

[۵۹۹] سوال: فونوگرام میں قرآن شریف کی سورتیں اور آیتیں ریکارڈ میں سنائی جاتی ہیں تو اس وقت جس طرح قرآن شریف کے سننے کے وقت تعظیم کرنے کا حکم ہے ویسی تعظیم کرنا چاہیے یا نہیں؟ ایسی ریکارڈوں سے قرآن شریف سننے کا کیا حکم ہے؟ اور وہ سنتے وقت تعظیم نہ کرنے سے گنہگار تو نہیں ہوگا؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ فونوگرام جو ایک تفریح اور لہو ولعب کا آلہ ہے، اس میں قرآن پاک کی آیتوں کی آواز اور صدا منتقل کر کے مجالس لہو اور تفریح میں سننا اور سنانا ایک ناجائز اور برا فعل ہے اور قرآن مقدس کی توہین اور بے ادبی ہے۔

تاہم اس آواز اور صدا کو قرآن شریف کے حکم میں داخل نہیں کر سکتے ہیں، فونوگرام چوں کہ ایک جدید آلۂ نقل الصوت ہے اس لیے متقدمین سے اس کے بابت کچھ تصریح منقول نہیں ہے۔ مگر جو اقوال کہ قرأت صحیحہ کے بارے میں فقہاء سے منقول ہے ان سے اخذ ہوتا ہے کہ فونو گرام آواز گنبد کی طرح محض ایک صدا ہے جس پر احکام تلاوت جاری نہیں ہو سکتے۔ الدرالمختار اور شامی کے بحث سجدۂ تلاوت میں مذکور ہے کہ صدائے قرأت، پرندوں کی تلاوت، مجنون مطبق کی قرأت سے سامع پر سجدہ لازم نہیں آتا ہے، شامی نے اس کی وجہ یہ بتائی ہے کہ سماع سے سجدہ کے لازم ہونے کا سبب سماع تلاوت صحیحہ ہے اور مندرجہ بالا تلاوت صحیح تلاوت نہیں ہے۔ کیوں کہ صحیح تلاوت ایک باتمیز شخصیت کی تلاوت ہے اور یہ چیزیں باتمیز نہیں ہیں۔ خلا المجنون المطبق فلا تجب بتلاوته لعدم اهليته ثم قال و لا تجب بسماعه من الصدى و الطير و من كل من قال حرفا و لا بالتهجي۔ (اشباہ) وقال الشامی تحت قوله خلا

المجنون ۔آھ۔ لأن السبب سماع تلاوۃ صحیحۃ و صحتھا بالتمیز و لم یوجد الخ (الدر المختار مع الشامی بحث سجدۃ التلاوۃ ج ۱ / ۸۰۴، حوادث الفتاویٰ ص ۷٦، ۸۰، ۸۱)

لہذا فقہاء کے ان اقوال کے بناء پر فونوگرام کی آواز کو نہ قرأت صحیحہ کہہ سکتے ہیں اور نہ اس پر وہ احکام جاری ہوسکتے ہیں جو قرأت صحیحہ کے لوازم سے ہیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم

حساب کا سیکھنا اور سکھانا

[٦٠٠] سوال: حساب کتاب سیکھانا اور لکھنا جائز ہے یا نہیں؟ اور اس کا سکھانا کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ حساب کتاب سکھانا اور اس پر اجرت لینا جائز ہے، اور جس پر اجرت لینا درست ہے وہ فعل بھی درست ہوتا ہے۔لأنہ لو استاجرہ لیعلم ولدہ الکتابۃ او النحو او الطب او التعبیر یجوز بالاتفاق کذا فی التاتارخانیۃ، وفی الکبریٰ تعلیم الفرائض والحساب والوصایا باجر یجوز۔ (البحر الرائق ج۸ /ص ۱۹ بحث اجارۃ فاسدۃ کوئٹہ)

سود کا حساب سیکھنا

[٦٠١] سوال: حساب کتاب کے ساتھ سود کا حساب کتاب سیکھنا اس نیت سے کہ سود کا حساب سیکھوں گا مگر سود لینے دینے کا اور جو سود دیتا ہے یا لیتا ہے اس کا حساب کبھی نہیں لکھوں گا تو ایسی صورت میں سود کا حساب سیکھنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ سود کا حساب محض سیکھنے کی غرض سے ایک فعل مباح غیر ممنوع ہے، لہٰذا موجودہ سوال میں نہ ارتکاب فعل حرام اور نہ اعانت علی المعصیت ہے، اس لیے شرعاً ممنوع نہیں ہے۔

ہندو کی نوکری میں سود کا حساب کتاب کرنا

[۶۰۲] سوال: کوئی ہندو کے وہاں حساب کتاب لکھنے کی نوکری میں سود گنوائے اور لکھوائے تو لکھنے اور گننے کی نوکری کرنا جائز ہے کہ نہیں تفصیل کے ساتھ جواب دے کر ممنون فرمائیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں اگرچہ سود کا لین دین ہندو کرتا ہے مگر چوں کہ مسلمان حکم الٰہی کی وجہ سے ﴿تعاونوا علی البر والتقوی ولا تعاونوا علی الاثم والعدوان﴾ (الآیۃ) اعانت علی المعصیت سے بھی منع کیا گیا ہے، اور اسی لیے تو فقہاء نے لڑکے کو کافر باپ کو شراب پلانے اور شراب کے پیالہ دینے سے منع کیا ہے۔ ولا یسقی اباه الکافر خمرا ولا یناوله القدح۔ (البحر الرائق ج۸/ص۱۸۵ کتاب الحظر والاباحۃ)

بنا بریں تصریحات ایسی ملازمت سے مسلمانوں کو احتراز ضروری ہے جس میں اعانت علی المعصیت لازم آتا ہو اور دوسری جگہ چاہے کم نوکری ملے مگر اس قلیل حلال کمائی کو ترجیح دیوے۔ فان اٰجر نفسه من نصرانی لیضرب الناقوس کل یوم بخمسة دراهم وفی عمل آخر یعطیه کل یوم درهم، قالوا لا ینبغی ان یوجر نفسه منهم ویطلب الرزق من عمل آخر۔(قاضیخان ج۳/ص۴۳۴)

سیٹھ کا اپنے نوکر کو سود کے حساب کرنے پر مجبور کرنا

[۶۰۳] سوال: کوئی مسلمان سیٹھ کے مکان میں نوکری پر رہا، اور سیٹھ کہتا ہے کہ تو میرا نوکر ہے تجھے سود بھی لکھنا پڑے گا گناہ ہوگا تو میرے سر ہے، تو اس صورت میں حساب کے ساتھ سود گننا اور لکھنا جائز ہے یا نوکری چھوڑ دے اور سود نہ لکھے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛قرآن کریم کا صریح حکم ہے کہ ﴿لاتزر وازرۃ وزر اخریٰ﴾الآیۃ اس لیے سیٹھ اپنے فعل گناہ پر الگ ماخوذ ہوگا اور ملازم اعانت علی المعصیت کی وجہ سے الگ ماخوذ ہوگا، مندرجہ التزام سے سیٹھ کا گناہ مضاعف ہوسکتا ہے کہ ایک تو خود گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، دوم دوسرے کو گناہ کی ترغیب دیتا ہے، تاہم اس سے ملازم کے گناہ میں تخفیف نہیں ہوسکتی ہے اور ﴿من یعمل سوء یجز بہ﴾ ہر شخص اپنے اعمال کا جواب دہ ہے۔ واللہ اعلم

سود کے حساب کی جانچ پڑتال کرنا

[۶۰۴] سوال: خود سود نہ لکھے، بلکہ دوسرے لکھنے والے کا حساب دیکھے کہ صحیح ہے یا غلط تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ دوسرے کا حساب اگر اس غرض سے دیکھے کہ قواعد حساب کے موافق ہے یا مخالف تو اس میں بظاہر اعانت علی المعصیت نظر نہیں آتی ہے، اس لیے مستوجب گناہ نہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مال خبیث استبدال سے حلال ہوسکتا ہے کہ نہیں

[۶۰۵] سوال: ہمارے پاس کوئی مال یا روپے آئے مگر اس میں شک ہے کہ حلال کے ہیں یا حرام کے تو اس کو بدل کر دوسرے روپئے لائے تو وہ حلال سمجھے جائیں گے؟ یا اگر یہ حرمت والے روپیہ دوسرے کو قرض دیں اور دو دن کے بعد قرض لینے والا واپس دے گیا تو یہ روپئے بدل گئے؟ اب یہ روپے حلال سمجھے جائیں گے یا حرام رہیں گے؟ یا خود مقروض ہوا اور دوسرے روز یہ حرمت والے روپئے اس کو دیئے تو اب یہ روپئے حرمت والے رہے یا حلال ہوئے ان تمام صورتوں میں کیا حکم ہے خلاصہ مفصل بیان فرمائیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛سوال میں تشریح طلب امر رہ گیا ہے کہ روپئے کہاں سے آئے؟اور حرمت کی شک کس وجہ سے ہےاور کس نے بدل کرلائے؟اگر سائل کا مطلب یہ ہے کہ ہمارا کسی شخص پر دین ہوتو لیتے وقت کسی حرام مال سے مدیون لے کر ہم کو دیوے مثلاً ہمارا کسی پر دین تھااور وہ باجود مسلمان ہونے کے شراب بیچ کر ہم کواس کی قیمت دین میں ادا کرے تو ہم کو نہ لینا چاہیے؛ بلکہ اس کی جائز کمائی اور حلال مال سے لینا چاہیے۔وجاز اخذ دین علی کافر من ثمن خمر لصحة بیعه، بخلاف دین علی مسلم۔(تنویر مع الدر المختار ج۵/ص۳۲۹ زکریا)

اوراگراور کچھ مطلب ہےتواس کی تشریح کی جائے،رہا حرام روپئے استبدال بالشیء یا قرض دینے کے بعد حلال ہوئے کہ نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ حرام اور معصیت کا عوض بھی حرام اور معصیت ہے،اس لیے وہ روپئے بدستور خبیث ہی رہیں گے،اوراپنے قرض میں ادا کرنا گویا انہی روپیوں سے منفعت حاصل کرنا ہے،اس لیے ان حیلوں سے پاک نہیں ہوں گے،اس لیے یہ روپے یا تو اصلی مالک کو واپس کیئے جائیں یا ان خبائث کو رفع کرنے کی کوشش کی جائے اگر ممکن ہو،اوران میں کوئی صورت ممکن نہیں تو ان روپیوں کو مناسب جگہ میں تصدق اور خیرات کرنے سے اصلی مالک کو بجائے عین مال کے اس کا ثواب پہنچائے اسی طرح اصلی مالک کو وصول ممکن ہے۔لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق إذا تعذر الرد علی صاحبه۔ (شامی فصل البیع من الحظر والاباحۃ ج۹/ص۵۵۳زکریا) واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

اوجھڑی اورانتڑیاں آمیز دوا استعمال کرنا

[۶۰۶] **سوال:** ایک دواایسی ہے جس میں انتڑیاں وغیرہ چیزیں ڈال کر بنائی جاتی ہےتواس کودوا

کے طور پر استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ حلال مذبوح جانور کی صاف کردہ انتڑیاں ملائی گئی ہوں تو یقیناً حلال وپاک ہے، مردار جانور کی انتڑیاں ہوں تو یقیناً ناپاک وحرام ہے، مشکوک ہو تو احتیاطا ترک افضل ہے، الا اگر حکیم حاذق اسی کو یقینی موثر سمجھے اور یقینی حلال چیز کی دوا اس کے بدل نہ ملے تو اس وقت مجبوراً استعمال کرنا چاہیے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

برما کے بدبودار پھل کا کھانا

[۶۰۷] سوال: ملک برما میں ایک پھل آتا ہے اس میں بدبو ہوتی ہے اور کھانے کے بعد ڈکاریں بھی آتی ہے تو اس کا کھانا شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ محض بدبو آنے کی وجہ سے تو وہ حرام نہیں ہوسکتا ہے جیسا پیاز لہسن وغیرہ؛ البتہ کھانے کے بعد جب تک منہ سے بدبو زائل نہ ہو اس وقت تک مسجد میں جانا یا نمازیوں کو ایذاء دینا مکروہ ہوگا۔ویجب ان تصان (المساجد) عن ادخال الرائحة الكريهة لقوله عليه السلام: "من اكل الثوم والبصل والكراث فلا يقربن مسجدنا"۔ الحديث (كبيری ٥٦٢) وغير ذلك من الكتب۔

تمبا کو مکروہ ہے نجس نہیں

[۶۰۸] سوال: آج کل تمباکو کھانا پینا عام ہو گیا ہے اور غالبا اس کے مختلف اشکال میں استعمال کرنے سے کوئی گھر خالی نہیں تو شرعا یہ حرام ہے یا مکروہ؟ اور پاک ہے یا ناپاک؟ حقہ سگریٹ سے وضوء ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ تمباکو کے متعلق بعض علماء مثل صاحب ہدایہ درمختار وغیرہ نے حرمت کا

قول نقل کیا ہے، مگر شامی نے اس کی تردید لکھی ہے اور جواب میں محققین علماء کے اقوال اور دلائل بیان کر کے اس مسئلہ کی خوب وضاحت کی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے:

کہ تمبا کو اگرچہ فی نفسہ غیر حرام اور مباح چیز ہے مگر اس کی بدبو پیاز اور لہسن سے کم نہیں اس عارض کی وجہ سے مکروہ ہے۔ (میری ذاتی رائے اس میں یہ ہے کہ عموماً حکم یہی کراہت کا رہے مگر اختلاف حالات پر اس کی کراہت میں تشدید کی جائے مثلاً نمازیوں کو تعفن، دہن سے ایذاء ہونا، عورت کا تمبا کو استعمال کرنے پر شوہر کو بدبو سے ایذاء ہونا یا جس کے مزاج کے مطابق نہ ہو جس کی وجہ سے اس کے بدن کو نقصان ظاہر ہونا ان حالات کے ماتحت اشد الکراہت کا قول کرنا اور اس کے بغیر مکروہ تنزیہی ہونا) واللہ اعلم محمود حسن غفر اللہ لہ

(۲) تمبا کو کی ناپاکی کے لیے کوئی دلیل نہیں اس لیے اس کو پاک ہی کہنا چاہیے۔

(۳) چوں کہ تمبا کو کہیں بھی نواقض الوضوء میں درج نہیں کیا گیا ہے اس واسطے اس کے استعمال سے وضوء تو نہیں ٹوٹتا ہے مگر بطور احتیاط اور زوال تعفن دہن اگر تجدید وضوء کیا جائے تو بہتر ہوگا۔ ودع مایریبك إلى مالا یریبك۔

فالذی ینبغی للانسان اذا سئل عنه سواء کان ممن یتعاطاه او لا کهٰذا العبد الضعیف وجمیع من فی بیته ان یقول هو مباح؛ لکن رائحته تستکرهها الطباع فهو مکروه طبعا لا شرعا. (شامی ج٥ /ص٤٥٥ ج٦ /ص٢٢٧ فی آخر باب الاشربة) ج٥ /ص٤٠٦ وکذا فی شرح طریقة المحمدیة۔

اشربۂ مسکرہ اور ان کی ادویہ کے متعلق تحقیق

[٦٠٩] سوال: ولایت اور امریکہ سے جو ولایتی دوائیاں آتی ہیں ان میں دس سے پچیس ٹکے

الکحل ملا ہوا ہوتا ہے، یہ دوائیاں عموماً ڈاکٹر لوگ مریضوں کو دیتے ہیں تو کیا شرعاً ان دوائیوں سے علاج اور امراض میں استعمال درست ہے یا نہیں؟ یا ان کا خرید وفروخت ایک مسلمان کرسکتا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اسپرٹ اور الکحل اور انگریزی ادویہ کے استعمال اور خرید وفروخت کے متعلق علماء ہند نے مختلف آرائیں ظاہر کی ہیں، اور ملک میں اس پر کافی بحثیں ہوچکی ہیں، قواعد فقہیہ کے اعتبار سے حرمت اشربہ کی تقسیم اور دلائل کو ملحوظ رکھتے ہوئے مذکورہ مسئلہ تین حصوں میں منقسم ہوسکتا ہے:

مائع مسکرات کا پینا بطور تفریح اور لہو۔ ان کا دواء استعمال کرنا۔ ان کا خرید وفروخت۔

(۱) تمام مائع مسکرات خواہ اشربہ اربعہ ہوں یا اور بطور لہو ولعب وتفریح پینا تھوڑا بہت سب حرام ہیں۔ والکل حرام عند محمد وبه یفتی لفساد الزمان، والخلاف انما هو عند قصد التَقَوّی واما عند قصد التلهی فحرام اجماعا (الدر المختار فصل الشرب ج٦/ص٤٥٦ دارا الفکر، ملتقی الابحر کتاب الاشربة ج١/ص٣٥٠ دارالکتب العلمیة، مجمع الانهر ج٢/ص٦٢٧) کذا فی الدر المختار والشامی تحت قوله وحرمها ای الاشربة محمد مطلقا قلیلها وکثیرها فی الاشربة۔ (ج٥/ص٤٤٩)

(۲) اب دواء بالحرام کا سوال ہے تو اس مسئلہ میں امام صاحب اگرچہ فرماتے ہیں کہ حرام اشیاء سے دوا کرنا درست نہیں ہے، مگر اس مسئلہ میں مشائخ کا اختلاف کچھ تخفیف ضرور چاہتا ہے، اس لیے تمام خشک دوائیاں اور مائعات میں وہ دوائیاں جن میں شراب انگوری یا اس کا جزو ملا ہوا نہ ہو بطور دواء ضرورۃً استعمال کرنے کی اجازت ہوگی بشرطیکہ بے ہوشی نہ لاتی ہو، اب شراب انگوری اور اس کے اجزاء جو کسی دوا یا اور کسی چیز میں ملائے گئے ہو ان کا استعمال سہوا یا دواء ہر دو حرام سمجھنا

چاہیے؛ کیوں کہ خمر یعنی انگور کے کچے پانی سے بنا ہوا شراب قطعاً حرام اور پیشاب کی طرح غلیظ نجس ہے، نیز اس کی ذات اور اجزاء خواہ تنہا ہوں یا اور کسی چیز میں ملائے گئے ہوں شرعاً قابل انتفاع نہیں، اس لیے امام صاحب کا قول دوسرے اشربہ میں اس قدر شدید نہیں جتنا خمر میں ہے۔

(۳) اب خرید وفروخت کا مسئلہ رہا تو وہ بھی مندرجہ بالا تفصیل سے واضح ہو گیا یعنی خمر اور اس کے اجزاء جس چیز میں ملائے گئے ہوں اس کی خرید وفروخت تو مسلمان کے لیے جائز نہیں، اور دیگر محرمات کی خشک دوائیاں یا مائعات دوائیاں یا مائعات کی وہ دوائیاں جو سوائے خمر کی دیگر اشربہ کی ملاوٹ سے بنائی گئی ہوں ان کی تجارت بنا بر قول امام صاحب درست ہوگی اگرچہ کراہت سے خالی نہیں، اب خلاصہ جواب ہر سہ سوالوں کا یہ ہوا کہ:

(۱): تمام مائع مسکرات اور شراب یعنی خمر آمیز اشیاء کا کھانا پینا حرام ہے۔

(۲): خمر یعنی انگور کے کچے پانی کا شراب اور وہ چیزیں جس میں یہ شراب ملائی گئی ہو بطور دوا بھی استعمال درست نہیں، اس کے سوا خواہ اشربہ مسکرہ ہوں یا خشک دوائیاں ہو ضرورۃً بطور دوا استعمال کی اجازت ہوگی بشرطیکہ بے ہوشی نہ لائے۔

(۳): خمر اور اس کے اجزاء جس چیز یا دوا میں ملائے گئے ہوں اس کی تجارت مسلمان کو جائز نہیں، اس کے سوا باقی اشربہ وغیرہ سے ملائی ہوئی دوائیوں کی تجارت جائز ہوگی مگر اجتناب اولیٰ ہوگا۔ (ہدایہ ج ۴/ص ۴۷۹ کتاب الاشربۃ اور شامی کتاب الاشربہ ۴۴۴ سے ماخوذ ہے)

والكل حرام من الطلاء والمنصف والباذق والسكر والنقيع، وحرمتها اى حرمة هذه الاشياء دون حرمة الخمر فنجاسة الخمر غليظة ونجاسة هذه الاشياء مختلف فى غلظتها وخفتها، ويكفر مستحل الخمر دون هذه الاشياء، ويحد بشرب قطرة من الخمر وإن لم يسكر، بخلاف هذه الاشياء ويجوز بيع

هذه الاشياء ويضمن متلفها عند الامام خلافا لهما، وفى الخمر عدم جواز البيع وعدم الضمان على المتلف اجماعا۔اه۔(وقال فى اول كلامه فى تعريف الخمر) تحرم الخمر وإن قلت وهى النىّ من ماء العنب إذا غلا واشتد وقذف بالزبد۔اه۔(وقال فى آخر كلامه)

والكل حرام عند محمد وعند الشافعى ومالك وبه اى بقول محمد يفتى لفساد الزمان، والخلاف بينه وبين الشيخين انما هو عند قصد التقوى ليشربها اما عند قصد التلهى فحرام اجماعا (ثم قال) ويكره شرب دردى الخمر والامتشاط به، والمراد بالكراهية الحرمة لان فيه اجزاء الخمر، ولا يجوز الانتفاع بالخمر لان الانتفاع بالنجس حرام، ولا يجوز ان يداوى بها جرح ولا دبر دابة ولا يسقى آدميا ولو صبيا للتداوى ولا تسقى الدواب۔اه۔ (ملخصا من مجمع الانهر ٦٢٦،٦٢٧،٦٢٨ من كتاب الاشربة) قيد بها لان بيع ما سواهن من الاشربة المحرمة جائز عنده خلافا لهما كذا فى البدائع، نهر۔ (شامى ج٤ /ص٤٤٩)

وكذا كل تداو لا يجوز إلا بطاهر وجوزه فى النهاية بمحرم إذا اخبره طبيب مسلم ان فيه شفاءً ولم يوجد مباح يقوم مقامه۔(شامى ج٥ /ص٣٨٣) وحرم قليلها وكثيرها وهى نجاسة مغلظة كالبول وحرم الانتفاع بها ولو لسقى دواب او لطين او نظر للتلهى او فى دواء او دهن او طعام او غير ذلك ولا يجوز بيعها۔اه۔قال الاتقانى: لان ذلك انتفاع بالخمر وانه حرام۔ (شامى ج٥ /ص٤٤٤ الاشربة)

ولو ان مريضا اشار إليه الطبيب لشرب الخمر روى عن جماعة من ائمة بلخ انه ينظر ان كان يعلم يقينا انه يصح حل له التناول، وقال الفقيه عبدالملك حاكيا عن استاذه انه لا يحل التناول كذا فى الذخيره۔ (عالمگيرى ج٥/ص٣٥٥)

اقول وعندى قول الفقيه عبدالمالك احرى بان يفتى به لان الشفاء بالخمر مظنون فلا يدخل فى جواز اساغة اللقمة المسدودة فى الحلق بالخمر، وكذا فى جواز اكل الميتة عند المخمصة؛ لان فائدة ذلك اقرب إلى اليقين وفائدة التداوى مشكوك او مظنون فلا يقاس عليه۔ محمود حسن غفر الله له۔

وصح بيع غير الخمر اى عنده خلافا لهما فى البيع والضمان لكن الفتوى على قوله فى البيع وعلى قولهما فى الضمان۔اھ۔ (شامى ج٥/ص٤٤٩)

یورپ سے ڈبوں میں آنے والے گوشت کی تجارت

[٦١٠] سوال: ولایت سے ڈبوں میں گوشت پیک ہوکر بازاروں میں بکتا ہے، اس کا استعمال اور لین دین اور تجارت جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ولایت سے جو ڈبوں میں گوشت آتا ہے اس کے متعلق اول تو یہ یقین لانا مشکل ہے کہ یہ حلال جانور کا گوشت ہے یا حرام جانور کا، اور بالفرض اگر یہ گوشت حلال جانور کا ہوتو پھر یہ شک رہتا ہے کہ شرعی مذبوح کا گوشت ہے کہ میتہ اور مردار کا گوشت ہے؛ بلکہ یورپ کے لامذہبیت کے قرینہ سے غالب یہ گمان ہوتا ہے کہ مردار ہی کا گوشت ہوگا، ایسی حالت میں

بمصداقِ "دع ما يريبك إلى مالا يريبك" جب تک یہ یقین نہ آئے کہ یہ حلال مذبوح شرعی کا گوشت ہے اس وقت تک مسلمانوں کو مندرجہ ظن غالب کی بنا پر ان ڈبوں کے گوشت کو حرام گوشت سمجھ کر اس کا استعمال اور لین دین یکلخت بند کرنا چاہیے، اور ایسے مشکوک امر کی وجہ سے اپنے مذہب اور دین کو نقصان نہ پہنچائیں۔ وإذا اختلط الذكية بميتة اقل من الذكية تحرى واكل، وإن لم تكن الميتة اقل منها بل مساوية او اكثر فلا توكل حالة الاختيار ويتحرى عند الاضطرار۔ (مجمع الانهر ج ٢ / ص٧٠٦) وبيع ماليس بمال والبيع به باطل كالدم والميتة۔ (مجمع الانهر ج ٢ / ص٣٧٧)

مردوں کے لیے ریشم کا حکم

[٦١١] سوال: یہاں مردوں کے لباس میں تاسہ سلک اور ریشم سلک استعمال ہوتا ہے، اس کے متعلق وہ کہتے ہیں کہ یہ اصلی ریشم نہیں ہے، اور عرب مصر وغیرہ میں اس کا مردانہ لباس میں عام رواج ہے، تو کیا اس کا پہننا جائز اور ریشم کے استعمال میں کونسا گناہ ہے؟ نیز اس کے ساتھ نماز درست ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اصلی ریشم جو مردوں کے لیے ممنوع ہے وہ ایک قسم کے کیڑے سے پیدا ہوتا ہے جو شہتوت کے پتے کھا کر بڑا ہو جاتا ہے پھر لکڑی کے طرح اپنے گرداگرد ایک جال بناتا اور خود اس میں بند ہو جاتا ہے جو اخروٹ سے کچھ کم وبیش ایک گولہ ہوتا ہے، یہ جب خام اور کچا ہوتا ہے تو قز کھلاتا ہے، اور جب اس کو پکا کر اس سے تار نکالتے ہیں تو اس تار کو حریر یا ریشم کہتے ہیں، اسی ریشم کا خالص بانہ (عرض) میں استعمال کیا ہوا کپڑا مردوں کے لیے پہننا جائز نہیں، اور اگر تانہ (طول) اس کا ہو اور عرض سوت وغیرہ کا ہو تو اس کا پہننا اگر بطور فخر وتکبر نہ ہو تو جائز ہے، اب

مسئولہ کپڑا اگر مذکورہ ریشم سے ہو تو مذکورہ ناجائز صورت میں اس کا پہننا حرام ہوگا، اور اگر مذکورہ ریشم سے نہ ہو یا ریشم سے ہو مگر صرف تانہ یعنی طول میں استعمال کیا گیا ہو اور عرض یعنی بانہ سوت یا اور چیز سے ہو تو اس کا پہننا مردوں کو جائز ہوگا، ہاں فخر وتکبر کے لیے عارضی کراہت ہوگی۔ ہدایہ شامی مجمع الانھر کے کتاب الکراہیۃ (الحظر والاباحۃ) میں مفصل موجود ہے۔

رہا اس کا استعمال تو چوں کہ مذکورہ ریشم کا پہننا مردوں کے لیے حرام ہے اور حرام کا مرتکب فاسق ہے، اس واسطے اگر مسئولہ کپڑا اصلی ریشم سے ہو تو اس کے لیے پہننے سے گناہ لازم آئے گا، اور اختلاف حالات سے اس کے گناہ میں بھی کمی بیشی ہوگی، اور اگر اصلی ریشم نہ ہو تو غیر فخر وتکبر کی حالت میں گناہ نہ ہوگا، اور مسئلہ نماز میں چوں کہ ریشم ستر عورت کرتا ہے اور ناپاک نہیں ہے، اس لیے اس کے ساتھ نماز تو ہو جاتی ہے مگر ریشم کے پہننے کا گناہ بہر حال لازم ہوگا۔

بچوں کو ریشم وزیورات پہنانے کا گناہ پہنانے والے پر ہوتا ہے

[۶۱۲] سوال: والدین اگر چھوٹے بچوں کو زیورات وریشم کے کپڑے پہنائے تو اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: زیورات اور ریشم کے کپڑے جس طرح بالغ مردوں کو پہننا حرام ہے اسی طرح نابالغ لڑکوں کو بھی پہنانا حرام ہے، مگر گناہ پہنانے والے پر ہوگا۔ وکرہ الباس الصبی ذھبا وحریرا فان ما حرم لبسه وشربه حرم الباسه واشرابه.اھ۔(الدرالمختار مع الشامی ۳۵۶ کتاب الکراھیة)

مانع حمل آلہ استعمال کرنا یا اسقاط حمل کرنا

[۶۱۳] سوال: فی زماننا حمل نہ ٹھہرنے کے لیے چند اشیاء مہیا ہوئی ہیں تو ان کا استعمال کیسا ہے؟

اور حمل ٹھہرنے کے بعد ایسی دوا کھانا جس سے حمل ساقط ہو جائے یہ کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ حدیث "إنی اکاثر بکم الأمم" اور اس قسم کی دوسری احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ نکاح سے افزائش نسل اور موحدین کی کثرت آنحضرت ﷺ کی خوشنودی کا باعث ہے جو ایک سچے امتی کا منتہائے نظر ہونا چاہیے۔

اور نکاح سے اصلی غرض بھی یہی ہونی چاہیے، اس لیے بلا سخت ضرورت تو یہ فعل کراہت سے خالی نہیں ہے اور بصورت سخت ضرورت مثلاً عورت کمزور ہے یا ایسی بیماری لاحق ہے جس سے وضع حمل میں جان کے تلف کا خوف ہے تو اس صورت میں ادویہ مانع حمل استعمال کرنا یا نطفہ کا اسقاط کرانا بشرطیکہ انسانی خلقت کی تکمیل نہ ہوئی ہو جس کی میعاد تخمیناً ایک سو بیس یوم کیا جاتا ہے درست وجائز ہے۔ العلاج لاسقاط الولد إذا استبان خلقه كالشعر والظفر ونحوهما لا يجوز، وإن كان غير مستبين الخلق يجوز، اما فی زماننا يجوز علی كل حال وعليه الفتوی كذا فی جواهر الاخلاطی۔ (عالمگیری ج٥/ص٣٥٦) لو ارادت القاء الماء بعد وصوله الی الرحم قالوا: ان مضت مدة ينفخ فيه الروح لا يباح لها، وقبله اختلف المشائخ فيه۔ (شامی ج٥/ص٣٢٩) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

دوا کے طور پر شراب استعمال کرنا

[٦١٤] **سوال:** ایک آدمی اپنا علاج دو ڈھائی سال سے یونانی و ڈاکٹری دوا سے کرا کر تھک گیا مگر مرض سے بالکل اچھا نہیں ہوتا، کچھ اچھا ہوتا ہے پھر ایسا زور کرتا ہے کہ حد سے زیادہ، تو اب ڈاکٹر ولایتی شراب یعنی اکسرا کے استعمال کی رائے دیوے تو اس کا استعمال کر سکتے ہیں یا نہیں؟ سنتے ہیں

کہ دوا کے لیے حرج نہیں ہے مگر تسلی نہیں ہوتی لہٰذا تسلی بخش جواب عنایت ہو۔

الجواب: وباللہ التوفیق: شراب کو بطور علاج ودوا استعمال کرنا اگر چہ بعض مشائخ نے مسلم حاذق طبیب کے مشورہ پر جواز کا قول کیا ہے مگر چوں کہ شراب سے صحت پانا اس قدر یقینی نہیں جس قدر مخمصہ کی حالت میں شراب سے دفع تشنگی یقینی ہے، اس لیے راجح اور محتاط قول یہ ہے کہ شراب کو کسی طرح غذاءً یا دواءً استعمال نہ کی جائے، اور نہ اس کو "اساغة اللقمة بالخمر واكل الميتة عند المخمصة" پر قیاس کرنا چاہیے کیوں کہ وہاں فائدہ یقینی یہاں ظنی ہے۔

ولو ان مريضا اشار إليه الطبيب لشرب الخمر روى عن جماعة من ائمة بلخ انه ينظر ان كان يعلم يقينا انه يصح حل له التناول، وقال الفقيه عبدالملك حاكيا عن استاذه انه لا يحل التناول كذا فى الذخيره۔ (عالمگیری ج٥/ص٣٥٥)

هل يجوز شرب القليل من الخمر للتداوى إذا لم يجد شيئا يقوم مقامه فيه وجهان كذا فى التمرتاشى۔ (عالمگیری ج٥/ص٣٥٥، وحوادث الفتاوى ۱۳۳۱ھ ٤٧)

السابع حرمة الانتفاع بها لأن الانتفاع بالنجس حرام۔ (هدايه ج٤/ص٤٧٩) فقط والله سبحانه تعالىٰ اعلم۔

خاوند کا عورت کے زنا پر طلاق دینا

[٦١٥] سوال: ایک عورت نے زنا کرایا یہ معاملہ اس کے خاوند نے دیکھا تو اس کو طلاق دی، تو اس عورت نے خدا کا واسطہ دے کر کہا کہ مجھ کو طلاق نہ دو، آئندہ میں ایسا فعل نہ کروں گی تو کیا اس کے

خدا کے واسطہ پر عمل نہ کر کے مذکور خاوند گناہ کا مرتکب ہوگا یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جب کہ عورت کے بدفعلی پر مرد نے طلاق دیدی، تو اب عورت کا طلاق نہ دینے کے لیے خدا کا واسطہ دینا ہی لغو ہے کیوں کہ طلاق واقع ہو چکی، اور اگر طلاق نہیں دی ہو صرف طلاق دینے کے ارادے پر عورت نے خدا کا واسطہ دیا ہو تب بھی قرینۂ حالیہ سے آئندہ حقوق زوجیت کے عدم قیام کے ظن غالب ہونے سے طلاق دینے پر شوہر شرعاً مورد الزام نہیں ہوگا، خصوصاً جب کہ آئندہ قبائح کثیرہ کا قوی احتمال موجود ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

رات کو نمک نہ دینے کی رسم

[۶۱۶] سوال: نمک رات کے وقت نہ دینا ایسی رسم تقریباً سب گاؤں میں موجود ہے، ایسا ہی مسلمان بھی کرتے ہیں تو کیا اس رسم کا کچھ ثبوت ہے یا غلط رسم پڑی ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ یقیناً ناجائز اور غیر شرعی رسم ہے، شریعت مطہرہ اس قسم کے لغو رسوم سے پاک ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

شعر شاعری کرنا

[۶۱۷] سوال: کوئی شخص شعر لکھے یا شاعری کرے تو اس شخص کے متعلق شریعت محمدی کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ شعر و شاعری کو بطور ایک پیشہ اختیار کر کے ہمیشہ اس میں مشغول رہنا حق و باطل جائز و عدم جائز امور کو بلا امتیاز اشعار میں لانا یقیناً ایک قبیح اور ناجائز فعل ہے، جس کے بارے میں آیات و احادیث میں تصریح موجود ہے۔ ﴿الشعراء یتبعهم الغاون﴾ الآیة۔

وعن ابی هريرة ﷺ عن النبی ﷺ (انه قال:) لان يمتلی جوف احدكم قيحا يريه خير له من ان يمتلئ شعرا، إلى غير ذلك۔

اور اگر کسی حق اور مفید مضمون کو کسی مصلحت شرعی کی غرض سے شعر میں ادا کیا جائے یا اس قسم شعر کو مناسب مقام میں بولا جائے تو یہ ممنوع نہیں بلکہ بعض فوائد شرعی کی ادائیگی کے موقع پر مستحسن اور موجب اجر ہوگا، جس طرح آنحضرت ﷺ نے حضرت حسان رضی اللہ عنہ کی ہجو کفار پر تعریف کی تھی اور ہجو کرنے کے لیے امر کرتے ہوئے دعائیہ جملے ارشاد فرمائے تھے۔

وفی السراجية: وقرأة الاشعار إذا لم يكن فيه ذكر الفسق والغلام لا يكره۔ (البحر الرائق ج۸/ص۲۰۷)

ويجتنب الشعر إلا قليلا من كلام منظوم فى الحكمة او فى نصرة الاسلام او الثناء على الله۔اھ۔(شرع شرعة الاسلام۳۳۶)

الضرب للصبيان كالماء فى البستان کی اصلیت

[۶۱۸] سوال: "الضرب للصبيان كالماء فى البستان" ترجمہ: لڑکوں کو تربیت کے لیے مارنا گویا باغ میں پانی دینا ہے، منقول از خزینۃ العلوم (ص:۱۷) اس کے متعلق مفصل جواب عنایت فرمائیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: یہی الفاظ کسی مستند طریقہ سے نظر سے نہیں گذرے، ممکن ہے کہ حکیمانہ قول ہو چوں کہ مذکور کتاب پاس نہیں، اس لیے اس سے زائد رائے نہیں دے سکتے ہیں؛ البتہ شرعی فیصلہ در بابت ضرب صبیان یہ ہے کہ بچوں کو والدین اور اساتذہ مناسب تادیب اور تعلیم کے لیے بلا افراط وتفریط ضرب وتعزیر وتنبیہ دے سکتے ہیں؛ بلکہ بعض مصالح شرعی کے لیے ضرب وتعزیر ضروری ہوجاتی ہے "مروا صبيانكم بالصلوٰة إذا بلغوا سبعا واضربوهم إذا بلغوا عشرا" (الحديث) والجملة فى ذلك ان الولد امانة الله تعالىٰ عنده اودعه اياه

طاهرا مطهرا على فطرة الاسلام، فيؤديه إلى الله تعالىٰ طاهرا مطهرا ويبذل الجهد فى صيانة عرضه ودينه حتى يعذر عندالله، ويؤدبه آداب الله تعالىٰ فإن ذلك خير له من كثير من القرب، فانه مسئول عنه يوم القيامة ومواخذ به بالتقصير فيه.اهـ.(شرع شرعة الاسلام٤٥٥) بخلاف المعلم لان المامور بضربه نيابة عن الاب لمصلحة والمعلم يضرب بحكم الملك بتمليك ابيه لمصلحة الولد، وهذا إذا لم يكن الضرب فاحشا كما ياتى فى المتن قريبا. (شامی ج٣/ص ٢٦١ تعزير)

دھوتی، لہنگا پہننا

[٦١٩] سوال: ہمارے یہاں مسلمان مرد دھوتی پہنتے ہے اور عورتیں لہنگا اور ساڑی پہنتی ہے اس کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ شرعی ستر ان چیزوں سے حاصل ہوتو نفس ستر کے اعتبار سے تو ان چیزوں کے استعمال میں کچھ حرج نہیں مگر چونکہ بعض چیزیں جیسے لہنگا، دھوتی، ساڑی کفار کی نشانی اور شعار ہوجاتی ہیں اور مسلمان کو کفار کی مشابہت سے منع کیا گیا ہے، اس لیے مسلمانوں کو اس قسم کی چیزوں سے جن میں کفار کے ساتھ مشابہت لازم آتی ہو احتراز کرنا لازم ہے۔ (امداد الفتاوی ج٢/ص١٢٦)

حرہ عورت کا کھلے سر رہنا

[٦٢٠] سوال: ملک برما میں عورتیں بالوں کا جوڑا سر پر باندھتی ہیں اور سر کھلا رکھتی ہیں، اس کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ آزاد حرہ عورت کا سر اور سر کے بال بھی عورت میں داخل ہے، جس کا ستر

واجب ہے لہٰذا حرہ کے لیے سر کھلا رکھنا حرام ہے، اور حرام کا مرتکب فاسق ہے۔ وللحرة جميع بدنها حتى شعرها النازل فى الاصح۔اھ۔(در مختار مع الشامی ۴۲۰ ستر العورة)

عورتوں کو دکان پر خرید وفروخت کے لئے بٹھلانا

[۶۲۱] سوال: بعض مسلمانوں میں یہ رواج ہے کہ وہ پردہ نہیں کرتے اور عورتوں کو علانیہ بازاروں میں خرید وفروخت کے لئے بٹھلاتے ہیں تو ان کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ پردے کا ثبوت قرآن اور احادیث اور اقوال فقہاء سے اس قدر مفصل اور واضح طور سے بیان کیا گیا ہے جس پر مزید روشنی ڈالنے کی ضرورت نہیں۔ لہذا اس کے خلاف کرنا یقیناً ارتکاب حرام ہے اور حرام کا ارتکاب بہ نفسہ موجب گناہ اور فسق ہے اور اگر اس حرام محض کے متعلق حلال ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو تو پھر یہ عقیدہ موجب کفر ہو جائے گا۔ بہر حال مسلمان کا مذہب اور غیرت کبھی یہ گوارا نہیں کرتی ہے کہ مشتہاۃ عورتوں کو سر بازار خرید وفروخت کے لئے بٹھلا کر خود کے ایمان اور ان عورتوں کے ایمان اور عام پبلک کے ایمانوں میں نقصان کا موجب بنیں۔ (شامی ج۱/ص۴۲۲)

عورتوں کو لکھنا سکھانا

[۶۲۲] سوال: مسلمان عورتوں کو لکھنا سکھانا چاہیے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ایک روایت ایسی آئی ہے کہ " لا تعلموا نسائكم سورة يوسف ولا الكتابة" جس سے منع معلوم ہوتا ہے مگر خود حضور ﷺ نے حضرت حفصہؓ کو لکھنے کی اجازت دی تھی جو بروایت ابو داؤد کے حدیث میں موجود ہے، اس سے جواز نکلتا ہے، اس لیے ہر دو اقوال

میں تطبیق دینے کے لیے یہ جواب دیا جائے گا کہ جہاں خوف فتنہ نہ ہو وہاں تو لکھنا سکھانا جائز ہے ورنہ ناجائز ہوگا۔كذافى تتمة الثالثة امداد الفتاوى ص ٢٤۔

مدرسہ نسوان میں غیر محرم بالغات کو بالغ کا تعلیم دینا

[۶۲۳] سوال: یہاں ایک مدرسہ نسوان کھولا گیا ہے جس میں بارہ برس سے لے کر چالیس برس تک والی عورتیں تعلیم پاتی ہیں، مسجد میں ایک نوجوان سرحدی پشاوری امام ہیں، یہی حضرت انہی عورتوں کو خانگی مکان میں بے پردگی سے پڑھاتا ہے، یہ حضرت کسی جرم میں پہلے چھ ماہ کا جیل بھی کاٹ کر آئے ہیں، یہ حضرت ان عورتوں کے ساتھ خوش طبعی اور تمسخر بھی فرماتے ہیں، اور مہتمم صاحب اس کام میں مدد دیتا ہے، اور اس کو باعث اجر عظیم سمجھتا ہے تو کیا ایسی حالت میں جب کہ ایسی تعلیم میں شر وفتنہ کا قوی احتمال موجود ہے، تعلیم مذکورہ بند کرنا گناہ ہوگا؟ اور تعلیم موجودہ شکل میں جاری رکھنا چاہیے یا بند کرنا چاہیے؟ مع حوالہ کتب جواب عنایت کیجئے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ایک جوان شخص کے لیے جوان غیر محرم عورت کے ساتھ خلوت میں رہنا یقیناً حرام فعل ہے؛ نیز جس شخص کی بد چلنی کے متعلق ثبوت موجود ہے ایسے شخص کا اجنبیہ جوان عورت سے ہم کلام ہونا اور بے پردگی کے ساتھ خلوت میں تمسخر و مذاق کرنا سخت بے حیائی اور حرام فعل ہے، خصوصا جب کہ آئندہ فتنہ فساد کا قوی احتمال موجود ہو، اس لیے موجودہ طرز یقیناً ناجائز ہے جس کو بند کرنا ضروری ہے، اب یا تو اس مدرسہ میں عورت استانی مقرر کی جائے یا اگر یہ نہ ہو سکے تو عورتوں کے لیے گھروں میں شوہروں اور محارم سے تعلیم کا انتظام کیا جائے۔

وفى الاشباه: الخلوة بالاجنبية حرام.اھ.(الدرالمختار كراهية) فان خاف الشهوة او شك امتنع نظره إلى وجهها، فحل النظر مقيد بعدم الشهوة

وإلا فحرام و هٰذا فی زمانهم، واما فی زماننا فمنع فی الشابة، قهستانی وغيره۔ (الدرالمختار مع الشامی ٣٦٤ كراهية)

ضرورۃً مانع حمل یا مسقط حمل علاج کروانا

[٦٢٤] سوال: ایک عورت حاملہ ہے اس کو ہمیشہ ٦/ ٧ مہینے میں بچہ ہوتا رہتا ہے مگر سخت تکلیف سے پیدا ہوتا ہے جس سے عورت قریب المرگ ہو جاتی ہے، ڈاکٹروں کی رائے ہے کہ اس کا بچہ دان نکلوا دینا چاہیے ورنہ عورت ہلاک ہو جائے گی، کیوں کہ اب اس میں جننے کی قوت نہیں رہی ہے، بچہ دان کو بذریعہ آپریشن نکلوانے میں بسا اوقات موت بھی واقع ہوتی ہے، اور بہت سی دوائیاں بھی ایسی ہوتی ہیں جن سے حمل ساقط ہو جاتا ہے، تو کیا اس عورت کا آپریشن کیا جائے یا مسقط جنین ادویہ استعمال میں لائی جائیں اور مندرجہ علاج بوقت حمل کیا جائے یا بعد وضع حمل؟

الجواب: وباللہ التوفیق: جب کہ ولادت میں موت کا قوی احتمال موجود ہے تو علوق کے روکنے کے لیے مناسب تدبیر ضرورۃً جائز ہے، اور چوں کہ آپریشن میں بھی موت کا خدشہ موجود ہے، اور مندرجہ ضرورت بلا آپریشن مانع حمل ادویہ سے پوری ہو سکتی ہے تو بلا ضرورت آپریشن نہ کیا جائے؛ بلکہ ایسے علاج سے ضرورت پوری کی جائے جو غالباً بے ضرر ہو، رہا یہ سوال کہ علاج بعد وضع حمل کیا جائے یا حمل کی موجودگی میں تو بہتر یہ ہے کہ حمل کے غیر موجودگی میں علاج کیا جائے مگر حسب ضرورت بوقت حمل بھی اسقاط جنین کی تدبیر جائز ہے بشرطیکہ جنین میں انسانی اعضاء اور آثار کا ظہور نہ ہوا ہو جس کی میعاد کا تخمینہ چار ماہ یعنی ایک سو بیس یوم کیا گیا ہے، اور اگر عورت کی جان کا خطرہ غالب ہو تو سخت ضرورت کی صورت میں اس کے بعد بھی تدبیر اسقاط جائز ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

العلاج لاسقاط الولد إذا استبان خلقه كالشعر والظفر ونحوهما لا

يجوز، وإن كان غير مستبين الخلق يجوز، اما في زماننا يجوز على كل حال وعليه الفتوى كذا في جواهر الاخلاطي۔(عالمگیری ج٥/ص٣٥٦)

و قالوا يباح اسقاط الولد قبل اربعة اشهر۔ (الدر المختار) ويحتمل انها اراد الحاق مثل هذا العذر به كان يكون في سفر بعيد او في دار الحرب فخاف على الولد۔اه۔قال ابن وهبان: ومن الاعذار ان ينقطع لبنها بعد ظهور الحمل و ليس لابي الصغير ما يستاجر به الظئر ويخاف هلاكه (ثم قال) وفي الظهيرية قال ابن وهبان: فاباحة الاسقاط محمولة على حالة العذر او انها لا تأثم اثم القتل۔اه۔(شامی ج٢/ص٥٢٢) والاصل ان ايصال الالم إلى الحيوان لا يجوز شرعا إلا لمصالح تعود إليه ثم قال بعد ذلك و الحامل لا تفعل ما يضر بالولد۔اه۔(البحر الرائق ج٨/ص٤٨٦)

امراض کا علاج داغ یا دم پھونکنے سے کرنا

[٦٢٥] **سوال:** ایک آدمی بڑور (تلی) کی بیماری کا علاج اس طور سے کرتا ہے کہ پہلے اس جگہ پر سات تہہ کپڑا رکھتا ہے، پھر اس پر سات لکڑیاں بانس کی رکھتا ہے، پھر اس پر آگ کا شعلہ رکھتا ہے، بعدہ زمین پر سات لکیریں کھینچتا ہے جس سے اس بڑور پر لکیر پڑتی ہے، اور عام خیال یہ ہے کہ اس سے بڑور اچھا ہوتا ہے تو کیا یہ فعل درست ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: مذکورہ ترکیب مرض کے ازالہ کے لیے ایک علاج ہے، اور علاج امراض میں اللہ تعالیٰ کو شافی مطلق سمجھ کر اگر حلال دواء یا مشروع اوراد اور وظائف سے علاج کیا جائے تو اس میں شریعت کی طرف سے اجازت ہے۔

لکل داء دواء فا ذا اصیب دواء الداء برئ بإذن الله۔ (مسلم) الشفاء فی ثلثة فی شرطة محجم اوشربة عسل اوكية بنا ر وانا انهى امتى عن الكى۔ (بخا ری) قال طیبی: بعد ما بين محل النهى بالكى، واباح استعماله على معنى طلب الشفاء والترجى للبرء بما یحدث الله من صنعه فيه فيكو ن الكى والدواء سببا لاعلة، ولابأس بالرقی ما لم یکن شرکا۔ (مسلم) کل ذلك فى (المشكوة كتا ب الطب والرقى ۳۸۷،۳۸۸)والله سبحانه تعالىٰ اعلم۔

فاحشہ بازاری عورتوں کوکرایہ پرمکان دینا

[۶۲۶] سوال: ایک شخص کا مکان ایسے مقام پرواقع ہے جہاں فاحشہ عورتیں رہتی ہیں،تواس کے لیے فاحشہ بازاری عورتوں کوکرایہ پرمکان دینا اوران سے کرایہ لینا کیسا ہے؟ اس کے متعلق جو ترکیب مناسب ہوتحریر کیجئے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ فاحشہ عورتوں کومکان کرایہ پردینے میں دووجہ سے خرابی ہے:

ایک تو معصیت کے کام میں ایک قسم کی اعانت ہے، دوم یہ ہے کہ فاحشہ عورت جوکرایہ دے گی اس کے متعلق غالب گمان یہ ہوتا ہے کہ وہ ناجائز کمائی کا مال ہوگا۔

پہلی وجہ کے متعلق امام صاحب جواز کا قول کہتے ہیں، اور صاحبین ناجائز کہتے ہیں، بہرحال کراہت یقینی ہے۔

اوروجہ ثانی کے متعلق یہ حکم ہے کہ جب ہماراحق ہوکسی پراوروہ ہم کوہماری رقم دیناچاہےتو چاہےوہ عادل ہویافاسق مگرجب تک ہم کویہ یقین نہ ہوجائے کہ یہ رقم حرام سے حاصل کی گئی ہے اس وقت تک ہم کولینادرست ہے،اوراگریقین ہوجائے بعینہ یہ وہ رقم ہے جوحرام سے حاصل کی

گئی ہے، تو نہ لینا چاہیے۔

اب ان دو وجوہ پر غور کرنے سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فاحشہ عورت کو کرایہ پر مکان دینے میں ممانعت نہیں بلکہ خیر بھی نہیں ہے اور ایک خوددار مسلمان اور دیندار شخص کا یہ کام نہیں کہ مشتبہات میں پڑے، اس لیے اگر مذکورہ مکان کے لیے کوئی جائز مناسب کرایہ دار مل سکے تو اس کو کرایہ پر دیدے، ورنہ فروخت کردے اس کے عوض کسی مناسب جگہ پر مکان خریدے۔ وجاز اجارة بيت السواد الكوفة لان غالب اهلها اهل الذمة، ليتخذ بيت نار او كنيسة او بيعة او يباع فيه الخمر وقالا لا يبقى ذلك لانه اعانة على المعصية۔(در مختار) هذا عنده ايضا لانه اجارة على منفعة البيت، ولهذا يجب الاجر بمجرد التسليم ولا معصية فيه۔اه۔(شامی ج ٥ /ص ٣٨٦) واذا استاجر الذمی من المسلم دارا ليسكنها فلا بأ س به ان يشرب الخمر او عبد فيه الصليب لم يلحق المسلم شیء كما لو آجر داره من فاسق ليعص الله فيه۔اه۔(خلاصة الفتا وی ج ٣ /ص ١٥٠)

سود سے بنے ہوئے مکان میں رہائش رکھنا

[٦٢٧] سوال: ایک شخص نے بینک سے سود پر روپئے لیے اور اس پر مکان بنایا تو کیا اس مکان میں اس کے بچے رہ سکتے ہیں کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ رہ سکتے ہیں، کیوں کہ بینک سے سود پر جو رقم لی گئی ہے یہ رقم ایک عقد فاسد کے ذریعہ سے لی گئی ہے، اور عقد فاسد کے ذریعہ سے حاصل شدہ چیز کے متعلق حکم یہ ہے کہ دینے والے کی اجازت سے اگر لینے والا اس پر قبضہ کرلے تو پھر وہ چیز اس کی ملکیت تصور کی جاتی

ہے، تاہم موجودہ فساد کے دفعیہ کے غرض سے مالک کو واپس کرنا چاہیے، اور اگر واپسی سے قبل اس کے ہاتھ میں کسی ذریعہ سے ضائع ہو جائے تو پھر وہ چیز اس کی ملکیت ہی سمجھی جاتی ہے اور اس پر مالک کو اس کا مثل صوری یا معنوی دینا پڑتا ہے۔

اب مسئولہ صورت میں جو رقم حاصل گئی تھی وہ عقد ربا سے حاصل کی گئی تھی اس لیے عقد فاسد سے حاصل ہوئی، اور جب کہ قبضہ کر چکا تو مالک ہو گیا اور جب کہ اس کو مکان کی تعمیر یا خرید میں صرف کیا تو رقم کو ضائع کیا، لہٰذا اب کلیۃً مکان اس کی ملکیت ہو گیا، اور اس پر بینک والوں کی اتنی رقم لازم ہوئی جو یہ ان سے وصول کر چکا تھا۔

اب اگر بینک کے قوانین کے ماتحت یہ شخص سود دینے پر مجبور کیا جائے یا خود سود دیتا رہے تو یہ ایک علیحدہ فعل حرام کا ارتکاب ہے جس کو مکان کی حرمت میں کچھ دخل نہیں، خلاصہ یہ ہے کہ سود کا لین دین ایک علیحدہ فعل حرام ہے، اور چوں کہ سود کے پیسے سے نہیں بنا اس لیے اس میں رہنا منع نہیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

وكل عقد شرط فيه الربوا يكون فاسدا۔اھ۔(مجمع الانهر ج ۲/ ص ۳۸۱)

اہل محلّہ کے ووٹ دینے پر تعمیر مسجد کا وعدہ کرنا

[۶۲۸] سوال: ایک شخص میونسپلٹی کے منبر بننے کے لیے کھڑا ہوا ہے اور اہلِ محلّہ کو ووٹ دینے کی شرط میں ان کی مسجد یا درگاہ تعمیر کرنے کا وعدہ کرتا ہے تو کیا اس شرط پر ووٹ دینا درست ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: ہرگز نہیں، عہدۂ منبری یا ہر وہ عہدہ جو حقوق مسلمین سے متعلق ہے اس کے لیے منبر اور ووٹر دونوں پر فرض ہے کہ اسلام میں حقوق المسلمین کی نگرانی اور حفاظت مدنظر رکھنا

چاہیے، نفسانیت اور لالچ کو ہرگز دخل نہ دینا چاہیے۔

اگر شخص مذکور اس خدمت کے لیے اہل ہے اور اس سے بہتر شخص اس کام کے لیے نہیں ملتا ہے تو محض احیاء حقوق المسلمین کے لیے ممبر کو اس عہدے کے لیے کھڑا ہونا چاہیے، اور مسلمانوں کو اس کی تائید کرنی چاہیے، اور اگر مندرجہ اہلیت اس میں نہیں تو نہ اس کو کھڑا ہونا چاہیے اور نہ مسلمانوں کو کسی لالچ کی وجہ سے اس کی تائید کرنی چاہیے۔

رہا مسئلہ تعمیر مسجد تو چوں کہ مسجد کو اجر و ثواب ہی کی غرض سے وقف کرنا چاہیے اور یہاں دنیاوی منافع اور ووٹ حاصل کرنے کی شرط پر تعمیر کرنا ہے، اس لیے ایسی مسجد کے حصول میں نہ ممبر کو فائدہ ہے اور نہ مسلمانوں کو، اس لیے اگر مسجد للہ بنانا ہو تو بہتر ہے ورنہ ایسی لغو شرائط سے مسجد کو اور اپنے ایمانوں کو کمزوری سے بچانا چاہیے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ممبری کے حصول کے لیے مسجد میں تقریر کرنا

[۶۲۹] سوال: ممبری کے حصول کے لیے مسجد میں تقریریں اور جلسے جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: نہیں؛ کیوں کہ مسجد میں وہی کام درست ہے جو عبادت الٰہی میں داخل ہو، اور ممبری کا حصول عبادت الٰہی میں داخل نہیں ہے۔ (کبیری ۵۶۲)

وصيانتها عما لم تبن له من احاديث الدنيا واشغالها.

مسجد میں مٹی تیل جلانا

[۶۳۰] سوال: مسجد کے جماعت خانہ میں مٹی کے تیل کی بتی جلانا کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: چوں کہ آنحضرت ﷺ نے پیاز، لہسن گندنا کھانے والے کو رائحہ کریہہ زائل ہونے تک دخول مسجد سے منع کیا ہے، اس لیے علماء نے ہر اس چیز کو مسجد میں لانے سے منع کیا

ہے جس سے بدبو آتی ہو، اس قاعدے پر مسجد میں مٹی کا تیل جس سے بدبو آتی ہے مسجد میں لانا یا جلانا منع ہوگا، اور کراہت میں داخل ہوگا۔ ویجب ان تصان (المساجد) عن ادخال الرائحۃ الکریھۃ لقولہ علیہ السلام: "من اکل الثوم والبصل والکراث فلا یقربن مسجدنا فان الملٰئکۃ تتأذی مما یتأذی منہ بنو آدم" متفق علیہ۔ (کبیری کانفوری ٥٦٢ فیما یتعلق بالمساجد) (تتمہ رابعہ امداد الفتاویٰ ١٧)

مزارات پر عرس اور کھانا

[٦٣١] سوال: پیروں کے درگاہوں پر لوگ چندہ کر کے کھانا پکوا کر اللہ واسطے کھلاتے ہیں جس کا ثواب پیروں کو پہنچاتے ہیں اس قسم کا عرس پیروں کے مزاروں پر چندہ کر کے جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ پیروں کے عرسوں کا ثبوت شریعت مطہرہ میں نہیں؛ بلکہ اصول شرع سے ممنوع ہے، خصوصا ہمارے زمانہ کا وہ عرس جس میں ہر قسم غیر شرعی امور کا ارتکاب کیا جاتا ہے سخت مذموم فعل ہے، رہا ایصال ثواب کے لیے چندہ تو اگر برضا وخوشی محض ایصال ثواب کی نیت سے فقراء کو فائدہ پہنچانے کے لیے کوئی چندہ دے تو درست ہے ورنہ نہیں۔

رہا بزرگوں کے مزارات کو کھلانے کے لیے مخصوص کرنا تو اگر یہ تخصیص وہاں کے فقراء کو زیادہ مستحق سمجھ کر کی گئی ہو تو درست ہے ورنہ نہیں۔ قال یا اللہ انی نذرت لك ان فعلت معی کذا ان اطعم الفقراء بباب سیدۃ نفیسۃ او الامام الشافعی ونحوھما فیجوز حیث یکون فیہ نفع للفقراء اذ النذر للّٰہ۔اھ۔(فتاویٰ خیریۃ ج١/ص١٨) واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔۔

موجودہ علم عربیہ وادب کی تعلیم وتعلم میں اجر وثواب کا حکم

[۶۳۲] سوال: علم عربیہ یعنی مروج فن ادب جس میں ہر قسم کے رطب ویابس اور اکثر اکاذیب بھرے پڑے رہتے ہیں، پڑھنا پڑھانا کیسا ہے؟ اور اس کے پڑھنے اور پڑھانے والے بھی ثواب واجر کے مستحق ہو سکتے ہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چوں کہ ہمارے رسول روحی فداہ عربی تھے، قرآن عربی ہے، جنتی زبان عربی ہے، اس بناپر اس کے پڑھنے پڑھانے والے بھی چوں کہ ایک بہترین زبان کی حفاظت اور ترویج میں ساعی رہتے ہیں تو امید رکھنی چاہیے کہ یہ متعلمین ومعلمین بھی ثواب واجر کے مستحق ہوں گے، اور بسا اوقات ان اکاذیب سے بہتر اور فائدہ مند نتائج برآمد ہو سکتے ہیں، مثلا اخلاق و شجاعت وغیرہ۔

للعر بية مزية على سائر الألسن، وهو لسان اهل الجنة من تعلمها او علمها غيره فهو ماجور۔(شامی الدرالمختار ج۵/ص۴۱۴) وحديث حدثوا عن بنی اسرائيل الخ۔ يفيد حل سماع الاعاجيب والغرائب من كل مالا يتيقن كذبه بقصد الفرجة ای التفصی عن الهم لا الحجة؛ بل وما تيقن كذبه لكن بقصد ضرب الامثال والوعظ وتعليم نحو شجاعة على ألسنة الآدميين والحيوانات ذكره ابن حجر۔(الدر المختار مع الشامی ج۵/ص۳۹۶)

علاتی بہن کے ساتھ زنا کرنا

[۶۳۳] سوال: ایک شخص نے اپنی سوتیلی یعنی علاتی بہن سے زنا کیا وہ حاملہ ہوئی، اور والدین کے علم سے اس کا اسقاط کرایا گیا تو ایسے بہن بھائی اور والدین کے متعلق شرع شریف کا کیا حکم ہوگا؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ زنا فی نفسہ ایک کبیرہ گناہ ہے، اور نص قرآنی کے رو سے حرام مطلق ہے،

اور بہن اور دیگر ذوی الارحام کے ساتھ اس کی کراہت اور قباحت زیادہ مؤکد ہوجاتی ہے، اگر والدین کو ان نالائقوں کے مناسب جگہ پر نکاح کرانے کی قدرت تھی اور پھر بھی سستی کی جس کی وجہ سے یہ مکروہ فعل وقوع میں آیا تو ایک شر کی مدافعت پر قدرت رکھتے ہوئے بھی دفعیہ کی کوشش نہ کرنے سے وہ بھی گنہگار ہوں گے ورنہ نہیں، رہا ان کا اس فعل حرام کا ارتکاب یا والدین کا علم، تو اگر وہ اس فعل کو حلال سمجھتے تھے تو کافر ہوں گے ورنہ مرتکب گناہ اور فاسق ہوں گے مگر کافر نہیں، اب والدین کا فرض ہے کہ جتنا جلد ممکن ہو کسی مناسب جگہ میں سلسلۂ ازدواج میں منسلک کریں اور گذشتہ افعال قبیحہ سے صدق دل سے توبہ واستغفار کریں۔

﴿ولا تقربوا الزنى انه كان فاحشة وساء سبيلا﴾ (الآية پ١٥/اسراء) "ويزوجه اذا ادرك حد البلوغ فان لم يزوجه فاحدث حدثا فالأثم بينهما" اهـ. (شرح شرعة الاسلام ٤٥٤) وفى ذلك حديثين اخرجهما فى شعب الايمان. اهـ (مشكوة ٢٧١)

فوٹوگرافر کی کمائی کا حرام ہونا

[٦٣٤] سوال: ایک شخص فوٹوگرافر ہے جس کی روزی اسی سے چلتی ہے تو یہ کمائی اس کے لیے جائز ہے کہ نہیں؟ اور وہ گنہگار ہوگا کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: تصاویر اور فوٹو نکالنا حرام ہے، اور حرام فعل کے ذریعہ سے جو آمدنی ہوتی ہے وہ بھی حرام ہوتی ہے، اور نیز حرام کا مرتکب گنہگار ہوتا ہے، مذکورہ شخص کو اگر دوسرے جائز طریقے سے کمائی کی کوئی صورت میسر نہ ہو تو غیر ذی روح چیز کی تصویر اور فوٹو نکال کر اس سے اپنی روزی چلانا چاہیے، سعید ابن ابی الحسنؒ کہتے ہیں کہ میں ابن عباس کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی

نے آ کر یہ استفسار کیا کہ میں ایک آدمی ہوں جو ہاتھ کی کمائی سے روزی پاتا ہوں یعنی تصاویر اجرت پر بناتا ہوں، تو ابن عباس نے جواب دیا کہ میں وہی جواب دوں گا جو میں نے سنا ہے میں نے آپ ﷺ سے سنا ہے کہ فرماتے تھے کہ جو شخص صورت بناتا ہے تو قیامت کے روز اللہ تعالیٰ اس کو اس وقت تک عذاب دے گا جب تک اس صورت میں روح نہ ڈالے اور یقیناً نہ ڈال سکے گا، اس کے جواب کے سننے پر وہ آدمی خوف سے کانپ اٹھا اور چہرہ زرد پڑ گیا، یہ حالت دیکھ کر ابن عباس نے کہا کہ اگر تجھ کو بغیر تصاویر بنانے کی کوئی صورت دوسری نظر نہیں آتی تو درخت اور ایسی چیز کی تصاویر بناؤ جس میں روح نہ ہو۔ (بخاری) (مشکوۃ ۳۸۶) وشامی ج ۱/ص ۶۷۹) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کافر نوکر سے بازار سے گوشت منگوانا

[۶۳۵] سوال: ایک مسلم گوشت کی دکان ہے اس کی دکان سے گوشت لے کر ایک پارسل بنا کر ایک مشرک یا نصرانی یا نیٹیو کے ہاتھ بھیجیں تو وہ گوشت دوسرے مسلمان کو کھانا درست ہے یا نہیں؟ (درمیان میں آٹھ میل کا فاصلہ ہے)

الجواب: وباللہ التوفیق؛ کافر نوکر یا خادم اگر بازار سے گوشت خرید کر لائے اور کہے کہ حلال ذبیحہ کا گوشت لایا ہوں تو مسلمان کو اس کے قول کا اعتبار کرتے ہوئے وہ گوشت کھانا جائز ہے، تو موجودہ صورت میں جب مسلم نے خرید کر کافر نوکر کے ہاتھ بھیجا تو بطریق اولیٰ جائز ہوگا۔

و من ارسل اجیرا له مجوسیا او خادما فاشتریٰ لحما فقال اشتریته من یهودی او نصرانی او مسلم وسعه اکله؛ لأن قول الکافر مقبول فی المعاملات۔اھ۔(هدایه ٤ / ٤٣٧) والله سبحانه تعالیٰ اعلم۔

فاسق سے ترک تعلق کرنا

[۶۳۶] سوال: اپنے خاندان میں کوئی شخص غریب ہوتو اس خاندان کے مالدار پر فرض ہے کہ اس کی مدد کرے مگر سوال یہ ہے کہ اس غریب میں بری عادتیں بہ ظاہر دیکھنے میں آتی ہیں، اور کئی مرتبہ سمجھایا کہ بری عادتیں چھوڑ دے مگر وہ بری عادتیں نہیں چھوڑتا تو کیا مالدار شخص پر فرض ہے کہ اس کی مدد کرے یا اگر مدد نہ کرے تو گنہگار ہوگا یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ برے آدمی سے اس کے فسق وفجور کی وجہ سے ترک تعلق وترک معاونت کرنا گناہ نہیں ہے، خصوصا جب کہ بار بار تنبیہ سے بھی متنبہ نہیں ہوتا ہے، لہٰذا مسئولہ صورت میں اگر وہ شخص ان اقارب سے نہ ہو جن کا نفقہ اس پر شرعا واجب ہوتو مالدار کا ترک تعلق وترک معاونت مستوجب گناہ نہیں۔"لا تصاحب إلا مومنا ولا يأكل طعامك إلا تقی"۔ "ان احب الاعمال إلى الله تعالىٰ الحب فی الله والبغض فی الله"۔اھ۔(مشکوۃ۴۲۶)

بداخلاق حکیم سے علاج کرانا

[۶۳۷] سوال: کیا فرماتے ہیں علماء دین اس بارے میں کہ ایک حکیم مسلمان ہے مگر تاڑی، شراب پیتا ہے اور اس پر مداومت کرتا ہے، شادی شدہ بھی نہیں ہے، جس کی وجہ سے لوگوں میں اس کی بداخلاقیوں کا چرچا ہے، اور نماز بھی نہیں پڑھتا ہے، دوائی مغلائی اور پاک حلال دیتا ہے، دوا کے متعلق کسی قسم کا تردد وشک نہیں ہے، تو کیا ایسے شخص کے علاج سے کچھ فائدے کی امید ہو سکتی ہے؟ اور شرعا ایسے شخص سے علاج کرانا جائز ہے یا نہیں؟ مفصل لکھئے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ علاج معالجہ ایک دنیاوی معاملہ ہے، اور عدم خوف فتنہ کے وقت کفار کے ساتھ بھی معاملات میں ممانعت نہیں ہے، مسئولہ صورت میں جب کہ یہ یقین ہے کہ حکیم صاحب

موصوف پاک اور حلال دوائی سے علاج کرتے ہیں تو جب تک مریض کو اس کے فسق وفجور میں اعانت وشرکت کا اندیشہ نہ ہو، نفس اس کی ذاتی بداخلاقیوں اور فسق کی وجہ سے اس سے علاج کرانے میں ممانعت نہیں ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

فرش یا دیوار پر لکھنا

[۶۳۸] سوال: گھر میں نیچے پتھر پر اپنے نام کے حروف نکلوائے ہوں اور انہی پتھروں پر لوگ جوتے سمیت اور بغیر جوتے چلتے ہوں تو اس میں کچھ حرج ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ نام خصوصا جب کہ مسلمان کا ہوگا تو اس میں اللہ یا رسول یا فرشتوں کے نام سے اشتراک پایا جائے گا، اور وہ بھی اگر مکمل طریقہ پر نہ ہو تو کم از کم ایک یا چند حروف کا اشتراک ضرور پایا جائے گا، اس لیے یہ فعل سخت مکروہ ہے اور اس قسم کا کتبہ یا تحریر اگر فرش میں لگایا گیا ہو تو اس کو احترام کے ساتھ کسی مناسب جگہ پر منتقل کرنا چاہیے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔۔

بساط او مصلی کتب علیہ "الملك لله" یکرہ بسطه والقعود علیه واستعماله، وعلى هذا قالوا: لايجوز ان يتخذ قطعة بياض مكتوب عليه اسم الله تعالىٰ علامة فيما بين الاوراق لما فيه من الابتذال باسم الله، ولو قطع الحرف من الحرف او خيط على بعض الحروف فى البساط او المصلى حتى لم تبق كلمة متصلة لم تسقط الكراهة، وكذا عليها "الملك" لا غير، وكذا الالف وحدها واللام وحدها كذا فى الكبرىٰ۔ (عالمگیری ج۵/ص۳۲۳)

سنی کو لوٹیہ رافضی کہنا

[۶۳۹] سوال: کیا فرماتے ہیں علماء شرع شریف اس مسئلہ میں کہ یہاں ایک سنی مسلمان کو

دوسرے شخص نے لوٹیہ کہا ہے، یہاں گجرات میں لوٹیہ رافضی کو کہتے ہیں، اس قسم کے توہین آمیز الفاظ کے کہنے والے پر شرع سے کیا حکم دیا جاتا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ کسی مسلمان کو بلا وجہ ایذاء دینا اور تحقیر وتذلیل کرنا اور ذلت آمیز القاب سے پکارنا بدترین جرم ہے، اور حکم خداوندی ﴿ولا تنابزوا بالالقاب﴾ (الآية) کی خلاف ورزی ہے، شریعت میں ایسے معاصی کا ارتکاب کرنا جس میں من جانب اللہ کوئی دنیاوی حد اور سزا معین نہ ہو اس میں مناسب فہمایش اور تعزیر مقرر ہے جو قاضی کو محل اور افراد کی خصوصیت کے لحاظ سے کمی بیشی کا اختیار ہے۔ وكل مرتكب معصية لاحد فيها، فيها التعزير۔ الاشباه، الدر المختار . نیز فقہاء کی تصریح بھی اس کے متعلق موجود ہے کہ کسی مسلم کو کافر رافضی کہنے سے تعزیر لازم آتی ہے۔

لہٰذا صورت مسئولہ میں جو شخص کہ سنی مسلمان کو رافضی یا لوٹیہ کہتا ہے وہ شریعت کے حکم کے خلاف کرتا ہے، اور سخت گناہ کا ارتکاب کرتا ہے، اور مناسب فہمایش وتعزیر کا مستوجب ہے۔

وعزر الشاتم بياكافر إلى ان قال ويازنديق يا منافق يا رافضى يا مبتدع يا نصرانى ياابن النصرانى، نهر، الدرالمختار۔ قال العلامة الشامى: قال فى النهر: ولا يخفى ان قوله يا رافضى بمنزلة ياكافر يا مبتدع فيعزر لأن الرافضى كافر إن كان يسب الشيخين و مبتدع إن فضل عليّا عليهما من غير سب كما فى الخلاصة۔ (الدر المختار مع الشامى ج ٣ /ص ٢٨٤ تعزير)

اور اگر اسی لفظ کے کہنے والے کے اعتقاد میں مخاطب رافضی کافر ہو تو اس صورت میں وہ خود کافر ہو جائے گا جیسا کہ درمختار اور شامی کی اسی عبارت میں موجود ہے۔ وهل يكفر ان اعتقد المسلم كافراً نعم وإلا لا۔ شرح وهبانية، الدرالمختار۔ فقط والله سبحانه تعالىٰ اعلم۔

جانی و مالی بیمہ کرانا

[٦٤٠] سوال: دوکان کے مال کا بیمہ کروانے کے لیے علماء دین کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ بیمہ کمپنی میں مالی وجانی بیمہ کرانے میں کئی وجوہ سے خرابی ہے، اول تو یہ ایک ایسا عقد ہے جو معلق بالخطر اور قمار کے اقسام میں داخل ہوسکتا ہے، دوم جو منافع اس میں ملتا ہے وہ دراصل اس رقم کا سود ہے جو بیک وقت یا باقساط داخل کرنی پڑتی ہے، تو اس وجہ سے سود لینے میں داخل ہے، بہرحال یہ عقد خبث سے خالی نہیں اور مسلمانوں کو اس سے احتراز لازم ہے۔ (امداد الفتاوی ج ٣/ص ٣٧)

جاپانی کھلونوں اور تصاویر کی تجارت کرنا

[٦٤١] سوال: جاپانی ویورپ کے وہ کھلونے جو بچوں کے لیے خریدے جاتے ہیں جن میں حیوانات اور کفار کے پتلے اور تمثال ہوتے ہیں، ان کی تجارت مسلمانوں کو کرنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ناجائز ہے، ذی روح تماثیل اور تصاویر بنانا اور اس کی ترویج واشاعت میں لین دین کے ساتھ معاونت ہر دو ناجائز ہے، مجتبی میں ابی یوسف سے بچوں کے کھلونوں کی مالیت اور صحت بیع کی ایک روایت آئی ہے؛ مگر طرفین کے نزدیک نہ یہ چیزیں مال متقوم ہیں اور نہ اس کی لین دین جائز ہے اور یہی قول صحیح اور بااحتیاط ہے لہٰذا مسلمانوں کو اپنی محنت اور پیسہ مشتبہات میں صرف کرنے سے بچانا چاہیے۔ وسيأتي في باب متفرقات البيوع متنا وشرحا مانصه: اشترى ثورا او فرسا من خزف لاجل استئناس الصبي لا يصح ولا قيمة له فلا يضمن متلفه، وقيل: بخلافه يصح ويضمن. (قنية) وعن ابي يوسف يجوز بيع اللعبة وان يلعب به الصبيان. (شامي

ج ۱ / ص ۶۰۸،۶۸۰ مکروھات الصلوٰۃ)

ہر پیغمبر کے نام سے قبل لفظ ''یا'' بڑھانا

[۶۴۲] سوال: لفظ ''یا'' ہر پیغمبر کے نام سے قبل لگانا چاہیے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ قرآن وحدیث میں کسی مخصوص مقام پر جہاں لفظ ''یا'' ذکر ہے مثلا یا داؤد، یا زکریا وغیرہ تو اس قول کے ساتھ تو لفظ ''یا'' پڑھنا ضروری ہے، اس کے علاوہ محض پیغمبر کے نام لینے کے وقت ''یا'' کا لفظ لگانا نہیں چاہیے، خصوصا جب کہ اس سے اعتقادی خرابی کا خدشہ ہو۔

غیر سید کا سبز عمامہ پہن کر اپنے آپ کو سید مشہور کرنا

[۶۴۳] سوال: ایک شخص کے باپ دادا ملاں کہلاتے تھے انہوں نے کبھی بھی ساداتی کا دعویٰ نہیں کیا، اور نہ کبھی اپنے آپ کو سادات کہلائے، اب اس نے کسی سادات کے شجرے کا نقل اتار کر اس میں اپنے آپ کو داخل کر کے اپنے آپ کو سادات مشہور کرنے لگے تو ایسے شخص کے لیے شرعا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ شرعاً نسب پر فخر کرنا درست نہیں، اور اپنا نسب چھوڑ کر دوسرے نسب میں داخل ہونا بھی درست نہیں؛ کیوں کہ انساب کا تقرر آپس کی معرفت کے لیے ہے نہ کہ فخر ومباہات کے لیے، مسئولہ صورت میں اپنا نسب چھوڑ کر لوگوں میں عزت حاصل کرنے کے لیے دوسرے نسب میں داخل ہونے کی کوشش کرنا تلبیس کے علاوہ خاندان نبوت کی توقیر کو کذبا اپنے لیے حاصل کرنا ہے جو بدترین جرم ہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ عوام میں اس کی کذب کی تشہیر کر کے مناسب تعزیر دے دی جائے۔

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

(سئلت) عمن من انتسب إلى آل بيت النبوة و ليس هو منهم ولبس عمامة خضراء ليقال أنه سيد وشريف لماذا يلزمه؟

(الجواب) انه يمنع من لبس العمامة الخضراء ويعزر تعزيرا شديدا ويحبس حتى يظهر صلاحه، افتى بذلك فى البهجة ونقل عن معين الحكام مانصه: من انتسب إلى آل النبى عليه السلام يضرب ضربا شديدا وجيعا، ويشهر ويحبس طويلا حتى تظهر توبته فانه استخفاف بحق النبى عليه السلام (وفى دعوى الاستخفاف نظر، تامل)(فتاوى كامليه فى الحوادث الطرابلسية على مذهب ابى حنيفة نعمان٢٦٥)

اجنبیہ کے ساتھ مصافحہ اور دست بوسی کی تحقیق

[۶۴۴] سوال: یہاں سادات غیر محرم عورتوں سے ہاتھ ملاتے ہیں، اور جانبین ایک دوسرے کی دست بوسی کرتے ہیں، اور سید کے بچے اگر راستہ میں مل جائیں تو لوگ اس کے ہاتھ کو چومتے ہیں یہ شرعاً کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اول اس امر کو محفوظ رکھنا چاہیے کہ کہ اسلام نے انساب کو شرف اور تعظیم کا معیار نہیں بنایا ہے؛ بلکہ تقویٰ اور پرہیز گاری کو شرف اور بزرگی کی نشانی مقرر کیا ہے۔ ﴿ان اكرمكم عند الله اتقاكم﴾

دوم یہ کہ آبائی بزرگی سے اولاد کی بزرگی کو تسلیم کرنا شرعاً وعقلاً باطل ہے۔

سوم یہ کہ مشتہات اجنبیہ عورت کے بدن سے کسی حصہ کو چھونا شرعاً جائز نہیں، صحاح میں بروایت حضرت عائشہ وغیرہ رضی اللہ عنہم موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی اجنبیہ کے ہاتھ کو نہیں

چھویا۔

چہارم یہ کہ دست بوسی کے جواز کے لیے فقہاء نے چند افراد کو مخصوص کر دیا ہے، یعنی عالم، بادشاہ عادل، متقی کے علم، عدل وتقوی کے اظہار بزرگی کے لیے دست بوسی جائز ہے، اس کے ساتھ والدین اور استاذ کی دست بوسی کی بھی اجازت دی جا سکتی ہے، اس کے سوا دست بوسی کو حرام لکھا ہے، اب سادات کے بچے تو یقیناً مندرجہ مستثنیات میں داخل نہیں، اور خود سادات اگر مندرجہ اوصاف سے موصوف نہ ہوں تو وہ بھی مستثنیات میں داخل نہیں، لہٰذا سادات کے بچوں کی دست بوسی اور خود سادات کی دست بوسی جب کہ وہ سادات مندرجہ اوصاف سے موصوف نہ ہوں ہرگز جائز نہیں۔

رہا سادات کا غیر محرم عورتوں سے مصافحہ اور دست بوسی تو اس کی حرمت میں کوئی شک نہیں، خصوصا جب کہ اس فتنے کے زمانہ میں مشتہات عورتوں سے مصافحہ اور دست بوسی کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ هدانا الله لمايحبه ربنا ويرضاه۔

ولا بأس بتقبيل يد العالم المتورع والسلطان العادل ولا رخصة فيه لغيرهما، وفى المحيط ان كان لتعظيم اسلامه واكرامه جاز، وان كان لنيل الدنيا كره.اه.(الدرالمختار شامی ج٥/ص٣٧٧) وكذا فى العالمگيرية مفصلا ج٥/ص٣٦٩)

وكذا يكره تقبيل يد نفسه اذا لقى غيره فلا رخصة فيه، واما تقبيل يد صاحبه عند اللقاء فمكروه بالاجماع، وفى الملتقط: التعظيم لغير الله حرام. (الدرالمختار والشامی ج٥/ص٣٧٨) وماحل نظره حل لمسه الا من اجنبية، فلا يحل مس وجهها وكفها وان امن الشهوة. (الدرالمختار ج٥/ص٣٦٢)

نومسلم کا نام سید محمد رکھنا

[۶۴۵] سوال: یہاں برما میں ایک شخص مسلمان ہوا جس کا نام سید محمد رکھا گیا تو کیا نومسلم سید کے ساتھ پکارا جاسکتا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: اسلام میں اسماء وانساب عزت کی چیز نہیں؛ بلکہ آپس کی تمیز کی چیز قرار دے چکا ہے۔﴿وجعلکم شعوبا وقبائل لتعارفوا﴾ الآیۃ اس لیے اسماء کے اعتبار سے پرانے مسلمان اور جدید مسلمان برابر ہیں، ہاں اگر کسی ملکی اصطلاح میں یہ نام قومیت سادات کی نشانی تسلیم کی گئی ہو تو اس وقت دنیاوی معاملات میں چند مسائل، مثلاً زکوٰۃ یا ولایت کفو وغیرہ میں التباس کا احتمال ہے، اور اس عارض کی وجہ سے پھر یہ نام رکھنا غیر سید کے لیے مکروہ ہوگا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مجلس میلاد میں آنے سے انکار کرنا

[۶۴۶] سوال: ایک شخص نے مولود پڑھنے کے لیے ایک دن مقرر کیا، اور لوگوں کو دعوت دینے کے لیے گیا مگر ایک آدمی نے آنے سے انکار کیا، تو کیا شرعاً اس پر کچھ گناہ ہے؟ اور مولود کی نیاز کو متبرک سمجھ کر کھانا درست ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چوں کہ مجلس مولود میں جانا شرعاً لازم نہیں تو اس میں شرکت سے انکار موجب گناہ نہیں، اور چوں کہ مولود کی نیاز ہی شرعاً ثابت نہیں تو اس کا متبرک سمجھنا یقیناً جائز نہیں۔

جماع کے وقت تھوک نگلنا

[۶۴۷] سوال: اپنی عورت سے ہمبستر ہوتے وقت تھوک منہ میں آ کر پھر واپس نگل جائے تو

حدیث شریف میں اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: ہمبستری کے وقت تھوک نگلنے کے بارے میں ممانعت نہیں آئی ہے، لہٰذا مباح ہے۔ الاصل فی الاشیاء الاباحۃ۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

لایعنی سوال کا جواب نہ دینا

[۶۴۸] **سوال:** گائے، بکری، بھینس وغیرہ جانوروں کا ذبح کرنا کب سے شروع ہوا؟

الجواب: وباللہ التوفیق: چوں کہ یہ سوال مسلمانوں کے اعتقادی و عملی امور سے تعلق نہیں رکھتا ہے اس لیے اس کا جواب دینا ہمارے منصب سے خارج ہے۔

مدرسہ تعلیم القرآن کے اوپر کلب یا انجمن بنانا

[۶۴۹] **سوال:** ہمارے گاؤں میں بچوں کا ایک مدرسہ ہے جس کے نیچے حصے میں بچے قرآن کریم پڑھتے ہیں، اسی مکان کے اوپر کے حصے میں مسلم نوجوان انجمن یا محفل یا کلب بنانے کا ارادہ رکھتے ہیں تو اس میں شرعا کوئی ممانعت تو نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: کوئی ممانعت نہیں، البتہ تدریس کے وقت ایسے حرکات سے احتراز کرنا چاہیے جو تعلیم یا قرأت میں خلل ڈالتے ہوں۔ قال فی البزازیۃ: وضع القرطاس الذی علیہ اسم اللہ تحت الطنفسۃ لاباس بہ؛ لانہ یجوز النوم والقعود علی سطح بیت فیہ المصاحف۔شرح شرعۃ الاسلام (ص۷۹) وقریبا منہ فی العالمگریۃ فی مبحث الکراھۃ۔

کفار کے تہواروں میں شرکت کرنا

[۶۵۰] **سوال:** ہندو ریاستوں میں ہندو تہوار، جیسے دیوالی، دسہرا وغیرہ میں سرکاری سواری گھوڑے

پیالے اور پلٹن اور ہاتھی وغیرہ کے ساتھ نکلتی ہے، اور ہندو پوجا پاٹ ہوتی ہے اور دربار بھرتا ہے، اس دربار میں مہاراجہ کی گاڑی پر راجا کا فوٹو رکھا جاتا ہے، اور اس دربار کے قواعد کے مطابق فوٹو کو سلام کرنا پڑتا ہے، ایسا کرنے میں کوئی پیرزادہ، شہر قاضی، سجادہ نشین وغیرہ مسلمان شریک ہوتے ہیں، ایسے مسلمان شریعت پناہ، شہر قاضی، پیرزادہ، پیری مریدی کرنے والا، سجادہ نشین، پیش امام اور خطیب وغیرہ بن سکتے ہیں؟ اور ان کاموں کے اہل ہو سکتے ہیں؟ ان کے متعلق شریعت مطہرہ کیا حکم دیتی ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ کفار کے تہواروں میں شرکت کرنا ان ایام میں ایک دوسرے کو ہدایا اور تحائف بھیجنا اور ان ایام کی تعظیم کی غرض سے ایسی چیزیں خریدنا جو ان ایام کے بغیر نہیں خریدی جاتی تھیں، ان تمام افعال سے شعائر کفار کی تعظیم پائی جاتی ہے جن کو ہمارے مشائخ احناف موجب کفر تسلیم کر چکے ہیں، اس لیے بفحوائے ﴿فلا تقعد بعد الذکریٰ مع القوم الظٰلمین﴾ (الآیۃ) ہر مسلمان کو اپنے ایمان کی حفاظت کے خاطر شعائر کفار اور ان کے تہواروں میں شرکت سے اجتناب لازم ہے، رہے علماء ومشائخ اور رہنمایان ملت تو جب کہ ان کے لیے شبہات سے بھی اجتناب لازم ہے تو ایسے افعال کہ جن میں ایمان کے عدم بقاء کا حکم موجود ہو تو وہ ایسے افعال کا ارتکاب کس طرح کر سکتے ہیں؟ **اعاذ نا اللّٰہ من زوال الایما ن.**

یکفر بوضع قلنسوۃ المجوس علیٰ رأسه علی الصحیح الا لضرورۃ دفع الحر او البرد. (الی ان قال) وبخروجه إلی نیروز المجوس لموافقته معهم فیما یفعلون فی ذلك الیوم وبشرائه یوم النیروز شیئا لم یکن یشتریه قبل ذلك تعظیما للنیروز (لا للأکل والشرب) وباهدائه ذلك الیوم للمشرکین ولو بیضة تعظیما لذلك.اھ.(عالمگیری ج ۱ /ص ۲۷۷)

مزامیر کی تجارت کرنا

[۶۵۱] سوال: ایک مسلمان مزامیر وغیرہ کی تجارت کرتا ہے تو کیا مزامیر یعنی ڈھول وغیرہ کی تجارت کیسی ہے؟ اور ایسی تجارت کرنے والے کے گھر کی دعوت کیسی ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مزامیر کی تجارت کے بارے میں امام صاحب اور صاحبین میں اختلاف ہے، امام صاحب جائز مانتے ہیں اور صاحبین ناجائز ہر دو اقوال کے اجتماع سے یہی فیصلہ کیا جائے گا کہ ایسی چیزوں کی تجارت حکماً تو جائز ہے مگر احتیاطاً و تورعاً اجتناب اولیٰ ہے، باقی دعوت قبول کرنا چوں کہ ایک علیحدہ مسنون امر ہے اس لیے اس کا ترک اس وقت تک بہتر نہ ہوگا جب تک مدعوالیہ طعام میں حرمت ظاہر نہ ہو۔ ویجوز بیع هذه الاشياء وقالا لا يجوز۔اھ۔(خلاصة الفتاویٰ ج ٤ / ص ٣٣٦ كراهية)

حجامت اور ناخن کاٹنے کے لیے جمعہ کی تعیین

[۶۵۲] سوال: کیا حجامت اور ناخن تراشنا سوائے جمعہ درست نہیں ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ حجامت بنانا یا ناخن کترانا تمام ایام میں درست ہے، اور اگر تاخیر میں حد سے طوالت لازم نہ آتا ہو تو جمعہ تک تاخیر مستحب ہے۔ يستحب حلق الرأس في كل جمعة۔اھ۔ رجل وقّت لقلم اظافيره أو لحلق رأسه يوم الجمعة قالوا: ان كان يرى جواز ذلك فى غير يوم الجمعة واخّر إلى يوم الجمعة تاخيرا فاحشا كان مكروها؛ لأن من كان ظفره طويلا يكون رزقه ضيقا وان لم يتجاوز الحد، واخره إلى يوم الجمعة تبركا بالاخبار فهو مستحب، كذا فى قاضيخان۔ (عالمگیری ج ٥ / ص ٣٥٨، الدر المختار ج ٥ / ص ٣٥٧)

موئے زیرناف کاٹنے کے لیے دوسرے سے مدد لینا

[۶۵۳] سوال: زیرناف بال اگر کسی عذر سے دوسرے شخص کے ہاتھ کٹوائے تو درست ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چوں کہ ستر عورت فرض ہے، اس لیے بلاضرورت دوسرے سے نہ کٹوائے، اور کسی عذر سے خود نہ کاٹ سکے تو دوسرے سے کٹوانے کے بغیر دوسرا حیلہ بھی ازالہ کا نہ ہو تو دوسرے سے کٹوائے مگر کاٹنے والے کو حتی الامکان ضرورت کے مقام کے سواء باقی حصہ نہ دیکھنا چاہیے۔ و فی جامع الجوامع: حلق عانته بيده وحلق الحجام جائز ان غض بصره۔ (عالمگیری ج ۵ / ص ۳۹۳) ويكره فى الحمام تغميز خادم، ومن شاء تنويراً، فقالوا: ينور اى يطلى باالنورة بنفسه دون الخادم فى الصحيح۔ (شامی ج ۵ / ص ۳۰۴)

قمار کی حرمت / گھوڑ دوڑ کی مسابقت

[۶۵۴] سوال: گھوڑوں کی ریس میں ٹکٹ خریدنا، اس کو جائز کہنا، اور پیسہ جو انعام میں ملا ہے اس کو اپنے کام میں لانا کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ آج کل جو متعارف ریس ہے یہ یقیناً قمار ہے جو نص قرآنی کی رو سے حرام ہے۔ ﴿قال الله تبارك وتعالىٰ انماالخمر والميسر والانصاب والازلام رجس من عمل الشيطان فاجتنبوه﴾ الآية اس لیے ہار جیت کے لیے پیسہ سے اس کا ٹکٹ خریدنا حرام ہے۔

اور چوں کہ حرام قطعی کو حلال سمجھنا کفر ہے، اس لیے اس کو جائز سمجھنے والوں پر تجدید ایمان

اورتجدید نکاح لازم ہے۔

اور جو پیسہ انعام کا ملا ہے وہ واپس کرکے اپنا دیا ہوا پیسہ واپس لینا چاہیے، اگر وہ شخص معلوم نہ ہوسکے جس نے انعام دیا ہے تو فقیروں محتاجوں پر خیرات کرنا چاہیے، مگر خود اس سے نفع نہ اٹھائے۔لأن سبیل الکسب الخبیث التصدق اذا تعذرالرد علی صاحبہ۔ (شامی بیع الحظر والاباحۃ)

پشت اور سینہ کے بال مونڈنا

[٦٥٦] سوال: پشت اور سینہ کے بال منڈانا کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ خلاف ادب ہے اس لیے ترک افضل ہے۔وفی حلق شعر الصدر والظهر ترك الادب، كذا فی القنية۔ (عالمگیری ج٥/ص٣٥٨)

گھر میں اگر کوئی نہ ہوتو سلام کا طریقہ

[٦٥٧] سوال: مسجد یا گھر میں جب کوئی نہ ہو یا نماز وغیرہ عبادت میں مشغول ہوں تو نوآمد شخص کو بوقت داخلہ سلام کرنا چاہیے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جب کوئی نہ ہو یا ہو مگر عبادت میں مشغول ہو تو سلام نہ کرنا چاہیے، ہاں اگر آہستہ یہ کہے کہ "السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین" تو بہتر ہے جس کا جواب فرشتے دیں گے۔كما يكره على عاجز عن الرد حقيقة كأكل او شرعا كمصل وقارى ولو سلم لا يستحق الجواب، وقدمنا فی باب ما يفسد الصلوٰة كراهيته فی نيف وعشرين موضعا، وانه لا يجب رد سلام عليكم بجزم الميم ولو دخل ولم ير احدا يقول:"السلام علينا وعلى عباد الله الصالحين" اه۔(الدر المختار مع الشامی ج٥/ص٣٦٧،٣٦٤)

علم نجوم سیکھنے کا حکم

[۶۵۸] سوال: مسلمانوں کے لیے علم نجوم سیکھنا اور اس کے ذریعہ پیسہ کمانا کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ علم اگر محض اوقات نماز یا دریا وصحرا میں سفر کرنے کے وقت رہبری حاصل کرنے کے لیے سیکھیں تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں، اس کے علاوہ اگر اس کو کمائی یا کسی ناجائز عمل یا اعتقاد کا ذریعہ بنائیں تو اس سے اجتناب لازم ہے، اور چوں کہ اگر لوگ اس کو مغیبات کے معلوم کرنے یا کواکب کے خواص کو افعال اور حوادثات میں علل مستقلہ خیال کرتے ہیں، اس خرابی کے لیے مشائخ اس علم کی تعلیم وتعلم کو منع کرتے ہیں، خصوصا آج کل جب کہ اوقات نماز اور سفروں میں رہبری کے لیے ہر قسم آلات ایجاد ہو گئے ہیں اس لیے مندرجہ ضرورت کے اعتبار سے بھی یہ علم غیر ضروری ہو گیا ہے، پس احتیاط اس میں ہے کہ اس کی تعلیم وتعلم میں تضییع اوقات کے بجائے دوسرے مفید علوم میں سعی کی جائے۔ وحرام وهو علم الفلسفة والشعبذة والتنجيم والرمل وعلوم الطبائعين والسحر والكهانة. (الدرالمختار مقدمه) ثم تعلم مقدار ما يعرف به مواقيت الصلوٰة والقبلة لا بأس، وإن تعلم الزائد على هذا المقدار فيه بأس؛ بل صرح فى الفصول بحرمته.اھ.(التفصيل فى الشامى ج ١ /ص ١٤ مقدمه)

چند عورتوں کا ایک حمام میں برہنہ نہانا

[۶۵۹] سوال: عورتیں عموما آپس میں مل کر ننگی نہاتی ہیں تو کیا ایک عورت دوسری عورت حالت برہنگی میں دیکھ سکتی ہیں؟ اور اس میں کچھ گناہ ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ایک مسلمان عورت کے لیے دوسری عورت کے ناف اور زانو کے درمیانی

حصے کو دیکھنا حرام ہے، اور حرام کے ارتکاب سے فسق اور گناہ لازم آتا ہے۔ وتنظر المرأة المسلمة من المرأة كالرجل من الرجل، والتفصيل فى الشامى۔ (ج٥/ص٣٢٦)

اشیائے خوردنی میں کیڑے پڑ جانا

[٦٦٠] سوال: اناج وغیرہ میں کیڑے پڑ جائے تو اس کو کھا سکتے ہیں یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ کیڑے نکال کر باقی اناج وغیرہ کھا سکتے ہیں یہ تو خشک اناج کا حال ہے، اور تر طعام میں اگر کیڑے ثابت ہوں تو ان کو نکال کر کھانا کھا سکتے ہیں، اور گل گئے ہوں تو نہیں۔

اشیائے خوردنی کا بدبودار اور متغیر ہو جانا

[٦٦١] سوال: (١) گوشت سڑ کر بدبودار ہو جائے، (٢) اسی طرح تیل گھی وغیرہ چکناہٹ کی چیز بدبودار ہو جائے، (٣) کھانا بگڑ جائے، (٤) شربت بگڑ کر اس پر کھائی جم جائے یا کیڑے پڑ جائیں تو ان چیزوں کی طہارت اور استعمال میں کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ (١) گوشت سڑ کر بدبودار ہو جائے تو اس کا کھانا حرام ہے۔

(٢) تیل اور چکنی چیز بگڑنے یا بدبو پیدا ہونے سے حرام نہیں ہوتی ہے۔

(٣) کھانا بگڑ کر سڑ جائے تو حرام اور نجس ہو جاتا ہے۔

(٤) شربت بگڑنے سے حرام نہیں ہوتا، کھائی وغیرہ سے صاف کر کے استعمال کر سکتے ہیں۔

واللحم إذا انتن يحرم اكله، والسمن واللبن والزيت والدهن إذا انتن لا تحرم، والطعام إذا تغير واشتد تنجس، والاشربة بالتغير لا تحرم، كذا فى

خزانة الفتاوی۔ (عالمگیری ج ۵ / ص ۳۳۹ کراهیة) ورده فی البحر بانه لا ینجس وإن حرم اکله۔ (البحر الرائق ج ۱ / ص ۱۱۳)

میونسپل کمیٹی کا سود کے روپیوں سے نل خرید کر پانی مہیا کرنا اور شہر والوں کا اس سے فائدہ اٹھانا

[۶۶۲] سوال: میونسپل کمیٹی سرکاری لون خریدتی ہے اور سود کے پیسے وصول کرتی ہے، اور اس رقم سے شہر میں پانی مہیا کرتی ہے جس کو پبلک اور علماء اور مفتی استعمال کرتے ہیں تو یہ جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ میونسپلٹی جو پبلک کو پانی بہم پہنچاتی ہے اس کی اجرت پبلک اپنی حلال کمائی سے ادا کرتی ہے، اس لیے پبلک کمیٹی کے فعل قبیح کا ذمہ دار نہیں، نیز کمیٹی نے اگر ایک اصلی کثیر مقدار رقم میں سود کی ایک قلیل رقم ملا کر نل خریدی تو ایک خبیث رقم کی شرکت سے اگر چہ قباحت پیدا ہوئی مگر وہ خباثت اس نل میں پیدا ہوگی جو خبیث رقم کے عوض میں خریدا گیا ہو، نہ کہ اس پانی میں جو اس خبیث نل پر گذر کر پبلک کے استعمال میں آئے۔

اس کے علاوہ جب کہ اکثر بلاد پر کفار کا قبضہ ہے اور ان کے یہاں پانی کی بہم رسانی کا یہی ذریعہ ہے تو بقاعدہ "الضرورة تبیح المحظورات" (الاشباہ) عموم البلویٰ کی وجہ سے پبلک اور علماء اور مفتی حضرات اس قسم پانی کے استعمال کی طرف سے مضطر ہو گئے ہیں، اس لیے اس قسم کے شبہات سے نہ ان پر مواخذہ ہوگا اور نہ ایسے شبہات سے اجتناب ان پر لازم ہے، خصوصا جب کہ ہم ایسے زمانے میں ہیں کہ اگر کوئی سود نہ بھی لیتا ہے تو سود کے بخار اور اثر سے کوئی محفوظ نہیں رہ سکتا ہے۔

تحقیق مسئلہ استعمال تمباکو

[۶۶۳] سوال: زردہ، تمباکو کوئی پان میں، کوئی دیگر مختلف طریقوں سے کھاتے ہیں یا استعمال کرتے ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: تمباکو کے کھانے میں علماء کا اختلاف ہے، اور اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ یہ چیز قرون اولیٰ میں موجود ہی نہ تھی یا لوگوں میں اس کا استعمال نہ تھا، اب متاخرین کے زمانہ میں جب اس کی اشاعت ہوئی تو علماء نے اس پر بحث شروع کی، اور ہر ایک نے اپنے اپنے خیال کے مطابق حرمت سے لے کر کراہت تنزیہی تک مختلف فیصلے لکھے مگر جہاں تک دلائل اور مجموعی طور سے ان فیصلوں پر غور کیا جاتا ہے تو یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اس سے احتراز اور اجتناب بہر حال اولیٰ ہے، اور استعمال مکروہ ہے پھر کراہت میں بھی باعتبار اختلاف استعمال واختلاف محل واوقات فرق ہوگا، مثلاً مسجد یا مجالس ذکر و وعظ میں کراہت زیادہ ہوگی بنسبت تنہائی کے یا مثلاً پان میں استعمال کرنے سے اس قدر شدید کراہت نہ ہوگی جس قدر حقہ وغیرہ میں ہوگی کیوں کہ اصل وجہ کراہت یا گندہ ذہنی اور تعفن ہے، یا مفتر ہونے کے قرب، اور اضرار بالبدن ہے تو یہ معانی جس شکل میں اقویٰ پائے جائیں گے وہ شکل زیادہ قبیح ہوگی۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

فالذی ینبغی للانسان اذا سئل عنه سواء کان ممن یتعاطاه او لا کهٰذا العبد الضعیف وجمیع من فی بیته ان یقول هو مباح؛ لکن رائحته تستکرهها الطباع فهو مکروه طبعا لا شرعا. (شامی ج۵/ص۴۰۶) والتفصیل هناك، وکذا قال فی الفتاوی الکاملیة بعد ما فصل هذه المسئلة مانصه: واحسن ما رأیت فیه قول شیخ مشائخنا خاتمة المحققین العلامة الامیر المالکی واختلف

فی الدخان والورع ترکہ۔اھ۔فلا ینبغی صرف المال فیہ ولا تضییع الوقت ولا سیما لمن ھو منسوب للعلم الشریف۔(کاملیہ ۲٦۹) وقال فی موضع آخر من ذلک الکتاب مانصہ: وقد حقق المتاخرون من اھل مذھبنا الحنفیۃ انہ لیس بحرام وانما فی تعاطیہ الکراھیۃ، واحسن ما قیل فیہ قول الامیرؒ:واختلف فی الدخان والورع ترکہ وھذا کلہ کما قال شیخنا المذکور وفی غیر المساجد والمحافل۔ (کمالیہ ۲۸٦)

ہر قسم کے زیورات کا عورتوں کے لیے جواز

[٦٦۴] سوال: عورتیں کان، ناک میں سونے کے کانٹے پہنتیں ہیں تو یہ جائز ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛عورتوں کے لیے سونے چاندی کے زیورات پہننا درست اور جائز ہے، اورزیورات کی شکل وکیفیت ہر ملک اور ہر رواج کے مطابق مختلف ہوتی ہے،جن میں سے مذکورہ زیور بھی ہیں،اس لیے وہ بھی عورتوں کے لیے جائز ہیں۔ویجوز للنساء التحلی با لذھب او الفضۃ لاللرجال۔ (مجمع الانھر ج ۲/ص ٦۱۱)

جلی ہوئی روٹی اور کھرچن کھانا

[٦٦۵] سوال: پلاؤ کے دیگ کے تلے میں جو کھرچن یعنی داغ لگا ہوا وہ کھانا ہوتا ہے یا جلا ہوا اس کا کھانا حرام ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جزئیہ تو نظر سے نہیں گذرا مگر قاعدہ سے حلال ہونا چاہیے کیوں کہ مہمان اگر کھانے میں سے تھوڑا سا گھر کے خادم کو دے دے یا جلی ہوئی روٹی دیدے تو اس کی اجازت ہے،اور یہ قاعدہ ہے کہ جو چیز حرام ہو وہ نہ خود کھا سکتے ہیں اور نہ کسی کو کھلا سکتے ہیں، اس قاعدے

سے جواز اور حلت معلوم ہوتی ہے۔

وکذا لو نال الضیف من المائدة شیئاً من الخبز او قلیلاً من اللحم جاز استحساناً، وان ناول الطعام الفاسد او الخبزالمحترق فذلك جائز عند هم؛ لانه ما ذون بذلك، كذا فی قا ضیحان۔ (ثم قال) واذا تنجس الخبز اوالطعام لا یجوز ان یطعم الصغیراوالمعتوه اوالحیوان الماكول اللحم۔ (عالمگیری ج٥ /ص٣٤٤ باب الضیافة من الكراهیة)

حرمت بھنگ وگانجا

[٦٦٦] سوال: بھنگ، گانجا پینا کیسا ہے؟ ایک مرشد اس کو جائز کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کے پینے سے سارا بدن ذکر الٰہی میں مشغول ہوجاتا ہے تو کیا ایسے شخص کی مریدی اور بیعت درست ہے؟ یا اس کو امام جماعت بنا سکتے ہیں کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: بھنگ، گانجا حرام ہے، دوا کے علاوہ اس کی حرمت پر تقریباً اتفاق ہے، اور اس کو حلال کہنے والا زندیق اور مبتدع ہے، خصوصاً جب کہ ایک حرام چیز کو حلال ٹھہرانے کے لیے مندرجہ رکیک اور فاسد دلیلیں قائم کی جاتی ہوں تو ایسے شخص کی بددینی میں کیا شک ہوسکتا ہے؟ پھر ایک حرام چیز کو حلال ٹھہرانے سے جو کفر لازم آتا ہے اس کو دیکھتے ہوئے ایسے شخص کو حرمت کے غیر قطعی ہونے کہ وجہ سے اگر کافر نہ کہیں تو قریب الکفر ضرور کہیں گے، جس کی وجہ سے وہ شخص نہ امام بن سکتا ہے اور نہ مرشد وصاحب بیعت لہٰذا مسلمانون کو ایسے شخص کو سیدھی راہ پر لانے کی سعی کرنا چاہیے، اور اگر وہ اپنی غلطی پر اصرار کرے تو پھر کم از کم اس سے ترک موالات اور انقطاع تعلق رکھنا لازم ہے۔

ویحرم أکل البنج والحشیشة والافیون، ونقل عن الجا مع وغیره ان من قال: بحل البنج والحشیشة فهو زندیق مبتدع؛ بل قال نجم الدین الزاهدی: انه یکفر، ویباح قتله۔اھ۔(الدر المختار مع الشامی ج٥/ص٤٠٥)

تصویر بنانا اور گھر میں رکھنا

[٦٦٧] سوال: نصف تصویر سینہ سے اوپر بنانا یا گھر میں رکھنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ تصویر کی حرمت کا بناہی فقہاء نے سر کو قرار دیا ہے، چنانچہ مقطوع الراس کو منع نہیں کرتے ہیں، اس لیے مذکور تصویر کو بنانا یا گھر میں رکھنا دونوں منع ہے۔ کما فصله الشامی(ج١/ص٦٠٧) وفیه اشارة بانه لا تکره صورة الراس وفیه خلاف۔ (شامی ج١/ص٦٠٦) وفی شرح معانی الاثار عن عکرمة عن ابی هریرة رضی اللہ عنہ قال: الصورة الرأس فکل شیء لیس له رأس فلیس بصورة۔ (شرح معانی الآثار ج٢/ص٣٦٦) اختلف المشائخ فی رأس الصورة بلا جثة هل یکره وهل اتخاذه والصلوٰة عنده۔(عالمگیری ج٥/ص٣١٥ باب رابع من الکراهیة)

مولود اور وعظ میں عورتوں کا اجتماع

[٦٦٨] سوال: مولود یا آنحضرت ﷺ کے سوانح مبارک بیان کرنے کے لیے جو مجالس قائم ہوتے ہیں ان میں عورتیں حاضر ہوسکتی ہیں یا لکچر دے سکتی ہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جب کہ فی زمانناکثرت فساد اور فتنہ کو ملحوظ رکھتے ہوئے عورتوں کو مطلقا جماعت نماز میں شرکت سے منع کرتے ہیں، مجالس وعظ میں بطریق اولیٰ منع کیا جائے گا، اور عورتوں کا مردوں کی جمعیت میں لکچر دینا تو بدترین مذموم فعل ہے۔ ویکره حضورهن

الجماعة ولو لجمعة او عيد او وعظ مطلقاً ولو عجوزا ليلا على المذهب المفتى به لفساد الزمان،الخ۔ (الدرالمختار والتفصيل فى الشامى ج ١ /ص ٥٢٩ إمامة)

مقدارریش مسنون

[٦٦٩] سوال: ڈاڑھی کتنی مقدار پر رکھنا سنت ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ایک مٹھی کی مقدار یعنی ڈاڑھی کے بال مٹھی میں پکڑ کر اگر مٹھی میں رہے یا برابر مٹھی کے رہے تو یہی مقدار قائم رکھنا ضروری ہے،اور اگر مٹھی سے زائد ہوں تو اس کو کانٹا درست ہے،اور مٹھی سے کم مقدار پر منڈانا یا کتروانا حرام ہے؛ کیوں کہ نص صریح" اعفوا اللحى" (الحديث) کے خلاف ہے۔

ولا يكره تطويل اللحية اذا كانت بقدر المسنون وهو القبضة، وصرح فى النهاية بوجوب قطع مازاد على القبضة بالضم ومقتضاه الا ثم بتركه؛ الا ان يحمل الوجوب على الثبوت، واما الاخذ منها وهى دون ذالك كما يفعله بعض المغاربة ومخنثة الرجال فلم يبحه احد۔(الدر المختار مع الشامى ج ٥ /ص ١٥٥) والسنة فيها القبض ثم قال ولذا قال يحرم على الرجل قطع لحيته۔اھ۔(الدر المختار مع الشامى ج ٥ /ص ٣٥٩) وكذا فى العالمگيرية۔ (ج ٥ /ص ٣٥٨)

تلاوت اور مولود کے وقت دف بجانا

[٦٧٠] سوال: قرآن شریف کی تلاوت اور مولود پڑھنے کے وقت دف بجانا کیسا ہے؟ کیوں کہ

ایک جماعت یہاں مولوداور تلاوت دف بجانے سے کرتے ہیں۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ تلاوت کلام پاک اور آنحضرت ﷺ کی نعت اور تعریف اور سوانح مبارک کے پڑھنے کے وقت دف یا اس قسم کا دیگر آلات لہو بجانا کفر ہے؛ کیوں کہ ایک ہدایت کی چیز کو ضلالت کے آلہ سے آمیزش دینا اور اس ہدایت کو تحقیر کرنا ہے، اور قرآن، شعائر اسلام کی تحقیر موجب کفر ہے، اس لیے ہر مسلم کا فرض ہے کہ اس قسم کے کفریات سے خود ہی محترز رہے اور دوسروں کو محترز رہنے کی ہر ممکن سعی کرتا رہے۔ وفی الخلاصة: من قرأ القرآن علی ضرب الدف والقضیب یکفر، قلت: ویقرب منه ضرب الدف والقضیب مع ذکر الله تعالیٰ ونعت المصطفی ﷺ وکذا التصفیق علی الذکر۔ (شرح الفقه الاکبر لعلی القاری مصری ۱۵۲)

اقول: واما صنیع تلك الجماعة المبتدعة فقد ذکرت نبذأ منه فیما سبق من الفتاویٰ الخیریة (ج۲ /ص۱۷۶)

سالانہ جلسہ میں بادشاہ کی تصویر کے سامنے جھکنا

[۶۷۱] سوال: بعض ہندوریاستوں میں یہ دستور ہے کہ وہاں سالانہ سلور جوبلی کے قسم کا جشن منایا جاتا ہے، جہاں دربار میں راجا کا فوٹو، تصویر رکھا جاتا ہے، اور عوام وہاں حاضر ہوکر مؤدب جھک کر سلام کرتے ہیں، اور جاتے وقت بھی جھک کر سلام کرتے ہیں، اور اسی جھکے ہوئے حالت میں باہر الٹے پاؤں نکلتے ہیں تو یہ جائز ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جب کہ کافر پر تعظیم کا سلام موجب کفر ہے؛ کیونکہ تعظیم کافر موجب کفر ہے تو کافر کی تصویر اور بت کی تعظیم اور وہ بھی رکوع کی شکل میں بطریق اولی موجب کفر ہوگی۔ ولو

سلم علی الذمی تبجیلا یکفر۔(الدر المختار مع الشامی ج ٥/ص ٣٦٤)

حلقہ ذکر جہری در مسجد

[٦٧٢] سوال: یہاں ایک صوفی نے چند مرید بنائے ہیں، جو حلقہ بنا کر عشا کے بعد جہری ذکر کرتے ہیں، ذکر میں اول دو مرتبہ ''لا الہ الا اللہ'' اور تیسری مرتبہ اُولا الہ الا اللہ محمد الرسول یا حق لا الہ اللہ پڑھتے ہیں تو یہ درست؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ذکر الٰہی کے لیے فقہاء تنہائی اور سری کو ترجیح دیتے ہیں مگر تاہم اگر کسی نمازی یا نائم کی نیند میں خلل انداز نہ ہو تو جہری ذکر اور اجتماعی حالت سے یہ ذکر درست ہے؛ بشرطیکہ ریا اور دکھلاوے سے خالی ہو، رہا مذکور طریقہ سے ذکر تو چوں کہ اس میں کلمہ طیبہ کے ٹکڑے ٹکڑے کرنے سے اور زائد کلمات پڑھنے سے اصل کلمہ طیبہ میں تغیر لفظی و معنوی مستلزم ہے، اس لیے اس طور سے نہ پڑھنا چاہیے بلکہ کلمہ طیبہ کو مکمل بلا زیادت کلمات اجنبیہ پڑھنا چاہیے۔ ولا یعارض ذالك، خیر الذکر الخفی، لأنہ حیث خیف الریاء، أو تأذی المصلین او النائم والجھر ذکر بعض اھل العلم انہ افضل حیث خلا مما ذکر۔اھ۔(خیریۃ ج ٢/ص ١٨١)

نہی عن المنکر کرنے والے کا خود اس گناہ میں ملوث ہونا

[٦٧٣] سوال: ایک واعظ خود ایک گناہ کرتا ہے اور دوسروں کو منع کرنے کا وعظ کرتا ہے تو یہ درست ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ہاں درست کیا بلکہ لازم ہے؛ کیوں کہ اس پر دو امر واجب تھے: اجتناب عن المعاصی، ونہی عن المنکر تو ایک واجب کے ترک سے یہ لازم نہیں کہ دوسرا واجب بھی ترک

کرے۔ رأی منکرا وهو ممن یرتکبه ینهاه، لأن الواجب علیه شیئان، فلترك أحدهما لا یترك الآخر۔ (بزازیة بر عالمگیری ج٦/ص٣٥٦)

مسلمان لڑکے پر کافر باپ کی اطاعت ضروری ہے یا نہیں؟

[٦٧٤] سوال: (۱): مسلمان لڑکے پر کافر باپ کی اطاعت وخدمت لازم ہے کہ نہیں؟ اگر کافر باپ شراب کے لیے پیسے طلب کرے یا لڑکے کو اسلام سے خارج ہونے کا حکم دے یا گناہ کرنے پر مجبور کرے تو بھی باپ کی فرماں برداری ضروری ہے؟ اگر نافرمانی کرے تو گناہ تو نہ ہوگا؟

(۲): باپ مسلمان ہو مگر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہو، بے نمازی ہو اور لڑکا اگر پیسے دیوے تو شراب اور حرام کاموں میں خرچ کرے تو ایسی حالت میں بھی لڑکے پر فرمان برداری لازم ہے؟ اگر وہ پیسے نہ دے تو گنہگار تو نہ ہوگا؟

(۳): اگر باپ کافر ہو اور لڑکا اپنے مسلمان بھائیوں کی بہبودی اور ثواب کے کاموں میں پہلا حصہ لیتا ہو اور باپ کی نیک سلوکی متأخر کرتا ہو تو اس میں کوئی مضائقہ تو نہیں؟

(۴): باپ اگر چہ مسلمان ہو مگر گناہ کبیرہ پر مداومت کرنے والا ہو اور بے نمازی ہو، تو ایسی حالت میں اگر لڑکا اس کی بہبودی اور خیر خواہی چھوڑ کر اس سے ترک موالات کرے تو یہ درست ہے؟ اور ترک منکرات کے متعلق اس کو نصیحت وہدایت دے سکتا ہے کہ نہیں؟

مندرجہ سوالوں کا جواب قرآن حدیث اور مذہبی کتابوں کے حوالہ سے دیدو کیوں کہ مجھ سے کسی نے یہ سوال کیا تو میں نے ترک موالات کا حکم دیا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اللهم ارنا الحق حقا، وارزقنا اتباعه، وارنا الباطل باطلا، وارزقنا اجتنابه۔

﴿وَوَصَّيْنَا الْإِنسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْناً عَلَى وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِيْ عَامَيْنِ أَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ إِلَيَّ الْمَصِيْرُ، وَإِن جَاهَدَاكَ عَلى أَن تُشْرِكَ بِيْ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ فَلَا تُطِعْهُمَا وَصَاحِبْهُمَا فِيْ الدُّنْيَا مَعْرُوفاً وَاتَّبِعْ سَبِيْلَ مَنْ أَنَابَ الىٰ آخر الآية﴾ آھ (لقمان ر۲) ﴿ولا تقل لهما اف ولا تنهر هما وقل لهما قولا كريما﴾ (بنی اسرائیل ر۳) وقريبا منه ما فی عنكبوت ر۱، احقاف ر۲ پ ۲٦)

وعن اسماء بنت ابی بكررضی الله عنها قالت: قدمت علیّ امی وهی مشركة فی عهد قريش، فقلت: يا رسول الله ﷺ ان امی قدمت علیّ وهی راغبة (او راغمة) افاصلها، قال: نعم صليها۔ متفق عليه۔

وعن عمرو بن عاص رضی الله عنه قال: سمعت رسول الله ﷺ يقول: ان آل ابی فلان ليسوا باولياء انما ولی الله وصالح المؤمنين ولكن لهم رحم ابلها ببلالها۔ متفق عليه۔(مشكوة ۴۱۱)

يجب على المسلم نفقة الوالدين الكافرين وخدمتهما وبرهما وزيارتهما؛ الا ان يخاف ان يجلباه الى الكفر فيجوز ان لا يزور۔خلاصة۔ (شرح الطريقة المحمدية ج۴/ص۱۸۰) ولا نفقة مع اختلاف دين إلا للزوجة والاصول والفروع۔ (الدرالمختار مع الشامی ج۲/ص۹۴۱) ويطيعهما فيما اباح الدين اى فيما ابيح فی دين الاسلام وإن كانا مشركين۔ قال الامام الغزالی: اكثر العلماء على ان طاعة الوالدين واجب فی الشبهات ولم يجب فی الحرام المحض؛ لان ترك الشبهة ورع، ورضاء الوالدين حتم واجب۔

(شرح شرعة الاسلام ٤٧٥ والبسط هناك)

مندرجہ اقوال سے آپ کے سوالوں کے جوابات ظاہر ہو گئے یعنی:

(۱): شریعت کے دائرے میں رہ کر لڑکے پر والدین کی اطاعت اور خیر خواہی بہر حال لازم ہے، والد کو اس کی رضا جوئی اور اطاعت کی نیت سے پیسے بھی دے، ہاں حرام فعل کی اعانت کی نیت سے نہیں، معصیت اور حرام فعل میں اس کی اطاعت نہ کرے اس لیے اس کے کہنے سے اسلام نہ چھوڑے اور نہ اس کے کہنے سے کسی گناہ کا مرتکب ہو، اگر اس کے کہنے کے مطابق حرام فعل کا مرتکب ہوگا تو مستحق عذاب اور گناہ ہوگا۔

(۲): نیک ہدایت دینا والدین کو منع نہیں؛ بلکہ بہتر ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے والدین کو جو نیک ہدایتیں کی ہیں وہ قرآن اور حدیث پڑھنے والوں کو بخوبی معلوم ہے، اور والدین جب کہ اپنی اولاد کے نان ونفقہ اور خدمت کے محتاج ہوں تو اولاد کو لازم ہے کہ ان کی خدمت کریں اور نان ونفقہ کے لیے پیسے بھی دیں اب اگر وہ اپنے طور پر اس پیسے کو حرام کام میں لگائیں تو اولاد ماخوذ نہ ہوں گے۔

خلاصہ یہ ہے کہ والدین سے ایسا سلوک کریں کہ اپنی طرف سے ان کے حقوق میں کمی نہ آنے دیں، اور جہاں تک ممکن ہو ان کو ناراضی کا موقع ہی نہ دیں، اور ساتھ یہ بھی خیال کریں کہ میں ان کی وجہ سے حرام میں واقع نہ ہو جاؤں، اس لیے پیسہ دینے میں نفقہ اور خیر خواہی کی نیت رکھے۔

(۳): باپ اگر لڑکے کی خدمت ونفقہ کا محتاج ہے تو یہ خدمت لڑکے پر واجب ہے، اور اسلامی بھائیوں کی بہبودی اور نوافل کو بجالانا مستحب ہے، اس لیے والدین کی ضروریات شرعی کو مقدم رکھیں۔

(۴): باپ اگر گناہ کبیرہ کا مرتکب ہے تو وہ خدا کا گنہگار ہے، بیٹے سے اس کے حقوق اور اطاعت میں کمی نہیں آتی ہے، بیٹے کا فرض شرعی امور میں اطاعت ہے، اور باپ کے لیے نرمی سے ہدایت اور دعاء وبس۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

لواطت بزن خود

[۶۷۵] سوال: ایک شخص اپنی بیوی سے لواطت کرتا ہے اور اس کو جائز کہتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: لواطت مع الاجنبیہ یا لڑکے کے ساتھ تو حرام ہے اور مستحل کافر ہے، اور مملوک یا مملوکہ یا بیوی سے حرام تو ضرور ہے مگر مستحل کے کفر میں اختلاف ہے، جمہور تو کافر کہتے ہیں مگر صاحب فتاوی تاتارخانیہ نے سراجیہ سے عدم کفر کا قول کہا ہے، اور علامہ شرنبلالی نے بھی اس قول کو راجح قرار دیا ہے؛ مگر عوام کو بتلانے سے منع کیا ہے؛ تا کہ فساق اس سے حلت کی دلیل نہ پکڑیں، الدر المختار میں وطی الحائض کے تحت اور کتاب الحدود میں شامی نے مفصل بحث کی ہے (شامی ج۱/ص۲۷۴، شامی ج۳/ص۲۱۶)

من اتی حائضا او امرأة فی دبرها او کاهنا فقد کفر بما انزل علی محمد ﷺ. (مشکوة باب الحیض ۵۶)

مسروقہ رقم مالک تک پہنچا دینا اور منافع کا صدقہ کرنا

[۶۷۶] سوال: ایک نوکر نے سیٹھ کے روپیوں سے کچھ روپئے چوری کر کے کسی کمپنی میں شیئرز (حصے) خرید لیے ہیں، اب وہ تائب ہوا ہے، اور چاہتا ہے کہ قیامت میں میرا مؤاخذہ نہ ہو؛ مگر اپنی فضیحت اور رسوائی بھی نہیں چاہتا ہے، اس لیے وہ چاہتا ہے کہ یہ رقم کسی دینی کام میں خرچ کرے تو شرعاً اس طرح کرنے سے وہ مواخذۂ اُخروی سے نجات پا سکتا ہے کہ نہیں؟ برائے خدا

کوئی ایسا شرعی پہلو بتلاؤ کہ وہ شرعاً مواخذۂ اخروی سے بچے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چوری کر کے اس پر شیئرز خریدنا، اور اس میں منافع حاصل کرنا گویا غصب کا منافع حاصل کرنے کے مرادف ہے، ایسی صورت میں تو مذکور نوکر پر اصل روپئے جس کو سیٹھ سے چوری کر چکا ہے، وہ اس کے مالک سیٹھ کو بہر حال واپس کرنا ضروری ہے اور اگر وہ مر چکا ہو تو اس کے شرعی ورثہ کو پہنچانا ہوگا، اور جب اصل مالک کو کسی طرح پہنچانے کی صورت نہ ہو تو پھر اس کے نام پر فقراء ومحتاجوں میں تقسیم کرنا چاہیے۔

اب مذکور نوکر کو چاہیے کہ اگر اس کے پاس جتنی رقم لے چکا ہے وہ نہیں تو یا سیٹھ کو ان شیئر وں کی قبولیت پر راضی کر لے، یا اس کو فروخت کر کے اصل رقم سیٹھ کو واپس کر لے، اور باقی سے اپنا خرچہ (اگر کر چکا ہو) نکال کر باقی کسی کار خیر میں خیرات کر دے گویا کہ اس نے چوری کی نہیں، کیوں کہ مالک کو اپنا حق مل چکا اور نوکر اگر اپنی طرف سے کچھ صرفہ کیا ہو تو اس نے واپس لے لیا اور باقی مال للہ دے دیا، اس طرح امید ہے کہ اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمائے اور نجات اخروی نصیب فرمائے۔

وحكم الغصب الاثم، ان علم انه مال الغير ووجوب رد عينه فى مكان غصبه والضمان لوهلكت (وكذا يبرأ الغاصب بردا لعين من غير علم المالك بان سلمه اليه بجهة اخرىٰ كما إذا وهبه له او اطعمه اياه فأكله والمالك لايدرى انه ملكه) (إلى ان قال) وإن تصرف فى الغصب او الوديعة فربح وهما يتعينان بالتعين تصدق بالربح إلى آخر ما قال۔ (مجمع الانهر ٥٧٣ إلى ٥٧٥ مطبوعه استبنولى)

مذکورہ عبارت سے یہ بھی واضح ہوا کہ اگر مذکور نوکر اس رقم کو سیٹھ پر ظاہر کر کے شرمندگی نہیں اٹھانا چاہتا ہے تو اس کو دوسرے کے ذریعے سے پہنچا سکتا ہے، مثلاً اس کو وہ رقم ہبہ کر دے یا

اس کو کھلا دے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

حکم بہیمۂ موطوئہ انسان

[٦٧٧] سوال: ایک شخص کی حاملہ بکری کے ساتھ کسی شخص نے زنا کیا ہے تو اب اگر وہ بکری فقیروں کو کھلائے؟ یا بچہ کے پیدائش تک انتظار کر کے بچہ پرورش کے لیے چھوڑے اور بکری ذبح کرے،تو ایسا کرے یا کیا شرعی حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛وطی کرنے والا اگر معین ہو تو اس سے بکری کی قیمت وصول کر کے بکری اس کو دیدے اور وہ بکری کو ذبح کر کے اس کے گوشت کو جلا ڈالے،اور واطی معین نہیں وطی یقینی ہے تو مالک پر اگر چہ جبر نہیں مگر ایک بری بات کے عدم انتشار کے لیے مناسب یہ ہے کہ بکری ذبح کر کے اس کے گوشت کو جلا ڈالے، یہی طریقہ تمام کتب فقہ میں موجود ہے۔دیکھو:(البحر الرائق ج۵/ص۱۷، شامی ج۳/ص۲۱۳، ھدایہ ج۲/ص۴۹۵، مجموع الفتاوی عبدالحی ج۲/ص۱۱۶، فتاوی مولوی اشرف علی ج۲/ص۱۵۴)

خواب میں سانپ کا دیکھنا اور سانپ کے قتل کا حکم

[۱۲۰] سوال: ایک شخص کو ہمیشہ خواب میں سانپ نظر آتا ہے،اور کبھی جاگتے میں بھی گھر میں نظر آتا ہے،تو وہ کیا کرے اور سانپ کو مارے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛خواب کا معاملہ تو شرعاً قابل اعتبار نہیں؛ بلکہ اس قسم کے اضغاث احلام کو خود خیال سے نکالنا چاہیے اور دوسروں سے اس کا ذکر نہیں کرنا چاہیے۔(کما ورد به الاحادیث) جاگتے میں سانپ دیکھنا تو اگر چہ شرعاً ہر قسم کے سانپ کو مارنا مباح ہے اور اس میں کوئی شرعی ممانعت نہیں،مگر چوں کہ واقعات سے ثابت ہوا ہے کہ بعض سانپ جو دراصل جن تھے

انھوں نے اپنے قاتل سے بدلہ لیا ہے اور ضرر پہنچایا ہے تو صرف اپنے ضرر کی مدافعت کے لیے بہتر ہے کہ (عوامر) جو گھروں میں رہتے ہیں یا وہ سانپ جو سفید اور پتلا چھوٹا ہو جس پر جن ہونے کا شبہ ہو اس کو یا تو نہ قتل کریں یا اگر ضرر کا خوف ہو تو اس کو نکل جانے کا حکم دیوے کہ میں تیرے ضرر سے ڈرتا ہوں لہٰذا میں تجھے حضرت ﷺ کا عہد یاد دلاتا ہوں کہ تو خدا کے لیے یہاں سے چلا جا ورنہ میں تجھے مار ڈالوں گا، اس اعلان کے بعد اگر چوتھی بار پھر نظر آئے تو اسے مار ڈالے، مگر یہ حکم بھی افضلیت کی بنا پر ہے ورنہ نفس جواز قتل تو پہلی بار دیکھنے پر بھی ہے۔ قال الشیخ کما ل الدین بن همام: وقدحصل فی عهد ه علیه السلا م وفی من بعده الضرربقتل الحیات من الجن، فالحق ان القتل ثابت ومع ذالك الاولی الامساك عمافیه علامة الجان للحرمة بل لدفع الضرر المتوهم من جهتهم. وقیل: ینذرها فیقول خلی طریق المسلمین وارجعی باذن الله تعالی فان ابت قتلها.آه.(کبیری ج١/ص٣٤٢) وکذا فی الشا می (١/٦٠٩) وغیرها فی مکروهات الصلوٰة.

فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کتاب الفرائض

میراث کی تقسیم کا ایک جزئیہ

[۶۷۸] سوال: ایک شخص گزر گیا جس نے اپنے پیچھے ایک بیوی، ایک لڑکا، ایک لڑکی وارث چھوڑا، اس کے بعد اس کی لڑکی بلا شوہر و بلا اولاد مندرجہ بالا والدہ اور بھائی چھوڑ کر گذر گئی تو اس شخص کی ملکیت مندرجہ احیاء ورثہ میں کس طرح تقسیم کیا جائے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛

مسلہ ۸/۲۴/۷۲

زوجہ	ابن	بنت
۱	۱۴	۷
۳	۴۲	
۹		

مسئلہ ۳ تباین بنت مافی الید ۷

ام	اخ
۱/۷	۲/۱۴

الاحیاء المبلغ ۷۲

زوجہ	ابن
۱۶	۵۶

مرحوم کا ترکہ بعد ادائیگی حقوق شرعیہ بہتر حصے کر کے سولہ حصے زوجہ اور چھپن حصے ابن کو دیدئے جائیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

میراث کی تقسیم کا ایک جزئیہ

[۶۷۹] سوال: ایک شخص گزر گیا جس نے ایک لڑکا، ایک لڑکی وارث چھوڑا، اس کے بعد لڑکا گذرا جس نے ایک عورت، ایک بہن، ایک نواسا، ایک پھوپھی کا لڑکا، ایک چچا کی لڑکی چھوڑی تو مرحوم کا ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛

مسلہ ۳/۶

ابن	بنت
۲	۱/۲

مسئلہ ۴/۲ — تداخل فی حکم توافق بالنصف — مافی الید ۱/۲

زوجہ	اخت	نواسا	پھوپھی کا لڑکا	چچا کی لڑکی
۱	۳	م	م	م

مرحوم کا ترکہ بعد ادائیگی حقوق مقدم علی الارث چھ حصے کر کے ایک حصہ لڑکے کی بیوی کو اور پانچ حصے لڑکی کو دیے جائیں، باقی ذوی الارحام ہیں اس لیے محروم ہیں۔

میراث کا ایک جزئیہ

[۶۸۰] سوال: ایک شخص گزرا جس نے مندرجہ ذیل وارث چھوڑے تو اس کا ترکہ از روئے شرع شریف کس طرح تقسیم کیا جائے؟ زوجہ، ابن بنت، بنت، بنت۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛

مسئلہ ۸/۴۰

زوجہ	ابن	بنت	بنت	بنت
ا/۵	۱۴	۷	۷	۷

مرحوم کا ترکہ بعد ادائیگی حقوق مقدمہ علی الارث چالیس حصے کئے جائیں، جن میں سے پانچ حصے اس کی بیوی کو اور چودہ حصے لڑکے کو اور سات سات حصے ہر ایک لڑکی کو دے دیئے جائیں۔ کذا فی السراجی وکتب الفرائض۔

میراث کا ایک جزئیہ

[۶۸۱] سوال: ایک شخص گزر گیا مندرجہ ذیل ورثہ چھوڑے تو ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

زوجہ، بنت، بنت، ابن الاخ، ابن الاخ، بنت الاخ، بنت الاخ۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛

مسئلہ ۲۴/ ۴۸

زوجہ	بنت	بنت	ابن الاخ	ابن الاخ	بنت الاخ	بنت الاخ
۳/۶	۸/۱۶	۸/۱۶	۵	۵	م	م

مرحوم کا ترکہ بعد ادائیگی حقوق مقدمہ علی الارث اڑتالیس حصے بنا کر ان میں سے چھ حصے بیوی کو اور سولہ سولہ حصے ہر ایک لڑکی کو اور پانچ پانچ ہر ایک بھتیجے کو دے دیئے جائیں اور بھتیجیاں ذوی الارحام ہونے کی وجہ سے محروم ہوں گی۔ کذا فی السراجی وکتب الفرائض۔

ایک جزئیۂ میراث

[۶۸۲] سوال: ایک شخص گزر گیا جس کی ایک بیوی اور ایک بھانجی وارث ہیں اور کوئی نہیں تو ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛

مسئلہ ۴

زوجہ	بنت الاخت
۱	۳

مرحوم کا ترکہ بعد ادائیگی حقوق مقدم علی الارث چار حصے کر کے ایک حصہ بیوی کو اور تین حصے بھانجی کو دے دیئے جائیں؛ کیوں کہ بیوی کا عدم اولاد کی صورت میں ربع ہے اور چوں کہ زوجین پر رد جائز نہیں، اور عصبہ اور دیگر ذوی الفروض موجود نہیں اس لیے باقی تین حصے بھانجی کو جو ذوی الارحام قسم ثالث سے ہے دیئے جائیں گے۔ وکل ذلك مصرح فی السراجی وکتب الفرائض۔

مسئلہ تقسیم میراث

[۶۸۳] سوال: مرحوم عثمان ابراہیم گزرا، جس نے مندرجہ ذیل وارث چھوڑے۔ زوجہ ہاجرہ، زوجہ فاطمہ، ابن موسی، ابن نور محمد، بنت مریم، ابن الابن شرف الدین تو اس کا ترکہ از روئے شرع شریف کس طرح تقسیم کیا جائے؟ ترکہ ۶۲۵ ے۔

الجواب:

مسئلہ ۸/۸۰							مرحوم عثمان ترکہ ۶۲۵ ۷
زوجہ ہاجرہ (۱/۲)	زوجہ فاطمہ	ابن موسی	ابن نور محمد	بنت مریم	ابن الابن شرف الدین		
۵ $\frac{۱}{۱۰}$	۵	۲۸	$\frac{۷}{۷۰}$	۲۸	۱۴	م	

مرحوم عثمان کا ترکہ بعد ادائیگی حقوق مقدم علی الارث اسّی حصے کر کے ہر ایک بیوی کو پانچ پانچ حصے اور اٹھائیس اٹھائیس حصے ہر ایک لڑکے کو اور چودہ حصے لڑکی کو دے دیئے جائیں، مذکور ترکہ اس طرح تقسیم کیا جائے کہ ہر ایک بیوی کو ۵۶.۴۷۶ اور ہر ایک لڑکے کو ۵۷.۲۶۶۸ اور لڑکی کو ۳۸.۱۳۳۴ دے دیئے جائیں۔ سورۂ نساء وکذا فی السراجی۔

میراث کا ایک جزئیہ

[۶۸۴] سوال: مندرجہ بالا وارثوں میں مریم گزر گئی جس کے وارث مندرجہ ذیل ہیں تو ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ ام ہاجرہ، اخ عینی موسی، اخوین علاتی عمر و نور محمد۔

الجواب:

مسئلہ ۶		مرحومہ مریم
ام ہاجرہ	اخ عینی موسی	اخوین علاتی عمر و نور محمد
۱	۵	م

مرحومہ مریم کا ترکہ بعد ادائیگی مقدم علی الارث چھ حصے کر کے ایک حصہ ماں کو اور پانچ حصے عینی بھائی موسی کو ملیں گے، علاتی بھائی محروم ہوں گے۔ کذا فی السراجی۔

مسئلہ تقسیم میراث

[۶۸۵] سوال: اسماعیل، ہاشم، صالح، رسول بی بی، عائشہ بی بی پانچ بہن بھائی والد سے میراث پاچکے ان میں اسماعیل نے اپنا حصہ الگ کیا اور باقی چار بہن بھائی شریک رہے، جن کی مشترکہ موروثی ملکیت دوسو روپئے تھی، اس کے بعد صالح کنوارا گذر گیا اور پھر رسول بی بی کنواری گزری، اور پھر عائشہ بااولاد گذری تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اسماعیل، ہاشم کو مرحوم بہن بھائی کے حصے میں سے ان دوسو روپیوں میں کیا کیا حصہ آئے گا؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛

مسئلہ ۶/ ۱۸/ ۹۰ — مورث اعلیٰ کا ترکہ بعد علیحدگی اسماعیل ۲۰۰ روپیہ

ابن صالح	ابن ہاشم	بنت رسول	بنت عائشہ
۲	۲/۶/۳۰	۱/۳	۱/۳/۱۵

مسئلہ ۶/ ۳ — توافق بالنصف — صالح مافی الید ۱/۲

اخ ہاشم	اخ اسماعیل	اخت رسول	اخت عائشہ
۲/۱۰	۲/۱۰	۱	۱/۵

مسئلہ ۵ — تباین — رسول مافی الید ۴

اخ ہاشم	اخ اسماعیل	اخت عائشہ
۲/۸	۲/۸	۱/۴

الاحیاء	المبلغ ۹۰	ترکہ ۲۰۰/روپیہ
ہاشم	اسماعیل	اولاد ورثاء عائشہ
۴۸	۱۸	۲۴
۱۰۶_۶۶	۴۰_۰۰	۵۳_۳۳

مذکورہ مشترکہ ملکیت (۲۰۰) کے نوے (۹۰) حصے کر کے ان میں اڑتالیس حصے ہاشم کو، اٹھارہ، اسماعیل کو اور چوبیس عائشہ کو دے دیئے جائیں یعنی اگر مشترکہ ملکیت دوسو روپئے ہیں تو ہاشم کو ایک سو چھ روپیہ ۶۶ پیسہ اور اسماعیل کو پورے چالیس روپے اور ورثاء عائشہ کو ترپن روپئے ۳۳ پیسہ دیں گے۔فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔کذا فی السراجی وکتب الفرائض۔

تقسیم میراث

[۶۸۶] سوال: ایک عورت گزر گئی، جس کے مندرجہ ذیل وارث ہیں تو ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

زوج، نانی، نانا، عم لام، عمہ خال۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛

مسئلہ۶

زوج	نانی	نانا	عم لام	عمہ	خال
۳	۳	م	م	م	م

مذکور مسئلہ میں اگر عمۂ مرحومہ کے والد کے صرف ماں شریک بھائی ہو تو وہ اور نانا اور عمہ اور خال ذوی الارحام ہیں اور زوج اور نانی ذوی الفروض ہیں، اور ذوی الفرض کی موجودگی میں ذوی الارحام محروم رہتے ہیں، اس لیے وارث صرف زوج اور نانی ہیں اب ترکہ چھ حصے کر کے نصف

یعنی تین حصے زوج کو ملیں گے اور تین حصے نانی کو یعنی ایک حصہ بفرضیت اور دو حصے برد ملیں گے۔ کذافی کتب الفرائض۔

جزئیۂ میراث

[٦٨٧] سوال: ایک شخص گزرا جس نے مندرجہ ذیل وارث چھوڑے، بنت، اخت عینی، اخت علاتی، امرأۃ الاب، ابن العم تو ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛

مسئلہ۲

بنت	اخت عینی	اخت علاتی	امرأۃ الاب	ابن العم
ا	ا	م	م	م

مرحوم کا ترکہ بعد ادائیگی حقوق مقدمہ علی الارث دو حصے کر کے ایک حصہ بنت کو بفرضیت اور دوسرا حصہ اخت عینی کو علی التعصیب دیا جائے گا، باقی ورثہ محروم ہوں گے۔ کذا فی السراجی ١٤۔

جزئیۂ میراث

[٦٨٨] سوال: ایک شخص نے مندرجہ ذیل وارث چھوڑے تو ترکہ کس طرح تقسیم ہو۔ زوجہ، ابن، ابن، بنت، بنت، بنت۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛

مسئلہ۸

زوجہ	ابن	ابن	بنت	بنت	بنت
ا	۲	۲	ا	ا	ا

مرحوم کا ترکہ بعد ادائیگی حقوق مقدم علی الارث آٹھ حصے کر کے ایک ایک حصہ بیوی اور ہر ایک لڑکی کو دے دیا جائے اور دو دو حصے ہر ایک لڑکے کو۔ سورۂ نساء۔

جزئیۂ میراث

[۶۸۹] سوال: زید گزر گیا، اور ایک بیوی، تین لڑکیاں اور بھتیجے چھوڑے، مرحوم کی بیوہ نے ساری جائداد ایک لڑکی کے نام لکھ دی، اور بھتیجے دعویٰ کرتے ہیں کہ ساری جائداد ہماری ہے، لڑکیوں کا کوئی حق نہیں ہے تو اس میں شرعی کیا فیصلہ ہونا چاہیے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛

مسئلہ ۲۴ زید مرحوم

زوجہ	بنات	ابناء الاخ
۳	۱۶	۵
۲-	۸-۱۰-۰	۴-۳-۰

مرحوم کے ترکہ میں اس کی بیوہ کو دو آنہ فی روپیہ ملتے ہیں خواہ خود لے یا کسی کو دیوے، اس سے زائد اس کا تصرف حق الغیر ہے اس واسطے باطل ہے، اور لڑکیوں کو فی روپیہ دس آنہ، آٹھ پائی ملیں گے جس میں وہ تینوں مساوی حق دار ہیں، اور فی روپیہ تین آنے، چار پائی بھتیجوں کا حق ہے اس سے زائد حق طلبی لغو ہے، اس شرعی فیصلہ اور استحقاق سے زائد ان میں جو بھی دوسرے کے حق میں جبراً دست درازی اور تصرف کرے گا وہ ظلم اور خلاف شرع ہوگا جو شرعاً غیر مقبول ہوگا۔ کذا فی السراجی وکتب الفرائض۔

میراث ذوی الارحام

[۶۹۰] سوال: مندرجہ ذیل مسئلہ میں مرحوم کے وارثوں میں ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے؟

بنت الاخ، بنت الاخ، بنت الاخت، ابن الاخت فقط۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛

مسئلہ ۶/۱۸

بنت الاخ		بنت الاخ	ابن الاخت		بنت الاخت
۶	(۱۲/۴)	۶	۴	(۶/۲)	۲

مرحوم کے وارث مندرجہ سوال میں سب ذوی الارحام ہیں اور ذوی الارحام کے توریث میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا اختلاف ہے؛ مگر فقہاء نے امام محمدؒ کے قول کو اظہر الروایت عن ابی حنیفۃ قرار دے کر مفتی بہ قرار دیا ہے، جس میں فروع کی عدد اصول میں معتبر کی جاتی ہیں، اور صفت اصول کی ہی معتبر ہوتی ہے، بنابریں مندرجہ مسئلہ میں گویا مرحوم کے دو بھائی اور دو بہنیں وارث فرض کئے گئے جس کا مسئلہ چھ سے ہوا، چار حصے بھائیوں کو ملے اور دو حصے بہنوں کو ملے، اب چار حصے بھائیوں کے ان کی دو لڑکیوں پر برابر تقسیم ہو سکتے تھے مگر بہنوں کے دو حصے ایک لڑکی، ایک لڑکے یعنی تین رؤس پر برابر تقسیم نہ ہو سکے اس لیے ان کے رؤس یعنی تین کو اصل مسئلہ میں ضرب دے کر مسئلہ کی تصحیح اٹھارہ سے ہوئی جن میں لڑکے کی اولاد کو بارہ اور فی کس چھ، اور لڑکیوں کی اولاد کو چھ جن میں لڑکے کو چار اور لڑکی کو دو ملے۔ کذا فی الشامی قبیل فصل غرقی خرقی ج۵/ص۷۸۱، والطحطاوی ج۴/ص۴۰۲، والسراجی صنف ثالث ذوی الارحام۔

جزئیۂ میراث

[٦٩١] سوال: ہندہ گزرگئی، جس نے زوج اسماعیل، باپ محمد، ابن قاسم چھوڑا، پھر قاسم بے نکاح انتقال کرگیا۔ تو اب ہندہ کا ترکہ مندرجہ وارثوں میں کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛

مسئلہ ۱۲ — مرحومہ ہندہ

زوج اسماعیل	اب محمد	ابن قاسم
۳	۲	۷

مسئلہ ا — قاسم مافی الید ۷

اب اسماعیل	اب الام محمد
ا/۷	م

الاحیاء — المبلغ ۱۲

اسماعیل	محمد
۱۰	۲

ہندہ کا ترکہ حقوق مقدمہ علی الارث بارہ سہام کرکے دس اسماعیل کو اور دو محمد کو دے دیئے جائیں۔ کذا فی السراجی۔

میراث مفقود

[٦٩٢] سوال: محمد غلام حسین پٹیل گزر گیا، جس نے مندرجہ ذیل وارث چھوڑے، دو لڑکے، ایک لڑکی موجود اور ایک لڑکا مفقود، جس کا نہ پتہ معلوم اور نہ حیات اور نہ موت معلوم تو اب مرحوم کی

ملکیت شرعاً کس طرح تقسیم کی جائے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛

مسئلہ ۳۵/۷ بصورت حیات

ابن	ابن	ابن	بنت
۲/۱۰	۲/۱۰	۲/۱۰	۱/۵

مسئلہ ۵ بصورت ممات

ابن	ابن	بنت
۲/۱۴	۲/۱۴	۱/۷

مرحوم غلام حسین پٹیل کی ملکیت بعد ادائیگی حقوق مقدم علی الارث کل پینتیس حصے کر کے ہر ایک لڑکے کو دس دس حصے اور لڑکی کو پانچ حصے دے دیئے جائیں، اور مفقود لڑکے کے دس حصے کسی قابل اعتماد امین کے پاس امانت چھوڑیں، اگر وہ زندہ معلوم ہو جائے تو اس کا حصہ اس کو دے دیا جائے، اور اگر میت معلوم ہو جائے یا موت اقران سے قاضی اس کی موت کا فیصلہ دے تو اس کے دس حصص امانت شدہ میں چار چار حصے ہر ایک لڑکے یا اس کے وارث کو دے دیئے جائیں اور دو حصے لڑکی یا اس کے موجودہ وارثوں کو دے دیئے جائیں۔ وهو (مفقود) ميت فى حق غيره فلا يرث من غيره؛ بل يقف قسطه إلى موت اقرانه فى بلده على المذهب. در المختار. وقدر بتسعين سنة من حين ولادته واختاره فى الكنز وهو الارفق. (هدايه) وعليه الفتوى. ذخيره. (شامى ج٣/ص٤٥٧) كذا فى عامة الكتب.

فإن ظهر قبل موت اقرانه حيا فله ذلك القسط، وبعده يحكم بموته

فتعتد عرسه للموت ويقسم ماله بين من يرثه الآن، وفي حق مال غيره من حين فقده فيرد الموقوف له إلى من يرث مورثه عند موته.اه.(درالمختار مع الشامي ج٣/ص٤٥٨)

بھتیجوں کا چچا سے میراث کا حصہ

[٦٩٣] سوال: میری ایک لڑکی ہے، دو تین بھتیجے اور دو تین بھتیجیاں ہیں، ان کے ماں باپ ان کے بچپن کے زمانہ میں گذر گئے اور یہ بچے میرے پاس ہیں، ان کو پڑھا لکھا کر شادیاں بھی کرا دی ہیں، اور اب تک میرے پاس رہتے ہیں ان کے ماں باپ کی جو کچھ مالیت ہے وہ ان بچوں کے نام پر ہے۔

اب میری ذاتی ملکیت میں سے جب میں مر جاؤں تو ان کو کچھ ملے گا کہ نہیں؟ یا میری لڑکی اکیلی ہی مالک رہے گی، ان بچوں کو میں نے اپنے بچے سمجھ کر پالا ہے، اطلاعاً عرض ہے کہ جو کچھ شریعت کے مطابق حکم ہو وہی لکھیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: اللهم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعه وارنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه.

آپ نے اب تک ان یتیموں سے جو حسن سلوک کا برتاؤ کیا ہے حق تعالیٰ سے اجر عظیم کے مستحق ہیں، آپ کی حیات میں آپ کی مالیت میں ان کا کچھ حق نہیں ہے؛ البتہ اگر وہ محتاج اور فقیر ہوں تو بطور صلہ رحمی آپ پر ان کا نان ونفقہ دینا ضروری ہے، اور آپ کے مرنے کے بعد اگر بلا تغیر وتبدل یہی ورثہ موجود ہوں تو آپ کی ملکیت کے نصف حصہ کی آپ کی لڑکی مستحق ہوگی، اور نصف حصہ میں آپ کے بھتیجے مساوی طور حقدار ہوں گے اور بھتیجیاں بوجہ ذوی الارحام ہونے کے محروم ہوں گی۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم وعلمہ اتم۔

میراث کا ایک جزئیہ

[۶۹۴] **سوال:** کیا فرماتے ہیں علماء دین مسئلہ ذیل میں کہ محمد بھائی، اسماعیل بھائی، عائشہ بی بی داؤد مرحوم کے اولاد اور آپس میں سگے بہن بھائی ہیں جو اپنے والد داؤد مرحوم کے ترکہ میں ایک مکان وراثت میں پائے ہیں، ان میں سے عائشہ شوہر کے پاس ہے اور محمد بھائی گذر گیا جس کی کوئی اولاد نہیں، اور ورثہ میں بیوی عائشہ بنت حسین اور مندرجہ بالا اسماعیل اور عائشہ بہن بھائی چھوڑے تو از روئے شرع شریف مندرجہ مکان میں اسماعیل بھائی اور عائشہ بنت داؤد اور عائشہ بنت حسین مرحوم محمد بھائی کی بیوی کو کیا کیا حصہ ملے گا؟

نیز مرحوم محمد بھائی کی بیوی عائشہ بنت حسین کے پاس اس کے شوہر کی ذاتی کمائی کا زیور موجود ہے، جس کے متعلق وہ کہتی ہے کہ میرے شوہر نے مرتے وقت مجھ سے یہ کہا تھا کہ زیور تیرا ہے اس میں سے اور کسی کو مت دینا، جس پر ایک مرد اور ایک عورت گواہ رکھتی ہے تو کیا اس زیور میں مرحوم محمد بھائی کے بہن بھائی کو کچھ حصہ ملے گا یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق:

مسئلہ ۱۰/۵　　داؤد مرحوم

ابن محمد بھائی	ابن اسماعیل بھائی	اخت عائشہ بنت داؤد
۲	۲	۱
	۴	۲

مسئلہ ۲/۴　　بالنصف　　محمد بھائی مرحوم مافی الید ۲

زوجہ عائشہ بنت حسین	اخ اسماعیل	اخت عائشہ بنت داؤد
۱	۲	۱

الاحیاء		المبلغ ۱۰
اسماعیل بن داؤد	عائشہ بنت داؤد	عائشہ بنت حسین
۶	۳	۱

مرحوم داؤد کا مکان کل دس حصے کر کے چھ حصے اسماعیل بن داؤد، تین حصے عائشہ بنت داؤد کو اور ایک حصہ عائشہ بنت حسین یعنی مرحوم محمد کی بیوی کو دیئے جائیں۔

مسئلہ ۴		محمد بھائی مرحوم
زوجہ عائشہ بنت حسین	اسماعیل اخ	عائشہ اخت
۱	۲	۱

عائشہ بنت حسین محمد بھائی کی بیوہ کے پاس جو زیور ہے وہ اگر اس کے بہن بھائی اس میں حق مانگتے ہیں تو چوں کہ عائشہ بنت حسین کے پاس نہ وصیت کی کافی شہادت ہے اور نہ وارث کے لیے وصیت نافذ ہو سکتی ہے، اس لیے اس کے چار حصے کر کے ایک حصہ اس کی بیوی عائشہ بنت حسین کو دیا جائے اور باقی تین حصوں میں دو حصے بھائی اسماعیل کو اور ایک حصہ بہن عائشہ کو دیا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

میراث کا ایک مسئلہ

[۶۹۵] سوال: ایک شخص مسمی احمد گذر گیا مندرجہ ذیل ورثہ چھوڑ گیا تو بروئے شرع محمدی اس کا ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے۔

زوجہ، بنت، بنت، اخت، اخ۔ فقط۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛

مسلہ ۲۴/۷۲ احمد مرحوم

زوجہ	بنت	بنت	اخت	اخ
۳/۹	۸/۲۴	۸/۲۴	۵	۱۰

مرحوم احمد کا ترکہ بعد ادائیگی ما یجب تقدیمہ کل بہتر حصے کئے جائیں، جن میں سے نو حصے اس کی عورت کو اور چوبیس حصے ہر ایک لڑکی کو اور پانچ حصے اس کی بہن اور دس حصے اس کے بھائی کو دیئے جائیں۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

تقسیم میراث کا جزئیہ

[۶۹۶] سوال: مرحوم سلیمان گذر گیا، اپنے ورثہ میں ایک بیوی حوا، لڑکا محمد، لڑکی حوا چھوڑ گیا، بیوی نے کچھ ملکیت پر مصالحت کر کے ورثہ میں سے خارج ہوگئی، اس کے بعد محمد گذر گیا ورثہ میں بیوی حوا، دولڑکے داؤد، یوسف، حوا سوتیلی ماں چھوڑی، تو اب موجودہ ورثہ میں مرحوم سلیمان کا ترکہ از روئے شرع شریف کس طرح تقسیم کیا جائے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛

مسلہ ۱۹۲/۲۴/۸ اخرجت الزوجۃ من ۲۴ فبقی ۱۶۸ مرحوم سلیمان

زوجہ حوا	ابن محمد	بنت حوا
۱ / ۳ / ۲۴	۱۴	۷/۵۶

مسئلہ ۸/۱۶/۸ توافق بالنصف مرحوم محمد مافی الید ۱۴/ ۷

زوجہ حوا	ابن داؤد	ابن یوسف	سوتیلی ماں
۱/۲	۷/۴۹	۷/۴۹	م
۱۴			

الاحیاء المبلغ ۱۶۸

حوابنت سلیمان	حوازوجۂ سلیمان	داؤد بن محمد	یوسف بن محمد
۵۶	۱۴	۴۹	۴۹

مرحوم سلیمان کا کل ترکہ بعد ادائیگی حقوق مقدمہ ایک سواڑسٹھ حصے کئے جائیں اور ورثہ احیاء میں اس طور سے تقسیم کریں کہ حوابنت سلیمان کو چھپن حصے، حوازوجۂ محمد کو چودہ، داؤد بن محمد اور یوسف ہرایک کوانچاس انچاس دیدیئے جائیں۔ واللہ سبحانہ علم۔

عورت کا مہر بھی مانند دیگر ترکہ ورثہ میں تقسیم کرنا

[۶۹۷] سوال: میری عورت نفاس کی حالت میں بچہ کے تولد کے پانچویں روز چھ گھنٹہ زبان بند رہ کر گزر گئی، (۱) اس نے مہر معاف نہیں کیا، لہٰذا وہ کس طرح ادا کی جائے؟ (۲) اور مرحومہ کو مرنے کے بعد بھی خون نکلتا تھا تو غسل وکفن کے وقت کس طرح کرنا چاہیے؟ (۳) اور اس خون میں مرنا کیسی موت ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: (۱) اس کا مہر معہ دیگر ترکہ کے شرعی طور سے ورثہ میں تقسیم کیا جائے جن میں سے ایک خود شوہر بھی ہوگا۔

(۲) ایسی ضرورت کے وقت جہاں سے خون وغیرہ نجاسات نکلنے کا احتمال ہو اس میں روئی رکھی جائے، تاہم غسل اور تکفین کے بعد اگر خون نکلے تو اس میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ و لا

بـأس بـجعل القطن على وجهه وفي مخارقه كدبر وقبل و أذن وفم. درمختار مـع الشـامـی ج ۱ /ص ۸۹۷ إذا تـنـجـس الـكفن بنجاسة الميت لا يضر دفعاً للحرج۔

میراث کا ایک جزئیہ

[۶۹۸] سوال: ایک شخص گزر گیا دو بیوی جن میں ایک بااولاد اور ایک بےاولاد ہے، دولڑکے، ایک لڑکی چھوڑی، کچھ دنوں کے بعد لڑکی گزر گئی جس کی اولاد نہیں صرف شوہر اور مندرجہ بالا ورثہ چھوڑے، اس کے بعد دولڑکوں میں سے ایک گزر گیا جو بے ولد مر گیا صرف ایک بیوی اور مندرجہ بالا ورثہ چھوڑ گیا تو از روئے شرع محمدی اس کا ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛

مسلہ ۸/۸۰/۲۴۰/۲۸۸۰ (۷)

زوجہ(۱)	زوجہ	بنت	ابن	ابن
۵	۵	۱۴	۲۸	۲۸
۱۵	۱۵		۸۴	۸۴
۱۸۰	۱۸۰			۱۰۰۸

مسئلہ ۶/۳ توافق بالنصف بنت مافی الید ۱۴/ ۷

زوج	ام	اخ	اخ
۳	۱	۱	۱
۲۱	۷	۷	۷
۲۵۲	۸۴		۸۴

مسئلہ۱۲　تبائن　ابن مافی الید۹۱

زوجہ	ام	اخ
۳	۴	۵
۲۷۳	۳۶۴	۴۵۵

الاحیاء　المبلغ ۲۸۸۰

زوجہ بے ولد	زوجہ باولد	داماد	بہو	ابن
۱۸۰	۶۲۸	۲۵۲	۲۷۳	۱۵۴۷

مرحوم کا کل ترکہ بعد ادائے جمیع حقوق متقدمہ دو ہزار آٹھ سو اسی سہام کیے جائیں جن میں سے ہر ایک وارث کو بتفصیل مندرجہ بالا اس کے نام کے نیچے مرقوم عدد کے مطابق سہام دیئے جائیں۔(بقواعد سراجی و دیگر کتب میراث) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مولی الموالات کا موصی لہ بجمیع المال پر مقدم ہونا

[۶۹۹] سوال: ایک مجہول النسب نومسلم نے ثابت النسب مسلم کو اپنے پاس رکھا اور ہر دو ایک جگہ دنیاوی معاملات کرتے رہے، اور مسلمان کی سعی و کوشش سے نومسلم کی مالیت میں بڑی ترقی ہوئی، اور اگر یہ مسلمان کبھی چاہتا کہ اپنا الگ کاروبار چالو کرے تو نومسلم کہتا کہ تو الگ کیا روزگار کرتا ہے؟ یہ میری ملکیت اور زمین میرے بعد آپ ہی کے ہیں، اور تمہارے سوا کون ہے جو وارث ہو سکے؟ درمیان میں کچھ مدت ایک دوسرے سے علیحدہ بھی رہے مگر اس عرصہ میں بھی ہمیشہ لین دین اور رواداری کا معاملہ آپس میں رکھا، اور نومسلم کی طرف سے اگر کوئی فتنہ وفساد ہوتا تو یہ مسلمان اس کے مٹانے کے لیے سعی کرتا، اس نومسلم نے اپنی ملکیت کی وصیت ایک شخص کو کر دی تھی اور اپنی وصیت کو سرکاری دفتر میں رجسٹر بھی کر چکا تھا؛ لیکن بعد وصیت پشیمانی ظاہر کرتا رہا اور کہتا تھا کہ میں

وصیت توڑ دوں گا اور مال تجھ کو لکھوں گا، اسی اثناء میں وہ مرگیا اور معاملہ یوں ہی رہا تو از روئے شرع یہ مسلمان بحق ولاء مرحوم کے مال کا وارث ہے یا موصی لہ بجمیع المال؟ جو حکم شرع ہو تحریر فرمائیں۔

الجواب: وباللہ التوفیق: مسئولہ صورت میں جو مسلمان ولاء کا مدعی ہے اس پر ولاء کی تعریف تو صادق نہیں، اور جو معاملہ اس کا اور نو مسلم کا رہا ہے اس کو انسانی رواداری یا دوستانہ ہمدردی کہہ سکتے ہیں، مگر عقد موالات نہیں کہہ سکتے؛ کیوں کہ عقد موالات میں جانبین یا ایک جانب سے یہ عہد کیا جاتا ہے اور ایک قسم کا عقد کیا جاتا ہے کہ میرے جنایات کا نقصان تو بھرنا اور مرنے کے بعد میری میراث آپ کو ملے گی، موجودہ صورت میں یہ عقد نہیں، تاہم اگر اس مسلمان کے پاس عقد موالات کا شرعی ثبوت موجود ہے تو اس کو موصی لہ بجمیع المال پر تقدیم رہے گی، اور موصی لہ بجمیع المال ثلث مال کا بطور وصیت مستحق ہوگا، اور باقی ماندہ مال اس مسلمان کو دیا جائے گا جس کے ساتھ مرحوم نو مسلم کا عقد موالات تھا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ثم مولی الموالات ای من عاهد انسانا علی انه ان جنی فارشه علیه، وان مات فارثه له.اھ.(مجمع الانهر ۱۷۰) ای اذاكان الرجل مجهول النسب ووالاهٗ علی انه ان جنی يعقل عنه وان مات يرثه، و قد تكون الموالاة من الطرفين كما سيأتي. (درالمختار ج۲ /ص ٤۳۰) ثم ذوی الارحام ثم مولی الموالات ثم المقر له بالنسب علی الغير ثم موصی له باكثرمن الثلث ای اذا عدم من تقدم ذكره يبدأ بمن اوصی له بجميع المال فيكمل له وصيته.اھ.(مجمع الانهر ج۲ /ص۷۱۲)

ذوی الارحام میں الاقرب فالاقرب بطور عصبہ وارث ہونا

[۷۰۰] سوال: ایک شخص گزرا، ایک بیوی اورلڑکا سلیمان چھوڑا، کچھ عرصہ بعد بیوی بھی گزری جس نے صرف لڑکا سلیمان مذکور چھوڑا، اب سلیمان مذکور نے اپنی خالہ زاد بہن کو بطور داشتہ گھر میں رکھا اوراس کے ساتھ زنا کرتا رہتا تھا جس سے ایک لڑکی پیدا ہوئی اور کچھ عرصہ بعد سلیمان بھی گزر گیا، اب سلیمان کی میراث کے تین مدعی ہیں: خالہ زاد بہن یعنی مزنیہ اوراس کی نوزائدہ بچی یعنی سلیمان کی حرام کی لڑکی، اورایک باپ کی پھوپھی کالڑکا، تو از روئے شرع محمدی ان میں سے کون میراث کا حق دار ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛

مسئلہ۴	۵	۵
بنت بنت اب الام	بنت بنت بنت اب الام	ابن بنت اب اب الاب
کل المال لھا	م	م

مسئولہ صورت میں سلیمان کے زنا سے جو بچی پیدا ہوئی ہے وہ تو دو وجہ سے محروم ہے:

(۱) ایک تو سلیمان سے چوں کہ نسب ثابت نہیں کیوں کہ زنا کے بچے کا نسب زانی سے ثابت نہیں ہوتا ہے؛ بلکہ وہ زانیہ کا بچہ تصور کیا جاتا ہے اس لیے وہ سلیمان کی ملکیت سے کوئی واسطہ نہیں رکھتی ہے۔

(۲) اور خالہ زاد بہن کی لڑکی ہونے کی حیثیت سے پانچوے درجے میں واقع ہے، اور خالہ زاد بہن چوتھے درجے میں ہے، اس لیے خالہ زاد بہن کے ہوتے ہوئے وہ محروم ہوگئی ہے، اور باپ کی پھوپھی کالڑکا سلیمان سے پانچوے درجے پر بعید ہے، اس لیے خالہ زاد بہن کی موجودگی میں وہ بھی محروم ہے، پس مذکورہ صورت میں سلیمان کی ملکیت کا وارث بطور ذوی الارحام اس کی

خالہ زاد بہن ہے کیوں کہ یہ سب میت کے صنف رابع کے ذوی الارحام ہیں اور ایک صنف کے ذوی الارحام میں الاقرب فالاقرب بطور عصبہ کل مال کا وارث سمجھا جاتا ہے۔ ذکورھم واناثھم فیہ سواء، ویرجحون بقرب القرابۃ. (مجمع الانہر ج ۲/ص ۷۲۰) وفی الصنف الواحد إذا اجتمعوا فأولاھم بالمیراث اقربھم الی المیت، فإن استووا بالقرب فمن کان ولد عصبۃ أو صاحب فرض اولی. (خلاصۃ ج ۴/ص ۲۱۴) لا فی الاول ای لایثبت النسب فی شبھۃ الفعل وإن ادعاہ لتمحضہ زنا.(مجمع الانہر ج ۱/ص ۲۸۷) الولد للفراش. (بحرالرائق ج ۴/ص ۱۵۵) والحاق ولد المزنیۃ بالأم مشھور فی اللعان فقط، وترث ذوالرحم کما یرث العصبۃ عند عدم ذی السھم.اھ.(مجمع الانہر ۷۲۰)

ذوی الارحام میں الاقرب فالاقرب بطور عصبہ کل مال کا مستحق ہونا

[۷۰۱] سوال: مندرجہ ذیل مسئلہ میں مرحوم اسماعیل کا شرعی وارث کون ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق:

میت	اسماعیل
بنت الاخ فاطمہ	بنت العم رسول بی بی
کل المال لہا	م

میت	فاطمہ
اخت الجد صحیح	خالہ رسول بی بی
م	کل المال لہا

چونکہ ذوی الفرض اور عصبہ کی عدم موجودگی میں ذوی الارحام الاقرب فالاقرب کی ترجیح کے ساتھ بطور عصبہ کل مال کے وارث ہوتے ہیں، اور اسماعیل کے ورثہ میں بنت الاخ بنت العم کی نسبت اقرب ہے، اس لیے اسماعیل کے مال کا وارث وہی ٹھہری، فاطمہ کے ورثہ میں خالہ قریب تھی اس لیے فاطمہ کے کل مال کا وارث خالہ ٹھہری، لہٰذا مرحوم اسماعیل کے کل مال کا وارث اور حقدار فاطمہ کی خالہ رسول بی بی ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔۔

ویرث ذو الرحم کما یرث العصبة عند عدم ذی السهم، ویرجعون بقرب الدرجة ثم بقوة القرابة (إلی ان قال) ویقدم جزء المیت ثم أصله ثم جزء أبیه ثم جزء جده ثم جد ابیه وامه.اھ.(مجمع الانهر ج ۲/ص ۷۲۱،۷۲۰)

توریث مفقود

[۷۰۲] سوال: ایک شخص ابھی زندہ ہے مگر وہ اپنی ملکیت کے متعلق تقسیم میراث کی ابھی سے معلومات چاہتا ہے، بحالت موجودہ اس کی ایک لڑکی، چار پوتے، ایک پوتی ہے، چار پوتوں میں سے ایک مفقود ہے، تو اگر وہ شخص اب گذر جائے تو شرعی طور سے ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛

مسئلہ ۲/۱۸

بنت	پوتا مفقود	پوتا	پوتا	پوتا	پوتی
۱/۹	۲	۲	۲	۲	۱

اگر وہ شخص گذر جائے اور وارثوں میں یہی افراد موجود ہوں جو سوال میں درج ہیں، تو کل

ترکہ بعد ادائیگی حقوق مقدمہ علی الارث اٹھارہ حصے کیے جائیں گے جن میں سے نو حصے لڑکی کو اور دو دو حصے ہر ایک پوتے کو اور ایک حصہ پوتی کو دے دیا جائے گا، اور مفقود پوتے کے دو حصے کسی امین شخص کے پاس اس کے آنے تک محفوظ کیے جائیں گے، اور اگر قانون شرعی سے اس کی موت ثابت ہو جائے تو وہ دو حصے باقی ماندہ مذکورہ وارثوں پر اس طور سے تقسیم کیے جائیں گے کہ اس کے چودہ حصے کر کے سات حصے مذکورہ لڑکی کو اور دو دو حصے مذکورہ پوتوں کو اور ایک حصہ مذکورہ پوتی کو دے دیے جائیں گے۔ يوقف نصيبه منه كلاً او بعضاً الى ان يحكم بموته فإن جاء قبل الحكم به فهو له، والا فلمن يرث ذلك المال لولاه اى لولا المفقود.اهـ. (مجمع الانهر ج ١/ص ٣٣٨) وكذا فى اكثر كتب المذهب.

ہندو قانون کے مطابق عورتوں کے لیے ایک مخصوص رقم سود کی غرض سے سرکاری بینک میں محفوظ کرنا

[۷۰۳] سوال: کچھ میمن قوم کے آدمی نے ہندو قانون کے مطابق لڑکی اور عورت کے گزارے کے لیے ایک معین رقم سے سرکاری لونیں کورٹ کی کنہسن ڈگری کے مطابق لی ہیں جس میں یہ شرط لکھی ہے کہ جب تک یہ عورتیں حیات رہیں تو اس کی سود کی آمدنی ان کے گزارہ کے لیے ملے گی، اور جب یہ عورتیں گزر جائیں تو پھر یہ رقم میت کی اولاد کو مل سکتی ہے، اور عورتوں کی حیات میں یہ رقم نہ عورتوں کو مل سکتی ہیں نہ میت کی دیگر اولاد مذکور کو، میں نے وکیل سے دریافت کیا تو وہ کہتا ہے کہ اگر میت کے لڑکے مذکورہ رقم سے اپنا حق اٹھائے تو یہ رقم عورتوں کو مل سکتی ہے؛ مگر لڑکوں میں ایک اپنے حق سے دست برداری نہیں چاہتا ہے، اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ موجودہ حالت میں جو سود عورتوں کے نام ملتا ہے یہ وہ اپنے مصرف میں لائیں یا کسی یتیم، غرباء کو دے دیں یا کیا کریں؟

اس کے متعلق جو شرعی فیصلہ ہو وہ لکھیے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مذکورہ طریقہ پر میت کا اپنے ترکہ کو ایک غیر شرعی ترکیب سے اس طور سے بند رکھنا جس کی کوئی شرعی صورت جواز کی نظر نہیں آتی ہے، یہ بدترین فعل ہے؛ کیوں کہ سود کی رقم کے لیے عورتوں سے اصلی رقم بند رکھنا اگر وصیت ہے تو وصیت بالحرام ہے اور وصیت بالحرام نافذ نہیں، اور اگر وقف ہے تو وہ بھی درست نہیں؛ کیوں کہ وقف بعد الموت وصیت کے حکم میں ہوتا ہے جو غیر شرعی طریقہ پر نافذ نہیں ہوتا ہے؛ نیز عورتوں کے بعد لڑکوں کو اصل رقم بطور مالکیت ملنا بھی وقف کے خلاف ہے؛ کیوں کہ وقف میں اصل موقوف شیء محفوظ رہتی ہے، اور یہاں غیر محفوظ ہے، لہٰذا یہ طریقہ یا تو دین مؤجل کا ہے یا مغصوب کا ہے۔ تردیداً مغصوب اس واسطے لکھا کہ رقم تو بطور قرض یا امانت دی ہے مگر چوں کہ اس میں تاجیل شرط کی ہے، اور قرض میں تاجیل باطل ہے، اس لیے ورثہ فی الحال لینے کے مستحق ہیں مگر باطل شرط کی وجہ سے سرکار رقم نہیں دیتی ہے لہٰذا غصب ہوا، پھر سب سے بڑی خرابی یہ کہ میت کا مقصد یہ کہ لڑکے رقم خراب کریں گے، اس لیے عورتوں پر شفقت کے لیے یہ حرکت کی گئی، مگر یہاں ان پر ظلم ہوا؛ کیوں کہ حین حیات ان کو رقم نہ ملے گی، اور سود حرام ہے، اس لیے جہاں عورتوں کے لیے رقم محفوظ کرنی تھی وہاں وہ محروم ہوگئیں، چوں کہ یہ تمام شرائط اور طریقہ شریعت کے خلاف ہے اور جو شرائط خلاف شرع ہو وہ لغو ہیں، اس لیے اصلی رقم میت کی ملکیت میں تھی اور اس مرنے پر تمام ورثہ میں شرعی طریقہ سے تقسیم ہوگی، اب چوں کہ ہندوستان کو اگر علماء نے دار الحرب کہا ہے مگر سود کے جواز کا اب تک فتویٰ کسی نے نہیں دیا ہے اس لیے اگر یہ ممکن ہو کہ سب ورثہ مل کر اپنی اصلی رقم کا مطالبہ کر کے اصل رقم کو وصول کر سکیں تو پھر یہ ترکیب سب سے بہتر ہے کہ وصول کر کے شرعی طریقہ سے تقسیم کریں، اور اگر یہ ممکن نہ ہو اور سود لینا جائز نہیں تو مذکورہ رقم کو شرعی طریقہ سے تقسیم کر کے ہر ایک وارث اپنے اپنے حصہ کا مالک تصور

کیا جائے اور سرکاری سود کو دین کی وصول کی اقساط تصور کریں جس کو ورثہ اپنے حصص شرع کے مطابق تقسیم کر کے وصول کرتے رہیں، اوران میں سے اگر اپنے اصلی حصہ کی وصولی سے قبل گذر جائے تو باقی غیر وصول شدہ حصہ باقی ماندہ شرعی ورثہ پر تقسیم ہو کر اس کے مطابق وصول کو جاری رکھیں یہاں تک کہ جب ہر ایک وارث کو اصلی رقم کا حصہ وصول ہو جائے، تو پھر اپنے لیے وصولی بند کر دیں اور آئندہ جو رقم ملتی رہے اس کو تقویتِ اسلام اور تبلیغی کاموں میں صرف کرتے رہیں یا یکلخت کسی مفید ترین تبلیغی ادارے کو منتقل کر دیں؛ کیونکہ اب ورثہ کا حق ختم ہو گیا، اور یہ ایک مال کفار ہے جو وہ اپنی خوشی سے دیتے ہیں تو جیسا کہ جزیہ وخراج مال کفار ہوتا ہے اس لیے جہاد اور تقویت اسلام میں خرچ ہوتا ہے اسی طرح اس کو بھی اس قسم کے کاموں میں صرف کرنا چاہیے، اور چھوڑنا نہیں چاہیے؛ کیوں کہ تجربہ سے ثابت ہے کہ جہاں مسلمانوں نے اس کا لینا ترک کیا تو کفار نے اپنے کفریات کی تبلیغ میں صرف کر کے تقویت کفر کا ذریعہ بنایا۔

(نوٹ):اس کے متعلق خاص جزئیہ مجھے نہیں ملا، اس واسطے میں نے کوئی خاص عبارت بھی نقل نہیں کی؛ بلکہ محض قواعد شرع سے استنباط کر کے جواب دیا گیا،اس لیے مناسب ہے کہ سوال وجواب دونوں کے چند نقل بنا کر ہندوستان کے اسلامی مراکز سے استصواب کر کے مزید تحقیق کی جائے۔فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔محمود حسن غفرلہ۔

ولی اکبر کا میراث کے مال میں تجارت کر کے نفع کمانا/کیا نفع میں میراث جاری ہوگی؟

[۷۰۴] سوال: ایک شخص گذر گیا اور دو لڑکے، ایک لڑکی چھوڑ گیا، ملکیت اور جائداد میں لڑکے تجارت اور بیوپار کرتے رہے جس سے اصل ملکیت بڑھ کر دوگنی ہوگئی، اب وہ لڑکے اپنی بہن کو کیا

حصہ دیں؟ اور اصل ملکیت کا حصہ دیں یا اصل اور منافع دونوں کا؟

الجواب: وباللہ التوفیق: لڑکوں کی بہن اگر نابالغہ تھی یا بالغہ تھی مگر بھائیوں کو اپنے حصے میں تجارت اور بیوپار کی اجازت صراحۃً یا دلالۃً دی ہے تو اصل ملکیت مع منافع کے کل مالیت کے پانچ حصہ کر کے دو دو حصے ہر ایک بھائی کو اور ایک حصہ بہن کو ملے گا، اور اگر بہن بالغہ تھی اور اپنے حصہ کے متعلق تجارت کرنے سے انکار کر چکی تھی تو بھائیوں کو یہ جائز نہ تھا کہ اس کی ملکیت میں بلا اجازت تجارتی وغیرہ تصرف کرتے کیوں کہ اس کی ملکیت ان کے ہاتھ میں بطور ودیعت تھی اور مودع جب ودیعت میں لین دین کر کے منافع حاصل کرے تو اس منافع کو خیرات اور تصدق کرنا پڑتا ہے، بنا بریں اصل ملکیت کا پانچواں حصہ بہن کو دے دیوے اور اس کا منافع یعنی پانچواں حصہ منافع کا ان کو مناسب جگہ پر صدقہ اور خیرات کرنا چاہیے، اور باقی اصل مع منافع کے آپس میں ہر دو بھائی برابر تقسیم کر کے لے لیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

للوصی ان یتجر فی مال الیتیم الی آخرہ مفصلا. (بحر الرائق ج۸/ص۴٦۸) و ان شغله تصدق بالغلة کما لو تصرف فی المغصوب و الودیعة و ربح (بحر ج۸/ص۱۱۳) وللوصی ان یودع مال الیتیم ویبضع ویتجر بمال الیتیم للیتیم ویدفع مضاربة، له أن یفعل کل ماکان فیه خیر للیتیم، وکذا الاب آھ (قاضی خان وصایا بر عالمگیری ج۳/ص۵۲۰) و طاب للبائع ما ربح لا للمشتری، فلا یتصدق الاول ویتصدق المشتری. (بحر ج۱/ص۹۷)

پوتے کے لیے وصیت

[۷۰۵] سوال: ایک شخص نے لڑکے کے لڑکے کو وصیت میں کچھ جائداد لکھی ہے تو کیا یہ وصیت نا

فذ ہوگی یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ لڑکے کا لڑکا اگر وارث ہے تو بلا اجازت ورثہ وصیت جائز نہیں، اور اگر وارث نہیں ہے تو ثلث میں جائز ہے اور ثلث سے زائد ورثہ کی اجازت پر موقوف ہے۔ ولا يدخل فی هذه الوصية (الوصية الی الاقارب) من كان وارثا، ولا يدخل الوالدة وولد الصلب، ويدخل فيه الجد والجدة و ولد الولد.ه.(خلاصة الفتاوی ج ٤ /ص ٢٣٥) مع مجموع الفتاوی كشو ری والتفيصل هنا ك.

ولا تصح الوصية لقاتله مباشرة ولا لوارثه الا باجازة الورثة، وتصح بالثلث للاجنبی وان لم تجز الورثة. (مجمع الانهر ج ٢ /ص ٦٨٦)

وصیت وقف عند الموت

[٧٠٦] سوال: ایک شخص نے مرنے سے پہلے رنگون کا ایک مکان وقف کیا ہے تو کیا وہ اب بھی وقف کا ہوگا یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مرنے سے قبل اگر صحت میں وقف کیا ہو اور ٹرسٹی و متولی کو سپرد کیا ہو تو یقیناً وہ ہمیشہ ان شرائط کے ماتحت وقف رہے گا جو واقف نے مقرر کی ہوں بشرطیکہ مخالف شرع نہ ہوں، اور اگر مرض الموت میں وقف کیا ہو تو چوں کہ مرض الموت میں وقف وصیت کے حکم میں ہوتا ہے یعنی ورثاء کی اجازت کے بغیر ثلث سے زائد نافذ نہیں، بنا بریں قاعدہ مذکورہ جائداد ثلث ترکہ میں نکلتی ہو تو نافذ ہے اور اگر زائد از ثلث ہے تو ثلث میں نافذ اور زائد مقدار ورثاء کی اجازت پر موقوف رہے گی۔ والوقف فی المرض وصية، فيعتبر من الثلث وان لم يجز الورثة.اه. (مجمع الانهر ج ١ /ص ٣٥٠)

وصیت در تقسیم میراث

[۷۰۷] سوال: ایک شخص نے مرض موت میں چھ سو روپۓ عورت کو دیئے جو حاملہ تھی کہ اگر لڑکا پیدا تو چار سو اس کو دینا، دو سو تو لینا، اور جو لڑکی پیدا ہو تو چار سو تو لینا اور دو سو اس کو دینا، وہ تو مر گیا مگر عورت نے دو بچے جنے جو ایک لڑکا تھا، ایک لڑکی تو اب حسب وصیت کیا عمل کرے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چوں کہ بیوی، لڑکا، لڑکی سب ورثہ ہیں، اور ورثہ کو وصیت نافذ نہیں، لہٰذا موجودہ مسئلہ میں وصیت لغو ہے اور مذکورہ رقم دیگر ملکیت کے ہمراہ ورثہ میں شرعی تقسیم سے تقسیم کی جائے، مثلاً مرحوم کے یہی تین ورثہ ہوں تو بیوی کو فی روپیہ دو آنہ ملیں گے، اور لڑکے کو نو آنے چار پائی، اور لڑکی کو ساڑھے چار آنہ دو پائی ملیں گے۔ مجمع الانھر ج ۲/ص ۶۸۶، شامی ج ۵/ص ۵۷۵۔ سراجی۔

وصیت میں موصٰی بہ اور عدد میں اختلاف ہو تو موصیٰ بہ کا اعتبار ہوگا نہ کہ عدد کا

[۷۰۸] سوال: ایک شخص نے وصیت کی کہ فلاں شخص کو یہ تھیلا دیا جائے جس میں ہزار روپۓ ہیں، یا میرا تہائی مال دیا جائے جو ایک ہزار روپۓ ہیں، اس کے مرنے کے بعد تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ تھیلا میں ہزار روپۓ کے علاوہ دوسری مالیت بھی ہے، یا تہائی مال ہزار سے زیادہ نکلا تو کل تھیلا اور کل ثلث دیا جائے خواہ کتنا بھی ہو یا صرف وہی ہزار دیا جائے جس کا ذکر کیا گیا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: کل تھیلا اور کل ثلث دیا جائے۔ (عالمگیر ج ۶/ص ۱۳۲) بشرطیکہ ثلث سے زائد نہ ہو۔

مورث کی حیاتی میں میراث کا مطالبہ

[۷۰۹] سوال: ہم دو بھائی، چار بہنیں، ایک والدہ بے آسرا افراد ہیں، والد گذر چکا ہے، صرف

دادا زندہ ہے جس کا بہت کچھ مال موجود ہے، تو کیا مذکورہ دادا پر ہم لوگوں کا حق ہے یا نہیں؟ اور ہم کو دادا کی ملکیت میں کیا کیا حصہ از روئے شرع ملتا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ دادا کی زندگی میں تم کو اس کی ملکیت میں کوئی حق نہیں، صرف نان ونفقہ کا حق ہوسکتا ہے، جس کی تفصیل یہ ہوسکتی ہے کہ تمہاری والدہ تو تمہارے والد کے گزرنے پر ایک قسم کی اجنبیہ ہوگئی ہے، اس لیے اس کا نفقہ دادا پر واجب نہیں، اور تم دو بھائی اگر بالغ اور کسب کمائی کے قابل ہو تو تمہارا نفقہ بھی دادا پر واجب نہیں، اور تمہاری چار بہنیں جب تک شوہروں کے گھر نہیں گئیں اس وقت تک ان کا نان ونفقہ تمہارے دادا پر لازم ہے؛ نیز تم ہر دو بھائی بھی اگر نابالغ ہو یا کسی امر سے کسب وکمائی پر قادر نہ ہو تو تمہارا بھی نان ونفقہ تمہارے قدرت علی النفقۃ تک دادا پر لازم ہوگا اس سے زائد دادا کی ملکیت میں تم کو کوئی حق نہیں جب تک وہ زندہ ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

فتجب للزوجة على الزوج ولو كان صغيراً جداً فى ماله لا على أبيه إلا إذا كان ضمنهما. (درالمختار مع الشامى ج ٢ /ص٨٨٦) وتجب لطفله الفقير وكذا لولده الكبير العاجز عن الكسب كالانثى مطلقا وزمن ومن يلحقه العار من الكسب. (درمختار مع الشامى ج٢ /ص٩٢٥) قال فى الذخيرة: ولو كان للفقير اولاد صغار وجد موسر، يؤمر الجد بالانفاق صيانة لولد الولد ويكون دينا على والدهم، وهذا قول الحسن بن صالح، والصحيح فى المذهب ان الأب الفقير يلحق بالميت فى استحقاق النفقة على الجد وإن كان الاب زمنا تقضى بها على الجد بلا رجوع اتفاقا.اه. (شامى ج٢ /ص٩٢٦) لأن حق الغرماء و الورثة لا يتعلق بماله إلا فى مرض مورثه آه. (مجمع الانهر ج٢ /ص٦٩٢، ج٢ /ص٧٠٦)

جنون کی حالت میں مولود اور گیارہویں میں خرچ کرنے کی وصیت کرنا

[۷۱۰] سوال: ایک عورت نے اپنے شوہر کے مرنے کے بعد ساری جائداد پر قبضہ کر کے کسی وارث کو کچھ بھی نہیں دیا، کچھ دن کے بعد وہ دیوانی ہوگئی اور اس حالت میں گزر گئی، وارثوں نے شرعی طریقہ سے مال تقسیم کیا، اس کے بعد معلوم ہوا کہ عورت نے بحالت جنون اپنی جائداد کے متعلق یہ وصیت نامہ سادہ کاغذ پر لکھ گئی ہے کہ میری جائداد گیارہویں اور مولود شریف پر صرف کی جائے، تو ازروئے شرع شریف یہ وصیت نافذ سمجھی جائے اور ورثہ سے مال واپس کیا جائے یا تقسیم بحالہ رہنے دیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مذکورہ وصیت دووجہ سے غیر نافذ ہے:

اول یہ کہ عورت مجنون ہے اور مجنون کی کوئی تبرع نافذ نہیں ہوتی ہے۔

دوم جو امور وصیت نامہ میں درج ہیں وہ غیر شرعی ہیں اور غیر شرعی امور کے متعلق وصیت باطل ہے، لہٰذا مسؤلہ صورت میں عورت نے جو پہلے شوہر کی ملکیت پر تنہا قبضہ کر چکی تھی وہ بھی چوں کہ غیر شرعی طریقہ سے قابض ہوگئی تھی اس لیے شوہر کی ملکیت کو اس کے ورثہ میں تقسیم کیا جائے۔

اور جو حصہ عورت مذکور کو ملا ہے وہ اگر شرعی طور سے اس کے ورثہ میں تقسیم کیا گیا ہے تو فبھا، ورنہ اس کی ذاتی ملکیت اس کے ورثہ آپس میں تقسیم کریں اور وصیت مذکور لغو ہے۔ اوصی بوصية ثم جن ان اطبق الجنون حتى بلغ ستة اشهر بطلت وإلا لا، وكذا لو اوصى ثم اخذ بالوسواس فصار معتوهاً حتى مات بطلت. (خانية) (درمختار مع الشامی ج٥ /ص٦٥١) وشرائطها:كون الموصى اهلاً للتمليك

والتبرعات فلم يجز من صغير ومجنون.(د رالمختار والشامی ج٥ /ص٦٣٧)اوصى لمن يقرأ عند قبره شيئاً معيناً فهى باطلة. والذى افتى به المتأخرون جواز الاستيجار على تعليم القرآن لا على قرأته. (شامی ج٥ /ص٦٧٨) وما يحصل عند ذلك غالباً من المنكرات الكثيرة كإيقاد الشموع والقناديل اللتى لا توجد فى الافراح، وكذا الطبول والغناء بالاصوات الحسان واجتماع النساء والمردان وأخذ الأجرة على الذكر و قراء ة القرآن وغير ذلك مما هو مشاهد فى هذا الزمان وماكان كذلك فلا شك فى حرمته وبطلان الوصية به ولا حول ولا قوة إلا بالله العلى العظيم.(شامی ج١ /ص٨٤٢، جنائز)

لڑکے کی شادی کے اخراجات کی وصیت کرنا

[۷۱۱] سوال: ایک شخص نے وصیت کی کہ میری ملکیت میں سے لڑکے کی شادی کے اخراجات وضع کرکے باقی مال شرعی طریقہ پر تقسیم کیا جائے، عورت اور بہو کے زیور کے متعلق کچھ ذکر نہیں کیا ہے مگر ہمارے یہاں یہ رواج ہے کہ عورت کا زیور دراصل مرد کی ملکیت ہوتی ہے وہ جب چاہے اور جس طرح چاہے اس میں تصرف کرسکتا ہے تو مندرجہ زیور اور لڑکے کی شادی کے اخراجات والے وصیت پر کس طرح عمل کریں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: لڑکے کی شادی کے اخراجات اول تو مجہول ہیں، دوم وصیت للوارث ہے، لہٰذا وہ تو لغو ہے اور قابل عمل نہیں، رہا مسئلہ زیور تو اگر عورتوں کے پاس شرعی ثبوت مل سکے کہ زیوران کی ملکیت ہے تو پھر وہ ان کا ذاتی مال ہوگا ترکۂ میت سے کچھ بھی تعلق نہ ہوگا، اور اگر ان

کے پاس ملکیت کا ثبوت نہ ہواور ورثہ بنا بر عرف ورواج شوہر کی ملک کا دعویٰ کریں تو مرحوم کی بیوی کا زیور بھی ترکہ میں شامل کر کے ورثہ میں تقسیم کریں۔

باپ کے موروثی مال میں جو مشترکہ تصرف سے منافع حاصل ہوا اس میں تمام شرکاء برابر حقدار ہیں

[۷۱۲] سوال: دو بھائی والد کے مورثہ مال میں شرکت سے مل کر کام کرتے ہیں، اور ساتھ رہکر کھانا پینا بھی شریک تھا مگر مال بڑے بھائی کے قبضہ میں رہتا تھا اور وہی دونوں کے خرچ وخوراک میں پیسہ خرچ کرتا تھا، اب دونوں میں کچھ جھگڑا ہو گیا اور بڑا بھائی الگ ہو گیا مگر چھوٹے بھائی کو اس کا حصہ دیئے بغیر اس کل مال میں تجارت وغیرہ تصرف کر کے نفع حاصل کیا، تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ اس مال میں چھوٹے بھائی کو کیا حصہ ملے گا؟ اور بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی کی اجازت اور مرضی کے بغیر جو مشترکہ مال میں تجارت کر کے منافع حاصل کیے ہیں اس منافع میں چھوٹے بھائی کو کچھ حصہ ملے گا کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: موروثی مال میں جب تک ہر دو بھائی مشترکہ طور سے تصرف کر کے کمائی کرتے تھے اور مشترکہ طور سے خرچ بھی کرتے تھے اس وقت تک تو وہ مال دونوں کا مشترکہ مال تھا، جس میں مساوی طریقہ پر دونوں شریک تھے، اور جب بڑے بھائی نے علیحدگی کے بعد کل مال میں الگ تصرف کر کے منافع حاصل کیا ہے وہ منافع چوں کہ بڑے بھائی کے عمل اور تصرف سے حاصل ہوئے ہیں، اس لیے وہ بڑے بھائی کی ملکیت ہے، اور چھوٹے کو علیحدگی کے وقت جو مال تھا اس کا نصف حصہ دینا چاہئے اور بڑے کے حصہ کو مع اس کے منافع کے بڑے بھائی کو ملنا چاہیے اور چھوٹے بھائی کے حصہ پر جو منافع آیا ہے وہ اگرچہ قضاءً تو بڑے کے عمل کے نتیجہ ہونے کی وجہ

سے بڑے کو ملے گا، مگر دیانۃً چوں کہ اس نے امانت میں دیانت داری کے خلاف اس میں بلا رضامندیٔ مالک تصرف کیا ہے، اس لیے اس حصے کے منافع کو للہ خیرات کرنا چاہیے، اور اگر اس حصہ کو اصل مع منافع ملا کر چھوٹے بھائی کو دیدے تو بہتر ہے، تاہم یہ دیانۃً ہے ورنہ چھوٹے کو منافع طلب کرنے کا حق نہیں ہے۔ یقع کثیرا فی الفلاحین ونحوهم ان احدهم یموت فتقوم اولاده علی ترکته بلا قسمة ویعملون فیها من حرث و زراعة و بیع و شراء و استدانة و نحو ذلك، وتارة یکون کبیرهم هو الذی یتولی مهماتهم و یعملون عنده بامره وکل ذلك علی وجه الاطلاق والتفویض؛ لکن بلا تصریح بلفظ المفاوضة فهی شرکة ملك، فاذا کان سعیهم واحدا و لم یتمیز ما حصله کل واحد منهم بعمله یکون ما جمعوه مشترکا بینهم بالسویة، وان اختلفوا فی العمل والرائی کثرة وصوابا کما افتی به فی الخیریة.اه.(شامی ج۳/ص۴۶۷،۴۸۳ شرکة) ولو تصرف احد الورثة فی الترکة المشترکة وربح، فالربح للمتصرف وحده. کذا فی فتاوی الغیاثیة، عالمگیری۲/۳۴۶

لو تصرف احد الورثة فی الترکة المشترکة و ربح فالربح للمتصرف وحدهٗ. (هندیه ج۴/ص۳۴۶)

وان استغل تصدق بالغلة کما لو تصرف فی المغصوب والودیعة وربح.اه. کنز. وتفصیله فی البحر ج۸/ص ۲۳۳)

توریث ذوی الارحام

[۷۱۳] سوال: ایک عورت گذر گئی مندرجہ ذیل ورثہ چھوڑا ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے؟

بھانجی، بھانجے کے دولڑکے اور بھانجی کی دولڑکیاں۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛

مسئلہ ۱

بنت الاخت	ابن ابن الاخت	ابن ابن الاخت	بنت بنت الاخت	بنت بنت الاخت
۱	م	م	م	م

مسئولہ صورت میں کل ترکہ بھانجی کو ملے گا، اور باقی ورثہ بعید الرتبہ ہونے کی وجہ سے محروم ہوں گے۔ ویرث ذو الرحم کما یرث العصبة عند عدم ذی السهم ویرجحون بقرب الدرجة ثم بقوة القرابة. (مجمع الانهر ج۱/ص ۷۲۰)

بنت الأخت اولى من ابن بنت الاخ؛ لانها اقرب. (شريفية ۱۲٤)

ذوی الارحام کا وارث ہونا مع احد الزوجین

[۱۴۷] **سوال:** ایک شخص گذرا، اس نے ایک بیوی اور چار لڑکے پھوپھی کے چھوڑے۔ تو اس کا ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛

میت: مسئلہ ۴/۱۶

زوجہ	ابناء العمة	
۱/۴	۳/۱۲	فی ۳

مرحوم کا ترکہ بعد ادائیگی حقوق مقدم علی الارث سولہ حصے کر کے چار حصے بیوی کو اور تین تین ہر ابن العمہ کو دے دیا جائے۔ ابن العمہ اگرچہ ذوی الارحام سے ہے مگر چونکہ بیوی من لا ترد

علیہ میں سے ہےاورمن لاترد علیہ سے باقی مال ذوی الارحام کوملتا ہے۔اس لئے فی روپیہ چار آنے بیوی لے گی باقی بارہ آنے پھوپھی زاد بھائی فی کس تین تین آنے کے حساب سے حقدار ہوں گے۔و هو (ذوی الارحام) كل قريب ليس بذی سهم و لا عصبة و لا يرث مع ذی سهم و لا عصبة سوى الزوجين لعدم الرد عليهم۔ آه (شامی ج٥ /ص٦٩٣) و حمل على ان العمة و الخالة لا ترثان مع عصبة و لا مع ذی فرض يرد عليهم فان الرد على ذوى الفرض مقدم على توريث ذوى الارحام و ان كانوا يرثون مع من لا يرد عليهم و الزوجة۔ (شريفية ص ١١٠)

درذوی الارحام استحقاق اقرب فالاقرب

[۷۱۵] سوال: ایک شخص گزرا،اس نے باپ کی پھوپھی کالڑکا اورخالہ کی لڑکی وارث چھوڑے تو ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ چونکہ ہردو ذوی الارحام سے ہیں اورخالہ کی لڑکی قریب ہے اس لیے سارا مال اس کو ملے گا اورباپ کی پھوپھی کالڑکا محروم ہوگا۔ ويرجحون بقرب الدرجة ثم بقوة القرابة.اه.(مجمع الانهر ج٢ /ص ٧٢٠) وكذا فی السراجی فی اولاد الصنف الرابع.

مسئلۂ مقاسمۃ الجد

[۷۱۶] سوال: ایک صغیر بچہ احمد نامی گزرگیا جس نے باپ کے ورثہ میں سے کچھ ورثہ پایا تھا، اب اس صغیر کے وارثوں میں ایک ماں اور دوسوتیلی ماں، ایک دادا اورایک عینی بہن اورایک علاّتی بہن ہیں تو اس صغیر کا ترکہ کس طرح تقسیم کیا جائے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مذکورہ مسئلہ میں عہد صحابہ رضی اللہ عنہم سے لے کر آج تک علماء میں سخت اختلاف چلا آرہا ہے جس کی تفصیل شریفیہ شرح سراجی میں مذکور ہے، زیادہ مشہور تین قول ہیں: امام اعظم رحمہ اللہ، صاحبینؒ اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا مذہب جو سراجی میں ہر سہ مفصل موجود ہیں، عام متون میں امام صاحبؒ کا قول مفتی بہ لکھا گیا ہے مگر شرح مرضی وغیرہ نے صاحبین کے قول کو ترجیح دی ہے، بہرحال رسم المفتی کے قواعد پر امام صاحب کے قول پر فتویٰ چاہیے، مگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی بعض تصریحات سے سخت خوف ہوتا ہے کہ اگر اخوۃ اور اخوات کی محرومی سے ان کا حق مارا جائے تو جہنم میں جانا پڑے۔ (حواشی شریفیہ) اس لیے میری ذاتی رائے تو یہ ہے کہ دادا کو سدس دے کر باقی اخوۃ اور اخوات سے مصالحت کیا جائے، اور اسی کو مجمع الانہر نے متأخرین کا استحسان لکھا ہے، تاہم عام فتویٰ جو رسم المفتی کے قاعدے سے دیا جانا چاہیے اس کے مطابق مذکورہ مسئلہ کا جواب حسب ذیل ہے:

مسئلہ ٦ احمد

ام	جد	اخت عینی	اخت علاتی	دو سوتیلی ماں
١	٥	م	م	م

کہ مرحوم احمد کا ترکہ بعد ادائیگی حقوق مقدم علی الارث اس کے چھ حصے کئے جائیں جن میں سے ایک حصہ ماں کو اور باقی پانچ حصے دادا کو دیئے جائیں اور بہنیں اور سوتیلی ماں محروم ہوں گی۔ فقط واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

والمحجوب يحجب بالاتفاق كالاثنين من الاخوة والاخوات فصاعدامن اى جهة كانا فانهما لا يرثان مع الاب ولكن يحجبان الام من الثلث الى السدس. (سراجى١٨) وقال أبوبكر الصديق ومن تابعه من الصحابة رضی اللہ عنہم

بنوالاعيان وبنوالعلات لا يرثون مع الجد وهذا قول ابي حنيفة وبه يفتى.(سراجى ٣٢) و بنوالاعيان والعلات لا يرثون مع الجد؛ بل الجد يستبد بجميع المال كالاب، وهذا قول أبي حنيفة وبه يفتى. (الشريفية ٩٥) وكذا فى الاحكام الشريعة الرائجة فى المحاكم المصرية. (مادة ٦٢٠) وكذا فى (العالمگيرية ج٦/ص ٤٥٠، وشامى ج٥/ص٦٧٨،وبحر الرائق ج٨/ص٤٩٨)

والفتوى على قول الامام و هو سقوط الاخوة و الا خوات بالجد؛ ولكن المختار فى زماننا ان يفتى بعد اخذ الجد السدس بالمصالحة فى الباقى بين الاخوة و الاخوات و بينه. (مجمع الانهر ج٢/ص٧١٧)

تقسیم میراث میں مسلم لاء چھوڑ کر ہندو لاء کا مطالبہ کرنا

[۱۷۷] **سوال:** یہاں کاٹھیاواڑ میں میمن مسلمانوں میں وراثت کا قانون ہندوؤں کے مطابق چلا آرہا ہے، اب چند سمجھ دار افراد سعی کررہے ہیں کہ راجا سے درخواست کریں کہ ہم مسلمان ہیں اور اسلامی قانون کے مطابق وراثت کا قانون چاہتے ہیں مگر اس درخواست پر چند پرانے میمن ناراض ہوگئے، اور دربار سے درخواست کی کہ ہم محمڈن لاؤ نہیں مانگتے ہیں، ہم بدستور ہندو لاؤ چاہتے ہیں، تو ایسے لوگوں کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ایسے لوگوں کا حکم کفر ہے، کیوں کہ اللہ تبارک وتعالی نے قرآن کریم میں متعدد مقامات میں ارشاد کیا ہے کہ جو شخص ما انزل اللہ پر فیصلہ نہیں کرتا ہے وہ ظالم اور کافر ہے، خود میراث کی تقسیم میں ایک مستقل رکوع نازل ہوا ہے جس کے آخر میں ارشاد ہوتا ہے کہ یہی اللہ کی

شریعت کی مقرر حدود ہیں جن پر عمل کرنے والا دائمی انعامات سے نوازا جائے گا، اور جو خدا اور رسول کی اطاعت نہیں کرتا ہے اور شریعت کی حدود سے ہٹ کر غیر شرعی راستہ کو اختیار کرتا ہے تو جہنم میں دائمی اور ذلیل ترین عذاب میں ڈالا جائے گا، اب ان صریح احکام کو دیکھتے ہوئے مذکور اشخاص کو صدق دل سے توبہ کرکے راہ راست پر عامل رہنا چاہیے اور اگر وہ راہ راست پر نہ آئیں تو پھر مسلمانوں کو ان سے ترک تعلق رکھ کر اپنے لیے حکومت سے قانون شرع شریف کے اجراء کے لیے سعی بلیغ عمل میں لانا چاہیے۔

ولدالزنا کو ماں کی میراث سے حصہ ملے گا باپ کی میراث سے نہیں۔

[۷۱۸] سوال: ولدالزنا ماں باپ سے میراث پائے گا کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: باپ سے نہیں پائے گا مگر ماں سے پائے گا، کیوں کہ وہ تنہا ماں کا ہی بچہ ہے۔ ویرث ولد الزنا واللعان من جهة الأم. (بحر الرائق ج۸/ص ۵۰۳)

باپ کا کچھ بیٹوں کے نام کل یا بعض جائداد کا ہبہ کرنا

[۷۱۹] سوال: مرحوم عثمان ابراہیم نے اپنے مرنے سے کئی سال قبل اپنی صحت وعقل کے ساتھ اپنا مکان اپنے ایک لڑکے موسیٰ جی کے نام بخشش کرکے باقاعدہ گورنمنٹ میں رجسٹری کردیا، اب اس کی عدم موجودگی میں جماعت والوں نے باوجود بخشش کے علم کے وہ مکان تمام وارثوں میں برابر تقسیم کیا تو کیا یہ مکان تنہا موسیٰ جی کی ملکیت ہے یا دیگر وارثوں کا بھی اس میں حق ہے اور جماعت کا فیصلہ درست ہے یا غلط؟

الجواب: وباللہ التوفیق، مرحوم عثمان نے جب اپنی صحت اور ہوش عقل سے مکمل طریقہ سے اپنا مکان موسیٰ جی کے نام بخشش کیا اور شرعی طریقہ پر وہ اس کا مالک ہوا تو اب وہ مکان عثمان مرحوم کی

ملک نہ رہا، اس لیے عثمان کے دیگر وارثوں میں جماعت کا یہ مکان تقسیم کرنا صریح ظلم ہے اور خلاف شرع ہے، اور مکان بدستور موسی جی کی ملکیت ہے، جماعت والوں کے غلط فیصلہ سے وہ مکان موسی جی کی ملک سے نہیں نکلے گا- رجل وهب في صحته كل المال للولد جاز في القضاء ويكون آثما فيما صنع، كذا في فتاوى قاضيخان. (عالمگیری ج ۳/ص ۳۹۱)

تجارت در مال یتیم

[۷۲۰] سوال: ایک آدمی کے پاس یتیم کا مال ہے جس میں وہ تجارت کرتا ہے تو یہ درست ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ یتیم کے لیے تو تجارت درست؛ بلکہ اولیٰ ہے، کیوں کہ اس میں یتیم کے لیے نفع ہے، اور اگر اپنے لیے تجارت کرے گا تو اصل مال کا یتیم کے لیے ضامن ہوگا، اور منفعت چوں کہ ایک ناجائز تصرف سے حاصل ہوئی ہے اس لیے اس منفعت یعنی ربح کو خیرات کرے۔ وللوصي ان يتجر في مال اليتيم. اھ. (عالمگیری ج ۶/ص ۱۴۷)

رسوم غیر مشروعہ میں خرچ کرنے سے وصی ضامن ہوگا۔

[۷۲۱] سوال: ایک شخص گزر گیا جس نے نابالغ بچے وارث چھوڑے اور مال میں تصرف کرنے کے لیے ایک وصی چھوڑا جس نے تکفین وتدفین پر فضول خرچہ کیا، اور شہر کو کھانا کھلایا اور ختم وغیرہ کرا کر ایک ہزار روپئے خرچ کیا، اب بچے بڑے ہو گئے اپنے مال کا حساب طلب کرتے ہیں تو حساب میں وہ یہ خرچہ بتلاتا ہے جس کو بچے تسلیم نہیں کرتے ہیں تو کیا مندرجہ خرچہ بچوں کے مال سے حساب ہوگا یا وصی اس کا ذمہ دار ہوگا اور بچوں کو کل ترکہ دینا لازم ہوگا؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مرحوم کے تکفین تدفین پر جو شرعی طور سے خرچہ ہوا ہے وہ تو مرحوم کے

ترکہ سے حساب کیا جائے گا، اس کے علاوہ جو کچھ خرچہ وصی نے کیا ہے وہ چوں کہ بلا وجہ شرعی کیا ہے، اس لیے اس کو بچوں کے مال سے وہ نہیں وصول کرسکتا ہے؛ بلکہ وہ خود وصی نے اپنا مال خرچ کیا ہے، اور بچوں کو ان کے والد کے تدفین وتکفین کا مابقیہ کل ترکہ واپس دینا لازم ہے، ان کو وارث کے ترکہ سے نہیں کاٹنا چاہیے۔ دون ما ابتدع فی زماننا من مهللين وقراء مغنيين وطعام ثلاثة ايام ونحو ذلك، ومن فعل ذلك بدون رضاء بقية الورثة البالغين هو يضمن فی ماله. اھ. (شامی ج ۱/ص ۸۱۰)

وصیت برسوم غیر مشروعہ

[۷۲۲] سوال: مندرجہ بالا صورتوں میں مرحوم نے ایک کو وصیت کی کہ فلاں فلاں رسوم میں میرے مال سے روپیہ خرچ کر کے مقامی رسوم کو ادا کرنا، چنانچہ وصی نے اس پر عمل کیا تو یہ رقم کس کے حصے میں سے کاٹی جائے گی؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ میت کے ترکہ میں پہلے شرعی تجہیز تکفین کرنا چاہیے پھر جمیع مال میں دیون ادا کرنا چاہیے پھر تہائی مال سے شرعی وصیت نافذ ہوگی، اور اس سے جو مال بچتا ہے وہ مستحق وارثوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ (کذافی اول الصفحة السراجی)

اس کلی حکم کو جاننے کے بعد دیکھنا چاہئے کہ وصیت بامر مشروع تھی کہ بامر غیر مشروع، اگر بامر مشروع ہے تو مندرجہ بالا ترتیب سے دین کے بعد اس پر عمل کیا جائے گا، اور اگر وصیت بامر غیر مشروع ہے تو وصیت باطل ہی ہوگی، اب اگر اول غیر شرعی رسوم میں وصی نے جو کچھ خرچ کیا ہے وہ بغیر رضامندی وارثوں کے کیا ہے تو وارثوں کا ضامن ہوگا، اور اگر بارضامندی وارثوں کے کیا ہے تو جن کی رضامندی سے خرچہ ہوا ہے اس کے حصہ سے کاٹا جائے گا۔ امر رجلا ان

یحمل بعد موته الی موضع کذا ویدفنه ثمه فا لوصیة بالحمل إلی موضع کذا باطلة، ولو حمل الوصی بلا اذن الورثة یضمن ماانفق، کذا فی وصایا البزازیة. (فی بحث) الرابع فی الدفن والکفن إذا اوصی أن یدفن فی مسح کان اشتراه ویغل ویقید رجله فهذا وصیة بما لیس بمشروع فبطلت، ویکفن مثله وید فن کمایدفن سائر الناس. (عالمگیری ج٦/ص٩٦) ولهذه المسئلة نظائرکثیرة فی کتب الفقه.

وصیت بسکنیٰ وغلۂ مکان

[٧٢٣] سوال: ایک شخص نے وصیت کی کہ میرافلاں مکان زیدکو رہنے کے لیے دے دیا جائے، اورفلاں مکان کی آمدنی عمرکودی جائے، تو کیا یہ وصیت نافذ ہوگی؟ اگر یہ وصیت نافذ ہوگی تو وہ مکانات زید وعمرکوکب تک رہنے کو دیئے جائیں؟ نیز اگرزیداس مکان میں رہنا نہیں چاہتا بلکہ کرایہ پردے کرکرایہ وصول کرنا چاہتا ہے اورعمراپنے مکان کا کرایہ نہ لے بلکہ اس میں خود رہنا چاہے تو ان کی باتوں کوقبول کریں یانہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مذکورہ مکانات اگرکل مال کے تہائی حصہ میں آسکیں تو وصیت کے مطابق زیدکی زندگی تک اس کا مکان اس کو رہنے کے لیے دے دیا جائے، اورعمرکی زندگی تک اس کے نام کا مکان اس کوآمدنی کے لیے دے دیا جائے، یعنی زیداپنے مکان میں زندگی بھررہے اورمرنے کے بعدوہ مکان وصیت کرنے والے کے حق دار وارثوں کو دے دیا جائے، اورعمراس مکان کا کرایہ زندگی تک وصول کرتا رہے اورمرنے کے بعدوصیت کرنے والے کے حق دار وارثوں کوسپرد کیا جائے، ان میں سے کسی کووصیت کے خلاف عمل جائزنہیں یعنی زیداپنے نام کے مکان سے کرایہ

نہیں وصول کرسکتا ہے اور عمر اپنے نام کے مکان میں خود رہنا چاہے تو نہیں رہ سکتا ہے؛ بلکہ وصیت کے مطابق عمل لازم ہوگا۔

تصح الوصية بخدمة عبده وسكنى داره وبغلتهما مدة معينة او ابداً فان خرج ذلك من الثلث سلم الى الموصى له والا قسمت الدار و تهايئا فى العبد يومين لهم ويوما له فإذا مات الموصى له ردت إلى ورثة الموصى وإن مات الموصى له فى حيوة الموصى بطلت الوصية، ومن اوصى له بغلة الدار أو العبد لا يجوز له السكنى والاستخدام فى الاصح، ولا لمن اوصى له أن يوجر.اھ.ملتقى الابحر. والتفصيل فى شرحه (مجمع الانهر ج٢/ص٦٩٧ مطبوعة استبولى) وكذا فى (الهدايه ج٤/ص٦٦٩) وكذا فى (درالمختار مع الشامى ج٥/ص٦٠٦)

مندرجہ عبارت سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ اگر وہ دونوں مکانات ثلث سے نہ نکلیں؛ بلکہ ثلث مال سے قیمۃً زائد ہوں تو اس صورت میں مندرجہ مکانات کو کل مال کے ساتھ ملا کر مجموعہ مال کی قیمت کا ثلث نکالیں اور ثلث مال کے مقدار پر ہر دو مکانات میں سے حصہ نکالیں اور ہر دو مکانات سے جو ثلث مال کے مقدار کا حصہ نکلے اس حصہ کو زید اور عمر کو حسب وصیت مندرجہ بالا تفصیل سے دیں۔ واللہ اعلم وعلمہ اتم۔

میراث مناسخہ

[۷۲۴] سوال: کڑوا نامی آدمی گذر گیا، جس نے ایک لڑکا ہاشم اور ایک لڑکی بی بی چھوڑی، پھر بی بی گذر گئی جس نے شوہر اچھوا اور ایک لڑکا حسین اور تین لڑکی مریم، فاطمہ، حوا چھوڑی، پھر ہاشم گذرا

جس نے مندرجہ بالا بھانجہ وبھانجیاں چھوڑی، تو کڑوا کا ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛

مسئلہ ۳/۶۰ مرحوم کڑوا

ابن ہاشم	بنت بی بی
۲ / ۴۰	۱

مسئلہ ۴/۲۰ تباین مضروب ۲۰ بی بی مافی الید ۱

زوج اچھو	ابن حسین	بنت مریم	بنت حوا	بنت فاطمہ
۱ / ۵	۶	۳	۳	۳

مسئلہ ۵/۱ توافق بالخمس فالمضروب ۱ ہاشم مافی الید ۴۰/۸

ابن الاخت حسین	بنت الاخت حوا	بنت الاخت مریم	بنت الاخت فاطمہ
۲ / ۱۶	۱ / ۸	۱ / ۸	۱ / ۸

الاحیاء المبلغ ۶۰

اچھو	حسین	مریم	حوا	فاطمہ
۵	۲۲	۱۱	۱۱	۱۱

مرحوم کڑوا کا ترکہ بعد ادائیگی حقوق مقدم علی الارث ساٹھ سہام کر کے مندرجہ احیاء کو ان کے اسماء کے محاذی اعداد کے مطابق سہام دے دیئے جائیں۔ وإن استووا فی القرب (إلی أن قال) وإن کانوا مختلطین فللذکر مثل حظ الأنثیین وهذا بلا خلاف. (عالمگیری ج٦/ص٤٥٩)

تخمینی وصیت میں ثلث سے بچ جانا

[۷۲۵] سوال: ایک شخص نے اپنے وصیت نامہ میں یہ تحریر کیا ہے کہ میری موت کے بعد میرے مال میں سے دین کے ادائیگی کے بعد جو بچے اس کا ثلث مندرجہ ذیل آسامیوں کو دیا جائے (ان اسامیوں میں چند دور کے رشتہ دار اور چند مدارس کے نام ہیں) ان آسامیوں میں سے ہر ایک کے لیے مخصوص رقم کی تعین کر کے آخر میں لکھا ہے کہ میرے دین کے ادائیگی بعد اگر ثلث میں ایسی کمی بیشی واقع ہو جائے کہ جس سے مندرجہ آسامیوں کی مقررہ رقوم میں کمی بیشی لازم ہو جائے تو ان رقوم کے مناسبت سے مقررہ رقوم میں کمی بیشی کی جائے، اب مندرجہ آسامیوں کو مقررہ رقوم ادا کر چکنے کے بعد بھی ثلث مال میں سے کافی رقم بچ گئی جس کو ورثہ آپس میں بقدر استحقاق تقسیم کرنا چاہتے ہیں تو از روئے شرع شریف یہ باقی من الثلث ورثہ کو دیں یا ان آسامیوں کو؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ وصیت میں موصی کی غرض کے مطابق عمل کیا جاتا ہے، مندرجہ مسئلہ میں بھی اس کی غرض یہ ہے کہ میرے دین کی ادائیگی کے بعد ثلث مال مندرجہ آسامیوں کو مقررہ تفصیل سے دیا جائے، اس کے ساتھ جو رقم وہ مقرر کر چکا ہے صرف ثلث کے متعلق اس کے اندازے کے حساب سے ہے، جس کی دلیل پچھلی عبارت میں موجود ہے کہ اگر دین میں کمی بیشی کی وجہ سے ثلث میں کمی بیشی آئے جس کا اثر مقررہ رقوم پر پڑے تو اس کے مطابق مقررہ رقوم میں کمی بیشی کی جائے، پس موصی کی غرض چوں کہ ثلث مال مذکور آسامیوں کو دینا ہے اور پھر مذکورہ آسامیوں کے حصص مقرر کر چکا ہے، لہٰذا اب جب کہ مقررہ رقوم کی ادائیگی کے بعد ثلث مال سے رقم بچ گئی ہے تو اس کے مستحقین وہی آسامی ہیں کہ جن کے حصے موصی مقرر کر چکا ہے، اب یہ زیادہ رقم انہی آسامیوں پر اس نسبت سے تقسیم کی جائے کہ جو مذکور آسامیوں کے مقررہ رقم کے مجموع کی نسبت

ہر ایک کے حصے کے ساتھ موصی نے مقرر کی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

وفی اوصیت لہ بجمیع ما فی ھذا الکیس وھو الف، فاذا فیہ الفان ودنانیر وجواھر فکلہ لہ ان خرج من الثلث. مجتبی. (درالمختار قبیل باب الوصیہ بثلث المال) قال شارحہ ابن عابدین: وکذا اوصیت بثلث مالی وھو الف فلہ الثلث بالغا ما بلغ؛ لان قولہ وھو الف غیر محتاج الیہ. (والوالجیة) الی ان قال: والحاصل انہ اذا اوصی بمشار الیہ ثم قدرہ صح وافق المقدار اولا، وعللہ فی المحیط: بانہ اضاف الایجاب والتملیك الی الثلث مطلقا والی جمیع مافی الکیس فصحت الاضافة الا انہ غلط فی الحساب فلا یقدح فی الا یجاب. اھ. (شامی ج٥ /ص٥٨٥) وکذا فی قاضیخان فی المسائل الشتی من الوصایا والعالمگیریة ج٦ /ص١٣٣)

ورثاء کی عدم موجودگی میں موصیٰ لہ بجمیع المال مستحق ہوگا

[٧٢٦] سوال: ایک شخص نے کسی اجنبی عورت ہندہ سے یہ اقرار کیا کہ بعد از مرگ تو میری وارث ہے، زندگی بھر ہر دو ایک ساتھ وارثوں کی طرح رہتے اور مذکور شخص نے اپنا کل منقولہ وغیر منقولہ جائداد ہندہ کے نام سرکار میں رجسٹر کرادی، حکومت وقت نے بھی ہندہ کو اس کا وارث منظور کیا، یہ تمام معاملہ مضبوط ہونے کے بعد وہ شخص گذر گیا، اب ایک شخص آتا ہے اور دعوی کرتا ہے کہ میں مرحوم کا وارث ہوں مگر اس کے پاس وارث ہونے کا کوئی ثبوت نہیں، تو اب شرعاً یہ ملکیت کو ھبہ بالمعنی سمجھ کر ہندہ کی ملکیت تصور کیا جائے گا یا کس کو اس کا حقدار تصور جائے گا؟

الجواب: وباللہ التوفیق: مذکورہ مسئلہ میں بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ مرحوم نے اپنی حیات میں

ہندہ کو موصی لہا بکل مال قرار دیا ہے، جس کو بطور وثیقہ حکومت وقت سے رجسٹری کرادیا ہے، رجسٹری کے بیان سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے کہ یہ ہبہ نہیں بلکہ وصیت بکل مال ہے، اس واسطے یہ تحریر کیا گیا ہے کہ ہندہ کو مرحوم کا جائز وارثہ منظور کیا گیا ہے، جس سے صاف ظاہر ہے کہ وارث مرنے کے بعد ملکیت کا مالک ہوتا ہے نہ کہ قبل موت؛ نیز دونوں کا برتاؤں اور معاملہ وارثوں کی طرح رکھنا صاف بتلاتا ہے کہ عورت پوری ملکیت کی ابھی مالک نہیں ہوئی ہے ورنہ دونوں کا اس مال میں مجتمع رکھ کر وارثوں کی طرح معاملہ رکھنے کے کیا معنی ہوتے ہیں؟ بہر حال مذکورہ مسئلہ میں اگر مرحوم کا کوئی جائز وارث نہ ہو یا ہو مگر وہ اس وصیت بکل المال کی اجازت دیتا ہو تو ہندہ کل مال کی مالکہ تصور کی جائے گی، اور اگر جائز وارث موجود ہو اور وہ اس وصیت کی اجازت نہ دیتا ہو تو ہندہ بطور وصیت ثلث مال کی حقدار ہوگی اور بقیہ مال میں دو ثلث وارث کا حق ہوگا، مذکور شخص یا اور کوئی جب تک وراثت کا ثبوت نہ دے گا اس وقت تک مستحق نہ ہوگا۔ ولا تصح الوصية بما زاد على الثلث الا باجازة الورثة. (مجمع الانهر ج ۲ /ص ٦٨٦) ثم الموصىٰ له بأكثر من الثلث اى اذا عدم من تقدم ذكره يبدأ بمن اوصى له يجمع المال فيكمل له وصيته.اه. (مجمع الانهر ج ۲ /ص ۷۱۳) كذا فى سائر كتب الفقه.

تمام مال کی وصیت اور وصیت سے رجوع

[۷۲۷] سوال: لاوارث امام نے اپنی ملکیت کے متعلق مسجد کی ضروریات پر صرف کرنے کی وصیت کی، پھر بیمار ہوا تو اپنی ملکیت مذکور سے ایک حصہ کی وصیت خادم کو کی، تو یہ ثانی وصیت درست ہوگی یا حسب وصیت سابق ساری ملکیت مسجد کو دیدی جائے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: لاوارث ہونے پر مسجد کے مصارف کے لیے ساری ملکیت کی وصیت

درست ہوگئی تھی؛ مگر جب اس میں ایک حصہ کی وصیت بعد میں اپنے خادم کو کی تو مسجد کی وصیت سے بقدر وصیت ثانی رجوع ہو گیا جو شرعا درست ہے، لہذا اگر سابق وصیت میں بجز اس کے کہ اس میں کچھ ملکیت کی خادم کو وصیت کی اور کچھ تغیر و تبدل نہ کیا ہو تو مذکور ملکیت میں سے خادم کا حصہ خادم کے حوالہ کردیا جائے اور بقیہ ملکیت حسب شرائط موصی مسجد کے مصارف میں خرچ کیا جائے۔ فقط۔

ویجوز للموصی الرجوع عن الوصیة واذا صرح بالرجوع اوفعل ما یدل علی الرجوع کان رجوعا.اھ.(ھدایہ ج٤/ص٦٤٤، شامی ج٥/ص٥٧٨، مجمع الانهر ج٢/ص٦٨٧) ولو اوصی بشیء لرجل ثم قال ما اوصیت به فقد اوصیت بنصفه لفلان آخر یصیر بینهما فیکون رجوعاً عن نصفه.اھ.ولها نظائر فیها. (عالمگیری ج٦/ص٩٣)

ایک جزئیۂ میراث

[۷۲۸] سوال: زید گزرا، جس نے ایک والدہ، ایک بیوی، دولڑکے، ایک لڑکی، دو بھائی، تین بہنیں، پھوپھی اور ماموں وارث چھوڑے، تو مرحوم کی ملکیت میں ان کو کیا ملے گا؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛

مسئلہ ۲۴/۱۲۰ مرحوم زید

زوجہ	ام	ابن	ابن	بنت	اخوہ	اخوات	عمہ	خالہ
۳	۴	۳۴	۳۴	۱۷	م	م	م	م
۱۵	۲۰							

مرحوم کی ملکیت بعد ادائیگی حقوق مقدم علی الارث ۱۲۰/ حصے کردئے جائیں جن میں

سے زوجہ کو پندرہ، والدہ کو بیس، ہرایک لڑکے کو چونتیس چونتیس اورلڑکی کو سترہ حصے دیئے جائیں، بہن بھائی اور پھوپھی، ماموں کو ذکوراولاد کی موجودگی میں کچھ نہیں ملے گا۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔
كذا في كتب الفرائض.

مرض الموت میں ہبہ اور وارث کے لیے وصیت کا حکم

[۷۲۹] سوال: اسماعیل ولّب جی گذر گیا، جس نے زوجۂ ثانیہ سکینہ مرحومہ تین لڑکے: احمد، ابوبکر، عثمان اورایک لڑکی عائشہ، اور پہلی بیوی امن بو سے دولڑکے: ابراہیم، محمد اورایک لڑکی رسول بی بی چھوڑے ہیں، مرحوم کے بستر مرگ پر مذکور امن بواوراس کی لڑکی رسول بی بی کے کہنے سے مرحوم اسماعیل نے اپنا ایک مکان اپنی لڑکی رسول بی بی کے نام بخشش لکھدیا ہےتو اب دریافت طلب یہ امر ہے کہ مرحوم کے لکھنے کے مطابق یہ مکان صرف رسول بی بی کا حق تصور کیا جائے گا یا اس میں دیگر وارثوں کا بھی حق لگے گا؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ سوال سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذکور بخشش وہبہ مرض موت میں ہوا ہے جس کا قبضۂ شرعی بھی رسول بی بی کو نہیں دیا گیا ہے؛ بلکہ صرف تحریر لکھی گئی ہے تو اگر واقعہ یہ ہو کہ مرحوم نے مرض موت میں یہ بخشش وہبہ لکھ دیا ہو تو چوں کہ مرض موت میں ہبہ وصیت کے حکم میں ہوتا ہے، اوروارث کو دیگر وارثوں کی اجازت کے بغیر وصیت نافذ نہیں، لہٰذا مذکورصورت میں اگر دیگر ورثہ اس وصیت کی اجازت نہ دیتے ہو تو وصیت باطل سمجھی جائے گی، اور مذکور مکان مرحوم کے حق دار وارثوں میں مشترکہ ملکیت تصور کیا جائے گا، اوراگر ہبہ وبخشش اور شرعی قبضہ رسول بی بی کو صحت وتندرستی کی حالت میں دے دیا گیا ہو تو اس صورت میں مکان رسول بی بی کی ملکیت ہوگی جس میں دیگر وارثوں کا حق نہ ہوگا۔

و الهبة والصدقة من المريض نظير الوصية.اه.(مجمع الانهر ج٢/ص٦٨٦) ولاتصح بما زاد على الثلث ولالقاتله ووارثه ان لم تجز الورثةاه.كنز. وتفصيله فى (الزيلعى ج٦/ص١٨٢) وهب فى مرض ولم يسلمه حتى مات بطلت الوصية.اه.(بزازيه على عالمگيريه ج٤/ص٤٠٧)

مورث کی حیات ہی میں ورثاء کا ابراء لغو ہوگا اور بعد وفات وارث ہوں گے۔

[٧٣٠] سوال: ایک شخص کے تین لڑکوں میں سے ایک لڑکا گذر گیا ہے، جس کی اولاد باقی ہیں، اب اس نے موجودہ دولڑکوں کو جدا جدا ایک ایک مکان بخشش کر کے دے دیا ہے، اور دینے میں یہ کہا کہ میرے مال میں سے تمہارے حصے کا میراث تم کو مل چکا، اس طرح شرط کر کے دونوں لڑکوں کو ایک ایک مکان قبضہ میں دے دیا، اور ایک مکان کے متعلق اپنے مرحوم لڑکے کی اولاد کو وصیت کی اور گذر گیا، تو اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ جن لڑکوں نے مرحوم کی حیاتی میں اپنا اپنا حصہ میراث کا مکانات کی صورت میں وصول کیا ہے ان کو اب مرحوم کی ملکیت میں کچھ حصۂ میراث ملے گا یا نہیں؟ اور مرحوم کی حسب وصیت تیسرا مکان اس کے مرحوم لڑکے کی اولاد کو ملے گا یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مذکورہ مسئلہ میں بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ مذکورہ شخص نے اپنی حین حیات میں ہر دولڑکوں کو ایک ایک مکان بطور بخشش دے دیا ہے جن پر ان کا شرعی قبضہ بھی مرحوم کی حین حیات ہی میں ہوا ہے، اب اس بخشش میں یہ شرط جو لگائی ہے کہ یہ مکانات تمہارے حصہ کے عوض میں ہے اور لڑکوں نے اس سے رضامندی ظاہر کر کے میراث سے دست برداری (ابراء) کیا ہے یہ دونوں شرط اور ابراء فاسد ہے؛ کیوں کہ مرحوم کی حین حیات میں اس کے لڑکوں کا کوئی حق میراث

نہ تھا، اور مرنے کے بعد جو وراثت ملتی اس سے ابراء اس لیے لغو ہے کہ بوقت موجودہ وہ اس کے مالک نہ تھے تو ابراء بھی لغو ہوا، اب مذکورہ صورت میں بخشش (ہبہ) مشروط بشرط فاسد ہے اور چوں کہ ہبہ شروط فاسدہ سے فاسد نہیں ہوتا ہے، اس لیے مذکور ہبہ شرعی قبضہ کی موجودگی میں تمام ہو چکا اور مکانات مذکور لڑکوں کی ملکیت ہو گئے، اور مرحوم کے مرنے پر وہ اپنے والد کی ملکیت میں یقیناً وراثت کے حقدار ہوں گے۔

رہا وصیت تو چوں کہ اولاد کی موجودگی میں اولادِ اولاد محروم ہیں، لہٰذا وصیت ثلث تک بلا اجازت ورثہ نافذ ہوگی اور ثلث سے زائد ورثہ کی اجازت پر موقوف ہوگی۔ وحکمها انها لاتبطل بالشروط الفاسدة.اه.(درالمختار مع الشامی ج٤/ص٧٠١)وفی البزازية: ولو قال: تركت حقی من الميراث أو برأت منه أو من حصتی لا يصح وهو على حقه؛ لأن الارث حق جبري لا يصح قوله.اه. (فتاویٰ کاملیه١٦١) والارث حق اضطراري يتعلق بملك الميت قبل الموت وبعده وهو المعتمد.(خلاصة).(شامی ج٥/ص٦٦٣)

غیر مشروع تصرف سے وصی ضامن ہوگا

[٧٣١] سوال: ایک سید صاحب گزر گئے، جس نے ایک لڑکی اور اس کی اولاد، اور دوسری مرحومہ لڑکی کی اولاد چھوڑی ہیں، مرحوم سید صاحب نے تقریباً ایک ہزار روپے چھوڑے ہیں جس میں اس نے وصیت کی تھی کہ میرے دفن، کفن اور ختم کے خرچہ کے بعد جو بچے اس میں سے ایک سو روپے میری لڑکی کے لیے ہیں اور باقی شریعت کے مطابق تقسیم ہو جائے، اب وصی نے اس میں پانچ سو روپئے کفن، دفن و ختم قرآن وغیرہ میں خرچ کیا ہے تو باقی پانچ سو کو کس طرح تقسیم کیا جائے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مرحوم سید صاحب کی وصیت ختم قرآن اور لڑکی کی لغو ہے، اور وصی نے جو فضول رسوم پر پانچ سو روپئے اگر لڑکی کی اجازت سے خرچ کئے ہیں تو ذمہ دار نہ ہوگا ورنہ وہ خرچہ اسی وصی کے مال سے تصور کیا جائے گا، اور شرعی تکفین، تدفین کے علاوہ جو خرچہ اس نے کیا ہے وہ اس کا ذمہ دار ہوگا، اور مسئولہ صورت میں لڑکی کی موجودگی میں لڑکی کے اولاد چوں کہ ذوی الارحام ہیں اس لیے وہ محروم ہوں گے، اور شرعی تکفین، تدفین کے بعد کل ملکیت کا حق دار شرعاً مرحوم کی لڑکی ہے۔ فقط واللہ تعالیٰ اعلم۔

مفقود کا حصۂ میراث موقوف رکھنا

[۴۸۱] **سوال:** ایک شخص ابھی زندہ ہے مگر وہ اپنی ملکیت کے متعلق تقسیم میراث کی ابھی سے معلومات چاہتا ہے، بحالت موجودہ اس کی ایک لڑکی، چار پوتے، ایک پوتی ہیں، چار پوتوں میں سے ایک مفقود ہے تو اگر وہ شخص اب گذر جائے تو شرعی طور سے ترکہ کس طرح تقسیم ہوگا؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛

میت: مسئلہ ۲/ ۱۸

بنت	پوتا مفقود	پوتا	پوتا	پوتا	پوتی
۱/۹	۲	۲	۲	۲	۱

اگر وہ شخص گذر جائے اور وارثوں میں یہی افراد موجود ہوں جو سوال میں درج ہیں، تو کل ترکہ بعد ادائیگی حقوق مقدمہ علی الارث اٹھارہ حصے کئے جائیں گے، جن میں سے نو حصے لڑکی کو اور دو دو حصے ہر ایک پوتے کو اور ایک حصہ پوتی کو دے دیئے جائیں گے، اور مفقود پوتے کے دو حصے کسی امین شخص کے پاس اس کے آنے تک محفوظ کئے جائیں گے، اور اگر قانون شرعی سے اس کی

موت ثابت ہوجائے تو وہ دو حصے باقی ماندہ مذکورہ وارثوں پر اس طور سے تقسیم کئے جائیں گے کہ اس کے چودہ حصے کر کے سات حصے مذکورہ لڑکی کو اور دو دو حصے مذکورہ پوتوں کو اور ایک حصہ مذکورہ پوتی کو دے دیئے جائیں گے۔ فیوقف نصیبه منه كلاً او بعضاً الى ان يحكم بموته، فان جاء قبل الحكم به فهو له، والا فلمن يرث ذلك المال لولاه اى لولا المفقود. (مجمع الانهر ج ١ /ص٣٣٨) وكذا فى اكثر كتب المذهب.

کتاب العقائد و مسائل شتی

التدبیر فی مسئلۃ التقدیر

[۷۳۲] سوال: انسان خود فاعل مختار ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو آیت ﴿یحکم ما یشاء و یفعل ما یرید﴾ کے کیا معنی ہیں؟ تاہم بندے کو نیک و بدراستہ جیسے چاہے خدا بتاتا ہے ﴿من یھدہ اللہ فلا مضل لہ و من یضللہ فلا ھادی لہ﴾ سے فاعل مختار ہونا کس طرح مانا جائے گا؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مسلمانوں کی بڑی اکثریت اہل السنّت والجماعت جو چار مذہب: حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی میں منقسم ہے سب کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان فاعل مختار ہے، اور یہ بھی اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس کائنات میں کوئی کام و حرکت بغیر مشیت وارادۂ خداوندی ظہور میں نہیں آسکتی ہے، گویا پہلے عقیدے سے بندہ فاعل مختار ثابت ہوتا ہے اور ثانی عقیدے سے خدائی احکام اور ارادے میں جکڑا ہوا اور مجبور معلوم ہوتا ہے، اسی وہم کی وجہ سے ایک چھوٹی سی جماعت پہلے عقیدے پر قائم ہو کر ثانی کی نفی کرتی ہے اور یہ عقیدہ رکھتی ہے کہ انسان فاعل مختار اور خالق افعال انسانی ہے، اور خدا کو انسانی افعال سے کچھ بھی تعلق نہیں، اور اپنے دعوے میں بہت سے نصوص و دلائل عقلیہ پیش کرتے ہیں، یہ فرقہ قدریہ یعنی تقدیر کا نہ ماننے والا فرقہ ہے، جن کے بارے میں ارشاد نبویہ میں یہ اشارہ آیا ہے کہ "القدریۃ مجوس ھذہ الأمۃ" اور ایک قلیل گروہ عقیدہ ثانیہ پر قائم ہے، جن کا عقیدہ یہ ہے کہ انسان اپنے افعال و حرکات میں مجبور محض ہے اور جو کچھ افعال و حرکات انسان سے ظہور میں آتے ہیں وہ سب اللہ تعالیٰ انسان سے کراتا ہے، اور انسان خود حرکۃ المرتعش کی طرح جو کسی بیماری کی وجہ سے اس کے ہاتھ پاؤں حرکت کرتے ہیں اسی طرح یہ افعال و حرکات انسان

سے بلا اختیار صادر ہوتے ہیں، اور ان افعال کے متعلق خدائی حکم کے ماتحت مجبور محض ہے، یہ فرقہ جبریہ ہے جو اپنے دعوے کے ثبوت میں کثرت سے نصوص اور عقلی دلائل پیش کرتا ہے، اور ان کے دلائل میں سے یہ دو دلیلیں بھی ہیں جو آپ سوال میں لائے ہیں، آپ کے سوال میں صرف ایک فرقہ یعنی جبریہ کی طرف سے جو اعتراضات وارد ہوتے ہیں ان کی طرف اشارہ کیا گیا ہے، اور فرقہ قدریہ پر آپ نے اعتراض کی طرف اشارہ نہیں کیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا عقیدہ آپ کو تسلیم ہے، تاہم مختصر اور بدیہی دلائل سے میں دونوں عقیدوں کو احساسی طریقہ سے ظاہر کرنا چاہتا ہوں؛ تاکہ دونوں کے خیالات معلوم ہونے سے یہ امر واضح ہو جائے کہ فرقۂ ناجیہ اہل السنّت والجماعت نے دونوں کے درمیانی راستہ اختیار کر کے نصوص کو آپس میں کس طرح تصادم سے بچایا ہے، اور ارشادات الہیہ وتصریحات نبویہ میں کس طرح تطبیق کر کے ہر ایک نص کو اپنی اپنی جگہ میں قابل اعتقاد وعمل بنایا گیا ہے۔

فرقۂ قدریہ وجبریہ واہل السنّت والجماعت ہر ایک کے دلائل عقلیہ ونقلیہ اور دوسرے فرقے کی طرف سے جوابات تو علم کلام میں مفصل موجود ہیں جن کی یہاں گنجائش نہیں، مجھے یہاں صرف ہر ایک کے عقیدے اور قول کی تصویر پیش کرنے کی غرض سے احساس ومشاہدات سے اس موضوع پر روشنی ڈالنی ہے تاکہ اختلاف کی وجہ اور تحقیق واقعہ کی تلاش میں آسانی حاصل ہو جائے۔

(۱) انسان بظاہر فاعل مختار ہے اور جو چاہتا ہے کر سکتا ہے، یہ دعوے مشاہدے کے اعتبار سے اس قدر بدیہی اور ظاہر ہیں کہ دلیل کے محتاج نہیں، خدائی قانون چھوڑ کر یہ دنیاوی تمدن وقوانین اور اصطلاحات تمام اس خیال سے بنائے گئے ہیں کہ انسان کو فاعل مختار مانا گیا ہے، والدین اور دیگر برادری کے ضوابط وقوانین اسی لیے بنائے گئے ہیں کہ انسان فعل اختیاری سے اس

کو عمل میں لائے، سیاسی اور دستوری آئین وضوابط اور سارے تمدن کے اصطلاحات وقوانین جو مقرر کیے گئے ہیں اس میں واضعین قوانین نے انسان کو فاعل مختار مان کر مقرر کیے ہیں، ورنہ ایک بے حس وحرکت اور ایک مجبور محض چیز سے ان قوانین وضوابط کی پابندی ایک لغو حرکت ہوگی، اور ایک بے حس وحرکت چیز سے حقوق برادری اور آئین وضوابط سیاسی کا مطالبہ نہ صرف غیر معقول؛ بلکہ عادۃً محال ہوتا مگر چوں کہ انسان نے احساسی طریقہ پر اپنے آپ کو فاعل اور خالق افعال تصور کیا ہے اس لیے ان قوانین واصطلاحات پر کوئی اعتراض نہیں کرتا ہے اور اس کی پابندی کے مطالبہ کو عین انصاف سمجھتے ہیں۔

(۲) انسان اپنے افعال میں مجبور محض ہے، اور خدا کی مشیت اور ارادے میں جکڑا ہوا ہے جس کے بغیر ایک تنکا بھی نہیں اٹھا سکتا اور نہ حرکت کر سکتا ہے، اس دعوے کی دلیل پہلے دعوے کی نسبت ذرا خفی اور پوشیدہ ہے تاہم تجربہ اور مشاہدے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ کائنات میں تبدل وتغیر اور حوادثات کا وقوع میں آنا کسی پوشیدہ قوت اور طاقت کے تابع ہے، اور سارے افعال اور حوادثات اس کی مشیت اور ارادے کے تابع ہیں جن کی مرضی کے بغیر کوئی چیز اور کوئی حرکت وقوع میں نہیں آسکتی ہے۔

تجربات شاہد ہیں کہ ڈاکٹر اور حکیم ایک ہی دوا ایک ہی قسم کے مریضوں میں استعمال کرتے ہیں مگر بعض میں صحت اور بعض میں زیادت مرض کی باعث ہو جاتی ہے، ایک ہی شخص کی اولاد میں باوجود والدین کی طرف سے مساوی محبت وتربیت کا سلوک روا رکھا جاتا ہے؛ مگر بعض جاہل بعض عالم، بعض عقلمند بعض بے وقوف، بعض صحیح الجسم اور کامل الاعضاء بعض نحیف الجثہ اور ناقص الاطراف ہوتے ہیں، ایک ہی بازار میں ایک ہی قسم کی اشیاء فروخت کرنے والے تاجر رہتے ہیں محنت اور دماغی قابلیت میں بھی مساوی رہتے ہیں مگر ایک ترقی کرتا ہے، بازار پر قابض ہو جاتا

ہے، اور دوسرا تنزل کر کے مفلس اور محتاج ہو جاتا ہے، غرض جب کہ ہم سارے افعال وحرکات انسانی پر غور کرتے ہیں تو باوجودیکہ ہر ایک اپنے حصول مقصد کے لیے غایت سعی وکوشش کرتا ہے مگر نتائج اور ثمرات سے محروم رہتے ہیں، اور یہ امور ایسے ہیں کہ اس دنیا کے پلیٹ فارم پر متعدد اور بے شمار طریقوں پر عبرت وبصیرت کی نگاہوں سے ہم ان کا کھلے طور سے مشاہدہ کر سکتے ہیں۔ ﴿فاعتبروا یا اولی الابصار﴾ جن کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ انسان مجبور محض تسلیم کیا جائے، یہ تو قدریہ اور جبریہ کے عقائد کی تصویر تھی۔

اب میں فرقۂ ناجیہ اہل السنّت والجماعت کا عقیدۃ ذکر کرتا ہوں:

اہل السنّت والجماعت کے چاروں مذاہب والوں کا اس پر اتفاق ہے کہ انسان اپنے اختیاری افعال کا فاعل مختار ہے، اور چوں کہ انسان اپنے تمام افعال اختیاریہ وجمیع حرکات وسکنات اور سارے افعال خیر وشر ان کے اسباب ظاہری کے ذریعہ بظاہر وقوع میں لانے کی طاقت اور استطاعت رکھتا ہے، اسی واسطے خدائی قانون اور شرعی احکام کا من جانب اللہ مکلّف بنایا گیا ہے اور انہی افعال اختیاریہ کے باعث شرعی قوانین واحکام کی متابعت اور عدم متابعت کی صورت میں ثواب وعقاب کا مستحق قرار دیا گیا۔

اور چوں کہ خداوند تبارک وتعالیٰ تمام دنیا اور کائنات کا پیدا کرنے والا اور تدبیر کرنے والا ہے اس لیے دنیا کی کوئی چیز خواہ انسانی افعال ہوں یا اور چیزیں بغیر مشیت وارادۂ خداوندی وقوع میں نہیں آسکتی ہیں، اور حق یہ ہے کہ شان ربوبیت کے لیے یہی ضروری ہے کہ اس کی حکومت اور مخلوق میں کوئی چیز اور کوئی حرکت اس کی مشیت اور علم وارادے کے بغیر نہ موجود ہو اور نہ حرکت کر سکے، اب میں آپ کے سوال کے جواب پر آتا ہوں مگر قبل ازیں کہ میں اہل سنت والجماعت کے عقیدے کی طرف سے آپ کا بلکہ ہر مخالف کا جواب دوں یہاں دو چیزوں میں تمیز اور فرق بتانا

غایت ضروری ہے، اور اسی فرق پر سارا جھگڑا ختم ہو جاتا ہے اور اہل السنّت والجماعت کے عقیدے کی حقانیت ظاہر ہو جاتی ہے۔

وہ (۱) خلق اور (۲) فعل میں تمیز کرنا ہے، خلق کے معنی ایجاد، نیستی سے ہستی اور چیز کو عدم سے وجود میں لانا ہے، اور فعل کسی کام کو وقوع میں لانے کے لیے جن علل واسباب کے استعمال کی ضرورت پڑتی ہے ان علل واسباب کو اس کام کے ایجاد کی غرض سے اپنے فعل اختیاری کے ذریعہ سے وقوع میں لانا اور مرتب کرنا ہے، خواہ اس ترتیب اسباب سے وہ کام وقوع میں آئے یا نہیں، مثلاً ہم کو کوئی پتھر یا اور کوئی چیز دو ٹکڑے کرنا ہے تو یہاں ہم فعل کی قدرت رکھتے ہیں مگر خلق کی نہیں، یعنی اس چیز کو دو ٹکڑے کرنے کی غرض کے لیے جن اسباب واوزار کے استعمال کی ضرورت ہوتی ہے ان اسباب واوزار کو مناسب طور سے ہم اس چیز کے دو ٹکڑے کرنے کے لیے اپنے اختیار سے استعمال کر سکتے ہیں مگر ہمارے اس فعل وکسب سے کبھی وہ شیء دو ٹکڑے ہو جائے گی اور کبھی نہ ہوگی، اس میں جو اوزار اور اسباب فراہم کر کے ہم نے مناسب طور سے استعمال کیے یہ فعل ہے جو بظاہر ہماری استطاعت اور قدرت میں داخل ہے، اور اس شیء کے دو حصے ہونا خلق ہے جو ہماری استطاعت اور قدرت سے خارج ہے، اور کسی پوشیدہ قوت وارادے پر موقوف ہے کہ اگر اس کی مشیت وارادے میں اس کا دو حصے ہو جانا منظور ہے تو ہماری ترتیب اور استعمال اوزار پر وہ شیء دو حصے ہو جائے گی، اور اگر اس کی مشیت میں نہیں تو ہم یا فعل ہی نہ کریں گے یا فعل کریں گے مگر اس کا اثر کچھ نہ ہوگا۔

اب اہل السنّت والجماعت کا عقیدہ بلا کسی خدشہ اور اعتراض کے صاف اور واضح ہو گیا کہ بندہ اپنے افعال کا فاعل مختار ہے، اور چوں کہ فعل پر بظاہر استطاعت وقدرت رکھتا ہے اس وجہ سے من جانب اللہ احکام شرعیہ کے فعل پر مکلّف ہے، اور شرعی افعال کا بندے سے مطالبہ کیا گیا

ہے، اور چوں کہ خلق اور ایجاد پر بندہ قادر نہیں ہے، اور وہ محض خدا کی مشیت پر موقوف ہے، اس لیے بندے سے خلق افعال کا مطالبہ نہیں کیا گیا ہے، اور بندے کو یہ حکم ہے کہ اوامر ونواہی اور جمیع افعال شرعیہ کو وقوع میں لانے کے لیے جتنے اسباب وعلل کے بروئے کار لانے کی ضرورت ہے ان کی ترتیب اور وقوع میں پوری طاقت صرف کرے اگر اس کے بعد فعل وقوع میں آیا تو فبہا، اور ساری طاقت صرف کرنے کے باوجود بھی فعل وقوع میں نہ آیا تو اس کا مواخذہ نہ ہوگا، مثلا جہاد کے حکم کی پابندی میں کفار پر فتح پانے کے لیے جن اسباب وذرائع کو بروئے کار لانے کی ضرورت ہے بندے کو حسب استطاعت ان کے استعمال پر مامور کیا گیا ہے، اب اگر ان تمام ممکن ذرائع واسباب کو بروئے کار لایا مگر کفار پر فتح نہ ہوسکی تو اس کا مواخذہ نہ ہوگا، اسی طرح تمام احکام شرع قیاس کریں۔

خلاصہ یہ ہے کہ بندہ جو کرسکتا ہے اس پر مامور ہے، اور جو نہیں کرسکتا ہے اس پر مامور نہیں، ابتداءً انسان کو تقدیر پر نظر نہیں کرنا چاہیے؛ بلکہ ہر کام میں شریعت کے احکام کی پابندی پر کمر بستہ ہوکر ان افعال شرعیہ کے وقوع میں اپنی طاقت صرف کرنا چاہیے، اگر اس کے فعل سے وہ کام ہوگیا تو خوش ہوکر شکر کرنا چاہیے، اور اگر نہ ہوا تو اب یہ عقیدہ رکھے کہ تقدیر میں نہیں لکھا تھا ورنہ ہوتا، غرض تقدیر پر حوالہ فعل کی سعی وکوشش کے بعد کرنا چاہیے، نہ کہ قبل فعل، ورنہ پھر سارے افعال شرعیہ کے قوانین بے کار ثابت ہوں گے۔

تنبیہ: اس مسئلہ کو جس قدر چھیڑتے ہیں اسی قدر اعتراضات پیدا ہوتے ہیں اور یہ بحث ختم نہیں ہوتی ہے، اسی واسطے مشائخ اور علماء کا یہ فتوی ہے کہ اس مسئلہ میں علم لانے کے لیے بحث کرنا جہل ہے، اور جاہل رہنا ہی علم ہے۔ وعن وهب بن منبه أنه قال نظرت في القدر فتحيرت ثم نظرت فيه فتحيرت، ووجدت اعلم الناس بالقدر اكفهم عنه

واجهل الناس بالقدر انطقهم فيه، ويوئيده قوله عليه السلام: "وإذا ذكر القدر فامسكوا".اھ.(شرح ملا علی قاری علی الفقه الأكبر ٤٢)

اور ہر مسلمان کا مندرجہ عقیدہ اہل السنّت والجماعت کو ماننے کے بعد یہ تصور کرنا چاہیے کہ جس طرح آقا غلاموں کی اطاعت اور عدم اطاعت معلوم کرنے کے لیے بعض اس قسم کے احکام سے مکلّف بناتا ہے جوان کی سمجھ میں نہیں آتے ہیں مگر فرمان بردار بندے کی شان یہ ہوتی ہے کہ حسب استطاعت ان احکام کی پابندی کرنے کو آقا کی خوشنودی کا ذریعہ بناتے ہیں، اور بلا چون وچرا ان احکام کو بجالاتے ہیں، اسی طرح ہم کو جن احکام کو بجالانے کے لیے امر کیا گیا ہے، ہم اپنی طاقت اس میں صرف کریں، اور جن امور پر ہم مامور نہیں کئے گئے ہیں ان کا علم اللہ کو سپرد کریں۔ وهذا صراطي مستقيماً فاتبعوه۔

باقی دلائل اور تحقیق کتب کلام میں مفصل موجود ہیں، ملا علی قاری کی شرح فقہ اکبر میں ۴۰ سے ۴۶ تک اور شرح ابی المنتہی علی فقہ اکبر ۲ میں فقہ اکبر کی اس عبارت کے تحت میں "ولا يكون في الدنيا ولا في الآخرة شيء إلا بمشيته وعلمه وقضائه وقدرته وكتبه في اللوح المحفوظ لكنه كتبه بالوصف لا بالحكم". مفصل موجود ہے۔ وفيما ذكرت كفاية لطالب الحق والله يهدى من يشاء إلى صراط مستقيم.اھ.

ارتکاب حرام کے لیے تقدیر کا آڑ پکڑنا

[۷۳۳] سوال: میں جانتا ہوں کہ ایک کیلا کھانا مجھکو حرام ہے، اور وہی کیلا اللہ تعالی نے میری تقدیر میں لکھ دیا ہے، لہٰذا مجھ کو کھانا ضروری ہوگیا، تو اس صورت میں اگر وہ کیلا میں کھاؤں تو مجھ کو گناہ ہوگا یا نہیں؟ مدلل لکھو۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ عملی حیثیت سے ہر مسلمان پر فرض ہے کہ اپنے تمام افعال شریعت کے احکام سے وابستہ رکھے، اور اپنے سامنے جو امور ہوں ان کو شریعت کی روشنی سے ٹٹولے نہ کہ تقدیر کے فیصلے سے، بندوں کو افعال کے وقوع سے قبل ہرگز تقدیر پر حوالہ نہ دینا چاہیے کیوں کہ وقوع سے قبل نہ ہم کو تقدیر کا فیصلہ معلوم ہے، اور نہ ہم تقدیر کے فیصلے پر عملی حیثیت سے مامور ہیں ورنہ تو تقدیر پر حوالہ دینے سے سارے احکام شرعی بے کار ہو جاتے ہیں، اسی واسطے جب صحابہ رضی اللہ عنہم نے یہ سوال کیا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی جواب دیا کہ "اعملوا فکل میسر" (الحدیث) یعنی تم تقدیر پر حوالہ دینے یا معلوم کرنے پر مامور نہیں ہو؛ بلکہ جن احکام پر تم شرعاً مامور ہو تم انہی احکام کی پابندی کرو، تقدیر کا فیصلہ تم کو تابع بنائے گا تم خود تابع ہونے کی کوشش نہ کرو؛ بلکہ احکام شرعیہ کی اتباع کی کوشش کرو، اسی واسطے مشائخ کا قول یہ ہے کہ عمل سے قبل شرعی احکام پر قائم رہنا چاہیے، اور عمل ہو چکنے کے بعد جو عمل وقوع میں آیا تو اب یہ یقین رکھنا چاہے کہ یہی تقدیر کا فیصلہ تھا۔

خلاصہ یہ کہ تقدیر کا لحاظ بعد وقوع عمل کرنا چاہیے نہ کہ قبل وقوع عمل۔

اس کلیہ کو سمجھنے کے بعد جب شخص مذکور کو کیلا یا کوئی حرام چیز کے متعلق اس کی حرمت شریعت نے بتائی تھی اور اس پر سزا بھی مقرر ہو چکی تھی تو جان بوجھ کر اس حرام فعل کے ارتکاب کرنے کی صورت میں اس کی سزا کے لیے مستوجب ہی ہوگا، جس طرح ہم کو معلوم ہے کہ آگ جلاتی ہے، اور تقدیر میں ہمارے ہاتھ کا جلنا لکھا بھی تھا؛ تاہم چوں کہ ہم کو تقدیر کا علم نہ تھا تو عقلاً و شرعاً ہم کو آگ سے بچنا ضروری تھا، مگر جب ہم پہلے ہی سے تقدیر کے فیصلے کو آزمانے کے لیے ہاتھ کو آگ میں ڈالیں گے تو یقیناً ہاتھ جلے گا اور دنیا آپ کو ملامت کرے گی اگرچہ ہاتھ کا جلنا تقدیر میں لکھا تھا مگر تم نے خود جان بوجھ کر تقدیر کو کیوں بلایا اور تقدیر کو آنے کیوں نہیں دیا، بالفاظ اوضح یوں سمجھئے کہ اس انسانی اونٹ کو شریعت کی نکیل سے کھینچ کر تقدیر کی چراگاہ میں چلنا اور چرنا

چاہیے، اونٹ کو گھر میں باندھ کر زہریلے گھاس کے چراگاہ کو گھر میں نہ بلانا چاہیے۔ ولیس له قبل تحقق توبته ان يثبت بالقضاء و القدر فى معصيته فانه حينئذ كالمعارض لنهيه سبحانه عن معصية وامره بطاعته.اه.(شرح فقه اكبر لعلى قارى صفحه ٤٢)

تنبیہ: یہ مسئلہ صفحہ ۷۱ پر کافی تفصیل سے بیان کر چکا ہوں۔ فان شئت فطالعه هناك.والعلم عند اللّٰه وهو الحكيم الخبير.

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے والد کا عقیدہ

[۷۳۴] **سوال:** ایک مسلمان شخص یہ عقیدہ رکھتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی دوسرے انسانوں کی طرح ماں باپ رکھتے تھے اور یہ مشہور ہے کہ وہ بلا باپ پیدا ہوئے تھے یہ آج کل کے مولویوں کے غلط خیالات ہیں جو عوام سے حقیقت چھپاتے ہیں تو اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کا بلا باپ پیدا ہونا نصوص قطعیہ سے ثابت ہے، اور نصوص قطعیہ کے خلاف عقیدہ رکھنے والا مسلمان کافر و مرتد ہے، لہٰذا اس کو اس عقیدہ سے توبہ کر کے تجدید ایمان کرنا لازم ہے۔ قال اللہ تبارك وتعالى ﴿قالت رب انّٰى يكون لى ولد ولم يمسسنى بشر قال كذلك الله يخلق ما يشاء اذا قضٰى امراً فانما يقول له كن فيكون﴾(الآية) (آل عمران،ر٤،پ٣،ر١٣) (سوره مريم ر٢) وسورة طلاق ر٢،پ٢٨)

کفرِ مرزا احمد قادیانی میں شک کرنا

[۷۳۵] **سوال:** مرزا غلام احمد قادیانی کافر تھا کہ نہیں؟ اگر کوئی شخص اس کے متعلق کفر کا اعتقاد نہ

رکھے تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ غلام احمد قادیانی کا مرتد وکافر ہونا ساری امت محمدی نے بالاتفاق تسلیم کر لیا ہے، اور اس کے سینکڑوں کفریات میں سے حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ السلام کی شان میں جو انہوں نے سب وشتم وتوہین کی ہے وہ تنہا اس کے مرتد وکافر ہونے کو روز روشن کی طرح ظاہر کرتا ہے۔ دیکھو! آنجام آتھم مع ضمیمہ مصنفہ مرزا غلام احمد قادیانی ص۴ وص۵ وص۶ وغیرہ ذالک۔

اور کافر کو کافر نہ سمجھنا یا اس کو اچھا سمجھنا بلکہ اہل بدعت وکفار کی تعظیم کرنے کو بھی مشائخ کرام نے موجب کفر لکھا ہے، لہٰذا جو شخص مرزا غلام احمد قادیانی کو کافر نہیں سمجھتا ہے اور اس کو یا اس کے اعمال واعتقادیات سے محبت کرتا ہے وہ بھی کافر ہے۔ **(العیاذبا لله).**

وكل مسلم ارتد فتوبته مقبولة الا الكافر بسب النبى عليه السلام ومن شك فى عذابه وكفره كفر. (الدرالمختار باب المرتد، طحطاوى ٤٨١ مرتد) باستحسانه باطلا من كلام اهل البدعة، وبقوله للقبيح انه حسن.اه.(مجمع الانهر ج ١ /ص ٣٣١)

کمال الدین کا مرزائیت میں داخل ہونا

[۷۳۶] **سوال:** خواجہ کمال الدین جو ساری عمر قادیانی مذہب کی تبلیغ میں صرف کر چکا ہے، اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مرزا احمد قادیانی کے کفریات تو روز روشن کے مانند ظاہر ہو چکے ہیں، اور امت مرحومہ کے مشائخ کا متفقہ فیصلہ ہے کہ کافر کے کفر کا یقین کرنا لازم، اور اس کی تعظیم وتوصیف کرنا موجب کفر ہے، اس کلیہ کے بعد خواجہ کمال الدین ہو یا کوئی اور جب کہ قادیان کے متفقہ مرتد

وکافر کے متعلق اس کے کافر ہونے کو تسلیم نہ کرتا ہو اور دل میں اس کی عظمت وتوقیر رکھتا ہو اور اس پر بھی اکتفاء نہیں؛ بلکہ ساری عمر اس کے باطل مذہب کی نشر واشاعت میں صرف کر چکا ہو اس کے کافر ہونے میں شک نہیں۔ (اعاذنا الله من سوء الا عتقاد)

(ویکفر) بتبجیل الکافر حتی لو سلم علی الذمی تبجیلا کفر. وبقوله للمجوسی یا استاذ تبجیلا. (مجمع الانهر ج ۱/ص ۳۳۰)

باستحسانه باطلا من کلام اهل البدعة، وبقوله للقبیح انه حسن. اه. (مجمع الانهر ج ۱/ص ۳۳۱)

آغا خانی شیعوں کو سنیوں کی مسجد میں آنے دینا

[۷۳۷] سوال: آغا خانی خوجہ قوم جو کانوڈا کو پوجتے ہیں، یہ لوگ ستائیسویں روز مسجد میں جو سنی لوگ کھانا پکاتے ہیں تو یہ ان میں کھانے پکانے میں شرکت کرتے ہیں، مسجد میں پہلی صف میں کھڑے ہوتے ہیں تو کیا ایسی صورت میں ان کا سنیوں کے ساتھ شرکت جائز ہے یا نہیں؟ اور مسجد میں آنا اور پہلی صف میں کھڑا ہونا کیسا ہے؟ کیا نماز میں کوئی حرج ہوگا کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ آغا خانی ہونے کے ساتھ غیر اللہ کا پوجنا یقیناً موجب کفر ہے اور جب کہ اپنے آپ کو مسلمان سمجھتے ہیں تو گویا اسلامی احکام مان کر یہ حرکتیں کرنا موجب ارتداد ہیں جو کفر سے بھی بڑھ کر ہیں، اور کفار کے متعلق شریعت کا حکم اس قدر سخت ہے کہ ان کو مسلمان کی پوشاک اور سواری سے بھی الگ رکھا جائے تو نماز جیسی شعار اسلام میں کس طرح ان کو شرکت کا موقع دے سکتے ہیں؟

دوم یہ کہ مذہبی امور میں ان کی شرکت ایک قسم ان کی تعظیم اور بالفاظ دیگر اسلام کی توہین

ہے، اس لیے جب تک وہ کامل طور سے اس باطل دین سے کنارہ کش نہ ہو نماز وغیرہ مذہبی امور میں شرکت کا موقع نہ دیں۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

و یمیز الذمی عنا فی الزيّ و المرکب و السرج و فی الحاوی القدسی و ینبغی أن یلازم الذمی الصغار فیما یکون بینه و بین المسلم فی کل شیء. (بحر ص ١١٤)۔

والدین کی رضاجوئی ضروری ہونا

[٧٣٨] سوال: ہم بہن بھائی ہیں، والدین نے ہم کو گھر سے نکال دیا ہے اور یہ کہا ہے کہ ہم زندہ ہوں یا مرجائیں تم ہمارے دروازے پر مت آؤ، اب ہم بھائی بہن والدین کے پاس جانے کی بہت آرزو اور امید رکھتے ہیں مگر ہم مجبور ہیں تو اس حالت میں ہم گنہگار رہوں گے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ والدین کی رضامندی اور فرماں برداری اس قدر اہم ترین فریضہ ہے کہ حق تعالیٰ نے بندوں کو اپنی عبادت پر مامور کرنے کے ساتھ والدین سے حسن سلوک اور فرماں برداری اور رضامندی کی تاکید فرمائی ہے۔ ﴿وقضیٰ ربك ان لا تعبدو إلا ایاه وبالوالدین احسانا﴾ (الآیة اسریٰ) دوسری جگہ میں کافر والدین سے دنیاوی حسن سلوک کے متعلق ارشاد کیا ہے۔ ﴿وإن جاهداك علیٰ ان تشرك بی ما لیس لك به علم فلا تطعهما وصاحبهما فی الدنیا معروفة﴾ (الآیة) اس قسم کی بے شمار آیتیں اور حدیثیں موجود ہیں جن سے یہ امر یقیناً ثابت ہوتا ہے کہ ہر انسان کی دینی ودنیاوی بھلائی ونجات والدین سے حسن سلوک اور ان کی رضامندی پر موقوف ہے، اور سوائے امر بالمعصیة کے ان کے ہر ایک امر کو بجالانا ضروری ہے، اب مسئولہ صورت میں اگر والدین نے تمہاری نافرمانی اور

نااہلیت کی وجہ سے تنگ آ کر تم کو گھر سے نکال دیا ہے تو اس صورت میں تمہارے فسق اور بدترین گنہگار ہونے میں شک نہیں ہے، اور اگر تمہارا شرعی کوئی قصور نہیں ہے؛ بلکہ تمہارے جمیع حقوق شرعیہ کی ادائیگی کے باوجود بھی وہ اس قدر بے رحم اور سنگ دل ہیں (اگر چہ یہ عقل سے بعید ہے) کہ وہ تم کو گھر سے نکل جانے پر مجبور کرتے ہیں، یا ان کے پاس رہنے سے تم کو کسی معصیت میں پڑنے کا اندیشہ ہے اس صورت میں تمہارا علیحدہ رہنا بہتر ہے، مگر علیحدگی کی حالت میں بھی ان کی رضا جوئی اور فرماں برداری، دعائے خیر میں ہر ممکن سعی کرنا لازم ہے۔ وان الكفر لا يحل الحقوق حتى يجب على المسلم نفقة الوالدين الكافرين وخدمتهما وزيارتهما الا ان يخاف ان يجلباه الى الكفر فيجوز ان لا يزور. ويتحرز ان عرف قدرته عليه والا ترك كذا فى الخلاصة.الخ.(شرح الطريقة المحمدية ٤ /ص ١٨٠)

بعض معاصی کا موجب کفر ہونا

[۷۳۹] سوال: ہندو مسلمان ہو کر سچے دل سے کلمہ پڑھے، سچے دل سے نماز پڑھتا رہے مگر سر پر چوٹی ہے اور ختنہ نہیں کیا ہے تو وہ مسلمان ہے یا نہیں؟ مفصل جواب دیکھئے۔

الجواب: وباللہ التوفیق؛ شریعت میں مسلمان کی جو تعریف موجود ہے وہ خدا اور رسول کے احکام کی تصدیق اور اقرار ہے اقرار باللسان وتصدیق بالقلب. موجودہ صورت میں جب کہ نومسلم میں تصدیق بالقلب واقرار باللسان کے ساتھ عمل بالارکان بھی موجود ہے تو اب اس کے مسلم ہونے میں شک نہیں ہے، ہاں یہ ضرور ہے کہ شریعت میں بعض افعال تکذیب کی نشانی مان کر اس کے مرتکب کو کافر کہا گیا ہے، مثلا بت پرستی کرنا، کتاب اللہ اور شریعت کے احکام کا استہزاء اور بے ادبی کرنا، مگر یہ ان افعال کا حال ہے جن پر نص قطعی نے دلالت کی ہو، اور موجودہ صورت میں

بے ختنہ رہنے اور سر پر چوٹی رکھنے کے کفر پر کوئی صریح نص نہیں، سوائے من تشبہ بقوم فھو منھم کے جس کی تعیین مراد میں خود علماء کا اختلاف ہے، اور یہاں جب کہ وہ سچے دل سے کلمہ پڑھتا ہے، سارے احکام شرعیہ کے اعتقاداً وعملاً خلوص سے پابند ہے تو اگر بلا عذر شرعی بے ختنہ رہتا ہے یا سر پر چوٹی رکھتا ہے تو فاسق ضرور ہے مگر کافر نہیں، جب تک یہ یقین نہ ہو کہ یہ افعال وہ شرعی احکام کے استخفاف یا استہزاء کے لیے کرتا ہے۔ نعم اذا کان بطریق الاستحلال والاستخفاف کان کفرا لکونه علامة للتکذیب، ولا نزاع فی ان من المعاصی ما جعله الشارع امارة للتکذیب وعلم کونه کذلك بالادلة الشرعیة کسجود الصنم والقاء المصحف فی القاذورات والتلفظ بکلمات الکفر ونحو ذلك مما ثبت بالادلة انه کفر. (وقال فی موضع آخر من آخر کتابه) تحت قول المصنف والاستهزاء علی الشریعة کفر وفعل هذه الاشیاء بدون الاستحلال فسق.اھ.(شرح عقائد نسفی)

اسناد گنج العرش میں مبالغہ کرنا

[۷۴۰] سوال: دعائے گنج العرش کے بہت سے فوائد لکھے ہوئے ہیں، مثلاً اس کے عمل سے پیسے ملتے ہیں، اور جنات تابع ہوتے ہیں، اور کنوئیں میں گرنے سے اس کو کچھ تکلیف نہیں ہوتی ہے، اور دشمن سے حفاظت ہوتی ہے، اور پانی راستہ دیتا ہے، تو یہ صحیح ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: کسی معتبر روایت سے اس کا ثبوت نہیں ہے۔

کرامات اولیاء والتوسل بہم

[۷۴۱] سوال: اولیاء اللہ کی کرامت حق ہے یا نہیں؟ اگر حق ہے تو حیات کے ساتھ مخصوص ہے یا

بعد وفات بھی تصرفات وکرامات کا ظہور ہوتا ہے؟ میرا دا تار اور دیگر مزارات پر جو اجتماعات ہوتے ہیں اور حاجتیں مانگی جاتی ہیں یہ شرعاً جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: اہل سنت کا اس پر اتفاق ہے کہ حیات میں اولیاء اللہ سے خرق عادات اور کرامات کا صادر ہونا منصوص اور یقینی ہے، اور بعد وفات اولیاء کے تصرفات اور کرامات کے متعلق اختلاف ہے، صوفیاء کرام اور مشائخ عظام کا جم غفیر اس کا قائل ہے، اور اسی واسطے وہ اولیاء اللہ اور صالحین سے توسل اور تقرب الی اللہ کو فیوضات وبرکات کے نزول کا ذریعہ مانتے ہیں اور یہی قول صحیح بھی ہے مگر تقرب اور توسل میں احکام شرعیہ کی پابندی لازم ہے، اور موجودہ زمانے میں جو جہال اور فساق کے اجتماعات مزارات پر ہوتے ہیں اور بلا حدود شرعیہ کے پاس رکھتے ہوئے دنیاوی حاجتوں کے لیے مزارات کا چکر لگاتے ہیں اور ان سے حاجتیں طلب کرتے ہیں، یہ تمام حرکتیں خلاف شرع ہیں، اور شریعت مطہرہ ایسی بیہودگی سے پاک ہے۔ کرامات الولی بدار دنیا لها كون فهم اهل النوال. (امالی) قيل ببقاء الكرامة بعد الموت لعدم الانعزال بعد الموت عن الولاية بالموت كالنبی، وقيل لا، لظاهر نحو حديث "اذا مات ابن آدم انقطع عنه عمله الا من ثلث". (الحديث) نقل عن الزيلعي: ويجوز التوسل الى الله تعالى والاستغاثة بالانبياء والصالحين بعد موتهم؛ لأن المعجزة والكرامة لا تنقطع بموتهم، وعن الرملی ايضاً بعدم انقطاع الكرامة بالموت، وعن امام الحرمين ولا ينكر الكرامة ولو بعد الموت إلا رافضی، وعن الاجهوری: الولی فی الدنيا كالسيف فی غمده فإذا مات تجرد منه فيكون اقوى فی التصرف، كذا نقل عن نور الهداية لابی علی السنجی. اھ. (شرح الطريقة المحمودية المجلد الاول مطبوعة قسطنطنيه ٢٦١) فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

مسلمانوں کو نقصان سے بچانا

[۷۴۲] سوال: یہاں بعض ہندو تاجروں کی یہ عادت ہے کے دوسرے گاؤں کے تاجروں کے آرڈر لیتے ہیں اور جب وی پی آتی ہے تو اس کو نہیں چھڑاتے ہیں، جس سے سامنے والے تاجر کو نقصان ہوتا ہے، ایسی حالت میں جب کہ کوئی مسلم تاجر آرڈر لینے کے لیے آئے تو یہاں کے واقف کار مسلم کا یہ فرض ہے کہ باہر کے مسلم تاجر کو اس ضرر رساں عادت سے واقف کر دے؛ تا کہ وہ نقصان سے بچے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ایک ناواقف مسلمان کی جان و مال خطرے سے بچانا امر بالمعروف میں داخل ہے، اور امر بالمعروف حسب استطاعت ہر مسلم پر فرض ہے، لہٰذا واقف مسلمانوں پر فرض ہے کہ ناواقف مسلمان کو مالی نقصان سے آگاہ کر دے۔ من رأى منكم منكراً فليغيره بيده فـان لم يستطع فبلسانه، فان لم يستطع فبقلبه، وذلك أضعف الايمان. (رواه مسلم مشكوة٤٣٦) (وفى حديث طويل) وماذا يا رسول الله؟ قال: ان تحب للنا س ما تحب لنفسك وتكره لهم ما تكره لنفسك. (روا ه احمد، مشكوة١٦)

امانت بلا خیانت مالک کو سپرد کرنا

[۷۴۳] سوال: ایک مسلم کی دکان میں دوسرا مسلم منیجر ہے، منیجر کے دوست نے اس مسلم کی دکان میں اسی منیجر کے پاس کچھ امانت سپرد کر گیا، بعد میں اس دکان میں مالی نقصان آیا جس کی وجہ سے مالک دکان منیجر کے دوست کو اس کی پوری امانت دینے سے قاصر ہے، اب اگر منیجر اپنے دوست کو دکان کے خسارے سے واقف کر دے تو اس کو امانت میں سے کچھ رقم مل سکتی ہے مگر مالک دکان کو دوکان بند کرنی پڑے گی، ایسی حالت میں منیجر دوستی کا حق ادا کر کے دوست کو خبر کر دے یا

مالک دکان کی نمک حلالی کا لحاظ کر کے ساکت رہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ سوال میں لفظ امانت ہے، اور وہ بھی منیجر کو نہ کہ مالک دکان کو، اور امانت میں خود مودع منیجر صاحب بھی تصرف نہیں کر سکتا ہے چہ جائے کہ مالک دکان، ایسی حالت میں مالک دکان اگر مع جمیع املاک کے بھی ہلاک ہو جائے تو منیجر بغیر شرعی عذر کے امانت کی مکمل ادائیگی سے بری الذمہ نہیں ہو سکتا ہے؛ کیوں کہ مودع منیجر ہے نہ کہ صاحب دکان، اور اگر ودیعت صاحب دکان کے پاس رکھی گئی تھی تو بھی نہ مالک دکان اس میں تصرف کر سکتا تھا اور نہ اس کی مالی کمی بیشی سے امانت پر کچھ اثر پڑ سکتا ہے، بہر حال دکان کے خسارے سے امانت متأثر نہیں ہو سکتی ہے، جب تک خود امانت پر ایسا حادثہ پیش نہ آئے جس سے امانت کی ادائیگی ساقط ہو جاتی ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

ایک خواب کی تعبیر

[۷۴۴] سوال: مرحومہ خواب میں آتی ہے کبھی روتی ہے، غمگین صورت کھڑی رہتی ہے کچھ بولتی نہیں اس خواب کی کیا تعبیر ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ خواب کی تعبیر میں تو فتویٰ نہیں دے سکتے ہیں؛ البتہ قرائن اور احتیاط کے پہلو سے یہی کہا جائے گا کہ کچھ حقوق میں تقصیر ہو گئی ہے جن کے ایفاء کے متعلق زبان حال سے استدعا کرتی ہے، اس لیے حقوق العباد میں جستجو کی جائے اور مرحومہ کے ذمہ جن کے کچھ بھی حقوق ہوں وہ ادا کئے جائیں، اور اصحاب الحقوق کو راضی کیا جائے، اس کے بچوں پر شفقت رکھی جائے، مال ورثہ میں بطور حکم شرع تقسیم کی جائے، اور خیر خیرات اور ایصال ثواب سے اس کی روح کو خوش رکھا جائے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

کفریات کے قلبی خطرات اور وسوسہ موجب کفر نہ ہونا

[۷۴۵] سوال: دل میں کفریات کے خیالات آتے ہوں، اور دل میں جم جاتے ہوں، مگر زبان سے بولنے میں ڈر لگتا ہو اور دل ناراض ہو تو ایسے خیالات سے آدمی ایمان سے خارج ہوتا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ دل کے وسوسہ اور خطرات قلبی پر گرفت نہیں، اس قسم کے خیالات آنے پر آمنت باللہ پڑھ کر فاسد خیالات دل سے نکال کر دوسری طرف خیال بدلنا چاہیے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سوال کیا تھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دیا کہ جب اس قسم کے خیالات دل میں آکر ان کو زبان پر لانے کو تم گناہ سمجھتے ہو تو یہی تو ایمان کی نشانی ہے۔عن ابي هريرة رضی اللہ عنہ قال: جاء ناس من اصحاب النبی إلی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فسئلوه: إنا نجد فی أنفسنا ما يتعاظم أحدنا أن يتكلم به، قال: او قد وجدتموه، قالوا: نعم، قال: ذلك صريح الايمان۔

وايضاً قال رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم: لا يزال الناس يتسائلون حتى يقال هذا خلق الله الخلق فمن خلق الله فمن وجد من ذلك شيئا فليقل آمنت بالله. اه. (مسلم ج ١ / ص ٧٩)

احکام شرع پر استہزاء کرنا

[۷۴۶] سوال: ایک شخص شراب پیتا ہے، اس کو سمجھاتے ہیں کہ اس میں بڑا گناہ ہے تو جواباً کہتا ہے کہ اس میں کیا گناہ ہے؟ خدا نے پینے کے لیے یہ چیز تو بنائی ہے، اس لیے پیتا ہوں تو ایسے شخص کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مذکورہ الفاظ سے حرمت شراب سے انکار اور شرعی احکام کی توہین ثابت

ہوتی ہے، اوراس قسم کے کلمات کہ جن سے استحلال حرام اوراستخفاف احکام شرعیہ نکلتا ہوموجب کفر ہوتے ہیں، اس لیے شخص مذکور کوتجدید نکاح اور تجدید ایمان لازم ہے، اور توبہ واستغفار ضروری ہے۔وما كان فى كونه كفرا اختلاف يومرقائله بتجديد النكاح والتوبة والرجوع عن ذلك احتياطا.(مجمع الانهر ج ١ /ص ٣٢٥) (مرتد) وباعتقاده الحلال حراما وعلى العكس، ومن قال:احب الخمر ولا اصبرعنها قيل يكفر، وبقوله الخمر ليس بحرام؛ لانه استحل الحرام القطعى. (مجمع الانهر ج ١ /ص ٣٣٠) دروغ مگو، فقال:دروغ برائے چیست از بهر آنکه بگويند، كفر فى الحال.(عالمگیری ج ٢ /ص ٢٦٠) نعم اذا كان بطريق الاستحلال والاستخفاف كان كفرا لكونه علامة للتكذيب، وقال فى آخر كتابه: والاستهزاء على الشريعة كفر. (شرح عقائد نسفى)

عمداً تارک الصلوٰۃ کوتعزیر دینا

[٧٤٧] سوال: زید کو بہت سمجھاتے ہیں مگر وہ نماز نہیں پڑھتا ہے تو اس کے لیے شریعت میں کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: زید اگر نماز کی فرضیت کا قائل ہو مگر سستی کی وجہ سے نہیں پڑھتا ہو تو فاسق ہے، اور ایسے شخص کے لیے امام ابوحنیفہؒ نے یہ سزا تجویز کی ہے کہ مناسب تعزیر دے کر قید میں اس وقت تک رکھا جائے کہ نمازی ہونے کے آثار ظاہر ہوں۔وان كان تركه تكاسلا مع اعتقاده وجوبها كما هو حال كثير من الناس فقد اختلف العلماء فيه. (الى ان قال) وذهب ابوحنيفة وجماعة من اهل الكوفة والمزنى صاحب الشافعى الى

انــه لا يـكـفـر ولا يـقـتـل؛ بـل يـعـزر ويـحـبـس حتى يصلى.اھ.(نووی علی مسلم ٢٦١ مطبوعه کشوری) وکذا قريبا منه فی الشامی ٣٦٤) بعد کتاب الصلوٰة.

محرمات شرعیہ کے ارتکاب پر مداومت کرنا

[۷۴۸] سوال: زید ہمیشہ زنا کرتا ہے، رنڈی کا کھیل دیکھتا ہے، رنڈی کے وہاں کھاتا پیتا ہے، اس کے متعلق شریعت کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ یہ تمام امور موجب فسق اور گناہ ہیں، اگر ان چیزوں کو حرام سمجھ کر ارتکاب کرتا ہے تو فاسق اور گنہ گار ہے، اور اگر بطور استحلال کرتا ہے تو موجب کفر ہیں۔ والاستهزاء على الشريعة كفر، وفعل هذه الاشياء بدون الاستحلال فسق.(شرح عقائد)

﴿لا تقربوا الزنى انه كان فاحشة﴾ (الآية) وفی البزازية: استماع صوت الملاهى معصية والجلوس عليها فسق والتلذذ بها كفر.اھ.(مجمع الانهر ج ٢ / ص ٦١٩)

ہندو کا بلا اعلان خفیۃً عبادات سے مسلم نہ ہونا

[۷۴۹] سوال: ایک شخص جو ہندو ہے، پانچ سال سے مسلمان ہو چکا ہے اور تخلیہ میں ارکان اسلام کی پابندی رکھتا ہے مگر اپنے اہل وعیال سے علیحدہ نہیں ہوتا ہے، اور نہ مسجد میں آتا ہے تو شریعت میں وہ مسلمان ہے یا نہیں؟ اور مرنے پر نماز جنازہ اور مقابر مسلمین میں دفن کر سکتے ہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ہندو کے مسلمان ہونے کے لیے تو اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ میں مسلمان ہوں مگر احکام شرعیہ کے اجراء کے لیے بادشاہ اور اہل اسلام کے سامنے علانیہ اقرار کرنا

شرط ہے، اگر اندرونی حیثیت سے کوئی مسلمان ہو جائے اور تخلیہ میں ارکان اسلام بھی بجالاتا ہو تو اگر چہ وہ خدا کے نزدیک مسلمان ہوگا مگر اسلامی قانون میں وہ مسلمانوں کے حقوق کا حقدار نہیں ہے، اور عقلاً بھی یہ امر انصاف سے بعید ہے کہ بلاضرورت اسلام کو پوشیدہ رکھنا صرف دنیاوی مالیت اور بیوی پر قابض رہنے کے لیے تو ایسے شخص کے لیے لازوال انعامات اور اخروی حورعین کس طرح دیئے جائیں، لہٰذا جب تک وہ شخص علانیہ رسوم اور شعائر کفار چھوڑ کر علی الاعلان اسلامی شعائر اور رسوم میں داخل نہ ہوگا اس وقت تک وہ نہ عملی حیثیت سے مسلمان سمجھا جائے گا اور نہ اس پر نمازِ جنازہ پڑھی جائے گی، اور نہ مقابر مسلمین میں دفن کیا جائے گا، خواہ عنداللہ مومن ہی کیوں نہ ہو۔ واما المجوس اذاقال اسلمت اوقال انا مسلم یحکم باسلامه لانهم لایدعون لانفسهم وصف الاسلام. (خانية بر عالمگیری ج ۳/ص ۵۷۰) والاقرار شرط لاجراء الاحکام الدنیویة. (الدرالمختار) قال العلامة الشامی: ای من الصلوٰة علیه و خلفه والدفن فی مقابر المسلمین و المطالبة بالعشور و الزکوٰة و نحوذلك، ولا یخفی ان الاقرار لهذا الغرض لابد ان یکون علی وجه الاعلان والاظهار علی الامام وغیره من اهل الاسلام بخلاف إذا کان لاتمام الایمان فإنه یکفی مجرد التکلم وإن لم یظهر علی غیره، کذا فی شرح المقاصد. (شامی ج ۳/ص ۳۹۱)

امر بالمعروف کا دو شرطوں کے ساتھ مشروط ہونا

[۷۵۰] سوال: امر بالمعروف اور نہی عن المنکر مطلقاً واجب ہے یا مقید ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ امر بالمعروف کے وجوب کے لیے دو شرطیں مقرر ہیں: پہلی یہ کہ امر

بالمعروف ایسے موقع پر نہ ہو جہاں امر بالمعروف سے فتنہ وفساد پیدا ہونے کا اندیشہ ہو؛ نیز امر بالمعروف سے جو مقصد مطلوب ہو اس کے وقوع کا گمان غالب ہو ورنہ مستحب ہوگا۔

دوم یہ کہ امر بالمعروف میں لوگوں کے عیوب اور حالات کی تجسس عمل میں نہ لائی جائے۔ ولوجوبه بعد علمه شرطان: احدهما: ان يظن انه لا يصير موجبا لثوران فتنة والا لم يجب، وكذا لا يجب اذا ظن انه لا يفضى الى المقصود بل يستحب حينئذ اظهارا لشعائر الاسلام. وثانيهما عدم التجسس والتفتيش عن احوال الناس لقوله تعالى ﴿ولاتجسسوا﴾ وقوله تعالى ﴿ان الذين يحبون ان تشيع الفاحشة﴾(آية) ولقوله عليه السلام:" من تتبع عورة اخيه".اه.(شرح مواقف كشورى ٧٤٦)

ایک قریہ میں ثبوت قطب متحقق نہ ہونا

[۱۵۱۷] سوال: لوگ کہتے ہیں کہ ہر ایک گاؤں میں قطب کا ہونا ضروری ہے تو کیا شرعاً یہ قول صحیح ہے؟ اور قطب کس کو کہتے ہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: اصطلاح صوفیہ میں قطب اس نیک، صالح شخص کا لقب ہے جس کو عالم معنوی میں خدا کی طرف سے کسی ملک یا شہر کا تصرف اور انتظام سپرد کیا گیا ہو۔ (غياث اللغات ٣٩١، ولغات كشورى ٣٦٦)

رہا قطب کے متعلق شرعی فیصلہ تو اس موضوع کے لیے میری محدود معلومات اس حدیث سے تجاوز نہیں ہے جو مشکوۃ کے آخری ورق کے ابتداء میں بروایت علی رضی اللہ عنہ مذکور ہے جس میں ابدال شام کا ذکر ہے، اور صاحب مرقات نے اس کے تحت میں قطب کا بھی ذکر کیا ہے، جس سے اتنا

معلوم ہوتا ہے کہ دنیا کے مختلف حصص میں خداوند کریم کی فرماں بردار اور صالح ہستیاں ایسی ہوتی ہیں جو اہل ارض کے لیے خیر و برکت کے نزول کا ذریعہ ہوتی ہیں، مگر اس سے ہر ایک شہر یا ہر ایک قریہ میں ان کا ثبوت متیقن نہیں ہوتا ہے۔ واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔۔

مسلمان کی تحقیر کرنا

[۷۵۲] سوال: حج کے جانے والوں کا دستور ہے کہ سب سے رخصت اور معافی طلب کر کے جاتے ہیں، اس سلسلہ میں ایک شخص کسی ضعیف مسلمان کے گھر پر ملاقات کے لیے گیا تو ضعیف مسلمان نے اس کی سخت تحقیر کی اور کہا کہ جا، اب کیا ملنے کے لیے آیا ہے، جا تیرا منہ کالا کر اور یہ کہہ کر گھر سے نکالا تو ایسے شخص کے لیے شرع میں کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: مذکورہ ضعیف مسلمان نے ایک صلح پسند بھائی کی بے وجہ تحقیر کی ہے جس کی وجہ سے وہ قابل ملامت ہے، اور جس بھائی کے دل کو ناراض کیا ہے اس کو راضی کر کے معافی طلب کرنا چاہیے۔ سباب المسلم فسوق وقتاله كفر. (مشكوة ٤١١) المسلم اخو المسلم لا يظلمه ولا يخذله ولا يحقره التقوىٰ ههنا ويشير إلى صدره ثلث مرار بحسب امرأ من الشر ان يحقر أخاه المسلم، كل المسلم على المسلم حرام دمه وماله وعرضه. (رواه مسلم مشكوة٤٢٢)

کاہن اور نجومی کی پیشن گوئی کی تصدیق کرنا

[۷۵۳] سوال: بمبئی میں ایک نجومی نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ زلزلہ آئے گا، اس کے متصل بہار صوبہ میں زلزلہ آیا، بہت سے ضعیف الایمان لوگ اس پر یقین کرنے لگے کہ نجومی کا قول صحیح ہوا تو اس کے متعلق شرع شریف کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛اس عالم اسباب میں اللہ تعالیٰ نے حوادث اورواقعات کے لیے بعض ایسے قرائن اوراسباب معین کئے ہیں،جن کے تجربہ اورمشاہدہ کرنے پرحوادثات کے وقوع کا گمان کیا جاتا ہے،اس کی مثال یہ ہے کہ جس طرح طبیب حرکت نبض اور دیگر قرائن اور علامات سے مرض کی نوعیت یا کیفیت کا اندازہ لگاتا ہے اسی طرح نجومی اور عراف بھی اسباب وعلامات سے اندازہ لگاتا ہے،اورجس طرح حکیم اورطبیب اپنے قیاس اوراندازے میں بسااوقات غلطی کرتا ہے اسی طرح نجومی اورعراف بھی غلطی کرتا ہے،اب اگر نجومی اور عراف اسباب وعلامات کے تجربہ ومشاہدہ کے بعد یہ رائے قائم کردے کہ اس سبب وعلامت کے وجود کے بعداللہ تعالیٰ فلاں حادثہ پیدا کرے گااور وہ حادثہ نفس الامر میں پیدا ہوجائے تو یہ علم غیب نہیں ہے؛ بلکہ یہ ایسا ہے جیسا کہ طبیب کی رائے تشخیص مرض کے موافق نکلے،لہٰذااس قدررائے قائم کرنا درست ہے،اوراگرنجومی حوادثات کے وقوع کے متعلق علم غیب کا دعویٰ کرتا ہو یا اسباب وعلامات کوحوادثات کے لیے علت مستقلہ خیال کرتا ہوتواس خیال سے وہ خودبھی کافرہوگااور جواس کے قول کی تصدیق کرے گا وہ بھی کافرہوجائے گا۔ اعاذنا الله منه.

ومنها ان تصديق الكاهن بما يخبره عن الغيب كفر لقوله تعالیٰ ﴿قل لا يعلم من فى السموت والارض الغيب إلا الله﴾ ولقوله عليه السلام "من اتى كاهنا فصدقه بما يقول فقد كفر بما انزل على محمد. ثم قال والمنجم إذا ادعى العلم بالحوادث الآتية فهو مثل الكاهن وفى معناه الرامل.اه.(شرح فقه اكبر لعلى قارى ١٣٥) وحديث من اتى كاهنا يشمل العراف والمنجم.آه.(شامى ج ١ /ص ٤٧)

وفى مختارات النوازل لصاحب الهداية ان علم النجوم فى نفسه

حسن غير مذموم إذ هو قسمان حسابى وانه حق وقد نطق به الكتاب قال الله تعالىٰ ﴿الشمس والقمر بحسبان﴾ اى سيرهما بحساب واستدلالى بسير النجوم وحركة الافلاك على الحوادث بقضاء الله تعالىٰ وقدره وهو جائز كاستدلال الطبيب بالنبض من الصحة والمرض ولو لم يعتقد بقضاء الله تعالىٰ او ادعى الغيب بنفسه يكفر (ثم قال) وانما زجر من ثلثة اوجه احدها انه مضر باكثر الخلق فإنما إذا القى اليهم ان هذه الآثار تحدث عقيب سير الكواكب وقع فى نفوسهم انها المؤثرة.

وثانيها ان احكام النجوم تخمين محض الى آخره مفصلا. (شامى ج ۱ / ص ٤٥)

جو پیر اپنی تصویر کی پرستش کا حکم دے

[۷۵۴] سوال: ایک پیر ہے جس کے بہت سے لوگ مسلم وغیر مسلم مرید ہیں، اور بعض کو چادر خلافت دے کر خلیفہ بھی بناتا ہے، ان خلفاء میں اکثر ڈھیر، چمار، بھنگی وغیرہ کفار ہوتے ہیں، طریقہ اور خلافت دینے میں جو تعلیم دی جاتی ہے اس میں زیادہ تر اس پر زور دیا جاتا ہے کہ میری تصویر سامنے رکھ کر اس کی پوجا کر کے بھجن گاؤ، اور جب مرید اس کی طرف سجدہ کرتے ہیں لوگ معترض ہوتے ہیں تو وہ جواب دیتا ہے کہ جب یہ کافر پتھر اور درخت کو پوجتے ہیں میں تو اشرف المخلوقات میں سے ہوں، اس سے ان کے کفر میں کیا زیادتی آسکتی ہے؟ تو اس قسم کے پیرو مرید کے متعلق شرع شریف میں کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ پیر اور مرید ہر دو سخت گمراہی اور ضلالت میں ہیں، غناء اور بھجن کو ثواب سمجھ

کر تعلیم دینا بدترین گناہ ہے، تصویر کشی ویسا ہی گناہ کبیرہ ہے اور بطور تعظیم اور پرستش کے مرید کو اس کی تعلیم اور سجدہ کا حکم دینا کفر ہے، غیر اللہ کو تعظیمی سجدہ لگانا کفر ہے، اور دوسرے کے کفر پر راضی ہونا اور کفریات کی تعلیم دینا بھی کفر ہے۔

قوم نوح: ود، سواع، یغوث، یعوق کی جو پرستش کرتے تھے وہ واقعی نیک صلحاء کے مجسمے اور تصاویر تھی، اور جب قرآن کریم میں نیک صلحاء کے مجسموں اور تصاویر کی تعظیم اور پرستش کو سخت مذموم اور کفریات بتلایا گیا ہے تو اس قسم کے گمراہ پیروں کی تعظیم یا ان کی تصاویر کی تعظیم و پرستش میں جو کفر لازم آتا ہے وہ یقیناً عام کفریات سے بڑھ کر ہے۔

عیسی علیہ السلام پر قیامت کے روز نصاری الزام لگائیں گے کہ ہم کو انہوں نے یہ تعلیم دی کہ مجھ کو اور میری ماں کو معبود بناؤ، تو خداوند کریم صرف سوال کرے گا کہ اے عیسی! واقعی تو نے ان کو کہا تھا کہ مجھ کو اور میری ماں کو سوائے خدا معبود بناؤ، تو بروایت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ اس ناکردہ گناہ کی صفائی کے لیے اتنا گھبرائیں گے کہ ایک ہزار برس تک جواب نہ دے سکیں گے، تو بتلایئے کہ جو پیر واقعی اپنی پرستش پر مریدوں کو مامور کرتا ہو وہ خدا کے سامنے کتنی دیر کے بعد جواب دے سکے گا، یا بلا جواب جہاں مقدر میں لکھا ہو وہاں مریدوں کے ساتھ چلا جائے گا۔ ای من ادعی منهم انه اله من دون الله ای مع الله فذلك يجزيه جهنم، ای كل من قال ذلك. (تفسیر ابن کثیر ج ۵ / ص ۴۸۲ انبیاء) ﴿فاعبدالله مخلصاله الدين﴾ ﴿الا لله الدين الخالص﴾ ﴿والذين اتخذوا من دون الله اولياء ما نعبد هم الا ليقربونا الى الله زلفىٰ، ان الله يحكم بينهم فيما هم فيه يختلفون﴾ ابتداء سورہ زمر کے تحت میں (تفسیر ابن کثیر ج ۷/ص ۲۲۵، وتفسیر کبیر ج ۷/ص ۱۵۵) ﴿واذ قال الله يا عيسىٰ ابن مريم أأنت قلت﴾ (الآية) کے تحت (تفسیر ابن کثیر ج ۳/ص ۲۸۱) جو سورۂ مائدہ کے آخری رکوع میں

واقع ہے دیکھئے۔

اختلفوا فی التغنی المجرد قال بعضهم انه حرام مطلقا والاستماع الیه معصیة، وهو اختیار شیخ الاسلام۔ (عالمگیری ج٥/ص ٣٥١) الاجماع علی تحریم تصویر الحیوان سواء صنعه لما یمتهن أو لغیره فصنعته حرام بکل حال. (شامی ج١/ص٦٧٧) وفی الظهیریة: یکفر بالسجدة مطلقاً. (شامی ج٥/ص٣٧٨ کراهیة)

’’میں کلمہ نہیں جانتی‘‘ کہنے کا حکم

[۷۵۵] سوال: ایک شخص نے کسی غیر مسلمہ ہندو عورت سے ان کے رسم ورواج کے مطابق نکاح کیا، پھر کلمہ پڑھا کر مسلمان کر کے دوبارہ شرعی طریقہ پر نکاح کیا، بعد چند یوم اس نے عورت سے کہا کہ کلمہ پڑھ عورت نے جواب دیا کہ میں کلمہ نہیں جانتی ہوں، تو اس کہنے سے وہ عورت اسلام سے خارج سمجھی جائے گی یا نہیں؟ اور نکاح درست ہے یا نہیں؟ قاضی اور گواہ جو اس نکاح میں معاون تھے وہ گنہ گار ہیں کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اسلام سے قبل جو کفر کے رواج کے ماتحت نکاح کیا گیا ہے وہ چوں کہ مسلم کا وثنیہ کے ساتھ نکاح اور شرعی نکاح کے دیگر شرائط بھی مفقود ہیں اس لیے وہ شرعی معتبر نکاح نہیں ہے، اور جو نکاح کہ حدود شرع کے مطابق بعد اسلام باندھا گیا ہے وہ شرعاً صحیح اور معتبر نکاح ہے، اس لیے قاضی اور گواہ میں سے کوئی بھی گنہگار نہیں، اس کے بعد عورت کا یہ کہنا کہ میں کلمہ نہیں جانتی ہوں اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ الفاظ جو اسلام لانے کے وقت مجھے پڑھائے گئے تھے وہ مجھے یاد نہیں، تو اس کا یہ ایک معقول عذر ہے اس سے وہ بدستور مسلمان رہے گی؛ کیوں کہ الفاظ کے

نسیان سے اصل ایمان کی نفی لازم نہیں آتی ہے، اور اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ میں نہ اسلام کو جانتی اور نہ توحید اور رسالت کے مفہوم کو جانتی تو اس تشریح سے وہ مرتدہ تصور ہوگی، جس کو دوبارہ اسلام میں داخل کر کے تجدید نکاح کرنا چاہیے۔ ومنها ان ایمان المقلد الذی لا دلیل معه صحیح. (إلی ان قال) وتحقیقه ان رسول الله ﷺ عد من آمن به وصدقه فیما جاء به من عند الله مومنا ولم یشتغل بتعلیمه الدلائل العقلیة فی المسائل الاعتقادیة، وکذا الصحابة رضی اللہ عنہ حیث قبلوا ایمان الزط والانباط مع قلة اذهانهم وبلادة افهامهم، ولم یکن ذلك ایمانا لفقد شرطه وهو الاستدلال العقلی لاشتغلوا باحد الامرین، إما بالاعراض عن قبول اسلامهم او بنصب متکلم حاذق بصیر بالادلة عالم بکفیة المحاجة لتعلیمهم صناعة الکلام والمناظرة ثم بعد ذلك یحکمون بایمانهم (إلی آخر ما قال مفصلاً) ملا علی قاری علی فقه اکبر ۱۳۳ والمسئلة موجودة فی العالمگیریة ج ۲ / ص ۲۵۷ وغیرها.

تعلم برائے تعلیم بہتر ہے تعلم برائے عمل سے

[۷۵۶] سوال: دو شخص علم پڑھتے ہیں ایک کا خیال ہے کہ پڑھنے کے بعد دوسروں کو تعلیم دوں گا، اور دوسرے کا یہ ارادہ ہے کہ تحصیل کے بعد اس پر عمل کروں گا تو ان میں ثواب کس کو زیادہ ملے گا؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ثواب اس کو زیادہ ملے گا جس کا ارادہ تعلیم دینے کا ہے۔ (عالمگیری ج ۵/ص ۳۷۸، خلاصۃ الفتاویٰ ج ۱/ص ۶۰)

مدینہ کا اصلی نام کیا تھا

[۷۵۷] سوال: مدینہ منورہ کا سابق نام کیا تھا؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ سابق نام یثرب تھا مگر حضرت کے مدینے تشریف لانے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ نام چوں کہ تثریب سے مشتق ہے جس کے معنی ہلاکت کے ہیں اس لیے مناسب نہیں، اور اس کی جگہ اللہ نے اس کا نام طابہ یا مدینہ مقرر کیا ہے۔ قال رسول اللہ ﷺ: امرت بقرية تأكل القرىٰ يقولون يثرب وهى المدينة. (مسلم، بخاری) ان الله سمى المدينة طابة. (مسلم) مشكوة ٢٣٩)

کیا کھچڑے کا ثبوت حضرت نوح علیہ السلام سے ہے؟/کیا آپ ﷺ نے حضرت نوح علیہ السلام کی پیروی کی ہے؟

[۷۵۸] سوال: ایک مولوی صاحب نے وعظ میں بیان کیا کہ بروز عاشورہ جب کہ نوح علیہ السلام کی کشتی خشکی پر اتری، خوراک قریب الختم تھا جو کچھ مختلف قسم کے اناج میں سے باقی رہ گیا تھا، وہ سب اکٹھا کر کے ایک جگہ پکوایا بس یہی کھچڑا یعنی حلیم ہو گیا، اور اس روز جو کھچڑا پکتا ہے اس کی اصل یہی ہے، تو کیا یہ صحیح ہے؟ نیز آنحضرت ﷺ نے نوح علیہ السلام کی شریعت پر عمل کیا ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ شریعت میں نہ نوح علیہ السلام کے کھچڑے کا ثبوت اور نہ کھانے پینے کی چیزوں میں کسی کی پیروی ضروری ہے، رہا آنحضرت ﷺ کا نوح علیہ السلام یا کسی نبی کے دین کا اتباع کا مسئلہ، تو جب کہ آنحضرت ﷺ پر تمام نبیوں سے زائد مفصل اور مکمل دین خدا کی طرف سے اترا تو آپ ﷺ کو دوسرے نبیوں کی اتباع کی ضرورت کیا درپیش تھی؛ بلکہ بعض تصریحات سے اس خیال کی تردید بھی ثابت ہوتی ہے، چنانچہ ایک واقعہ میں آپ ﷺ نے صاف تصریح فرمائی ہے کہ اگر

موسی علیہ السلام اب موجود ہوتے تو اس کو میرے دین کی پیروی کرنے کے بغیر چارہ نہ تھا، رہا تمام انبیا کا اصول دین میں اتفاق ہونا، تو یہ ایک دوسرے کی اتباع نہیں ہے؛ بلکہ ہر ایک کے پاس مستقل طور سے وہی اصول کی تعلیم خدا کے طرف سے آئی جو اس سے ماقبل نبی کے پاس آئی تھی۔

قرآن کی تلاوت بہتر ہے یا سماع؟

[۷۵۹] سوال: چندلوگ بیٹھ کر قران پڑھتے ہیں تو اس صورت میں سب الگ الگ پڑھیں یا ایک پڑھے باقی سنیں، زیادہ ثواب کس صورت میں ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اگر ہر ایک کو اپنا ورد، یا وظیفہ، تلاوت مقصود ہو تو ہر ایک اپنی اپنی تلاوت الگ پڑھ لیں مگر اس طور سے کہ دوسرے کی تلاوت میں خلل انداز نہ ہو، اور اگر محض ثواب کی نیت سے قرآن شریف پڑھنے کا ارادہ ہو تو بہتر یہ ہے کہ ایک پڑھے اور باقی سنیں۔ ویکره للقوم ان يقرؤو القرآن جملة لتضمنها ترك الاستماع والانصات المامور بهما، كذا فى القنية. (عالمگیری ج ٥ /ص ٣١٧) ثواب من ذكر الله استماعه. (شامی ج ٥ /ص ٤٥٤)

برقی پنکھے کے چلانے میں مصلیان کے درمیان اختلاف

[۷۶۰] سوال: اکثر مصلی نماز کے وقت پنکھا برقی چلانا چاہتے ہیں اور بعض لوگ اپنے لیے مضر خیال کر کے منع کرتے ہیں تو کیا کیا جائے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جب کہ اکثر مصلی پنکھا چلانے میں گرمی کی مضرت دفع کرنا چاہتے ہیں، اور وہی چیز ایک قلیل جماعت کو مضر ہے تو قلیل جماعت پنکھے سے ہٹ کر کھڑی ہوں مگر ایک کثیر جماعت کی ضرر رسانی کا باعث نہ ہو۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

چار قبلے کا حق جاننا جہالت ہے۔

[۷۶۱] سوال: عوام میں مشہور ہے کہ چار قبلے حق ہیں تو کیا یہ صحیح ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ بالکل غلط ہے، قرآن حکیم میں صرف ایک قبلہ کو نماز میں متوجہ ہونا فرض قرار دیا ہے، قرآن حکیم میں (پ۲ر) اگر قبلہ سے مذہب مراد ہو تو یہ کہنا درست ہوسکتا ہے۔ فقط واللہ سبحانہ تعالیٰ اعلم۔

فاتحہ مزارات اولیاء

[۷۶۲] سوال: اولیاء اللہ کی مزارات پر فاتحہ پڑھنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ غیر شرعی رسوم سے اجتناب کرتے ہوئے محض ایصال ثواب کی نیت سے الحمد شریف یا آیات کریمہ پڑھ کر اولیاء یا دیگر اموات کو ایصال ثواب کرنا جائز؛ بلکہ اولیٰ ہے۔ (شامی باب الجنائز ج۱/ص۸۴۴)

فحش تصاویر والے اخبار مسجد میں رکھنا اور پڑھنا

[۷۶۳] سوال: جو اخبارات کہ فحش تصویریں چھاپتے ہیں ایسے اخبارات مسجد میں رکھنا یا معتکف کا اس کو پڑھنا جائز ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ جب کہ تصاویر گھر میں رکھنا مکروہ ہے تو مسجد جو عبادت کی جگہ ہے اس میں بطریق اولیٰ مکرہ ہوگا۔ (شامی ج۱/ص۶۰۷)

بیماری دور کرنے کے لیے کفار کے طریقہ کے مطابق جانور کی قربانی کرنا

[۷۶۴] سوال: یہاں گاؤں میں جانوروں کی ایک بیماری ہوتی ہے جس کے دفعیہ کے لیے گاؤں

سے ایک بکری صدقہ کے لیے لی جاتی ہے، اس کو گاؤں کے چار کونوں پر پھراتے ہیں اور سورۂ یاسین پڑھتے ہیں اور ہر مبین پر اذان دیتے ہیں پھر بکری ذبح کرتے ہیں اور گوشت بھیل، چمار نیچ قوم کے کفار کو کھلاتے ہیں اور پاؤں اور خون اس کے گاؤں سے باہر دفن کر کے گاؤں کے تمام جانور اس پر گذارتے ہیں تو یہ صدقہ اور یہ ترکیب شریعت سے ثابت ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ شریعت مطہرہ ایسے لغویات سے پاک ہے، یہ تمام امور کفار اور مشرکین کی بدعقیدگی کی تقلید میں کئے جاتے ہیں کہ گویا بیماری کوئی ناپاک بلا تھی تو اس ناپاک بلا کے نام بکری فدیہ کی گئی اور ناپاک بلا ہم جنس ناپاک کفار کو کھلائی گئی اور وہ بھی اس طرح کہ گاؤں کے جانور اس میں گذارے گئے تا کہ ناپاک بلا کو یہ احساس کرایا جائے کہ ان جانوروں کا فدیہ ہم دے چکے ہیں اب مت آنا۔ لا حول ولا قوۃ الا باللہ.

دنیا میں مسلمان دوسروں کے اخلاق اور عقائد کی درستی کے لیے آئے تھے وہ اپنا سب کچھ چھوڑ گئے اور گمراہوں کو اپنا رہبر بنا گئے، اللہ سب کو ہدایت دے، مقامی مسلمانوں پر ان رسوم کے روکنے لیے ہر ممکن سعی لازم ہے۔

ایمان من لم تبلغہ الدعوۃ

[۷۶۵] **سوال:** انبیاءِ کرام پر ایمان لانے والے تو جنت جائیں گے مگر جن کو اسلام کے احکام نہیں ملے ان کے متعلق کیا کہا جائے گا؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ آج کل تو یہ سوال بے کار ہے؛ کیوں کہ اسلام ساری دنیا میں پھیل گیا ہے اور دنیا کا کوئی گوشہ ایسا باقی نہیں رہا کہ جہاں کے باشندے اگر سعی کریں اور اسلامی احکام ان تک نہ پہنچ سکے، اور بلا سعی بلیغ جہل کا عذر مقبول نہیں، تاہم اگر ایسا شخص دنیا میں ملے جس کو شرعی

احکام باوجود سعی کے بھی نہ مل سکے تو اس کی نجات کے متعلق خود مشائخ احناف میں اختلاف ہے، امام صاحب سے جو روایت مشہور ہے جس کو صاحب امالی نے ترجیح دی ہے وہ یہ ہے کہ ایسا شخص صرف وحدانیت اور معرفۃ اللہ کے متعلق مکلّف ہے بشرطیکہ عاقل، بالغ ہو اور صرف اسی کے متعلق اس کی نجات وعدم نجات کا دار ومدار ہے۔ وما عذر لذی عقل بجهل بخلّاق الاسافل والعواهل (امالی) وخلاصة المسئلة ان العاقل الذی لم تبلغه الدعوة هل يجب عليه الايمان بالله تعالىٰ ام لا؟ واذالم يؤمن هل يخلد فی النار ام لا؟ و فيه خلاف بين مشائخ الحنفية فعن عا متهم: نعم، وهو مروی عن الامام ابی حنيفة.الخ.(شرح امالی لقاری ٣)

رمل اور گنڈا تعویذ کرنے والے امام کے پیچھے نماز

[٧٦٦] سوال: ایک امام مسجد کے حجرے میں بیٹھ کر لوگوں کو رمل کے ذریعہ حالات بتاتا ہے، اور گنڈا تعویذ لکھتا ہے تو اس کے پیچھے نماز جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق: علم رمل ونجوم کو فقہاء نے حرام لکھا ہے، اور غیب دانی کے دعوے کے ساتھ عمل رمل ونجوم ہو تو مکفر ہے، بہرحال مذکورہ امام اگر بلا دعوائے غیب دانی بھی رمل ونجوم کا عمل کرتا ہے اور وہ بھی مسجد میں تو یقیناً اس کا یہ فعل موجب فسق تو ضرور ہے اور فاسق کے پیچھے نماز مکروہ ہے، اس لیے اہل مسجد کو چاہیے کہ اس کی جگہ کسی متشرع متقی امام کو مقرر کرلے۔ وحراما هو علم الفلسفة والشعبدة والتنجيم والرمل وعلوم الطبائعين والسحر. (الدرالمختار) وتفصيله فی الشامی ج١ /ص ٤١)

شرعی مسئلہ پر رسم کو فوقیت دینا

[٧٦٧] سوال: ایک شخص کو شرعی مسئلہ کے ماننے کے لیے کہا گیا ہے تو وہ اس کے ماننے سے انکار

کرتا ہے اور کہتا ہے کہ میں تو اس مسئلہ میں رسم پر عمل کروں گا تو اس کا کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ مذکور آدمی سخت گنہگار اور قابل تعزیر ہے اور اگر احکام شرعی سے اعتقاداً منکر ہے تو یہ اعتقاد موجب کفر ہے جس سے توبہ کرنا واجب ہے۔ واذا قال الرجل لغیره حکم الشرع فی هذه الحادثة کذا، فقال: "من برسم کار می کنم نه بشرع" یکفر عند بعض المشائخ.اھ. (عالمگیری ج ۲ / ص ۲۷۲)

کیا گرگٹ کے مارنے میں ثواب ہے؟

[۷۶۸] **سوال**: گرگٹ مارنا چاہیے کہ نہیں؟ اور کیا واقعی گرگٹ کے مارنے میں ثواب ملتا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ گرگٹ چوں کہ ایک موذی اور خبیث جانور ہے جس کی خباثت حضرت ﷺ نے بیان فرمائی ہے کہ یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ کو تیز کرنے کی کوشش کرتا تھا، اس لیے اس کو مارنا چاہیے اور مارنے میں جس قدر عجلت سے کام لیا جائے گا اتنا زیادہ ثواب ملے گا، مولانا عبدالحی صاحب مرحوم نے موطا امام محمد ۲۱۱ کے حاشیہ پر اس کے متعلق کثرت سے احادیث اور ادلہ بیان کئے ہیں، فتاوی دارالعلوم قدیم ج ۸/ص ۳۹۱ میں چھپکلی کو بھی گرگٹ میں شامل کیا ہے۔

سحری کے لیے طبل اور ڈھنڈھورا پیٹنا

[۷۶۹] **سوال**: ہندوستان میں عام طور سے یہ دستور ہے کہ رمضان میں سحری کے وقت طبل یا ڈھنڈھورا بجایا جاتا ہے تو کیا یہ درست ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ درست ہے۔ وینبغی ان یکون بوق الحمام یجوز، کضرب النوبة، اقول ینبغی ان یکون طبل السحری فی رمضان لایقاظ النائمین للسحور کبوق الحمام تأمل. (شامی ج ۵ / ص ۳۰۷ الکراهة قبیل اللباس)

پنج وقتہ نماز کے بعد مصافحہ

[۷۷۰] سوال: فجر یا عصر کی نماز کے بعد مصافحہ جو بعض مقامات میں مروج ہے یہ بجا ہے یا نہیں اور اس کی کوئی اصل ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ فجر اور عصر کی نماز کے بعد مخصوص طور سے مصافحہ تو ثابت نہیں، شاید ان اوقات میں ملائکۃ اللیل والنہار کے اجتماع کی وجہ سے ان اوقات کی تخصیص کسی بزرگ سے آئی ہو؛ تا کہ یہ فرشتے بھی ہمارے مسلمانوں کی اتحاد اور محبت پر گواہ رہیں، اور اس کے بعد رواج ہو گیا ہو، بہر حال اس کے متعلق علماء امت میں ایک گونہ اختلاف پایا جاتا ہے، صاحب درمختار کے نزدیک ان اوقات؛ بلکہ ہر نماز کے بعد مصافحہ درست بلکہ مستحسن ہے، اور یہی رائے اس فقیر کی بھی ہے، دلیل یہ ہے کہ مصافحہ کی فضیلت پر کثرت سے دلائل اور نصوص موجود ہیں جو تعین اوقات سے مطلق ہیں، اور چوں کہ مطلق عن الزمان کا ہر زمانہ ظرف بن سکتا ہے لہٰذا یہ اوقات بھی مصافحہ کے اوقات بن سکتے ہیں، خصوصا جب کہ مصافحہ ایک قسم کی عبادت ہے، اور عبادت کے ساتھ اگر دوسری عبادت کا الحاق کیا جائے تو اقرب الی التاثیر ہوگی، اور بعض مشائخ جیسا کہ صاحب شامی وغیرہ ہیں وہ منع کرتے ہیں، ان کی دلیل یہ ہے کہ مصافحہ اگر چہ فی نفسہ ایک مسنون فعل ہے، مگر جب اس پر مداومت کی جائے گی تو عوام کے عقیدے میں مرور زمانہ کے بعد یہ خیال داخل ہو جائے گا کہ اس مخصوص وقت میں مصافحہ شریعت میں ثابت ہوا ہے، حالانکہ قرون اولیٰ میں یا احادیث نبویہ میں اس کا ثبوت نہیں ہے، ان ہر دو اقوال کے اجتماع کے بعد یہ نتیجہ آسانی سے نکالا جا سکتا ہے کہ مصافحہ فی نفسہ مستحسن اور مسنون فعل ہے، مگر ان اوقات میں قبیح لغیرہ ہے، تو مسلمان کو خود فیصلہ کرنا چاہیے کہ اگر مصافحہ کے رواج پکڑنے سے وہ خرابی نہ آئے گی جس کی وجہ سے منع کیا جاتا ہے تو مصافحہ بہر حال کرنا چاہیے،

اوراگر مذکوراحتمال کا خطرہ قوی موجود ہوتو پھراجتناب اولیٰ ہوگا۔لان ترك سنة اولیٰ من احداث بدعة. وتفصیل المسئله فی الشامی ج ۱ / ص ۸۳۷، ج ۵ / ص ۳۳۵.

راتب اور حرکات صوفیہ کا حکم

[۱۷۷] سوال: گجرات مین چند مخصوص پیروں کے چیلے ہوتے ہیں جو اپنے اپنے جاہل پیروں کے مخصوص کھیل کود کو منظر عام پر پیش کرتے، نماز، روزہ اور ہر قسم امور شرعیہ سے پیر صاحبان اور ان کے مریدین آزاد رہتے ہیں، اور عموما شرابی، گانے بجانے والے فقیر ہوتے ہیں، ان میں ہر ایک جماعت اور ہر ایک مرشد کا الگ الگ طریقہ کار ہوتا ہے جو تقریباً مداری کے کھیل سے ملتا جلتا ہے، ان میں سے ایک جماعت ایک کھیل کرتی ہے جس کو راتب کہتے ہیں، اس میں چند ڈاڑھی منڈے مسٹنڈے جو ہر قسم شرعی اوامر ونواہی کے برخلاف عامل رہتے ہیں، علم لیکر نکلتے ہیں اور کچھ تلواریں یا دیگر دھاری دار آلوں کو ہاتھ میں لے کر میدان میں اترتے ہیں اور رفقاء کچھ مدحیہ غزلیں گا کر بجاتے رہتے ہیں درمیان میں سے ایک نکل کر تلوار کے ساتھ رقص کرتا ہوا تلوار کو اپنے جسم پر مارتا ہے جس پر کچھ اثر نہیں ہوتا ہے، اور عوام میں یہ مشہور کرتے ہیں کہ اس میں علی مرتضی یا دیگر کسی بزرگ کی روح سرایت کرگئی ہے، اس لیے تلوار اثر نہیں کرتی ہے، پس لوگ اس کو ایک متبرک فعل سمجھتے ہیں، اور اس جماعت کو اپنے اپنے مکانوں میں بالا مندرجہ طریقہ پر کھیل کراتے ہیں، جس کو وہ کار ثواب اور حاجت روائی کا ذریعہ سمجھتے ہیں تو اس کے متعلق شرعی حکم کیا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: یہ ایک گمراہ فرقہ ہے اور بعض عقائد تو کفر کے درجے تک پہنچے ہیں، اس کے باوجود خود تو گمراہ ہے، مگر دوسروں کو گمراہی اور فتنے میں ڈالتا ہے، اور فتنہ وفساد پھیلانے والے گمراہوں کے متعلق سخت وعید آئی ہے، اس لیے اول تو اس قسم کے گمراہوں کو سیدھی راہ پر لانے کی

سعی کرنی چاہیے، اور اگر یہ ممکن نہ ہو تو شہر بدر کرنا چاہیے، اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو کم از کم ان کو براجان کران سے ہر قسم کے اسلامی تعلقات بند رکھنا چاہیے۔

مشائخ امت نے ایسے گمراہوں کے متعلق بہت کچھ برائی بیان کی ہے، علامہ خیر الدین رملیؒ نے فتاوی خیریہ میں اس کے متعلق مفصل بحث کی ہے جس کے چند کلمات بطور نمونہ ذیل میں درج کئے جاتے ہیں:

سئل: فی جماعة سموا انفسهم صوفية وفقراء فلانية فا ختصوا بنوع نسبة واشتغلوا بامور لم ترد بها الشريعة المحمدية ولا الملة الاحمدية وهم جهال حتى بنواقض الوضوء ومفسدات الصلوٰة وشرائط سائر العبادات خلفة عن طريقة الاولياء والسادات وبمالهم وعليهم من المريدين بل هم بانفسهم من الضالين المضلين الجاهلين باركان الدين ويدعون انهم من عباد الله الصالحين مع كونهم مغموطين فى الجهل لدى علماء الاسلام فهل يمنعون عن ذلك لما فيه من الضرر العام ام لا؟

اجاب: نعم! يمنعون. فقد سئل بعض علمائنا عن مثل هؤلاء فقال: افتروا على الله كذبا. وسئل ان كانو زائغين عن الطريق ا لمستقيم هل ينفون من البلاد لقطع فتنتهم عن العالم؟ فقال: اما طة الاذى ابلغ فى الصيانة، وامثل فى الديانة، وتميز الخبيث من الطيب ازكى واولى، نص على ذلك فى التاتارخانية وتعرض لمثل هؤلاء كثير من الفقهاء واقاموا عليهم النكير ورموهم بما تخفف عنده صخور الجبال. والله سبحانه وتعالىٰ يصلح الاحوال.انتهى. (فتاوى خيريه ج۲/ص۱۷۶، كتاب الكراهية وفصل فى هذه الفر قة بعد ورقه ج۲/ص۱۷۹)

مصافحہ بعد نماز

[۷۷۲] سوال: بعض مقامات پر یہ دستور ہے کہ بعد صلوٰۃ صبح وعصر اور بعض مقامات میں پنجگانہ نمازوں کے بعد نمازی لوگ آپس میں مصافحہ کرتے ہیں اور آج کل ہمارے افریقہ میں اس پر مسلمانوں میں اختلاف شدید پیدا ہو گیا ہے تو اس بارے میں صحیح حکم کیا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ اس میں شک نہیں کہ نفس مصافحہ ایک مسنون فعل ہے، مگر ایک مسنون فعل میں اگر خلاف شرع وقت اور شروط کی تعین ضروری قرار دی جائے تو پھر اس مسنون فعل کا بخوف ایجاد بدعت ترک افضل ہوتا ہے، اس لیے اس مسئلہ میں علماء کا اختلاف ہے جس نے اصل جواز پر نظر کی ہے اس نے عموم حکم جواز میں جواز کا حکم دیا ہے، اور جس نے بخوف ایجاد بدعت اور بدعقیدگی جہال عدم جواز کا حکم دیا ہے اس نے دفع ضرر کو جلب منفعت سے اولویت کا حکم دیا ہے، اس لیے دونوں اقوال اپنے اپنے اصول پر درست ہیں، مگر موجودہ مسئلہ میں فریقین میں نزاع پیدا ہونا اس امر کی بین دلیل ہے کہ مقامی عوام نے مصافحہ کو اس محل میں لازمی قرار دیا ہے جو قرون اولی میں اور شریعت میں اس تخصیص کا کہیں وجود نہیں ہے؛ بلکہ شریعت میں مصافحہ کا وقت ملاقات بتلایا گیا ہے اور یہاں ملاقات تو نماز سے پہلے اکثر ہو جاتی ہے، بنا بریں موجودہ صورت میں ترک مصافحہ ہی بہتر ہے۔ اذا تـرد الحكم بين سنة وبدعة كان ترك السنة اولى. (شامی ج ۱ /ص ۶۰۰) كما افاد النووى فى اذكاره حيث قال: اعلم ان المصافحة مستحبة عند كل لقاء، واما ما اعتاده الناس من المصافحة بعد صلوٰة الصبح فلا اصل له فى الشرع على هذا الوجه؛ ولكن لاباس به، فان اصل المصافحة سنة. (الى ان قال) قال الشيخ ابو الحسن الكبرى: تقيده بما بعد الصبح والعصر على عادة كانت فى زمنه، وإلا فعقيب الصلوات كلها كذلك، كذا فى الرسالة

الشرنبلالية فى المصافحة، ونقل مثله عن الشمس الحانوتى وانه افتى به مستدلا بعموم النصوص الواردة فى مشروعيتها وهو الموافق لما ذكره الشارح من اطلاق المتون؛ لكن قد يقال ان المواظبة عليها بعد الصلوٰة خاصة قد يودى الجهلة الى اعتقاد سنيتها فى خصوص هذه المواضع، وان لها خصوصية زائدة على غيرها مع ان ظاهر كلامهم انه لم يفعله احد من السلف فى هذه المواضع.اھ. الى آخر ما فصله (الشامى ج٥/ص٣٣٦)
وكذا فى مجموع الفتاوى لعبدالحى فى الحظر والاباحة.

بچوں کا مدرسہ میں جہراً پانچوں کلمے اور سورتیں پڑھنا

[۷۷۳] سوال: بعض مدارس اسلامی میں آخری گھنٹہ میں چھوٹے بچے جمع ہوکر سب مل کر ایک آواز سے آیتیں یا پانچ کلمے پڑھتے ہیں؟ بعض حضرات نے اس پر یہ اعتراض کیا ہے کہ یہ مشاعرہ کے ساتھ یا ہندو تعلیم کے ساتھ مشابہت ہے اور قرآن کی بے ادبی ہے تو یہ درست ہے؟ اس میں صحیح قول کیا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ قرآن کریم اور دیگر اذکار میں تو اخفاء اور حضور قلبی سے پڑھنا بہتر ہے جو مذکور صورت میں نہیں، مگر یہاں بقصد ورد و تلاوت قرأت نہیں ہوتی ہے؛ بلکہ مقصد بچوں کا حفظ اور تعلیم ہوتی ہے، اور غالباً اساتذہ نے یہ ترکیب بچوں کے حفظ کی سہولت کے لیے تجویز کی ہوگی، اور تعلیم کے لیے یہ ترکیب ممنوع نہیں ہے، اس لیے معترضین کو چاہیے کہ ایک غیر ممنوع چیز؛ بلکہ جائز چیز کو ایک غیر مشروع چیز سے مشابہت نہ دیں۔ اذا دعا بالدعاء الماثور جهراً ومعه القوم ايضاً ليتعلموا الدعاء لا بأس به، وإذا تعلموا حينئذ يكون جهراً بدعة. كذا فى الوجيز. (عالمگیری ج٥/ص٣٥٣) اسی سہولت کی وجہ سے قرآن معکوس پڑھانا درست

ہے۔ (مرقات)

مرغی فارم کا پیشہ/مشین کے ذریعہ چوزے نکالنا

[۷۷۴] سوال: مرغی پالنا اور اس کو انڈوں پر بٹھلا کر اس کے بچے نکلوانا درست ہے یا نہیں؟ اور مشین کے ذریعے سے چوزے نکلوانا کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: مرغی، کبوتر یا دیگر حلال جانوروں کا پالنا مباح اور درست ہے، اور آنحضرت ﷺ کے عہد سے لے کر آج تک اس پر مسلمانوں کا بلا نکیر عمل درآمد ہے جو ایک قسم اجماع ہے، اس لیے ان جانوروں کے پالنے میں تو کسی قسم کی ممانعت نہیں، رہا انڈوں پر مرغی بٹھانا تو جب مرغی پالنا درست ہوا تو آخر اس کے بچے نکلوانا بھی درست ہے اور جب بچے نکلوانے کا معہود طریقہ یہ ہے کہ مرغی اس پر بیٹھ کر بچے نکالے تو یہ بھی درست ہے۔

رہا یہ کہ مشین میں بیضے ڈال کر اس سے بچے نکالنا کیسا ہے؟ تو اگرچہ یہ جزئیہ کتابوں میں ملنا دشوار ہے کیوں کہ یہ حوادث الفتاویٰ کی قسم سے ہے لیکن بظاہر اس میں کسی قسم کی ممانعت معلوم نہیں ہوتی ہے، اس کے جواز کی ایک دلیل میری سمجھ میں جو آئی ہے وہ یہ ہے کہ ریشم کے کیڑوں اور اس کے تخم (بیضوں) کا بیچنا بقول مفتیٰ بہ درست ہے، اور ان بیضوں کو جو مال منتفع بہ بنایا گیا ہے وہ اس لیے کہ بعد میں بچے ہوں گے اور ان سے ریشم نکلے گا، اور ان سے بچے پیدا ہونے کی ایک ہی صورت ہے کہ ان بیضوں کو ایک تھیلا میں ڈال کر اکثر تو یہ کہ عورتیں اپنے بغل کے نیچے پندرہ یوم تک موسم بہار میں لٹکائے رکھتی ہیں، اور بہت کم مرد بھی اس تھیلا کو بغل میں دبا لیتے ہیں، اب بغل کی گرمی سے وہ بیضے سی جاتے ہیں یا بالفاظ دیگر ان پر عورتیں یا مرد کُڑک ہو جاتے ہیں اور جس طرح مرغی اپنے سینے کی گرمی سے بیضے سی لیتی ہے اسی طرح یہ بیضے عورتیں اور مرد سی لیتے ہیں اور یہ عمل تمام

چین، بخارا، ترکستان وغیرہ میں رائج ہے، اور جن علماء نے ان بیضوں کی خرید وفروخت کو جائز کہا ہے انہوں نے یہ عمل دیکھ لیا ہے، ورنہ تو اس کی مالیت کا حکم نہ دیتے، اس نظیر سے دونوں مسئلوں کا جواب نکلتا ہے کہ بیضوں پر جب انسان کا بٹھانا درست ہوا تو مرغی کے بٹھانے میں کیا قباحت تھی؛ نیز جب کہ بغل کی گرمی سے بچہ پیدا کرنا درست ہوا تو مشین کی گرمی سے بھی جائز ہوا۔

قال في المجتبى: رامزاً لا بأس بحبس الطيور والدجاج في بيته لكن يعلفها وهو خير من ارسالها في السكك. (شامي ج٥/ص٣٥٣) وفي بيع دود القز الفتوى على قول محمد انه يجوز وفي بذر القز على قولهما يجوز وعليه الفتوىٰ. (خلاصة ج٣/ص٣٨، عالمگیری ج٣/ص١١٤)

کن دنوں جماع منع ہے اور کن دنوں اچھا ہے؟

[۵۷۷] سوال: اپنی منکوحہ سے کون کون سے مہینے اور کون کون سے ایام میں جماع جائز ہے اور کون سے میں منع ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ شرعی ممانعت یعنی حیض، نفاس، صوم فرض، احرام، نماز فرض کے علاوہ شریعت میں جماع کے جواز وعدم جواز کے لیے کوئی مہینہ یا یوم مقرر نہیں؛ بلکہ زوجین کی اہلیت اور خواہش کے مطابق جب چاہیں تنہائی میں جماع کر سکتے ہیں؛ البتہ بعض امور مثلاً گھر میں سمجھدار انسان کی موجودگی بھی مانع ہے مگر یہ قبیح لغیرہ ہے، یعنی بے حیائی اور بے پردگی ہے، ورنہ نفس جماع منع نہیں، یہ تو ہوا شرعی پہلو، اس کے ساتھ امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں اور صاحب شرح شرعۃ الاسلام نے آداب جماع کے ماتحت کچھ ایام کی تخصیص بیان کی ہے وہ اگرچہ جواز وعدم جواز کے متعلق تو نہیں، مگر بہتر اور اولیٰ ضرور ہے، مثلاً بہتر ایام میں سے جماع کے لیے شبِ جمعہ ہے، چنانچہ

احادیث سے بھی اس کا ثبوت ہے، یا مثلاً ہر ماہ میں تین یوم جماع کرنا یعنی اول، درمیان، آخر یا احتلام کے بعد جب تک ذکر نہ دھوئے تو جماع نہ کرنا وغیرہ۔ والمانع صوم رمضان واحرام فرض ونفل وحيض ونفاس وفرض صلوٰة. (مجمع الانهر ج ١ /ص ١٧٥) قاضيخان (كراهية) قال فى الاحياء: و يكره له الجماع فى ثلث ليال من الشهر الأول والآخر والنصف. وروى كراهية ذلك عن على ومعاوية وابى هريرة، ولا يجامعها بعد الاحتلام حتى يغسل فرجه، ومن العلماء من استحب الجماع يو م الجمعة تحقيقا لأحد التاويلين من قوله :من غسل واغتسل.(الحديث)(شرح شرعة الاسلام ج ٥ /ص ٤٤٦)

ابن مامون نے اس کے متعلق ایک منظوم رسالہ لکھا ہے جو شرح کے ساتھ مصر میں چھپا ہے جس کے چند اشعار حسب ذیل ہیں:

القول فى الجماع والاوقات　مهذب التعبير فى الابيات
فى كل ساعة من الايام　من غير ما ياتيك فى ا نتظام
يجوز فيه الوطأ يا ذا الشان　كما اتى فى سورة الاعوان
و منعه فى ا لحيض والنفاس　وضيق وقت الفرض التباس
و ليلة الاضحى على المشهو ر　كا لليلة الا ولى من الشهور
وضيف اليها نصف كل شهر　وآخر الليالى منه فَاَ دُرِ
واحذر من الجماع فى حال الظمأ　والجو ع صاح هاكه منظما
والغيظ والفرح كذاك وردا　و الشبع و السهر كذاك مسندا
و القىء و الاسهال فى النظام　كذا خروجك من الحمام
او قبله كالتعب و الحجامة　فعوا و حققوا بلا ملامة

قرة العيون بشرح نظم ابن مامون (ص٤٤ مصرى)

کافر کو نوکر رکھنے والے کے گھر کی دعوت

[٧٧٦] سوال: ایک مسلمان کے گھر کافر نوکر ہے جو اس کا کھانا تیار کرتا ہے، اور اس کے برتنوں میں کھاتا پیتا ہے تو ایسے مسلمان کے گھر کھانا درست ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ ہاں درست ہے، کیوں کہ جب خود کافر کے گھر کھانا پینا درست ہے جب تک یہ یقین نہ ہو کہ کوئی حرام یا ناپاک چیز کھلا رہا ہے، تو مسلم کے گھر کافر کے ہاتھ سے بطریق اولی کھانا پینا درست ہوگا۔ ولا بأس بطعام المجوس كله الا الذبيحة.اھ. (عالمگیری ج٥ /ص٣٤٧)

مسلمانوں سے دشمنی اور کافروں سے دوستی رکھنا

[٧٧٧] سوال: ایک مسلمان مسلمانوں کا ساتھ چھوڑ کر کافروں سے میل جول رکھتا ہے اور مسلمانوں کو تباہ وبرباد کرنا چاہتا ہے تو یہ شخص اسلام سے خارج ہے کہ نہیں؟

الجواب: وباللہ التوفیق؛ کافروں سے دوستی اور مسلمانوں سے عداوت اور نیز مسلمانوں کی تباہی و بربادی کی سعی، یہ تمام باتیں سخت مذموم اور موجب گناہ کبیرہ ہیں۔ تاہم ایک مسلمان سے جب تک ایسا فعل یا اعتقاد ظاہر نہ ہوا ہو جو موجب کفر ہو تو شرعاً اس پر کفر کا حکم نہیں لگا سکتے ہیں۔ حاطب ابن ابی بلتعہ کا واقعہ اسی طرح ہے اور حالانکہ اس کو قرآن پاک میں 'آمنوا' سے خطاب کیا گیا ہے۔ قال الله تعالىٰ يا ايها الذين آمنوا لا تتخذوا عدوى و عدوكم اولياء. الآية لا يتخذ المؤمنون الكٰفرين اولياء من دون المؤمنين الآية (آل عمران پ٣)

چونکہ ہندوستان میں مسلمانوں کے پاس ایسی قانونی طاقت نہیں ہے کہ مرتدین اور بددینوں کو راہ راست پر لانے کے لئے استعمال کرسکیں؛ اس لئے شخص مذکور اور نیز ہر وہ شخص جو ضروریات دین کو بجا نہ لاتا ہو یا انکار کرتا ہو ان کے متعلق مسلمانوں کا فرض ہے کہ نہایت ہوشیاری

اور نرمی سے اسلامی ضروریات کی پابندی کی طرف ان گمراہوں کو ترغیب دیا کریں اور ہر مسلمان اس کو اپنا فرض سمجھیں کہ مسلمان بھائی کو جہنم سے چھڑانے کے لئے ہر ممکن سعی استعمال کریں۔ اللھم اھد قومی فانھم لا یعلمون۔ (الحدیث) المسلم اخو المسلم لا یظلمه و لا یخذله و لا یحقره، بحسب امرأ من الشر ان یحقر اخاه المسلم۔ کل مسلم علی المسلم حرام دمه و ماله و عرضه۔ رواه مسلم (مشکوۃ ص۴۲۲)

جادو منتر کا عقیدہ رکھنا

[۷۷۸] سوال: ایک شخص پنج وقتہ نماز پڑھنے والا مسلمان ہے مگر اس کے ساتھ جادو منتر اور ہندوانی طریقوں پر آیات قرآنی سے زیادہ اعتماد کرتا ہے تو اس کے لیے کیا حکم ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: پنجوقتہ نماز کی پابندی سے تو معلوم ہوتا ہے کہ وہ قرآن پر پختہ یقین رکھتا ہے، صرف جادو منتر کو شیطانی اثرات کے اعتبار سے زود اثر خیال کرتا تو اگر ایسا ہے تو ممنوع ہے، اور اگر جادو منتر کو آیات قرآنی سے افضل جانتا ہے تو یہ مستوجب کفر ہے جس سے توبہ لازم ہے۔

تلاوت کرنے والے سے اوپر بیٹھنا

[۷۷۹] سوال: نیچے قرآن شریف کی تلاوت ہوتی ہو تو اس کے اوپر بیٹھنا اور لیٹنا کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: نیچے اگر نفس تلاوت ہوتی ہو تو اوپر بیٹھنے میں ممانعت نہیں، ہاں قرآن شریف نیچے رکھا ہو تو اس سے اوپر بیٹھنا خلاف ادب ہے۔

ایک مشت سے لمبی داڑھی رکھنا

[۷۸۰] سوال: ایک مولوی صاحب قبضہ سے زائد ڈاڑھی رکھنے کو حرام کہتا ہے تو کیا یہ صحیح ہے؟ اور زائد کاٹنا کیسا ہے؟ اور نہ کاٹنا کیسا ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: قبضہ سے زائد کترنا مسنون ہے، مگر واجب نہیں، کیوں کہ واجب وہ ہے کہ

دلیل قطعی سے ثابت ہو جس کا تارک گنہگار ہوتا ہے، مگر اس طور سے دلیل نہیں ہے، ہاں امام محمد نے امام صاحب سے ایک اثر کتاب الآثار میں نقل کیا ہے جس سے زیادہ سے زیادہ مسنونیت تو نکلتی ہے مگر وجوب نہیں نکلتا ہے؛ نیز اس مقام پر جو اقوال فقہاء موجود ہیں وہ لفظ "لابأس" کے ساتھ منقول ہیں جس سے جانب مخالف کا جواز بھی نکلتا ہے، اور وجوب میں یہ صفت نہیں پائی جاتی ہے، ان فقہاء میں صرف درمختار والے نے نہایہ سے لفظ وجوب نقل کیا ہے جو درمختار کتاب الصوم میں موجود ہے، مگر اس لفظ کی تاویل خود صاحب درمختار نے کی ہے، اور شامی نے اس کی تائید کی ہے، اس لیے مذکورہ مسئلہ میں یہی جواب ٹھیک ہے کہ قبضہ سے زائد کترنا مسنون ہے اور قبضہ سے کم کترنا حرام ہے، اور قبضہ سے زائد چھوڑنا با کراہت تنزیہی جائز ہے۔ کذا یستفاد من العالمگیریہ ج ۲ /ص ۳۵۸) و الشامی ص ۱۵۵ وقد نقلت عباراتھما فیما مر.

اسامہ بن عمرؓ کے واقعہ کا موضوع ہونا

[۷۸۱] سوال: حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے لڑکے اسامہ کے متعلق مولود خواں لوگ پڑھتے ہیں کہ اس نے زنا کیا تھا، تو عمر رضی اللہ عنہ نے قتل کا حکم دیا تھا؟ یہ صحیح ہے؟

الجواب: وباللہ التوفیق: کسی معتبر کتاب میں نظر سے نہیں گزرا ہے، ہاں مولانا اشرف علی صاحب نے امداد الفتاوی ج ۵/ص ۳۷۱ میں "لآلی المصنوعة ج ٤ /ص کتاب الاحکام والحدود" سے اس قصہ کو موضوع لکھا ہے؛ البتہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا ایک لڑکا جس کا نام عبد الرحمٰن اوسط جس کی کنیت ابوشحمہ تھی، مصر میں نبیذ پینے پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا حد لگانا لکھا ہے۔

☆...... تمت ......☆

جامعہ حسینیہ راندیر

جامعہ حسینیہ محمدیہ اسلامیہ، راندیر، سورت جس کو حضرت مولانا حسین بن مولانا قاری اسماعیلؒ نے اشاعت اسلام وترویج اسلام وترویج سنت نبویہ واصلاح اخلاق عامۃ المسلمین کے لئے عموماً اور گجرات کے مسلمانوں میں تعلیم پھیلانے کے لئے خصوصاً ۱۳۳۵ھ مطابق ۱۹۱۷ء میں قائم کیا تھا جو نہایت کامیابی سے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور مسلمانوں کی امداد واعانت پت جاری ہے۔ ادامھا اللہ تعالیٰ